بانی مدیرہ ــــ زیب النساء

مدیر اعلیٰ ــــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ــــ قیصر آرا

مدیر خصوصی ــــ طاہر احمد قریشی

مدیرہ معاونین ــــ جویریہ احمد

روشین احمد

جلد	37
شمارہ	07
اکتوبر	2015

ماہنامہ آنچل کراچی

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

info@aanchal.com.pk

/women.magazine

/pkwomenmagazine

اس شمارے میں

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

بہنوں کی عدالت

سروے

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن / ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی / دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی ۔ 74400

سرورق: عشا خان ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

قربانی کرنے والوں کو قربانی کی جانور کی ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے۔ (ترمذی)
جو حج کے ارادے سے نکلا پھر مرگیا اللہ سبحان وتعالیٰ قیامت تک اس کے لیے حج کا ثواب لکھیں گے۔ (مسلم، ترمذی)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
اکتوبر ۲۰۱۵ء کا آنچل بطور عید الاضحیٰ نمبر حاضر مطالعہ ہے۔

جس وقت آپ یہ سطور پڑھ رہی ہوں گی عید قرباں کی ساعتیں آ چکی ہوں گی اور آپ قربانی کے گوشت سے بھرے ڈیپ فریزر کو دیکھ دیکھ کر نئی نئی ڈشوں کے پروگرام بنا رہی ہوں گی (معذرت کے ساتھ) کیونکہ انسان انتہائی ناشکرا، پرلے درجے کا ندیدہ ہے۔ ورنہ عید الاضحیٰ تو صبر، ایثار و قربانی کا درس دیتی ہے۔ آپ دیکھیں کہ حج کے ہر رکن کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے صبر، استقامت اور اطاعت کا جذبہ رکھا ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے بے حال حضرت حاجرہ علیہ السلام کا صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے حج کا رکن بنا دیا۔ یہ صبر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کی استقامت تھی کہ وہ لق و دق صحرا میں پینے کو پانی اور خوراک مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کا ارادہ و عمل اس کے حکم کی اطاعت، حلال جانوروں کی قربانی، یہ سب اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال ہی تو ہیں مگر آج ہم نے ان اعمال کو مذاق بنالیا ہے ہم میں کتنے ایسے ہیں جو ان اعمال کی روح کو سمجھتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم پورے کا پورا بکرا فریج اور ڈیپ فریزر میں بھرلیں چاہے ہمارا پڑوسی اس روز بھی بھوکا رہے اور اس کے گھر کا چولہا بجھا رہے تو بہنوں آپ عید کے روز نت نئی ڈشیں ضرور ٹرائی کریں نئے نئے کھانوں کی ترکیبیں آپ کو آنچل میں بھی مل جائیں گی لیکن خدارا اپنے غریب پڑوسیوں، عزیز و اقارب کے حقوق کا احساس ضرور رکھیں۔

ان شاء اللہ تعالیٰ نومبر میں ماہنامہ "حجاب" کا پہلا شمارہ آپ بہنوں کے ہاتھ میں ہوگا۔

اس ماہ کے ستارے

☆ ترے عشق نچایا — محبت کے رنگ اجاگر کرتا نگہت عبداللہ کا انوکھا ناولٹ، محبت کرنے والوں کیلئے بطور خاص۔

☆ مائے نی میں کنوں آکھاں — دکھوں کے سمندر میں غوطے کھاتی لڑکی کا فسانہ، نازیہ کنول نازی کے قلم سے خوب صورت مکمل ناول۔

☆ اور سفر کتنا باقی ہے — زندگی کی مسافت محبت کے جذبوں کو شکست نہیں دے سکتی، سیدہ ضو بار یہ اپنے منفرد انداز تحریر کے ساتھ محفل میں حاضر ہیں۔

☆ میرا روٹھا صنم — محبت کو مذاق قرار دینے والوں کا قصہ، نادیہ فاطمہ کا سچے جذبوں کا عکاس ناولٹ۔

☆ میرا نور بصیرت عام کردے — زندگی کی دوڑ میں انسان بہت کچھ بھول گیا ہے طلعت نظامی کے تجربہ کار قلم سے خوب صورت افسانہ۔

☆ تیرا عکس میرے روبرو — اپنے آپ سے ناراض دوشیزہ کا خوب صورت افسانہ نزہت جبیں ضیاء کے قلم سے۔

☆ زبان دراز — سچ کے سفر میں ٹھوکریں کھاتی لڑکی کا قصہ، جسے لوگوں نے زبان دراز قرار دے دیا تھا صدف آصف کی خوب صورت تحریر۔

☆ اے جذبہ دل — دل میں چھپے جذبوں کو آشکار کرتی رشک حبیبہ محفل میں موجود ہیں۔

☆ نوازشوں کی تو کمی نہیں — اس میں کوئی شک نہیں اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں، سچے جذبوں پر مبنی حمیرا نوشین کی تحریر۔

☆ بابُل کا انگنا — بابل کے گھر سے رخصت ہو کر سسرال کو اپنا گھر سمجھنے والی فرح طاہر کی منفرد تحریر۔

☆ مجسمہ ساز — اپنے تئیں خدا بن جانے والے کا قصہ پر درد، سمعیہ عثمان پہلی بار محفل میں موجود ہیں۔

☆ قربانی — قربانی کے مفہوم سے روشناس کراتی ام ایمن نعیم پہلی بار محفل میں موجود ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

اسی کا حکم جاری ہے زمینوں آسمانوں میں
اور اُن کے درمیاں جو ہیں مکینوں اور مکانوں میں

ہوا چلتی ہے باغوں میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے، چاند سورج ہیں سبھی اس کے نشانوں میں

اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منزل خواب ہستی کی
وہ نام اک حرف نورانی ہے ظلمت کے جہانوں میں

اسی کے پاس اسرار جہاں کا علم ہے سارا
وہی برپا کرے گا حشر آخر کے زمانوں میں

وہ کر سکتا ہے جو چاہے وہ ہر اک شے پہ قادر ہے
وہ سن سکتا ہے رازوں کو جو ہیں دل کے خزانوں میں

بچا لیتا ہے اپنے دوستوں کو خوف باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو مہکتے گلستانوں میں

منیر اس حمد سے رتبہ عجب حاصل ہوا تجھ کو
نظیر اس کی ملے شاید پرانی داستانوں میں

منیر نیازی

لفظ کے بس میں نہ تھا عرضِ تمنا کرنا
راس آیا مجھے اشکوں کو وسیلہ کرنا

ان کے دامن بھی مرادوں سے وہی بھرتے ہیں
عمر بھر جن کو نہیں آیا تقاضا کرنا

میرے غم خانے کو ہے ان کی توجہ درکار
جن کو آتا ہے تبسم سے اجالا کرنا

خُلق کو درجۂ معراج پہ کرنا فائز
اور اس کے لیے ہر رنج گوارا کرنا

ہٹ کے طیبہ سے مضافات میں بارش ہونا
ابر کا آپ ﷺ کے ارشاد کو پورا کرنا

پتھروں اور درختوں کا سلامی دینا
شب کے اک حصے میں افلاک کا دورہ کرنا

تیرے محبوب ﷺ سے منسوب ہے تائب یا رب
سرِ محشر اسے خلقت میں نہ رسوا کرنا

پروفیسر حفیظ تائب

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

انیلہ سخاوت...... میانوالی

ڈیئر انیلہ! جگ جگ جیو شکایت سے بھرا آپ کا خط موصول ہوا اب تک ہمیں آپ کی صرف ایک ہی تحریر "تپتی چھاؤں" موصول ہوئی' باقی دو تحریریں غالباً محکمہ ڈاک کی نذر ہوگئی ہیں۔ تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے' اس لیے دل برداشتہ ہونے کے بجائے مطالعہ کے ساتھ محنت جاری رکھیں۔ باقی آپ کی نظمیں متعلقہ شعبہ کو ارسال کردی ہیں' اگر معیاری ہوئیں تو ان شاء اللہ باری آنے پر اپنی جگہ ضرور بنالیں گی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

زینب اصغر مغل...... خان پور

پیاری زینب! سدا سہاگن رہو' اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ کو ماں جیسے عظیم رتبہ پر فائز کرکے اپنی نعمت سے نوازا آپ کو ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ڈھیروں ڈھیر خوشیاں اور صحت عطا فرمائیں اور جو بہنیں اس نعمت سے محروم ہیں' ان کے دامن میں بھی اولاد جیسی نعمت اپنی رحمت سے عطا فرمائیں آمین۔

حمیرا قریشی...... لاہور

ڈیئر حمیرا! سدا مسکراؤ' آپ کے خط کا جواب شامل نہ کرسکے لیکن بے فکر رہیے وہ ہماری توجہ کا طالب ضرور بنا تھا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کا دامن خوشیوں سے بھردے جہاں تک آپ کی تحریروں کا سوال ہے "شب غم اگر ڈھلتی" یہ تحریر قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری جبکہ آپ کی دوسری تحریر کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ آپ کی پہلی تحریر ان شاء اللہ جلد آنچل پر اپنی جگہ بنالے گی' بے فکر رہیے۔

بشریٰ رانا...... بڈالی

پیاری بشریٰ! سدا مسکراؤ' پہلی بار بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ رسالے کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ' تمام سلسلے وار ناول کتابی شکل میں موجود ہیں آپ آفس کے نمبر پر رابطہ کرکے تمام معلومات حاصل کرسکتی ہیں۔

سعیدہ...... نامعلوم

اچھی سعیدہ! سدا شاد رہو' آپ اپنا افسانہ بتائے گئے طریقہ کار کے مطابق لکھ کر ارسال کردیں' شعر اگر لکھنا چاہیں تو لکھ دیں ورنہ کہانی کے منتخب ہوجانے کے بعد یہ کام ادارہ خود ہی کرلیتا ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ماریہ کنول ماہی...... گوجرانوالہ

گڑیا ماریہ! جیتی رہو' ناکامی کے خوف کو دل سے نکال دیں' آپ نے رد ہونے کے باوجود کوشش جاری رکھی یہ اچھی بات ہے اگر تحریر رد بھی ہوتی ہے تو آپ کو غلطیوں سے آگاہی تو مل جاتی ہے جس کی بناء پر آپ اپنی تحریر میں مزید نکھار لاسکتی ہیں۔ تعارف ان شاء اللہ جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

تمنا بلوچ...... ڈی آئی خان

پیاری تمنا! سدا آباد رہو' پیغامات ہر ماہ کثیر تعداد میں موصول ہوتے ہیں ایسے میں سب کی شرکت تو غیر یقینی ہوتی ہے بہرحال کوشش کریں گے کہ آپ کا پیغام شامل ہوسکے۔ سمیرا شریف طور کا ناول آپ کو مکتبہ القریش لاہور سے مل جائے گا یا پھر آپ دفتر کے نمبر کا فون کرکے پوچھ سکتی ہیں۔

شازیہ اختر شازی...... نور پور

گڑیا شازی! سدا مسکراؤ' آپ سے پہلی ملاقات اچھی لگی لیکن آپ کی والدہ کی علالت کے متعلق جان کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ بے شک والدین کا سایہ عظیم نعمت ہے' ماں کی موجودگی ہی گھر کو جنت کا نمونہ بنادیتی

ہے‘ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ عطا فرمائیں اور ان کا سایہ تاحیات آپ کے سروں پر قائم و دائم رکھیں آمین۔

پارس فضل ...... نامعلوم

ڈیئر پارس! جیتی رہو‘ ہماری جانب سے آپ کو بھی عیدالاضحیٰ کی ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کا شکوہ بالکل بیجا ہے، جو چیز معیاری ہوتی ہے اس کے رد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے مستقل قارئین جن کی نگارشات ہر ماہ شائع ہوتی ہیں وہ بھی آپ قارئین کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی شامل کی جاتی ہیں۔ آپ اس بدگمانی کو دور کردیجیے‘ حجاب ان شاء اللہ نومبر میں آپ کی دسترس میں ہوگا۔

مہوش کلی ...... بورے والا

پیاری مہوش! سدا آباد رہو‘ آپ کی شاعری متعلقہ شعبے کو ارسال کردی گئی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ آپ پہلے اپنا افسانہ ارسال کردیں تاکہ آپ کے انداز تحریر کا اندازہ ہوسکے۔

تہمینہ خان ہنی ...... ٹوپی

ڈیئر ہنی! شاد و آباد رہو‘ پانچ سال کی خاموشی توڑ کر آپ نے خوب صورت الفاظ کے ذریعے ہم سے رابطہ استوار کیا یہ نصف ملاقات بہت اچھی لگی۔ آپ کا افسانہ اگر معیاری ہوا تو ضرور آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنالے گا ہم آپ کے تبصرے کے منتظر رہیں گے۔

مدیحہ شفیع ...... بورے والا

ڈیئر مدیحہ! جیتی رہو‘ آپ کا تفصیلی خط پڑھ کر جہاں آپ کے لکھنے کے شوق کا پتا چلا وہیں آپ کے ایک ماہ کے بھانجے کی رحلت کا پڑھ کر دل بے حد رنجیدہ ہوا۔ اس نوخیز کلی کا یوں اچانک خزاں کی نذر ہوجانا بے شک آپ سب کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ ان کے والدین اور آپ سب کو صبر و ہمت عطا فرمائے اور آپ کو بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے آمین۔

حافظہ صائمہ کشف ...... نامعلوم

گڑیا صائمہ! سلامت رہو آپ کا شکوہ بالکل بجا ہے انتظار کی گھڑیاں طویل اور کٹھن ہوتی ہیں لیکن تعارف کے شائع ہونے میں ٹائم لگتا ہے۔ ہمارے پاس کثیر تعداد میں آپ بہنوں کے تعارف موجود ہیں‘ تبصرہ اگر ہر ماہ کی ۷ تاریخ تک موصول ہوجائے تو لگانے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے‘ البتہ جب آپ کا تبصرہ تاخیر سے موصول ہو تو ہم کیونکر لگا سکتے ہیں‘ امید ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی اور خفگی بھی دور ہوجائے گی۔

عقیلہ رضی ...... فیصل آباد

پیاری عقیلہ! جگ جگ جیو‘ آپ کے مفصل خط سے اندازہ ہوا کہ آپ نہایت سمجھدار اور حساس ہیں‘ بے شک آپ کے والدین کا فیصلہ آپ کے لیے بہت بہترین ثابت ہوگا پھر والدین کی رضا میں اللہ کی رضا بھی ہے جب ہی آپ کا دل بھی مطمئن ہے لوگوں کا کام باتیں بنانا ہے‘ آپ ان باتوں پر غور نہ کریں تمام معاملات اللہ سبحان و تعالیٰ کے سپرد کرکے اس کے مزید قریب ہو جائیں۔ آپ کی سوچ بہت عمدہ اور بہترین ہے لہٰذا دوسروں کی باتوں میں آکر احساس کمتری کا شکار ہرگز مت ہوں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو زندگی میں اتنی خوشیاں نصیب فرمائے کہ سب کے خدشات غلط ثابت ہوجائیں۔ آپ ابتدا میں اپنا افسانہ ارسال کردیں‘ منی آرڈر کے لیے معلومات آفس کے نمبر پر رابطہ کرکے حاصل کرلیں۔

سید عبادت کاظمی ...... ڈیرہ اسماعیل خان

اچھی بہن! جگ جگ جیو‘ آنچل سے آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ آنچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ‘ سباس گل تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں تو ضرور اپنا شوق پورا کریں‘ اپنا کوئی مختصر افسانہ ارسال کریں اگر معیاری ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

عاصمہ ابراہیم...... خانیوال

ڈیئر عاصمہ! خوش رہو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید آنچل کو پسند کرنے اور اسے سراہنے کا بے حد شکریہ۔ آپ کی یہی محبت و چاہت بھرے الفاظ ہمیں بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن رکھتے ہیں۔

ام کلثوم...... نامعلوم

عزیزی بہن! شاد و آباد رہو ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کے گاؤں تک پرچہ نہیں پہنچ پاتا لیکن پھر بھی آپ اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور آنچل سے تعلق استوار کیے ہوئے ہیں یہ بات بے حد خوش آئند ہے۔ آپ کی نگارشات شائع کرنے کی پوری کوشش کریں گے ہمیں اس بات کا اندازہ ہے کہ آپ کو یہاں تک اپنی ڈاک پہنچانے میں کس قدر مشکلات کا سامنا ہوتا ہوگا' آپ مختصر و دلچسپ پیرائے میں اپنا تعارف لکھ کر ارسال کریں جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔

ندا علی عباس...... سوہا وہ گجر خان

ڈیئر ندا! سدا خوش رہو آپ کا شکوہ بجا ہے لیکن ہمارے پاس ہر ماہ کثیر تعداد میں خط موصول ہوتے ہیں جو سب ہی جواب طلب ہوتے ہیں جبکہ صفحات کی کمیابی کی بناء پر سب کو شامل کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے آپ بہنوں کو گلہ ہوتا ہے بہرحال اس بار آپ کے خط کا جواب حاضر ہے امید ہے خفگی دور ہو جائے گی۔ نازیہ اور سمیرا کے لیے آپ ''دوست کا پیغام'' میں اپنا پیغام بھیج سکتی ہیں۔

ثوبیہ ملک...... کراچی

ثوبی ڈیئر! شاد رہو چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا آپ کا یہ تعریفی و توصیفی انداز بے اختیار خود پر فخر محسوس ہوا۔ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہر بار پرچہ آپ کو پسند آئے اور آپ کے یہی تعریفی کلمات ہمیں بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن رکھتے ہیں۔ ہماری جانب سے آپ کو بھی عید کی پیشگی مبارک باد دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ہیر بوچ...... نامعلوم

گڑیا ہیر! آپ کا مفصل خط پڑھ کر بے حد اچھا لگا' بے شک خطوط کی کثیر تعداد ہوتی ہے لیکن ہمیں انہی سے آپ کی چاہت و خلوص کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کی سطور سے اندازہ ہوا کہ آپ کا مطالعہ و مشاہدہ کافی وسیع اور درست ہے' آپ کے اسم گرامی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اشعار ایک ہی صفحے پر لکھ کر ارسال کردیں۔

این اے صنم...... نواب شاہ

عزیزی صنم! شاد و آباد رہو' خفگی و ناراضگی سے بھرپور آپ کا خط موصول ہوا' آپ کی شاعری متعلقہ شعبے کو ارسال کردی جاتی ہے رد و قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے اگر آپ کی شاعری معیاری ہوئی تو ضرور آپ کا نام آنچل کے صفحات پر روشن کردے گی' امید ہے تشفی ہو پائے گی۔

شیریں گل...... ٹمن' تلہ گنگ

اچھی شیریں! مانند گل مہکتی رہو دو ماہ کے طویل عرصہ بعد آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی۔ آپ نے اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھا' جزاک اللہ۔ بے شک والدین کے بغیر خوشیاں بھی ادھوری محسوس ہوتی ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور آپ کے اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا فرمائیں آمین۔

ارم کمال...... فیصل آباد

عزیزی ارم! سدا سہاگن رہو آپ کا کہنا بالکل بجا ہے' مہنگائی کے اس دور میں غریب تو چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے بھی محروم ہوگئے ہیں۔ تہوار اور خوشیوں کے ان مواقع پر بھی غم روزگار میں الجھے نظر آتے ہیں' نازیہ تک آپ کی دعائیں پہنچا رہے ہیں۔ ہماری جانب سے آپ کو بھی عید الاضحیٰ مبارک ہو۔

حافظہ سمیرا...... نامعلوم

ڈیئر سمیرا! سدا سہاگن رہو سب سے پہلے تو ہماری

جانب سے شادی کی ڈھیروں مبارک باد قبول کیجیے۔ بے شک آپ کی مصروفیات بڑھ گئی ہوں گی آپ نے ان مصروف زندگی سے چند پل آنچل کے لیے نکالے بے حد اچھا لگا' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو سدا کامیاب وکامران رکھیں آمین۔

عائشہ اختر بٹ...... نامعلوم

ڈیئر عائشہ! خوش وخرم رہو' آپ کا تفصیلی خط پڑھ کر آپ کے تمام حالات کا اندازہ ہوا' اگر ہمارے الفاظ آپ کے لیے باعث تشفی بنتے آپ کے دکھ درد کو بٹانے کا سبب بنتے ہیں تو بے شک آپ کے یہ الفاظ ہمارے لیے قابل فخر اور باعث رشک ہیں۔ بہرحال مایوس مت ہوں اس مشکل کی گھڑی کو اللہ سبحان وتعالیٰ کی آزمائش سمجھتے ہوئے اپنے ربّ سے قریب ہوجائیں' بے شک وہی سب مشکلوں کو آسان کرنے والا ہے۔ نازیہ اور سمیرا تک آپ کی مبارک باد ان سطور کے ذریعے پہنچارہے ہیں۔ آپ کا تبصرہ بے حد اچھا اور مکمل ہے لیکن تبصرہ کے لیے الگ سے صفحے کا استعمال کریں' اس طرح سے ڈاک ضائع ہوجاتی ہے۔

شہزادی...... راولپنڈی

پیاری شہزادی! سدا آباد رہو' آنچل اور ٹائٹل پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ آپ کی نظم غزل متعلقہ شعبے کو ارسال کردی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر لگ جائے گی۔ شہزادی صاحبہ اب اپنی خفگی دور کرلیجیے کیونکہ آپ کے شکوہ کا جواب حاضر ہے۔

سونیا محمد حنیف...... نامعلوم

ڈیئر سونیا! سدا مسکراؤ' آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ کی نگارشات سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے اس کے کسی سلسلے میں شرکت کے لیے آپ کو اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے لیکن آئندہ شہر کا نام ضرور لکھیئے گا۔ اس بار آپ نے خط کے ساتھ ہی غزل بھی لکھ دی ہے' اب یہ غزل متعلقہ شعبے میں کیسے ارسال کرسکتے ہیں' اس لیے آئندہ خیال رکھیے گا۔

دیا احمد...... چکوال

ڈیئر دیا! آباد رہو' آپ کی تحریر "م سے مسجدم سے مند" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے لیکن آپ موضوع سے انصاف نہیں کر پائیں اس لیے آپ اسے بے جا طوالت کے ساتھ الجھا گئیں۔ مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ کوشش جاری رکھیں اور پہلے موضوع کا انتخاب کرکے مختصر تحریر سے جگہ بنائیں اس کے بعد ناول کی طرف آیئے گا۔

لائبہ میر...... حضرو

گڑیا لائبہ! سدا مسکراؤ' آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ بہت کچھ کرنا چاہتی ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے تمام خوابوں کو آپ کے حق میں بہتر بنا کر پورا کریں' آمین۔ ٹائٹل اور آنچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

عزیزی کوثر! آباد رہو' خلوص واپنائیت کی خوش بو لیے آپ کا نامہ موصول ہوا' آپ کا برجستہ انداز گفتگو بہت ہی خوب صورت ہے' لگتا ہے بالمشافہ بات کررہے ہیں۔ آپ کی اس قدر دعائیں ہماری ذات کو معتبر کردیتی ہیں' جزاک اللہ۔ بے شک آپ کی سوانح عمری قابل داد اور لائق تحسین ہوگی۔ حمد کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد' آپ کے سارے خواب وآرزوئیں پایہ تکمیل تک پہنچیں' آمین۔ آپ کی شاعری دسمبر کے شمارے میں لگانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

نرگس شہزادی...... فیصل آباد

ڈیئر نرگس! شاد و پھولوں کی طرح مہکتی رہو' آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی آپ نے ہماری جن غلطیوں کی طرف نشان دہی کی ہے اس کے لیے شکریہ۔ یہ ماہنامہ آپ بہنوں کے لیے ہی ہے اور ہماری کوشش بھی یہ ہی ہے کہ اسے بہتر سے بہتر بنا کر آپ کے سامنے لائیں ان شاء اللہ آئندہ آپ کو ایسی غلطیاں نظر نہیں آئیں گی۔

فرح جبیں...... آزاد کشمیر

پیاری فرح! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ''سرپرائز'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کے ساتھ مطالعہ کی ضرورت ہے اس لیے کوشش جاری رکھیں اور ناامید ہونے کی بجائے اپنا مطالعہ وسیع کریں تاکہ آپ کے لکھنے میں نکھار آسکے اس کے لیے آپ کو اپنے مطالعہ میں نام ور لکھاریوں کے ناولز شامل کرنے ہوں گے جب ہی آپ بہتر اور منفرد موضوع پر قلم بند کرسکتی ہیں۔

نادیہ احمد...... دبئی

پیاری بہن نادیہ! سدا سہاگن رہو آپ کی تحریر ''محبت جیت جاتی ہے'' موصول ہوئی منفرد انداز تحریر اور موضوع دونوں ہی کامیابی کی سند پر ٹھہرے بے شک ہم نے آپ کو بہت انتظار کروایا لیکن تحریروں کی کثیر تعداد کے باعث آپ کے صبر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان شاء اللہ اشاعت میں اتنا انتظار نہیں کروائیں گے۔

صائمہ مجید...... ملتان

گڑیا صائمہ! پھولوں کی طرح مسکراتی رہو آپ کی تحریر ''انتقام'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے اس لیے ابھی لکھنے کی خواہش کو ایک طرف رکھتے ہوئے صرف مطالعہ پر زور دیں اور نام ور لکھاریوں کی تحریر اپنے مطالعہ میں شامل کریں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی اور آپ کی تحریر میں بھی پختگی آئے گی۔ امید ہے مایوس ہونے کی بجائے عمل کریں گی۔

مہرمہ ارشد بٹ...... گوجرانوالہ

پیاری مہرمہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر ''میرا عشق ہے تو'' موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل برداشتہ ہونے کی بجائے ابھی صرف پڑھنے پر زور دیں اور آپ کی تحریر میں املا کی بھی غلطیاں موجود ہیں جب کہ موضوع بھی کچھ خاص نہیں اس لیے ابھی لکھنے کی بجائے صرف مطالعہ کریں۔ امید ہے عمل کرتے ہوئے آنچل کے دیگر سلسلوں میں شامل رہیں گی۔

ناقابل اشاعت:۔

عید اسپیشل شو ایسا بھی ہوتا ہے، یہ جوزیست ہے دھوپ چھاؤں سی، کاغذ کا پھول، الزام انا پرست، ہر عید تیرے نام، دل کے ہاتھوں مجبور، ہنستا تارا، ستون، ہم کو محبت ڈھونڈ رہی تھی، انجان محبت، یقین محبت، عشق آتش، قصہ تمام، پڑوسی، میرا اعتبار کر، قربانی، میرا عشق ہے تو، ہم کہاں کے اچھے تھے، انتقام، سرپرائز، وطن کی مٹی گواہ رہنا، اسیر یار، زندگی مسکرانے لگی، روشنی کی کرن، رشتے محبت کے، کسک، آگ جیون کو لگادی ہم نے، پتھروں کی لکیر، سوچ، یہ کیسی محبت ہے، م سے مسجد م سے مندر، انوکھی عید انوکھا مزا، تاریک شب کے مسافر، میں بھی کہوں، محبت احساس میری، بے حساب، حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم، انا پرست، وفا کی گربات ہوگی، بے حساب۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض مولف

الحمدللہ قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح کے سلسلے کی یہ کتاب ”السلام علیکم“ حاضر خدمت ہے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق وتائید الٰہی سے ہی میرے لئے یہ ممکن ہوا کہ قرآنی آیات کی تشریح کرسکوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ شانہ کا فضل عظیم ہے کہ اس نے ناچیز کو علمائے کرام واہلِ تقویٰ ومشائخ کی بابرکت صحبت وتربیت سے فیض یاب وسرفراز ہونے کی سعادت نصیب فرمائی۔ یہ انہی بزرگوں کا فیضانِ نظر ہے کہ احقر کی اللہ نے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمادی اور میرے قلم کا راستہ ازسرِنو متعین فرمادیا اللہ تعالیٰ کا بڑا شکرواحسان ہے کہ اس نے میرے قلم کو لغویات نویسی سے ہٹا کر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کی طرف لگادیا۔ الحمدللہ یہ اللہ جل شانہ کا بڑا کرم وفضل ہے کہ اب تک دس مختلف آیاتِ قرآنی کا تفسیری کام اس احقر سے لے لیا ہے شکر ہے رب العالمین کا کہ اس نے ان تمام کتب کو نہ صرف اہل ایمان کے لئے نافع بنایا بلکہ مقبول عام بھی کردیا۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ جو کچھ بھی تالیف کروں اسے جید علمائے کرام کو پیش کرکے نا صرف ان کی رائے معلوم کرلوں بلکہ اگر کہیں اپنی کم علمی کے باعث ٹھوکر کھائی ہو تو اس کی بھی اصلاح ہوسکے۔ یہ اللہ کا بڑا ہی احسان وکرم ہے کہ اب تک اس نے جس جس طرح علمائے کرام کے ذریعے میری مدد کا اہتمام فرمایا اس کے لئے جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔

زیرِ نظر تالیف السلام علیکم اپنی ہیئت کے اعتبار سے مختصر ضرور ہے لیکن اپنی معنویت میں اتنی جامع اور وسعت لئے ہوئے ہے کہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوزے میں دریا کی جگہ سمندر کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ سلامتی کی دعا بظاہر بہت معمولی سی بات محسوس ہوتی ہے لیکن اگر ہم صرف سلامتی کے معنی اور وسعت پر غور کریں تو حیاتِ انسانی کے تمام پہلو اس مختصر لفظ سلامتی میں سمٹ آتے ہیں اور یہ سلامتی بھی عارضی نہیں دائمی سلامتی کی دعا ہے اور جب یہ دعا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کسی بندے کو دی جائے تو سوچئے کہ کتنی اہمیت کی دعا ہوگی قرآن حکیم کی زیرتشریح آیات میں کوشش کی گئی ہے کہ کوئی غیرمستند حوالہ نہ آنے پائے تمام تفسیری مواد مستند تفاسیر سے ہی یک جا کیا گیا ہے۔

سلام جو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو تعظیمی کلمات کے طور پر یا استقبالیہ اور رخصتی کے وقت ادا کرتا ہے دورِ جدید میں سلام ایک رسماً ادا کیا جانے والا کلمہ ہوتا جارہا ہے۔ بغیر اس کی حقیقی اہمیت اور جامعیت کو سمجھے ہوئے سلام کو آج ایک دعا یا کلمے کے طور پر کم اور رسماً زیادہ استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ سلام اگر حقیقی معنوں میں سمجھ کر کیا جائے تو اس سے دوہرا فائدہ حاصل ہوگا جسے آپ نے سلام کیا اور جس نے جواب دیا دونوں افراد کو اللہ تبارک وتعالیٰ اجروثواب سے نوازتا ہے۔ دراصل اسلام اور نظام اسلام میں اہلِ ایمان کی نیتوں کو بڑا دخل ہے۔ اگر ہم کوئی کام ریاکاری کے لئے کرتے ہیں تو وہی اچھا کام ہمارے لیے عذابِ الٰہی کا باعث بن سکتا ہے اور اگر اخلاص نیت سے اور خالص اللہ کی رضا کے لئے کریں تو وہ اجروثواب کا موجب بن جاتا ہے۔ ورنہ تو لینے کے دینے پڑسکتے ہیں۔ ”سلام“ دین اسلام کا اہم شعار ہے۔ ابتدائے اسلام میں یہ شناختی علامت کے طور پر استعمال ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس مخصوص شناختی علامت کو بھی اپنے فضل وکرم کا ذریعہ بنادیا کہ جہاں اہلِ ایمان ایک دوسرے کے لئے سلام کا کلمہ ادا کرتے ہیں وہیں ایک

دوسرے کو سلامتی کی دعا سے بھی نوازتے ہیں۔

یہ تالیف السلام علیکم ایک ایسی کتاب ہے جو ہماری روزمرہ کی زندگی ہماری معاشرتی زندگی کو ہمارے لئے بہتر طور پر گزارنے اور دائمی زندگی کے لئے صراط مستقیم پر چلنے میں معاون ہوسکتی ہے ان زیر تشریح آیات قرآنی پر بہت کچھ لکھنے کو دل چاہتا رہا لیکن میں نے حسب معمول صرف اہل علم ودانش کی مستند تفاسیر پر ہی اکتفا کیا اپنی سوچ وفکر کو اپنی نوک قلم تک نہیں آنے دیا۔ ہوسکتا ہے کہ تحریر میں روانی اور تسلسل کا کسی قدر فقدان محسوس ہو اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ میں نے کسی تحریر کو نقل کرتے ہوئے اس کے اصل لہجہ وانداز کو متاثر کرنے کی شعوری کوشش نہیں کی اللہ کرے کہ میری یہ چھوٹی سی کوشش آپ کے کسی کام آسکے اور آپ کے معیار پر پوری اترے۔

اپنی اس تالیف کے سلسلے میں حضرت مفتی سعید احمد جلال پوری صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے صاحب فراش ہونے کے باوجود اپنی پوری توجہ سے اس کتاب کو دیکھا اور اصلاح فرمائی ساتھ ہی میں جناب مفتی خالد محمود صاحب جناب حافظ عبدالقیوم نعمانی صاحب اور ان کے زیر انتظام جامعہ مصباح العلوم محمودیہ کے استاد مولانا عبدالجلیل صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی توجہ نے اغلاط کی درستگی فرمائی ساتھ ہی میں مولانا فضل خالق صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے بڑی توجہ سے اس تالیف کو پڑھا اور اپنی رائے سے نوازا اور ساتھ ہی اپنے محترم بھائی ڈاکٹر تنویر احمد طاہر کا ممنون واحسان مند ہوں کہ انہوں نے اس تالیف کو اپنی خصوصی توجہ سے نوازا۔ میں ڈاکٹر مریم مظفر حسین اور برادرم عزیز سید مظفر حسین صاحب کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں کہ جن کی توجہ نے میری راہنمائی فرمائی اللہ ان تمام اصحاب کے درجات بلند فرمائے اور ان کو اس تالیف کے سلسلے میں معاونت کے اجر سے نوازے۔ آمین

احقر مؤلف
مشتاق احمد قریشی

☆......☆......☆

اسلام تہذیب اور معاشرتی آداب کا کامل نمونہ ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی نہ صرف اصلاح کرتا ہے بلکہ انکی جہالت بھی دور کرتا ہے انہیں صلح وامان سلامتی واطاعت فرماں برداری اخوت بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے۔ معاشرتی طور پر ایک دوسرے کی عزت وتکریم سکھاتا ہے۔ خود لفظ اسلام لفظ سلم سے نکلا ہے جس کے معنی سلامتی کے ہیں۔ یعنی باطنی آفات سے اور ظاہری آفات سے محفوظ رہنا۔ اچھے آداب اور پسندیدہ اطوار ہی کسی انسان کے اچھے اور مہذب ہونے کا ثبوت ہوتے ہیں اور آداب نیک خصلتوں کا مجموعہ ہوتے ہیں اور جو لوگ اچھی عادتوں کے حامل ہوتے ہیں وہی باادب کہلاتے ہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے پیدائش سے لے کر موت تک ہر موقع کے لئے آداب زندگی مقرر کردیئے ہیں کوئی موقع محل ایسا نہیں جس کے مطابق آداب کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی آداب کا بڑا ہی خیال رکھتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کے آداب سے خوب اچھی طرح روشناس کرایا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کھانے پینے سونے جاگنے باتیں کرنے اور ملنے جلنے رخصت ہونے غرض زندگی کے ہر پہلو میں آداب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اسلامی آداب انسانی نفس کو ریاضت اور مجاہدہ کا عادی بناتا ہے اور تادیب الٰہی اور حدود الٰہی کے ماتحت رکھتا اور نفسانی خواہشات کی تہذیب کرتا ہے اور اس تہذیبی معاشرے کو مستحکم بنیاد فراہم کرنے میں "السلام علیکم" کا بڑا ہی اہم کردار ہے اس سے نہ صرف معاشرتی خیر اور بھلائی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ معاشرے کے ہر اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ

سے خیر و سلامتی کی دعا‘ ایک دوسرے کی قربت اور بھائی چارے کو مضبوط کرنے کا باعث بھی بنتا ہے۔ لفظ ”السلام علیکم“ جس قدر مختصر نظر آتا ہے یہ اتنا ہی پر معنی وسیع اور پر مغز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعائرِ اسلام میں سب سے زیادہ اسے پھیلانے کا حکم دیا گیا۔

السلام علیکم عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ تم کو سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ چھوٹا سا جملہ اپنے اندر کتنے معنی و مطالب سمیٹے ہوئے ہے اس کا اندازہ یوں ہی نہیں ہو جاتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے معنی کو بغور سمجھا جائے‘ دراصل یہ جملہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ہے اسے مختصر طور پر السلام علیکم بھی ادا کیا جاتا ہے اور السلام علیکم ورحمتہ اللہ بھی ادا کیا جاتا ہے دراصل یہ ایک جامع دعا ہے جو ایک اہل ایمان دوسرے اہل ایمان کو وقت ملاقات اور وقت رخصت دیتا ہے۔ ان دعائیہ کلمات کے ساتھ ملا جائے اور رخصت کیا جائے تو اپنائیت بڑھتی ہے۔ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے صاحب ایمان بھائی کے حق میں دعا یعنی سفارش کا درجہ رکھتا ہے یعنی ایک صاحب ایمان اپنے دوسرے صاحب ایمان بھائی کے لئے جو شفقت و محبت کے جذبات رکھتا ہے۔ ان جذبات کا اظہار ہی نہیں بلکہ اس کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور اس کی سلامتی کی دعا کے ذریعے اپنی سفارش بھی پیش کر رہا ہوتا ہے۔ سفارش کے معنی شفاعت کے بھی ہیں اور شفاعت کا لفظ قرآن کریم میں نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آیا ہے۔ روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے محبوب اور پیارے نبیؐ ہیں‘ کی اہمیت‘ وقعت و ثابت کرنے کے لئے آپ کو سفارش و شفاعت کبریٰ کا حق اللہ جل شانہ نے عطا فرمایا ہے۔ روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارشِ کبریٰ قبول ہوگی۔ قرآن کریم میں بہت وضاحت سے ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۹۳ میں وضاحت کی گئی ہے اور سورۃ یونس کی آیت نمبر ۳ میں اور سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۲۸ اور سورۃ الروم آیت نمبر ۱۳ اور سورۃ سبا آیت نمبر ۲۳ سورۃ المدثر آیت نمبر ۴۸ اور سورۃ النباء آیت نمبر ۳۸ میں پوری صراحت و وضاحت سے ارشاد ہے کہ کسی کی کوئی سفارش و شفاعت قبول نہ ہوگی مگر جسے اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو بڑا ہی رحیم و کریم مہربان اور اپنے بندوں سے بے پناہ شفقت کا معاملہ کرنے والا ہے اس نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لئے اس دنیا میں وہ کلمہ خیر عطا فرما دیا جو ہر لمحہ ہر آن ہر ملاقات و وداع کے موقع پر اپنے اہل ایمان بھائی کے لئے سلامتی کی سفارش و دعا کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی اپنے انعامات کی بارش نہیں فرمائی اُن کی اُمت پر بھی اپنے کرم کے بے حساب اسباب پیدا فرما دیئے جب ایک مسلمان اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو السلام علیکم کی دعا دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسرے مسلمان کو بھی پابند کر دیا کہ وہ جواب میں وہی دعا‘ وہی سفارش کرے یا اس سے بہتر انداز اختیار کرے اور بہتر سفارش کرے یعنی اگر کسی نے السلام علیکم کہا تو اس پر واجب ہے کہ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہے اور اگر وہ اپنے لئے زیادہ اجر و ثواب کا خواہش مند ہے تو پھر اس سے بہتر جواب دے اور رحمت اللہ کا اضافہ کر دے اور اگر سلام کرنے والے نے خود ہی السلام علیکم ورحمت اللہ کہا ہو تو اس میں وبرکاتہ کا اضافہ کر دے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو ہماری ہر ہر حرکت‘ ہر ہر عمل‘ ہماری نیتوں و سوچوں تک سے بخوبی آگاہ و واقف ہے جو ہمارا ذرا ذرا سا حساب رکھتا ہے اس کے یہاں ہر کسی کا پورا پورا حساب کتاب ہے اور ہماری ایک دوسرے کے لئے کی گئی السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ کی سفارش و شفاعت کی درخواستوں کا حساب‘ کتاب بھی پورا پورا ہوگا۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی بخشش‘ و نجات کے لئے قدم قدم پر ان کے اعمال و افکار کو بہتر سے بہترین بنانے کے نسخے و تراکیب بھی اچھی طرح واضح فرما دی ہیں۔ ابتدائے اسلام میں تمام مسلمان اور غیر مسلمان

مکہ میں ایک ساتھ ہی رہتے تھے ان کی وضع قطع رنگ روپ لباس یہاں تک کہ نام تک میں مماثلت تھی۔ ایک نظر میں یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔ ایسے وقت میں السلام علیکم کا یہ جملہ الہیہ ہی ایک دوسرے کے لئے شناختی علامت کی حیثیت واہمیت کا حامل تھا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہنے والا اس بات کا اعلان کررہا ہوتا تھا کہ میں دین حق کا ماننے والا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا فرد ہوں۔ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہنے والا بھی اپنی شناخت کی تصدیق کررہا ہوتا یوں ابتدا میں یہ کلمہ اسلام کے ماننے والوں میں شناخت کے بطور بھی رائج ہوا۔ اس کے باوجود کبھی کبھی بھول چوک ہو جاتی تھی۔

دنیا کی تمام مہذب قوموں اور افراد میں ملاقات کے وقت پیار بھائی چارے میل ملاپ کے جذبات کے اظہار مخاطب کی خیر اندیشی کے اظہار اور اسے مسرور و مطمئن کرنے کے لئے ہمیشہ سے کوئی نہ کوئی کلمہ خاص ادا کیا جاتا رہا ہے آج بھی یہ رواج ہے۔ ہندو باہم ملاقات کے وقت "نمستے" آداب' رام رام" کہتے ہیں جبکہ یورپ اور دیگر ممالک میں پہلے گڈ مارننگ 'یعنی اچھی صبح' گڈ آفٹر نون اچھی دوپہر' گڈ ایوننگ اچھی شام اور گڈ نائٹ اچھی رات کہتے ہیں جبکہ امریکہ اور اس کے زیر اثر افراد آج کل "ہائے" اور جواباً "ہائے" کا ورد کرتے ہیں۔ بعثت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی عربوں میں باہمی ملاقات کے وقت ملاقاتی کلمات ادا کرنے کا رواج تھا۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ اسلام لانے سے پہلے آپس میں ملاقات کے وقت "انعم اللہ بک عینا" آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب کرے اور انعم صباحاً یعنی تمہاری صبح خوشگوار ہو کہا کرتے تھے۔ اور جب ہم لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور جاہلیت کی تاریکی سے نکل آئے تو ان جملوں کی ممانعت کردی گئی ان کے بجائے "السلام علیکم" کی تعلیم دی گئی۔

اگر کوئی خود کو اہل ایمان مسلمان کہتا ہے اور السلام علیکم کے بجائے کچھ اور جملے استعمال کرتا ہے جو کسی بھی طرح غیر مسلم یا اہل کتاب استعمال کرتے ہوں تو ایسا شخص اپنی شناخت کو چھپانے کا مرتکب ہوگا کیونکہ سلام شعار اسلام ہے اس لئے مسلمانوں پر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شعائر اسلام کے طور پر اسے لازم کردیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور کہنے والا اسلام کے خلاف چلنے والا بداندیش ہوگا اور اپنے عمل سے منافقین میں شامل ہو جائے گا۔ منافق جو خود کو مسلمان تو ظاہر کرتے ہیں مگر ہوتے نہیں۔

شفقت' رحمت' سلامتی اور پیار محبت سے لبریز اس ایک کلمہ پر اگر غور کریں تو محبت تعلق' اکرام وخیر اندیشی کے اظہار کے لئے اس سے خوبصورت اور بہتر کوئی اور جملہ جو جامع دعائیہ کلمہ بھی ہو ادا نہیں کیا جاسکتا۔ السلام علیکم کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ اس کلمے میں چھوٹوں کے لئے شفقت محبت پیار ہے تو بڑوں کے لئے اکرام و تعظیم ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ "السلام" اسماء الہیہ میں سے ہے۔ یہ شعار اسلام بھی ہے ملاقات کے وقت "السلام علیکم" اور جواب میں "وعلیکم السلام" کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

(جاری ہے)

حافظ صائمہ

ملیحہ احمد

میری عزت دوستو اینڈ آنچل کے تمام اسٹاف کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! میرے نام سے تو آپ واقف ہو ہی چکے ہیں سوچا اب مکمل تعارف کروایا جائے باقی سلسلوں میں شرکت کے ساتھ ساتھ ہمارا آنچل میں شامل ہونے کا شوق بھی کب سے تھا' آخر ہمت کر ہی لی۔ کاسٹ پنجابی پٹھان لیکن پشتو نہیں آتی کیونکہ پنجابی ہوں۔ اصلی نام تو صائمہ خاتون ہے لیکن میری دوست کو صائمہ کشف پسند ہے' اب کافی سالوں سے صائمہ کشف ہی چلا آرہا ہے۔ صائمہ خاتون نام میرے ابو جی نے رکھا' صائمہ کا معنی روزہ رکھنے والی۔ مجھ میں میرے نام کی تاثیر بھی ہے الحمدللہ روزہ نہیں چھوڑتی فرض بھی اور نفلی بھی رکھتی ہوں' میری دوست مجھے گڑیا کہتی ہے اور گڑیا کا نام مجھے میرے ماموں نے بھی دیا تھا۔ دس نومبر 1993ء رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں مغفرت کے عشرے میں رحمت بن کر اپنے گھر والوں کے لیے اس دنیا میں آئی۔ قد پانچ فٹ ہے' ہم چار بہن بھائی ہیں۔ مجھ سے بڑی ایک بہن ہے جو شادی شدہ ہے اس کی ایک کیوٹ سی بیٹی ہے نور فاطمہ' مجھے اس سے بہت پیار ہے۔ دوسرا نمبر میرا ہے اور مجھ سے چھوٹا بھائی ہے اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے اور سب سے چھوٹا حفظ کررہا ہے' چاچو لوگوں کے پاس لاہور میں حفظ مکمل ہوگیا ہے گردان کررہا ہے۔ آپ سے التجا بھی ہے دعا کرنا وہ جلدی سے حفظ مکمل کرے واپس آجائے اور اللہ تعالیٰ میرے بھائی عبدالباسط کے ذہن کو ٹھیک کردے وہ کافی حد تک ٹھیک اور سمجھ دار بھی ہے بس خدا کی مرضی۔ حافظ قرآن ہوں اپنا مدرسہ ہے چار سال سے بچیوں کو حفظ کروارہی ہوں' ماشاء اللہ 25 لڑکیوں کی کلاس ہے' 10 لڑکیاں مجھ سے قرآن پاک کی عظیم نعمت سے فیض یاب ہوکر حفظ مکمل کرچکی ہیں اور ان کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ ایف اے کررہی ہوں اور الحمدللہ نماز پانچ وقت ادا کرتی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کافی دیر تک پریشان رہتی ہوں' قوت برداشت ذرا بھی نہیں ہے۔ بُری عادت یہ بھی ہے ذرا سی بات پر رونا آجاتا ہے۔ گھر میں اگر کوئی ذرا سی بات کردے غصہ میں تو برداشت نہیں ہوتا' رونا آجاتا ہے اور سب سے بُری عادت غصہ جلدی آتا ہے لیکن ختم جلدی ہوجاتا ہے یہ عادت مجھے اچھی لگتی ہے۔ اچھی عادت یہ بھی ہے بغیر پردہ کے باہر نہیں نکلتی' حتیٰ کہ ڈاکٹر کے پاس بھی کم ہی جاتی ہوں ورنہ گھر میں ہی میڈیسن لادیتے ہیں ہمارے گاؤں میں لیڈی ڈاکٹر آئی ہے اب سہولت ہوگئی ہے بس اب ضرورت ہو تو اس کو گھر بلالیتے ہیں۔ لباس میں مجھے شلوار قمیص' فراک اور بڑا دوپٹہ لینا اچھا لگتا ہے۔ کھانے میں بریانی' سموسے' دہی بڑے اور آئس کریم پسند ہے۔ کھانا' ناشتا امی جی اور آپی کے ہاتھ کا بنا ہوا پسند ہے۔ اگر کوئی نصیحت کرے تو بُری نہیں لگتی کبھی کبھی بُری لگ بھی جاتی ہے لیکن زبان سے نہیں بولتی چپ ہوجاتی ہوں۔ میری بھی خواہش تھی اللہ تعالیٰ مجھے' گھر والوں کو اپنے پیارے گھر کی زیارت کروائے' اللہ نے سن لی میری امی جی نے عمرہ کی سعادت حاصل کی اسی سال فروری کے اینڈ میں گئے تھے عمرہ کے لیے اور اب بس اللہ میرے ابو جی اور میری قسمت میں بھی حاضری لکھ دے۔ میرے ابو جی مسجد کے امام ہیں' اللہ تعالیٰ ہمیں اور زیادہ توفیق دے دین کو پھیلانے کی' آمین۔ مہمانوں کی اچانک آمد اچھی لگتی ہے لیکن بتا کر آئیں تو اچھا اہتمام ہوجاتا ہے۔ طبیعت میں ضدی پن نہیں' غرور بھی نہیں ہے۔ ماموں کے بیٹے سے منگنی ہوئی ہے لیکن شادی کا ابھی نزدیک کوئی ارادہ نہیں۔ دوستیں کافی ساری ہیں نام لکھنے شروع کروں تو تھک جاؤں گی ایک کا نام لکھوں گی وہ ہے مدیحہ' وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ کھانا نہ کھاؤ تو میرا گزارہ ہوجائے گا مدیحہ کے بغیر نہیں ہوگا۔ کزنوں میں سمیہ' حمیرا' قرۃ العین' رابعہ' عالیہ' ملائکہ سے میری کافی اچھی دوستی ہے۔ ماشاء اللہ یہ سب بھی حافظ قرآن ہیں۔ ناول نگاروں میں نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف' اقراء صغیر احمد' عمیرہ احمد' عابدہ سبین' ام مریم' عائشہ نور' سباس گل' نادیہ فاطمہ رضوی' عشناء کوثر پسند ہیں۔ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ

داماں میں رکھے، آنچل کی پریوں ضرور بتانا آپ کو میرا تعارف کیسا لگا۔

اریب انشال

تمام آنچل اسٹاف رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف سے محبت وخلوص سے بھرا شہد سے میٹھا عاجزی سے لبریز السلام علیکم اور سنائیں جی سب ٹھیک ہیں۔ ہاں ہاں مجھے پتا ہے کہ آپ سب میرا ہی انتظار کررہے ہیں خیر زیادہ انتظار کروانا مناسب نہیں سمجھا اور محفل آنچل میں خود کو شامل کرنے کی جسارت کرلی۔ 9 نومبر کو ضلع اوکاڑہ کے ایک خوب صورت گاؤں میں تشریف لائی۔ چار بھائی اور دو بہنیں ہیں، میں سب کی لاڈلی و پیاری ہوں۔ فورتھ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہوں، ذہین بہت ہوں مگر پڑھا کو نہیں۔ خواب بڑے اونچے اونچے ہیں، میٹرک تک ڈاکٹر بننا تھا یہ خواب ٹوٹا تو نیا خواب آنکھوں میں آبسا کہ بی اے کے بعد ایل ایل بی کروں گی اور قانون کے شعبہ سے وابستہ ہوجاؤں گی اب میں چاہتی ہوں کہ ضلع اوکاڑہ کی ڈی پی او بن جاؤں، اللہ کرے میرا یہ خواب ضرور پورا ہوجائے۔ خامیوں اور خوبیوں کی طرف چلتے ہیں، خامیاں یہ ہیں کہ فرینڈز بہت بناتی ہوں، اندھا اعتبار کرتی ہوں، کوئی جھوٹ بولے تو سچ سمجھ لیتی ہوں۔ پہلے غصہ نہیں آتا تھا مگر اب بہت آتا ہے، برداشت ختم ہوتی جارہی ہے۔ غصہ آئے تو رونے لگ جاتی ہوں، حساس دل ہوں، معصوم بہت ہوں اور میری معصومیت کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے دھوکہ دینے کی کوشش کی مگر کہتے ہیں جو شکل کے معصوم ہوتے ہیں وہ عقل کے تیز ہوتے ہیں۔ خیر خوبیاں بتاتے ہیں کہ میں سچ بولتی ہوں دوسروں کو بُرے القاب سے نہیں نوازتی۔ دوسروں کی عزت کرتی ہوں، غیبت سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں، سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرتی اور ایک اپنی عادت جو کہ مجھے پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا مجھ پر بہت احسان کہ میں نماز پنجگانہ کی عادی ہوں۔ اللہ کے بہت قریب ہوں ایسا ایک دوست کی وجہ سے ہوا جس نے میری پوری زندگی بدل دی، میں میٹرک تک لاابالی سی بے فکری سی لائف میں مگن کبھی نماز تک نہ پڑھی تھی۔ صبح کی تو ہر کوئی پڑھتا ہے مگر میں بھاگم بھاگ اسکول جانے کی تیاری کرتی اور ہوسکتا ہے شاید مجھے نماز آتی ہی نہ تھی کیونکہ کبھی پڑھی جو نہ تھی اور کبھی پڑھی تو دھیان شاید اللہ کی طرف تھا ہی نہیں۔ میں نے پہلی بار پوری عاجزی وانکساری اور اللہ کے سامنے نماز ظہر 13 نومبر کو ادا کی مجھے لگا آج مجھے اللہ نے اپنے دامن رحمت میں چھپالیا۔ وہ دن اور آج کا دن اس بات کو پانچواں سال ہے، مجھے صرف اسی ہستی کی وجہ سے اللہ سے محبت ہوگئی وہ ہستی ہی مجھے اللہ سے ملانے کا سبب بنی، اب میں اپنا راز اللہ سے شیئر کرتی ہوں، اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ میں ہمیشہ اسوۂ حسنہ کو اپنائے رکھوں ام المومنین کی سنت پر عمل کرتی رہوں کہ ان کی بدولت ہی دین و دنیا دونوں میں کامیابی ہے۔ رنگوں میں مجھے پنک وائٹ اور گرین پسند ہے، لباس میں شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ اپنی آنکھیں اور ہاتھ پسند نہیں، کھانے میں بڑی نخریلی ہوں۔ فروٹ میں اورنج پسند ہے۔ کسی سے حسد نہیں کرتی، میری بہت زیادہ فرینڈز ہیں۔ پوائزن، علیشہ، پاکورے پن کی خوشبو پسند ہے، پھولوں میں گلاب پسند ہے۔ مشروبات میں مینگو جوس پسند ہے، شخصیت میں آپی، اپنا بڑا بھائی پسند ہے۔ اپنے والدین سے اپنی آپی اور اپنے بھائیوں سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ بڑے بھائی میں تو میری جان ہے اور آپی کی مجھ میں جان ہے، آئی لو یو آپی۔ رائٹرز میں فوزیہ غزل، نمرہ احمد، مصباح نوشین، نازیہ کنول نازی، شاعری کی بڑی دلدادہ ہوں۔ پروین شاکر، نوشی گیلانی، احمد فراز، محسن نقوی کو شوق سے پڑھتی ہوں۔ آرجے اور نیوز کاسٹر بننے کا بہت شوق ہے، غروب آفتاب کا منظر پسند ہے، ٹریول پسند نہیں گھر کی چار دیواری میں قید رہنا اچھا لگتا ہے۔ شام کو گھروں کو لوٹتے پرندے دیکھنا پسند ہے، کبھی کبھی صبح پرندوں کو دانہ ڈالنا پسند ہے۔ موڈی بہت ہوں بہت گہری ہم راز ہوں دوستوں کے لیے۔ صورت پر کم دھیان جبکہ بائے نیچر اور بائے کریکٹر دیکھ کر دوستوں کے ساتھ چلتی ہوں اور ماشاء اللہ سے میری ساری فرینڈز بہت اچھی ہیں۔ ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہوں، گھر کے کام کاج بالکل نہیں آتے، پانی تک کمرے میں لیتی ہوں۔ نازک مزاج ہوں، گھر والے سب مجھ سے پیار کرتے ہیں،

ڈائجسٹ پڑھنا اور ان میں لکھنا اچھا لگتا ہے۔ شرارتی بہت زیادہ ہوں' اجازت دیں' اللہ حافظ۔

السلام علیکم! آنچل کے پیارے قارئین اور آنچل اسٹاف کو محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ مجھے رباب سبطین کہتے ہیں' میرا تعلق سرگودھا شہر سے ہے۔ 12 اگست کو رات 8 بجے اس دنیا میں تشریف لائی۔ اسٹار لیو ہے' اس کی ساری خوبیاں اور خامیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ غصہ بہت آتا ہے جب آتا ہے تو کسی کو کچھ نہیں کہتی اور کاموں میں مصروف ہوجاتی ہوں۔ ہم چھ بہنیں اور ایک بھائی ہے' مابدولت سب سے بڑی ہیں اس لیے ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ تمام بہنوں میں بہت دوستی اور پیار ہے' سب سے زیادہ میری اقصیٰ (چوتھے نمبر والی) سے بنتی ہے جو کہ چھٹی کلاس میں پڑھتی ہے اور بہت زیادہ شرارتی ہے۔ تحفے دینے کا بہت شوق ہے' میں اپنی پاکٹ منی گفٹس دینے میں خرچ کردیتی ہوں۔ ڈائجسٹ وغیرہ میرے گھر والوں کو پسند نہیں' اس لیے میں اپنی فرینڈ سے لے کر رسالے پڑھتی ہوں۔ جیولری بہت پسند ہے خاص طور پر رنگ اور بریسلیٹ۔ مہندی لگانے کا بہت شوق ہے' کانچ کی چوڑیاں بہت پسند ہیں۔ کھانے میں بریانی اور کھیر بہت پسند ہے' آم بہت شوق سے کھاتی ہوں اور کینڈیز بہت پسند ہیں۔ ریڈ اور بلیک میرا فیورٹ کلر ہے' سارے کپڑے انہی رنگوں میں ہوتے ہیں' ہر سوٹ میں بلیک کلر لازمی ہوتا ہے۔ کوکنگ کا بہت شوق ہے' بریانی اور حلوہ بہت اچھا بناتی ہوں' سب لوگ فرمائش کرکے بنواتے ہیں۔ مجھے ڈریس ڈیزائنر بننے کا بہت شوق ہے اور میں اپنے کپڑے خود ڈیزائن کرتی ہوں' آج کل میں ڈریس ڈیزائننگ میں ڈپلومہ کررہی ہوں عنقریب میرے شوق کی تکمیل ہونے والی ہے۔ ووکیشنل کالج میں میری ڈھیر ساری فرینڈز ہیں' سب سے پہلے عقیدت الزہرہ (چھوٹی سسٹر)' عظمیٰ بتول' سمیرا' آمنہ امداد' رضیہ ریاض' شاہین اختر' سحرش' کائنات اشرف اور سدرہ اعظم۔ فیورٹ رائٹرز میں سمیرا شریف طور' ام مریم' نبیلہ عزیز' فائزہ افتخار' اقراء صغیر احمد اور نازیہ کنول نازی شامل ہیں باقی سب بھی بہت اچھا لکھتی ہیں' سب کو پڑھتی ہوں۔ پسندیدہ ناول میں پیر کامل' ہم کیسے رکھوالے ہیں' مصحف تیرے نام کی شہرت' ہمسفر' برف کے آنسو اور مجھے ہے حکم اذاں شامل ہیں' اس کے علاوہ آج کل ٹوٹا ہوا تارا بہت اچھا جارہا ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' وصی شاہ' فیض احمد فیض' پروین شاکر اور امجد اسلام امجد فیورٹ شاعر ہیں۔ امانت علی' عاطف اسلم اور راحت فتح علی کو بہت شوق سے سنتی ہوں۔ ایف ایم بہت سنتی ہوں' بارش پسند ہے مگر خوف بھی آتا ہے آندھی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ کھیلوں میں کرکٹ پسند ہے' بہت حساس دل کی مالک ہوں' کسی پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ معذور لوگوں پر بہت رحم آتا ہے اور غریبوں کی بہت مدد کرتی ہوں' انجان لوگوں سے جلدی فرینک ہوجاتی ہوں' گھر میں سب بہنیں مل کر بہت شور شرابہ کرتی ہیں۔ دھوکے باز اور فریبی لوگوں سے سخت نفرت ہے' حسد نہیں کرتی اور قناعت پسند ہوں تھوڑے پر بھی راضی ہوجاتی ہوں۔ میڈم حفیظ' میڈم فرحت ناز' میڈم رضوانہ' میڈم ساجدہ اور میم ثمینہ طاہر میری فیورٹ ٹیچرز ہیں۔ میری کزنز سارہ کرن' فاطمہ فاروق' بینش بتول' نبیلہ سمیعہ ایمن' اینڈ ام حبیبہ میری بہت اچھی فرینڈز ہیں' تعارف کیسا لگا ضرور بتائیے گا' اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

زہرہ فاطمہ

السلام علیکم! پیاری پیاری قارئین اور آنچل سے منسلک تمام افراد کیسے ہیں آپ سب؟ میں ہوں زاہرہ فاطمہ! آج آنچل میں میری موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم آنچل سے کتنا پیار کرتے ہیں کہ ہمیں اس کی فیملی کا حصہ بننا ہی پڑا تو قارئین آپ کو بتاتی چلوں میری

آنچل سے وابستگی کافی پرانی ہے۔ ہمیں آنچل کس طرح ملا' دراصل ہوا کچھ یوں کہ ہمارے محلے کی جو لڑکیاں ہمارے ساتھ اسکول جاتی تھیں وہ بھی آنچل پڑھتی تھیں' ایک بار میں نے ان کے ہاتھ سے لے کر سرسری سا دیکھا۔ اس وقت ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' اور ''جانِ جاں تُو جو کہے'' یہ اسٹوریز چل رہی تھیں' شارق زمان کا نام میرے دماغ میں ایسا اٹکا کہ بس آنچل پڑھ کر ہی چھوڑا اور ابھی تک آنچل کے ساتھ وابستگی ہے۔ اچھا بھئی اپنا تعارف بھی کراتی ہوں ہم پانچ بہنیں ہیں' مجھ سے بڑی منتہیٰ اس کی شادی ہوچکی ہے پھر میں گھر کی ملکہ عالیہ اور مجھ سے چھوٹی عائشہ وہ درس میں ہوتی ہے' عالمہ بن رہی ہے۔ چوتھے نمبر پر عائزہ اور سب سے چھوٹی گھر بھر کی لاڈلی میری پیاری بہن اسودہ۔ بھائی کی ہمیں بہت خواہش ہے۔ میرے ابو آرمی ریٹائرڈ ہیں' اب تو جاب کرتے ہیں۔ میرے امی ابو ہم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہم ایک پیارے سے گاؤں میں رہتے ہیں جس کا ہر منظر میرا پسندیدہ ہے۔ میری تاریخ پیدائش 13 اگست ہے جس کا مجھے بے چینی سے انتظار رہتا ہے' اسٹار لیو ہے' کبھی پڑھا نہیں۔ ہاں اسکول میں فرینڈ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور پھر ایک دوسرے کے اسٹارز پر کمنٹس بھی کرتے تھے۔ میں نے بی اے کے ایگزامز دیئے ہیں اور اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے ضرور کامیاب کرے گا' آمین۔ دعا پر پختہ یقین کرتی ہوں' تنہائی میں اللہ سے مخاطب ہونا اچھا لگتا ہے اور میرا یہی مشغلہ ہے' تنہائی پسند ہوں۔ بقول گھر والوں کے بہت باتونی ہوں' باقی فرینڈز اور ٹیچرز کے بقول بہت کم گو اور معصوم ہوں' فضول ہنسنا بالکل پسند نہیں۔ وائٹ اور بلیک کسی بھی اور کلر میں کنٹراسٹ میں ہوجائے پسند ہے۔ ہاتھوں میں چوڑیاں اور مہندی اچھی لگتی ہے' لمبے بال بہت پسند ہیں مگر میرے نہیں ہیں' ہاں شہوار کے بال بہت پسند ہیں۔ بارش اور بارش کی خوشبو بہت پسند ہے' باقی پرفیوم وغیرہ کبھی یوز نہیں کی۔ کھانا جو بھی ملے کھالیتی ہوں' بشرطیکہ بنا ہوا ہو' کوکنگ میرا شوق ہے۔ میری امی کی خواہش ہے کہ تم کھانا اچھا بنالو' سلائی کا کام سیکھ جاؤ اور تندور میں روٹی لگانا سیکھ جاؤ تو پھر تم سسرال میں کامیاب ہو' ہاہاہا۔ اب کافی حد تک یہ سارے کام سیکھ لیے ہیں۔ گھر کا سارا کام میرے ذمہ ہے۔ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم تو نہیں ہے مگر آس پاس ہی سب رہتے ہیں' میری امی کی شادی فیملی میں ہی ہوئی اس لیے ننھیال پاس ہی ہے۔ ہاں البتہ جب سب کزنز اکٹھے ہوتے ہیں' عید تہوار یا کسی فنکشن پر تو خوب انجوائے کرتے ہیں' ساری رات ہلا گلا ہوتا ہے۔ ہمارا بچپن سب کزنز کے ساتھ ہلا گلا کرنے بہت اچھا گزرا' اب بھی جب یاد کرتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے' بہت کم رائٹر اور شاعروں کو پڑھا پھر بھی شاعری کرنا اچھا لگتا ہے۔ عبایا پسند ہے جس کی اب عادت ہوچکی ہے۔ امی ابو سے بہت محبت ہے' بس یہ خواہش ہے کہ ان کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کو جاؤں' آمین۔ پسندیدہ رائٹرز نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' عشنا کوثر سردار' عفت سحر طاہر' اقراء صغیر' سعدا مل کاشف (کہاں ہیں آپ؟) ام مریم' نمرہ احمد اور عمیرا احمد پسند ہیں۔ ''جنت کے پتے'' اور ''پیر کامل' فیورٹ ہیں۔ اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

❀

بہنوں کی عدالت

فاخرہ گل

شروع اس پاک ذات کے نام سے جو ذرے کو شمس بنا دینے پر قادر ہے، جو عزت دینے پر آئے تو اپنی رحمت کے خزانوں سے اربوں کھربوں سے بھی زائد کی آبادی میں سے چند لوگوں کو اپنی کرم خاص نظر سے ایسا ہنر عطا فرما دے کہ وہ جانے جائیں۔ پہچانے جائیں اور پھر وہ ہنر جو خدائی صفت بھی ہو تو ایسی عطا پر کیوں نہ شکر کیا جائے کہ کاتب تقدیر نے ہمارے بھی اذہان میں الفاظ کی وہ روانی پیدا فرمائی کہ جس کے قلم کے ذریعے صفحہ پر منتقل ہوتے ہی اس میں ایسی تاثیر محسوس ہو کہ پڑھنے والے پسند کریں سراہیں اور تحریر میں چھپے پیغام کو اپنی روزمرہ زندگی میں مثبت طریقے سے شامل کر کے قاری ہونے کا مکمل حق ادا کردیں اور پھر یہی اور حقیقی تعریف مصنفہ کے حصے میں آئے جو بلاشبہ اس کی شخصیت، پہننے، اوڑھنے یا علمی قابلیت کی تعریف نہیں بلکہ ان الفاظ کی تعریف ہے جو اللہ کریم کی طرف سے ہمارے ذہن میں اتارے گئے اور در حقیقت قارئین انہی لفظوں کے گن ہوتے ہیں یعنی تعریف جس بھی انداز سے ہو وہ اس پاک ذات کی ہی ہے اب یہ اس کا بڑا کرم ہے کہ اس نے وہ الفاظ ہمارے قلم کے ذریعے آپ تک پہنچائے البتہ لکھتے وقت سرزد ہونے والی تمام غلطیاں انسانی ذہن کا اپنا شاخسانہ ہوتی ہیں۔

مجھے جب طاہر بھائی نے آنچل میں سجنے والی بہنوں کی عدالت میں حاضر ہونے کا کہا تو باوجود اس کے کہ آج کل لکھنے کی مصروفیت عروج پر ہے میں نے فوراً ہاں کردی۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ طاہر بھائی الحمدللہ جس قدر عزت دیتے ہیں انہیں کسی بھی معاملے میں انکار کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور دوسری وجہ یہ تھی کہ میں نے سوچا خیر ہے زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس سوالات ہوں گے میں ایک ہی دن میں لکھ کر بھیج دوں گی لیکن میرے اندازے کے بالکل برعکس سوالات کی ایک لمبی قطار ہے آپ سب کی محبت ہے ایک ایک جواب دینے پر اصرار ہے اور میں حاضر ہوں ان شاء اللہ کوشش ہوگی کہ سب کے جوابات دوں اور کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ ملے۔

سب سے پہلے ملیسی سے فائزہ پوچھتی ہیں کہ آپ کو کس ایج میں پہلی بار محسوس ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ نے شروعات کی؟

فائزہ میں ففتھ کلاس میں تھی اور ان دنوں ہم حیدرآباد میں رہائش پذیر تھے امی کی ایک ملنے والی آنٹی ہمارے گھر آئیں تو پنجاب میں موجود اپنے رشتے داروں کو اکثر یاد کرتی تھیں ایک دفعہ یوں ہی امی نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ انہیں خط بھیج دیا کریں اور پھر ان کے جواب آئیں گے اس طرح آپ کو لگے گا جیسے آپ کے درمیان رابطہ ہے اب مسئلہ درپیش یہ تھا کہ خط لکھوایا کس سے جائے اتفاق سے میں پاس ہی بیٹھی ہوم ورک کر رہی تھی جھٹ سے اپنی خدمات پیش کردیں۔ وہ حیران تو ہوئی کہ یہ جانے کیا لکھے لیکن جب انہوں نے پہلا خط لکھوایا اور لکھنے کے بعد میں نے انہیں پڑھ کر سنایا تو انہوں نے فوراً میرا ماتھا چوم لیا اور بولیں یہ تو خط لگ ہی نہیں رہا بالکل ایسا لگتا ہے جیسے وہ میرے سامنے بیٹھی ہیں اور میں ان سے باتیں کر رہی ہوں۔ میں الفاظ اور جذبات کا انتخاب آنٹی کی طرف سے کیا کرتی تھی کہ ان کا کوئی بھی رشتے دار پنجاب سے آتا تو خط والی لڑکی سے ملنے کی خواہش ضرور ہوتی اور اسی کو میں اپنی ابتدا سمجھتی ہوں جب میں نے کسی کے جذبات کو اپنے الفاظ میں ڈھالا البتہ باقاعدہ رسائل میں لکھنے کا آغاز 2005ء میں کیا۔

سوال نمبر ۲: رائٹر بن کے زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

جواب: زندگی پہلے سے کہیں زیادہ مصروف ہوگئی ہے کیونکہ اپنی روزمرہ زندگی میں سارے کام بخوبی انجام دینے کے بعد لکھا جاتا ہے اپنے حصے کا آرام کا وقت میں لکھنے کو دیتی ہوں کیونکہ اگر دو تین دن کچھ لکھے بغیر گزر جائیں تو بے چینی سی ہونے لگتی ہے کچھ کمی، کچھ ادھورا پن محسوس ہوتا ہے اور چلتے پھرتے پھر ذہن میں وقت نکالنے کا مشن گھومتا رہتا ہے۔

سوال نمبر ۳: جو کردار آپ لکھتی ہیں وہ کہاں سے لکھتی ہیں؟

جواب: کرداروں کی تو فائزہ ہمارے معاشرے میں کمی نہیں ہے۔ ہم تمام عمر بھی لکھتے رہیں تو ان سب کا احاطہ نہیں کر پائیں گے جس طرح ہم سب کی انگلیوں کی پوریں مختلف ہیں ناں بالکل اسی طرح ہم سب انسانوں کا زندگی کو دیکھنے پرکھنے اور برتنے کا نظریہ بھی مختلف ہے اور ہم صرف کسی ایک انسان کی نفسیات کا بھی مشاہدہ کریں تو اس میں سے ہی درخت کی شاخوں کی طرح اس سے جڑے مزید کردار نکلتے آئیں گے اور ہر کردار ہی اپنے اندر ایک کہانی رکھتا ہے اور صرف وہی نہیں بلکہ اس کی کہانی میں شامل تمام کرداروں کی بھی اپنی ایک الگ کہانی اور اس طرح کی اور...... میں بھی ہمیشہ یہی کرتی ہوں کہ میرے کردار معاشرے کا حصہ معلوم ہوں حقیقت سے قریب ترین ہوں، تخیلاتی نہ ہوں کیونکہ تخیل کی اونچی اڑان بھرتے بھرتے جب ایک دم غیر ارادی طور پر قدم حقیقت سے ٹکراتے ہیں تب انسان کو اپنا آپ معلق محسوس ہوتا ہے تخیل اور حقیقت کے درمیان اور میں کبھی بھی یہ نہیں چاہوں گی کہ میرے قاری کی ذہنی سطح خواب اور حقیقت کے درمیان معلق رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو میری تحریروں کے کردار اپنے ہی آس پاس نظر آئیں گے۔

سوال نمبر ۴: "میرے ہم نوا کو خبر کرو" میں آپ نے اچھے شاندار طریقے سے ویلیوز دکھائی ہیں کہ ہمیں ان سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا آپ کا اس میں اپنا پسندیدہ کردار؟

جواب: پسندیدگی کے لیے شکریہ کردار تو اس میں سب ہی مجھے پسند تھے بلکہ ہیں کیونکہ کوئی بھی تحریر لکھتے ہوئے ان کرداروں سے بھی ایک انسیت سی ہو جاتی ہے ان کی خوشی بھی خوش کرتی ہے اور ان کے دکھ پر دل پریشان بھی ہوتا ہے اور پھر جس طرح ندی نے ناکردہ گناہوں کی سزا کاٹی وہ لکھتے ہوئے بھی افسوس ہوا لیکن مجھے خوشی ہے کہ قارئین نے اسے بے حد سراہا جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں ناول میں موجود میرا سب سے پسندیدہ کردار ناول کے ہیرو، ہیروئن یا کوئی بھی انسان کا نہیں بلکہ میرا پسندیدہ کردار ندی کی والدہ کا ہے کہ جب ساری دنیا ان کی بیٹی پر الزام لگا رہی تھی تو شوہر کے دنیا سے چلے جانے کے باوجود انہوں نے صرف اور صرف اپنی بیٹی پر اعتبار کیا۔ حقیقت بھی اعتماد ہی تو ہے جو اولاد اور خاص طور پر بیٹیوں کو دینا چاہیے اور پھر بیٹیوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہ پہنچائیں۔

سوال نمبر ۵: کوئی ایسا کردار جسے لکھتے ہوئے آپ بہت جذباتی ہوگئی ہوں؟

جواب: مجھے تو لگتا ہے شاید میں تو چھوٹے سے چھوٹا کردار لکھتے ہوئے بھی جذباتی ہو جاتی ہوں کیونکہ ہر کردار کے ساتھ ہی انوالومنٹ اس قدر ہو جاتی ہے کہ کسی ایک کا نام لینا غلط ہوگا "لال جوڑا" کی سارقہ آپی ہوں یا "وہی ایک لمحہ زیست کا" کی تانی، کاش ایسا کہ کوئی جوان قاری صاحب ہوں یا میں کسی کے ہاتھ پر کا سوچ تمام ہی کرداروں کے بارے میں لکھتے ہوئے ہمیشہ ہی قلم پر گرفت اس لیے بھی رکھنی پڑی کہ اگر لکھتی تو جانے کتنا طویل لکھتی ہی جاتی کہ ان کے اور مزید کچھ کرداروں کے بارے میں لکھنے اور بتانے کو بہت کچھ تھا لیکن اس سے کہانی کا جھکاؤ غیر متوازی ہو جاتا اس لیے بڑا ہی مختصر لکھا لیکن الحمدللہ اس مختصر لکھے ہوئے میں ہی اتنی پذیرائی ملی کہ ہو سکتا ہے اس طرح لکھا جاتا ہو۔

اب سوالات کی باری ہے اسلام آباد سے صدف روشانے کی۔

سوال نمبر ۱: آپ نے کس رائٹرز سے متاثر ہو کر لکھنا شروع کیا؟

جواب: مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے صدف کہ مجھے بہت کم پڑھنے کا وقت ملتا ہے شروع میں بھی کچھ ایسا ہی تھا اور ایسا نہیں تھا کہ میں باہر پڑھنے کے معاملے میں بہت گریزی ہوا کرتی تھی۔ ہمارے گھر میں مطالعے کا شوق نہیں بلکہ جنون میری سسٹر نازیہ باجی کو ہے خواتین کے ماہنامہ رسالے صرف انہی کی وجہ سے آیا کرتے تھے جن میں میری دلچسپی محض مختصر سلسلے ہوا کرتے تھے۔ پھر بھی کبھار اگر کوئی کہانی پڑھ لی تو تبصرہ روانہ کر دیا کرتی تھی اور جب حقیقی معنوں میں مجھے پڑھنے اور بہت پڑھنے کا دل چاہنے لگا تو میں اگلی جگہ آ گئی جہاں اردو کتابیں ناپید اور پھر یہ ہوا کہ میں پاکستان سے کتابیں منگوا کر پڑھنے لگی لیکن اتنا زیادہ کسی بھی رائٹرز کو نہیں پڑھا کہ مجھے لگے وہی میرے لکھنے کی وجہ بن گئی یا بن گئے ہوں۔

سوال نمبر ۲: آپ کو اس شعبے میں آنے کے لیے کس فیملی ممبر کی سپورٹ

حاصل ہے؟

جواب:۔ ہماری فیملی کا مزاج الحمدللہ ایسا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو تو کیا کسی دوسرے کو بھی اگر کسی بھی موقع پر سپورٹ درکار ہو تو ہمیشہ کوشش یہی کرتے ہیں کہ ہمت توڑنے کے بجائے ہمت بندھائی جائے اور اس بات کے سب ہی معترف بھی ہیں تو ایسے میں ظاہر ہے کہ سپورٹ تو بہرحال سب کی رہی ہے۔ امی ابو ہوں یا سسٹرز جب انہوں نے مجھے لکھتا دیکھا تو ہمیشہ بہت حوصلہ افزائی کی اور اس حد تک کی کہ ایک کہانی کے بعد پھر مزید دل چاہنے لگا کہ مزید لکھا جائے ایک چھوٹی سی مثال دوں کہ ہمارے گھر میں خامی ڈھونڈنے کا رواج امی ابو نے ڈالا ہی نہیں ہے ہمیشہ ہر چیز ہر معاملے اور ہر انسان کے مثبت انداز پر فوکس کرنا ہی سکھایا گیا۔ گھر میں کھانا پکاتے ہوئے اگر کبھی کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو اس دن زیادہ تعریفیں ہوتی ہیں مصالحہ زیادہ ہو گیا تو کی گئی محنت اور کھانے دینے کے انداز کی تعریفوں کے ساتھ ساتھ پھر اس مصالحے کے کم زیادہ ہونے کو بھی سراہا جاتا ہے جیسے آج تو ہونا ہی تھا اور اگر نہ ہوتا تو پتا نہیں ہم کھانا کیسے کھا پاتے تو پھر آپ خود ہی سوچ لیں کہ جب میری پہلی کہانی چھپی ہوگی تو میری حوصلہ افزائی کے لیے کیا کیا نہیں کیا گیا ہوگا اور کس کس انداز میں مجھے سپورٹ کیا ہوگا۔ سو پہلے امی ابو اور بہنیں اور شادی کے بعد ہسبنڈ کی بھرپور سپورٹ رہتی ہے۔

سوال نمبر۳:۔ آپ کا اپنا فیورٹ ناول یا افسانہ؟

جواب:۔ اپنے لکھے ہوئے میں سے منتخب کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن چونکہ آپ نے صرف ایک بتانے کا کہا ہے تو "وہی ایک لمحہ زیست کا" یہ ناول مجھے خود بھی بہت پسند ہے اور افسانوں میں "ہزاروں خواہشیں ایسی" جس میں خانہ بدوشوں کی کہانی اور تمام لب و لہجہ بھی ان کا ہی تھا مجھے لکھتے ہوئے بہت منفرد اس لیے بھی لگا کہ ان کی زبان مختلف تھی جو بہت کم قارئین کو پہلی مرتبہ پڑھنے میں سمجھ آئی اور سب نے ہی کہا کہ وہ افسانہ انہوں نے بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھا پھر دوسری مرتبہ پھر پڑھا تو وہ لہجہ سمجھ میں آیا۔ لیکن ان کی بول چال اور قاری کے ذہن کو ان کی بستیوں تک لے جانے کے لیے مکمل طور پر انہی کے انداز میں ڈائیلاگز لکھنا بہت ضروری تھا اس کے بغیر شاید وہ مزہ نہ آتا۔

سوال نمبر۴:۔ آپ میرڈ ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں الحمدللہ میں نہ صرف میرڈ بلکہ دو پیارے پیارے بچوں عبدالرحمان اور محمد حمزہ کی ماما جانی بھی ہوں جن کے دم سے ہر دم رونق اور جن کی دلچسپ باتوں سے ذہن فریش رہتا ہے اور میری دعا ہے کہ رب کعبہ ہمیں ہمارے والدین کے لیے اور ہمارے بچوں کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنا دے آمین۔

سوال نمبر۵:۔ آپ کی زندگی کا کوئی ایسا دلچسپ واقعہ جو آپ بھلا نہ سکی ہوں؟

جواب:۔ کوئی ایک......؟ میری زندگی تو مختلف قسم کے دلچسپ، رنگی، خطرناک اور ایڈونچرز سے بھری ہوئی ہے جن میں سے ایک کا انتخاب کروں تو کس کا، ویسے بھی کسی بھی واقعے کو دلچسپ بنانا تو ہمارے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے بالکل ایسے جیسے چائے کا کپ سامنے رکھا ہو اور اس میں چینی ڈالنا آپ کے اختیار میں ہو۔ لیکن ایک تازہ ترین واقعہ شیئر کرتی ہوں، جسے دلچسپ بنانے میں میرا تو کوئی حصہ نہیں لیکن ہاں صورت حال ہی ایسی بنی کہ بات ذرا دلچسپ ہوگئی۔ دراصل پچھلے دنوں کسی دعوت پر جانے کا اتفاق ہوا وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ میزبان نے ایک مہمان سے میرا تعارف کروایا کہ یہ فاخرہ ہیں جن کا ناول میں نے تمہیں پڑھایا تھا اب آگے کی بات چیت مکالمے کے انداز میں ذرا دھیان سے پڑھیے گا کہ صرف ایک دو لفظوں کے مس ہونے سے کیا کچھ بدلا۔

"ارے واؤ تم فاخرہ ہو (کچھ تعریفیں) مجھے ڈائجسٹ اور کہانیاں پڑھنے کا خاص شوق نہیں ہے لیکن اس نے (میزبان کا نام) تمہارا "لال جوڑا" پڑھوایا اور یقین کرو مجھے لگا تم نے وہ سب میرے ہی گھر کے بارے میں لکھا ہو۔"

"بس کوشش کی تھی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو پسند آیا۔"

(ناول کے متعلق کچھ تعریفی کلمات)

"فاخرہ ابھی جانا ہے یا تھوڑی دیر رکنا ہے؟" (میرے ہسبنڈ نے جو ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے نزدیک آکر پوچھا)

"یہ تمہارے......؟"

"میرے ہزبینڈ ہیں۔"

"اوہ تو آپ میرڈ ہیں۔" (حیرت کا اظہار)

"جی الحمدللہ"

"اب وہ تم سے آپ پر منتقل ہو گئی تھیں کچھ باتوں کے دوران ہی عبدالرحمان بھی پہنچ گئے۔

"ماما جانی صبح میں نے بیٹا (پکنک) پر جانا ہے تو گھر چلیں۔"

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" ماشاءاللہ عبدالرحمان کو غور سے دیکھتے ہوئے وہ بولیں۔

"جی یہ میرا بیٹا ہے اور وہ جوان بچوں میں گرین شرٹ والا ہے ناں گلاسز والا وہ بھی الحمدللہ میرا ہی بیٹا ہے۔"

"اچھا، اچھا او آپی بچے تو ماشاءاللہ دونوں کیوٹ ہیں۔

پہلے جان پھر جان جاں پھر جان جاناں ہو گئے والا گانا تو میں نے سنا ہوا ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک ہی نشست میں پہلے تم پھر آپ اور پھر آپی تک پہنچ جائیں گے۔

بعد میں ساتھ کھڑی ایک اور لڑکی کے ذریعے میزبان کو یہ بات پتا چلی تو خفا ہوئیں کہ تم نے ٹوکا کیوں نہیں اسے، لکھتے ہوئے تو کرداروں کے بڑے مکالمے لکھ لیتی ہو اس کے منہ پر بھی دو تین جملے مارتیں ناں تو مجھے بھی سکون ہوتا۔

خیر منہ پر جملے مارنا نہ مارنا تو ایک الگ بحث ہے لیکن میں نے خود اس تازہ ترین واقعہ کو بے حد انجوائے بھی کیا اور اس پر سوچا بھی بہت کہ اگر ہم ہر سال اپنی سال گرہ دھوم دھام سے منا لیتے ہیں تحائف وصول کرتے ہیں مبارک بادیں لیتے ہیں تو اسی لیے ناں کہ ہماری عمر کا ایک سال بڑھ چکا ہے یعنی ہماری عمر میں اضافہ ہو گیا ہے تو پھر اس کے باوجود بھی ہمیشہ عمر چھپانے کی جستجو میں کیوں لگے رہتے ہیں۔ جب ایک بار دنیا میں آ گئے تو پھر تاریخ نے بڑھنا ہی ہے اور ویسے بھی کسی کے چاچی پھوپی امی تائی یا آپی او آنٹی کہنے سے ہم وہ بن تو نہیں جاتے نہ ہماری عمر میں فٹ سے اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کا نام لینے یا بے تکلف ہونے سے عمر کم ہوتی ہے۔

سوال نمبر۶:۔ کس طرح کے لوگ آپ کو اٹریکٹ کرتے ہیں؟

جواب:۔ خوش مزاج، ذہین اور برجستہ لوگ۔

سوال نمبر۷:۔ کوئی غزل یا سونگ جو آپ کے موڈ کو بدل دے؟

جواب:۔ اب تو مجھے میوزک سے کوئی خاص لگاؤ نہیں رہا پچھلے تین چار سالوں سے میوزک اتنا سنتی ہی نہیں ہوں ورنہ تیز آواز میں میوزک میرے گھر میں ہونے کی پہچان ہوتا ہر طرح کے سونگ سنا کرتی تھی لیکن مجھے یاد ہے کہ احمد جہانزیب کا گانا "کہوا ایک دن کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے" جب ریلیز ہوا تھا تو اتنا پسند تھا اور میں اس قدر یہ سونگ سنا کرتی تھی کہ فل سی ڈی میں صرف یہی ایک سونگ ریکارڈ کروایا ہوا تھا تاکہ تسلسل سنتی رہوں۔

اب اگر سنوں تو میں فاسٹ میوزک سننا ہی پسند کرتی ہوں کیونکہ غزلیں مجھے اداس کر دیتی ہیں دل کو بوجھل کر دیتی ہیں کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ میوزک بہرحال بندے کے موڈ پر اثر انداز تو ہوتا ہی ہے۔

سوال نمبر۸:۔ آپ کا کوئی پسندیدہ شعر؟

جواب:۔ کسی ایک کا انتخاب تو بہت مشکل ہے کیونکہ شاعری مجھے بے حد پسند ہے لیکن اس وقت جو ذہن میں آ رہا ہے وہ لکھ دیتی ہوں یہ میاں محمد بخش کے صوفیانہ کلام میں پنجابی زبان میں لکھا گیا ہے۔

جناں قدر نہ میرا تے صاحب نوں وڈے آیاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا مینوں محل چڑھایا سائیاں

آخر میں آپ نے میرے لیے جو اتنی ساری دعائیں لکھیں ہیں ان کا بہت بہت شکریہ اللہ آپ کو بھی دنیا اور دین میں کامیابیوں سے نوازے آپ کی فرمائش پر آپ کے لیے ایک شعر جو میں نے ابھی ابھی آپ کے لیے لکھا۔

تمہارے مسکرانے سے جو دل میں پھول کھلتے ہیں
خدا جانے کہ ان پھولوں کی خوشبو صرف تم سے ہے
بہاروں میں یہ جو ہر سو ہے پھیلی تازگی دیکھو
یہ ان کی تازگی، جوبن، سجاوٹ صرف تم سے ہے

فاخرہ گل

اب یہ سوالات ہیں پیاری سی حنا اشرف کے کوٹ ادو سے۔
حنا ڈیئر آپ کے شروع کے جوابات تو میں دے چکی ہوں اس لیے آپ کے تیسرے سوال سے شروع کرتے ہیں۔ امید ہے کہ پہلے دو کے جواب آپ کو اوپر کی سطور میں مل جائیں گے۔

سوال نمبر۱: ہمارے لیے دوسروں کو سمجھنا مشکل ہے یا خود کو؟
جواب: پیاری حنا سب سے پہلے تو اپنے آپ کا بنیادی تعارف ہر انسان کے علم میں ہونا ضروری ہے کہ آخر ہم کیا ہیں، کون ہیں، کیوں ہیں؟ ہمیں اپنی ہستی کے متعلق ضروری آگاہی ہونی چاہیے اور ہمیں یہ بھی تسلیم کرلینا چاہیے کہ ہم سب اگر دیکھا جائے تو خاک ہیں محض خاک۔
البتہ وقت کے سنہرے تھال میں موجود ہمارے اعمال کے سکے ہمیں خاک کے کس درجے پر فائز کرتے ہیں یہ اختیار مکمل طور پر ہمارا ہے ایسی خاک جو دھول بن کر اڑتی ہے اور ہر منظر کو گرد آلود کر جاتی ہے۔ صاف ستھری روشن آنکھوں میں پڑے تو ان میں آنسو بھر دیتی ہے یا پھر ایسی خاک جس کی پاکیزگی کی لوگ قسمیں کھایا کرتے ہیں اور جسے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی حسرت ہر دل میں رہتی ہے۔
ہم دوسروں کو سمجھنے کا خیال ضرور رکھتے ہیں دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن اس میں صداقت نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو لوگ اتنے اتنے برسوں کی دوستی یا رفاقت کو کبھی چھوڑ کر نہ جاتے میرا انہیں سمجھنے کا دعویٰ رکھنے والے لوگ ایسا ہونے نہ دیتے۔
اس لیے میرا خیال ہے کہ خود کو سمجھنا نسبتاً آسان بھی ہے اور فائدہ مند بھی ہم اگر صرف اور صرف اپنی ذات کے ہی خواص سمجھ جائیں تو خود شناسی کی طرف بڑھا ہوا یہ پہلا قدم بہت آگے تک ہماری رہنمائی کرسکتا ہے۔

سوال نمبر۲: خوش گوار اور خوب صورت زندگی کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
جواب: خوش گوار اور خوب صورت زندگی کے لیے ظاہر ہے کہ ہمیں خوش رہنا چاہیے اور ہر وقت خوش رہنے کی میری اپنی دو ہی ٹپس ہیں کہ یا تو یادداشت کو ظاہری طور پر اس قدر کمزور کیا جائے کہ کسی کی بھی کوئی بھی دل دکھانے والی بات یاد ہی نہ رہے اور یا پھر میری طرح اللہ کو اپنا سب سے گہرا نزدیکی اور بے تکلف دوست مان لیجیے ظاہر ہے کہ ہم انسان ہیں مشینی ربورٹ نہیں ہیں کہ ہم میں کسی بھی قسم کے احساسات نہ ہوں یا ہم میں ہرٹ ہونے میں کوئی سائنٹیفک ایرر آجائے لیکن زندگی میں جو کچھ بھی ہوا سے باقاعدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرکے سب کچھ بتائیں باوجود اس کے کہ وہ سب جانتا ہے مگر ایک دوست کی طرح اسے بتائیں کہ آج فلاں کے رویے یا بات سے مجھے بہت دکھ ہوا اور میں اب کتنا ہرٹ فیل کررہی ہوں۔ جب اپنی ساری فیلنگ بتا چکیں تو آخر میں یہ کہنا مت بھولیں کہ مالک میں نے یہ سب اس لیے شیئر نہیں کیا کہ میرے ساتھ برا کرنے پر اب انہیں سزا ملے بلکہ میں نے تو آپ کو ایک دوست سمجھ کر یہ سب بتایا ہے اور میں تو انہیں معاف کرچکی ہوں پلیز آپ بھی معاف فرمادیں۔
یہ عمل کرنے اور معاف کردینے کی عادت اپنا کر آپ اپنی ذات میں جو ٹھہراؤ سکون اور خوشی محسوس کریں گے اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ پھر اس پاک ذات کو اپنی خوشیوں میں بھی شریک کریں اور اسے بتائیں کہ یا اللہ یہ خوشی جو آپ نے میری زندگی میں عطا کی ہے میں اسے ڈیزرو تو نہیں کرتی لیکن یہ آپ کا مجھ ناچیز پر بڑا ہی کرم ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں اٹھتے بیٹھتے آپ کا شکر کروں اور آپ کی نعمتوں پر پھولی نہ سماؤں۔
بے شک زندگی اور آخرت کی خوب صورتی رب کعبہ سے قریب ہونے میں ہی ہے۔
اس موضوع پر بے حد بے حساب لکھ سکتی ہوں لیکن مجھے امید ہے حنا کہ آپ ایک باشعور اور سمجھ دار قاری ہیں ان چند سطور کے لب لباب کو سمجھ گئی ہوں گی خوب صورت زندگی کا راز بندے اور اس کے خدا کے درمیان ایک خوب صورت رشتے اور شکر گزاری میں ہے۔
اور آخر میں آپ نے بھی اپنے لیے ایک شعر لکھنے کی فرمائش کی ہے۔

ہنر بس ایک ہی ہوتا ہے دل تسخیر کرنے کا
جس کے ساتھ پل جئیں اسے اک پل کا غم نہ دیں
وجود اپنا ہو سب کے واسطے گو دھوپ میں سایہ
کسی کی آنکھ ہو پر نم، کبھی ہم ایسا غم نہ دیں

فاخرہ گل

راولپنڈی سے ڈیئر علینہ عرفان احمد لکھتی ہیں۔
السلام علیکم آپی میں آپ سے بس یہ پوچھنا چاہوں گی کہ آپ اتنی نیچرل اور ہمبل کیسے ہیں؟ اتنے فیم کے باوجود آپ کے فیس بک کے اسٹیٹس پڑھ کر جو میری رائے آئی وہ یہ ہے کہ آپ بہت ہمبل ہیں انتہا لیول اور پھر بھی سب سے اتنے اچھے طریقے سے بات کرتی ہیں یہ سب کیسے، مجھے آپ کی فین ہونے پر فخر ہے۔
جواب: وعلیکم السلام سویٹ علینہ

خاک مجھ میں کمال رکھا ہے
مصطفیٰ ﷺ نے سنبھال رکھا ہے
میرے عیبوں پہ ڈال کر پردہ
مجھ کو اچھوں میں ڈال رکھا ہے

میں اگر آپ کو اچھی لگتی ہوں تو اس میں شاید میرا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ تو آپ کا اپنا محبت بھرا انداز ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں مائی ڈیئر نیچرل یا عاجزی پسند ہونا میرے خون میں ہے میرے اندر جو بھی اچھی عادات ہیں ناں وہ سب ہی امی ابو سے آئی ہیں باقی کی اوٹ پٹانگ عادات سو فیصد میری اپنی ہیں۔ کہا جاتا ہے ناں کہ اولاد اکثر اوقات وہ نہیں کرتی جو اسے صرف کہا جاتا ہے بلکہ وہ عمل تیزی سے اڈاپٹ کرتی ہے جسے وہ اپنے والدین کو کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو میں نے بھی دیکھا کہ گھر پر کام کرنے والی آنٹی ہوں اور کھانے کا وقت ہو تو امی انہیں ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ بچپن سے لے کر آج تک میں نے انہیں کبھی کسی کام والی کو ڈانٹتے تو دور سخت لہجے میں بات کرتے نہیں دیکھا اور وہ ہمیں بھی یہی کہتی ہیں کہ خود کو اس کی جگہ رکھ کر دیکھو اور سوچو تو کبھی ملازم سے سختی سے پیش نہیں آسکو گی اس طرح ابو بھی ہمیشہ اپنے ماتحت افسران سے لے کر ڈرائیور تک سب کی عزت نفس اور شخصیت کا احترام کرتے تو یہ سب شاید شخصیت کا حصہ ہی بن گیا کہ کوئی بھی خواہ بازار میں چیزیں بیچنے والا ہو یا آپ کے سامنے رہنے والا ہمسایہ سب کے ساتھ اس طرح ملنا ہے کہ انداز میں تکبر تو اللہ معاف کرے، بہت بڑا لفظ ہے اور واحد خدا کو زیب دیتا ہے کسی بھی قسم کی بڑائی تک ظاہر نہ ہو اور جہاں تک سب سے اچھے طریقے سے بات کرنے کی بات ہے تو یہی میرا فطری انداز ہے میں اپنے اوپر مصنوعی خول نہیں چڑھا سکتی۔
کوشش یہی ہوتی ہے کہ جب آپ سب کی طرف سے اتنی محبت ملتی ہے تو اس کا جواب بھی بہترین الفاظ میں دیا جائے جب لکھنا اسٹارٹ نہیں کیا تھا تب بھی یہی انداز تھا اور اب، جبکہ چند لوگ جانتے ہیں تب بھی ویسا ہی ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا کہ شہرت تو آنی جانی چیز ہے لیکن اخلاق دائمی دولت ہے جس کا پلڑا آخرت میں بھی بھاری رہے گا۔

ثمینہ کوثر چیچہ وطنی سے پوچھتی ہیں۔
فاخرہ میں آپ کو بہت پسند کرتی ہوں آج کل کے زمانے میں جہاں فرسودہ رومانس لکھ کر بچیوں کی شخصیت کو مثبت انداز میں تراشنے کے بجائے انہیں ایک افسانوی دنیا میں دھکیلا جارہا ہے اور بچیاں بھی اس بہاؤ میں خوشی محسوس کررہی ہوں ایسے میں آپ کے معاشرتی موضوعات میرے دل کو چھو جاتے ہیں آپ کی کہانیاں میرے اس دعوے میں ثبوت کا کام کرتی ہیں جن میں، میں کہتی ہوں کہ زبردستی کے رومانٹک سین اور مکالموں کے بغیر بھی ایک مضبوط کہانی لکھی اور پسند کی جاتی ہے کیا کبھی اپنی اس خوبی پر تکبر محسوس ہوا لمحہ بھر کے لیے ہی سہی۔
ثمینہ میں نے آپ کی طویل ترین تعریفوں کو پڑھ لیا ہے البتہ یہاں پر صرف یہ چند لائنیں رسید کے طور پر لکھی ہیں اتنے خوب صورت الفاظ اور حوصلہ بڑھانے کے لیے بہت بہت شکریہ۔ تکبر، کیوں؟ کس بات پر اور کس کے سامنے کروں اور کیا اس خدا سے چھپ کر کروں جو تمام جہانوں میں واحد تکبر کے لائق ہے؟
اللہ معاف کرے غرور و تکبر کرنا تو دور کی بات ہے میں نے تو ایسا کبھی سوچا بھی نہیں ہے اور پھر اگر یہ سوچ لیا جائے کہ ہمارا ہونا ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہی نہ ہونا ہمارے بس میں خود کو دنیاوی معاملات میں پیسے کے بل پر طاقت ور خیال کرنے

والے لمحہ بہ لمحہ ختم ہونے والی عمر کی پونجی کو تھام لینے پر قادر ہیں اور نہ ہی بڑھاپے کی طرف بڑھتے قدموں کو روک لینے پر نہ قلم ہاتھ میں تھامنے کی جرات اس کی مرضی کے بغیر کر سکتے ہیں اور نہ ہی ذہن میں ایک بھی لفظ اس کی اجازت کے بغیر آ سکتا ہے۔

تو پھر انا کیسی، تکبر کیوں، اور غرور کس بات کا؟

خالی ہاتھوں کو نواز دے تو اس کا کرم ہے بھرے گلشن اجاڑ دے تو اس کی مرضی، ہمارا کیا ہے جو اکڑ کر چلیں اور تکبر کریں اور اگر سب کچھ اسی کا دیا ہوا کھا پی رہے ہیں تو اس کے بندوں سے منہ ماری کس منہ سے کریں۔ دنیاوی طور پر کوئی شخص دو چار دفعہ آپ پر احسان کر دے تو اس کے سامنے قدرتی طور پر سر جھکا ہوا محسوس ہوتا ہے تو وہ تو پہلی سانس سے آخری تک ہمیں نوازے ہی جا رہا ہے دعا ہے کہ اللہ ہمیں تکبر سے سر اٹھانے والوں سے بچا کر شکر کرتے ہوئے سر جھکانے والوں میں شامل کر دے۔ لکھنے کا ہنر اس نے دیا ہے اور وہ جب چاہے لے بھی سکتا ہے تو ایک تو غرور و تکبر ویسے غلط اور پھر ایسی چیز پر جو کہ اپنی ہے بھی نہیں۔

ایمل آرزو داؤکاڑہ سے پوچھتی ہیں کہ

سوال نمبر۱: پہلی تحریر کب اور کہاں چھپی آپ کے کیا احساس تھے اور گھر والوں کے کیا تاثرات تھے؟

جواب: پہلی تحریر 2005ء میں پاکیزہ میں چھپی تھی جس کا نام تھا "آرزوؤں کے صنم کدے" اور احساس کا تو خیر پوچھیں مت بے حد خوشی ہوئی تھی اس لیے بھی کہ بھیجنے کے بعد مہینہ بھر کا بھی انتظار اللہ کا شکر ہے کہ نہیں کرنا پڑا تھا اور حیرت کی بات میں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ جب اپنی پہلی تحریر بھیجی تھی تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رائٹرز کو ادارے کی طرف سے کوئی اعزازیہ بھی دیا جاتا ہے میں تو سمجھتی تھی کہ جو بھی تحریریں چھپتی ہیں تو یہی بہت بڑی بات ہوتی ہے کہ تحریر کسی میگزین کا حصہ بنی اور اس کہانی کے ذریعے جو پیغام لکھنے والا دینا چاہتا ہے وہ بے شمار لوگوں تک پہنچ گیا اور بس۔

لیکن کہانی روانہ کرنے کے تقریباً ایک ماہ بعد امی کا فون آیا اور انہوں نے پوچھا کہ کیا تم نے کسی انعامی سلسلے میں کچھ بھیجا تھا میں نے کہا نہیں میں نے تو کہیں نہیں بھیجا ان دنوں وہ رسالہ شاید ہاکر دے کر نہیں گیا تھا اسی لیے وہ میری اسٹوری نہیں دیکھ پائی تھیں اور میں نے امی میں بھی لکھوایا ہوا تھا لیکن یہاں تو ظاہر ہے مزید تاخیر سے ملتا جب کچھ سمجھ نہ آیا تو امی نے کہا کہ رسید پر ادارے کا پتا نام تھا اور ساتھ عنوان بھی لیکن تم تو...... کہیں تم نے کہانی تو نہیں بھیجی تھی اور جو بات بچپن سے وہم وگمان میں بھی نہ تھی وہی ہوئی اور تب سب کو پتا چلا کہ میں نے کوئی کہانی بھیجی تھی جو کہ یوں چھپ بھی گئی اور اللہ کا شکر ہے اگلے ماہ تبصرہ میں بے حد سراہا بھی گیا۔ تو گھر والے بھی بہت خوش تھے اور ہمارے گھر والوں کو تو ویسے بھی سلیبریشن کا موقع ملنا چاہیے ہم چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بھی سلیبریٹ کرنے کا چانس ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور اس طرح وہ عام سے لمحات زندگی بھر کے لیے یادگار بن جاتے ہیں اور یوں بھی میرا ماننا ہے کہ خوش ہونے کے لیے کسی بڑے ایونٹ کا انتظار کرنے کے بجائے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی بہت زیادہ خوش ہونا چاہیے۔

سوال نمبر۲: آنچل ڈائجسٹ سے کیسے اور کب تعارف ہوا؟

جواب: آنچل ڈائجسٹ کے لیے مجھے نازیہ باجی نے ہی کہا تھا (میری بڑی سسٹر) کیونکہ وہ تقریباً سارے ہی رسائل کا بخوبی مطالعہ کرتی ہیں اور میں نے تو لکھنا اسٹارٹ ہی تب کیا تھا جب مجھے پڑھنے کو کچھ نہیں ملتا تھا کہ یہاں پر رسائل تو دور کی بات ہے علاوہ کتابیں بھی نہیں ملا کرتی تھیں ہاں انہوں نے بہت تعریف کی اور مجھے بتایا کہ یہ رسالہ انٹرنیٹ پر بھی باقاعدگی سے اپ لوڈ ہوتا ہے تم وہاں سے بھی پڑھ سکتی ہو میں نے پڑھا اور ماشاءاللہ اتنا اچھا لگا کہ بس فوراً ہی الحمدللہ اور اگر میں غلط نہیں تو شاید آنچل کے لیے میری پہلی تحریر "تیری چاہ میں" بلکہ پہلی اس تحریر کو بھی الحمدللہ اتنا پسند کیا گیا کہ پھر جب جب وقت ملتا آنچل کے لیے لکھنا چلا ہی رہا۔

سوال نمبر۳: موضوعات کے حساب سے آج کا رائٹر کن باتوں کو ترجیح دے رہا ہے؟

جواب: میری کم علمی کہیے کہ میں تمام رائٹرز کو پڑھ نہیں پاتی ہوں لیکن پھر بھی اگر ایک مجموعی جائزہ لیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ شاید اب لکھنے والے روحانیت کی طرف بھی کچھ متوجہ ہوئے ہیں۔ جو کہ ایک اچھا شگون ہے موضوع کوئی بھی ہو اور کیسا بھی ہو لیکن خدا اور بندے کے باہمی رشتے کو مضبوط بنانے پر ضرور دیا جاتا ہے۔ باتوں ہی باتوں میں بڑے ہی ہلکے پھلکے انداز میں اس مشفق ہستی دوسرے چند لمحے کے لیے گر لمحہ بھر کے لیے ہی سہی لیکن خدا کی "یاد" ضرور دلائی جاتی ہے کہ پڑھتے پڑھتے قاری ایک پل کو چونک سا جاتا ہے اور اگر قاری حساس دل کا بھی ہوگا تو یقینی طور پر خود احتسابی کا بھی شکار ہوگا جو کہ اچھا عمل ہے۔

اس کے علاوہ آج کا رائٹر بے حد حقیقت پسند بھی ہے اور اس کا کریڈٹ نہ صرف رائٹرز بلکہ ایڈیٹرز کو بھی دیا جانا چاہیے کہ اب افسانوی موضوعات کی وہ بھرمار نہیں رہی جسے پڑھ کر قاری یہ سوچنے لگے کہ یہ کون سی دنیا میں ہوتا ہوگا اب قارئین بھی وہ کہانی پسند کرتے ہیں جس کے کردار انہیں اپنے ہی گرد چلتے پھرتے ہوئے محسوس ہوں اور یقینی طور پر یہ گر رائٹرز کے پاس بخوبی ہے کہ وہ معاشرے کے کسی بھی کردار کا مشاہدہ کر کے اسے قارئین تک مکمل جزئیات تک پہنچا دے۔

سوال نمبر۴: کون سے موضوعات قلم کی زد میں آنے سے رہ گئے؟

جواب: اف ایمل کیا پوچھ لیا، بجھو میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا آپ نے

کہاں تک سنو گی کہاں تک سناؤں
ہزاروں موضوع ہیں کیا کیا بتاؤں
(شاعر سے معذرت)

بے تحاشا ایسے موضوعات ہیں جن پر لکھنا چاہتی ہوں لیکن افسوس کہ دن میں صرف اور صرف چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں جو کب شروع اور کب ختم ہوتے ہیں کچھ پتا ہی نہیں چلتا، چلتے پھرتے اکثر ذہن میں طرح طرح کے موضوعات گھومتے رہتے ہیں بعض اوقات تو لڑکیاں فیس بک پر ان باکس میں اپنی خود مکمل کہانی بیان کر کے کہتی ہیں کہ آپ اس پر لکھیں ابھی ہفتہ بھر پہلے ایک لڑکی نے جو اپنی زندگی کے متعلق طویل ترین میسج کیا تو پڑھ کر خود میری آنکھیں بھیگ گئیں ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے بارے میں ضرور لکھوں گی تاکہ باقی لوگ پڑھ کر سبق حاصل کریں۔

مسئلہ صرف اور صرف وقت کی کمی کا رہتا ہے ورنہ اللہ کا شکر ہے کہ موضوعات بہت ہیں جن پر لکھنا چاہتی ہوں اور اگر آپ سب کی دعائیں ساتھ ہیں تو اپنی چوبیس گھنٹوں میں سے کھینچ تان کر اپنا حصہ ضرور نکالوں گی اور لکھوں گی ان شاءاللہ۔

سوال نمبر۵: کبھی ناول کے کسی کردار میں اپنا عکس نظر آیا؟

جواب: نہیں مجھے تو نہیں لگتا لیکن کچھ کہا نہیں جا سکتا کیونکہ جب رائٹر کوئی بھی کہانی لکھ رہا ہوتا ہے تو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کردار میں اس کا اپنا آپ جھلک جاتا ہے عادات میں نہ سہی شخصیت یا خیال میں ہی سہی مگر مجھے بہت سوچنے پر بھی ایسا کوئی ناول یاد نہیں آیا شاید جو مجھے قریب سے جانتے ہیں وہ کچھ کہہ سکیں مگر میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔

سوال نمبر۶: آپ کی کوئی ایسی عادت جو آپ چھوڑنا چاہتی ہیں مگر چھوڑ نہیں۔

جواب: چھوڑ نہ سکنے کی تو بات نہیں کروں گی کیونکہ دنیا میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جس کے بارے میں بندہ سوچے اور وہ کر نہ سکے بات صرف اور صرف قوت ارادی کی ہوتی ہے کوئی بھی عادت چھوٹی جا سکتی ہے لیکن بشرطیکہ بندہ خود چاہے تو۔ میری ایک ایسی عادت ایسی ضرور ہے جس کی وجہ سے مجھے کافی زیادہ پرابلم فیس کرنا پڑی اور وہ یہ کہ میں اگر دل میں کسی انسان سے اس کے بی ہیویئر کی وجہ سے ناراض ہوں یا ان کا بی ہیویئر مجھے پسند نہیں ہے تو میں کسی اور کسی قیمت پر بھی ان سے جھوٹے منہ مسکراتے کچھ بات نہیں کر سکتی۔ دنیاداری نبھانے کو اگر کبھی ملنا بھی پڑ جائے تو چہرہ کے تاثرات ہی بتا دیتے ہیں کہ ضرور کچھ بات ہوئی ہے حالانکہ میں اکثر لوگوں کو نوٹ کرتی ہوں کہ وہ دل میں ایک دوسرے کو برا سمجھتے ہیں لیکن جب آپس میں ملتے ہیں تو ایسا ہی لگتا ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے بڑھ کر اور کوئی دوست یا قابل اعتبار رشتہ نہیں ہوگا۔

مگر ملتی ہی ان سے ہوں جن سے دل سے ملتی ہوں مجھے سوری دوستیاں ہو کی رشتے جو صرف اور صرف کسی مفاد کے تحت آپ کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں نہیں نبھائے جاتے تب کیا کروں ان کے لیے میرے دل میں کوئی بات آ جائے۔

جو دل میں بغض رکھتے ہیں ان منافقوں سے ڈرتی ہوں

ضروری نہیں کہ آپ بظاہر اپنے سامنے چہرہ میں لوگوں کا ہجوم لے کر بیٹھ جائیں کہ یہ سب میرے اپنے ہیں میرے دوست ہیں اور ان کے جاتے ہی آپ ایک

ایک میں خامیاں نکالنے لگیں تو پھر یہ کیسے دوستیاں ہوئیں جو صرف ضد پر ہی قائم رہیں ایسے لوگوں کی میری زندگی میں جگہ نہیں بنتی کیونکہ میں جسے بھی دوست سمجھتی ہوں نہ اس کی برائی کسی کے سامنے کرتی ہوں اور الحمدللہ نہ کسی دوسرے کی ہمت ہوتی ہے کہ کوئی میرے سامنے میرے دوستوں کو کچھ برا کہے۔ سو جن کو اپنے دوستوں کے لیے اس طرح کرتے دیکھتی ہوں ان سے غیر محسوس طریقے سے دور ہو جاتی ہوں اور میری اسی عادت کو سب کا خیال ہے کہ چینج ہونا چاہیے ورنہ میں کسی وقت بھی جاؤں گی لیکن میں ایسی ہی ہوں اور شاید اس معاملے میں میرے لیے بدلنا مشکل ہے۔

سوال نمبر ۷:۔ اپنی شخصیت کو تین لفظوں میں بیان کریں؟

جواب:۔ خوش مزاج، حساس، شکر گزار۔

سوال نمبر ۸:۔ زندگی کا حاصل؟

جواب:۔ صرف اور صرف محبتیں۔

مسکان شہزاد اوکاڑہ سے

ڈیئر مسکان آپ کے چند سوالات کے جواب تو میں اوپری سطور میں دے چکی ہوں اور جو رہ گئے ہیں آئیے ان کی طرف بڑھتے ہیں۔

سوال نمبر ۱:۔ رائٹر بننے کے لیے کیا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے یا انٹر پاس بھی لکھ سکتے ہیں؟

جواب:۔ بالکل بھی نہیں، ضروری نہیں کہ اگر کوئی کم تعلیم یافتہ ہے تو وہ رائٹر نہیں بن سکتا ہاں تعلیم آپ کی مدد ضرور کرتی ہے لیکن اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا شرط نہیں ہے میں نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن کے پاس ڈگری تو دور کی بات ہے انہوں نے کبھی اسکول کا دروازہ تک نہیں دیکھا ہوگا۔ لیکن اتنی گہری اور بامعنی باتیں کرتے ہیں بندہ حیران رہ جائے اور رائٹر بننا کوئی ایسی جاب نہیں ہے جس کے لیے پہلے پانچ سال کا تجربہ بھی ہونا لازم ہو میرے نزدیک تو یہ ایک خداداد صلاحیت ہے جو کچھ ذہنوں پر اللہ کریم کی طرف سے عنایت ہے اسے تراشا جاسکتا ہے نکھارا اور سنوارا جاسکتا ہے بہتر سے بہترین کیا جاسکتا ہے اور یقینی طور پر تعلیم بھی اس میں اپنا کردار ادا کرتی ہے لیکن پھر وہی بات کہ کسی بھی زبان کا لکھاری بننے کے لیے اس زبان پر عبور ہونا لازم ہے ڈگریوں کا پلندہ کوئی شرط نہیں۔

سوال نمبر ۲:۔ نئے لکھنے والوں کے لیے کوئی ٹپ، نصیحت یا مشورہ؟

جواب:۔ میں تو نئے لکھنے والوں کو بھی وہی کہوں گی جو میں سوچتی ہوں کہ اپنی کہانیوں کو معاشرے کے قریب ترین سطح پر رکھیں افسانوی اور تخیلاتی موضوع پر انحصار نہ کریں مشاہدہ تیز کریں اور اس سے بڑھ کر صبر کریں مستقل مزاجی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اگر ایک ادارے میں پذیرائی نہیں مل رہی اسٹوری رد ہو کے کہیں کی جارہی تو مایوس ہو کر پین کو ہاتھ سے رکھ نہ دیں بلکہ صرف اور صرف علامہ اقبال کا یہ شعر ذہن میں لائیں کہ

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

اگر آپ کسی بھی فیلڈ کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکنا چاہتے ہیں تو یہ مت بھولیں کہ آسمان تک کا سفر ایک جست میں طے نہیں ہوتا وہ سفر مسلسل مانگتا ہے ہمت جذبہ اور مستقل مزاجی کے ساتھ۔

اور سب سے بڑھ کر میں آپ کو اپنی ہی زندگی کی ذاتی ٹپ بتاؤں تو وہ یہ کہ آپ صرف اور صرف اپنا کام کریں محنت، لگن اور جذبے سے لکھیں پوسٹ کردیں بحوالہ ڈاک کرنے سے پہلے ہی بحوالہ خدا کردیں اگر آپ کی تحریر (یا کوئی دوسرا کام) چھپ گئی تو شکر ادا کریں اور اگر نہیں بھی چھپی تو بالکل بھی دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ مثبت انداز میں یہ سوچیں کہ ہوسکتا ہے کہ اگر چھپ جاتی تو شاید پذیرائی حاصل نہ کرپاتی یا ہوسکتا ہے کسی دوسرے میگزین میں لگے اور وہاں اللہ کے حکم سے زیادہ حوصلہ افزائی ہوجائے یا یہ کہ اگر ابھی کسی بھی ادارے میں میری کہانی نہیں جگہ بنا پا رہی تو یقینی طور پر اس میں اللہ کی طرف سے کوئی بہتری ہی ہوگی۔ کیونکہ ہمارے ذہنوں میں یہ تصور انتہائی غلط ہے کہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، میں اس جملے کو نہیں مانتی رد کرتی ہوں کیوں کہ اللہ کے ہاں تو دیر ہے نہ اندھیر۔

یہ دیر تو ہم انسانوں کے ذہنوں میں ہے اور وہ بھی اس لیے کہ ہم اس وقت اس کام کے ہونے کی خواہش کر رہے ہوتے ہیں جبکہ اللہ کے ہاں تو جس کام کا جو وقت مقرر ہے وہ اس پر ہی ہوتا ہے نہ ایک لمحہ پہلے نہ ایک لمحہ بعد میں۔ اس لیے لکھنے کے علاوہ بھی زندگی کے ہر معاملے کو بحوالہ خدا کرکے خود ریلیکس ہوجایا کریں اسی طرح جیسے کوئی مسافر بس میں بیٹھنے کے بعد منزل بتا کر بے فکر ہوجاتا ہے کہ اب ڈرائیور اسے منزل مقصود تک لے ہی جائے گا تو لکھنے سے لے کر جینے تک تمام خواہشات اللہ کریم کو بتا کر بے فکر ہوجائیں اور یقین رکھیں کہ وہ آپ کو اپنی منزل پر ضرور پہنچائے گا سو محنت نہ چھوڑیں اور اس پر یقین رکھیں۔

سوال نمبر ۳:۔ جب بھی کچھ لکھتی ہیں کہ تو اپنا مسودہ کسی کو پڑھاتی ہیں یا بس پوسٹ کردیتی ہیں؟

جواب:۔ نہیں کسی کو نہیں پڑھاتی بلکہ جو کچھ بھی لکھتی ہوں اسی حالت میں اسے بھیج دیتی ہوں جس نے بھی پڑھنا ہو چھپنے کے بعد ہی پڑھتا ہے۔

سوال نمبر ۴:۔ کبھی ایسا ہوا کہ رائٹر بننے کا طعنہ سنا ہو؟

جواب:۔ اللہ کا شکر ہے مسکان کہ آج تو ایسا وقت نہیں آیا کہ لکھنے کے حوالے سے طعنہ یا کوئی بھی بری بات گھر والوں یا باہر کسی کی طرف سے بھی سننے کو ملی ہو البتہ حوصلہ افزائی اور پذیرائی کافی ملتی ہے۔

سوال نمبر ۵:۔ آپ کس وقت لکھتی ہیں اور کتنے دنوں میں ایک ناول لکھ سکتی ہیں؟

جواب:۔ میرا لکھنے کا پسندیدہ وقت تو علی الصبح یا پھر رات کا ہوتا ہے لیکن ایسا ممکن ہوتا نہیں کہ میں ہمیشہ اپنی اوقات میں لکھ بھی سکوں کیونکہ رات کو جب تک میں بچوں کے ساتھ نہ لیٹوں تو وہ سوتے ہی نہیں سو اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انہیں سلانے کے لیے لیٹتی ہوں تو خود بھی سو جاتی ہوں، ویسے بھی یہاں نماز فجر اور عشاء کے اوقات بھی ایسے ہیں کہ سونا جاگنا ہی لگا رہتا ہے ایسے میں، میں اکثر بچوں کے اسکول جانے کے بعد ہی لکھتی ہوں۔ لیکن چونکہ باہر کے کام بھی نمٹانا ہوتے ہیں اور گھر کو بھی مکمل طور پر دیکھنا ہوتا ہے اس لیے بس عجیب سی کشمکش یا پھر یوں کہہ لیں کہ میری اور وقت کی آپس میں کھینچا تانی لگی رہتی ہے اور میں روزانہ یا باقاعدگی سے نہیں لکھ پاتی یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھار تو مہینے ڈیڑھ مہینے میں صرف ایک ناول لکھا جائے تو کبھی صرف دو تین دن میں بھی مکمل ناول لکھ دوں۔ بس موڈ اور وقت پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔ میرے سوشل سرکل میں بھی اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ گھر کے علاوہ بھی اتنے سارے کاموں میں سے وقت نکال کر آخر لکھ کیسے لیتی ہوں بقول ان کے کہ تمہارے اندر چابی بھری ہوئی ہے یا پھر کسی روبوٹ کی مشینری ہو تم کہ ہر وقت ایکٹیو رہتی ہو تھکتی نہیں اور ہم صرف گھر کے کام نمٹا کر ہی خیال کرتے ہیں کہ چلو بھئی اب ریسٹ کرنے کے لیے دوپہر کو سو جاؤ اس کے برعکس میری ڈکشنری میں دوپہر کو سونا ہی نہیں میرے نزدیک تو یہ صرف وقت کا زیاں ہے بس۔

سوال نمبر ۶:۔ آپ نے اپنے حلقہ اثر سے دیکھ کر کبھی سچی کہانی لکھی یا سب فرضی کہانیاں ہی ہیں؟

جواب:۔ مکمل کہانی تو شاید نہیں لیکن ہاں اکثر کہانیوں کا تھیم حقیقی ہوتا ہے بعض اوقات کسی کے منہ سے نکلا صرف ایک جملہ پورے ناول کا تھیم بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "وہی ایک لمحہ زیست کا" میں تانی کا کام کردار مکمل نہیں بلکہ سانحہ بلدیہ حقیقی تھا اور صرف اس کردار کی وجہ سے پورا ناول بنتا گیا۔ تیری چاہ میں، کی ہیروئن کا نام مجھے یاد نہیں رہا یہ ایک حقیقی کردار تھا جو اب بھی میرے بہت نزدیک ہے۔ "میں کس کے ہاتھ پر" سانحہ نشتر پارک پر لکھا "مس بگیاں روڈ گوڑا" میرے اپنے بیٹے محمد حمزہ کے منہ سے نکلے صرف ایک جملے نے لکھوایا کہ جب انہوں نے کہا۔ ماما جانی دعا کریں میں شہید ہو جاؤں، یہ جملہ تھا کہ کرنٹ میں بالکنی میں بیٹھی کو پانی سے ہی ابھی اس میں لگا تھا جیسا ایکدم میرے سر وہ گئے کچھ سے ہو گئے ہیں محمد سادہ معصوم سے بچے کے منہ سے یہ بات سن کر میں گنگ ہو گئی تھی یہ میرا فوری ردعمل تھا یہ بات سننے کے بعد آیا اور جب میں نے سوچا تھا کہ خود اپنے لیے شہادت کی آرزو کرنا دعا مانگنا خواہش کرنا ایک الگ بات لیکن وہ اپنے منہ سے اپنے بچوں کی شہادت مانگنا بہت بڑی بات ہے اور بلاشبہ ایک ایثار ہے کہ خود صحابہ کرام جس کو پانے کے لیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کراتے تھے۔

سو اسی رات میں بی بی کا وہ کردار وجود میں جو نہ صرف اپنے بچوں کے لیے شہادت مانگتی ہے بلکہ اس کی دعاؤں کا نتیجہ ہی ہوتا ہے کہ اس کا ہر نسل میں شہید ہوں

اور قیامت تک شہادت کا نور ہماری پیشانیوں پر چمکتا رہے اور ایک مزے کی بات میں آپ کو بتاؤں کہ "ہزاروں خواہشیں ایسی" تو خود میں نے اپنے اوپر بیتے چھوٹے سے واقعہ کو ہی قلم بند کیا تھا۔

ہوا ں کچھ یوں تھا کہ میں پاکستان گئی ہوئی تھی جون جولائی کی دوپہر میں میرے بچوں اور خالہ کے علاوہ اتفاق سے کوئی گھر پر نہیں تھا۔ بیل ہوئی اور جب میں نے گیٹ کھولا تو سامنے مکمل طور پر وہی گیٹ اپ تھے جو میں نے کہانی میں لکھا تھا ایک ہٹا کٹا فقیر کھڑا ہوا تھا اور نہ صرف کھڑا ہوا تھا بلکہ اپنا ایک پاؤں گیٹ کے درمیان میں بھی کرلیا تھا تاکہ گیٹ بند نہ ہوسکے، وہی مکالمے تقریباً جو میں نے تحریر کیے تھے بولنے لگا کہ پتا نہیں فلاں سرکار سے آیا ہوں اور یہ وہ اس کا حلیہ کچھ ایسا تھا کہ عبدالرحمان اور محمد حمزہ فوراً ہی اندر چھپ گئے میں نے اندازہ تو کرلیا تھا کہ خواہ مخواہ ہی بس فراڈیا ہی ہے لیکن پھر بھی کیونکہ دروازے پر آ گیا تھا اس لیے خالی لوٹائے جانے کا تو تصور ہی نہیں تھا تو میں نے ذرا سا پیچھے ہوکر گیٹ کے ساتھ اندرونی دیوار میں بنی بالشت بھر ڈبا نما جگہ سے اسے کچھ پیسے نکال کر پکڑائے۔

یہ جگہ ابو جی نے خاص طور پر دروازے پر آئے فقیروں کے لیے پیسے رکھنے کے لیے بنوا رکھی ہے جس میں ہمیشہ پیسے ہوتے ہیں تاکہ بیل ہونے پر واپس اندر نہ جانا پڑے اور یہیں سے ہاتھ بڑھا کر حسب توفیق ان کی مدد کردی جائے۔

لیکن جناب یہ کیا وہ کیسے نہیں مجھے تو اندر سے جا کر لا کر دو فلاں سرکار کا حکم ہے رزق میں برکت ہوگی وغیرہ وغیرہ گیٹ کے عین درمیان میں رکھا آدھا پاؤں اس کا پاؤں عجیب و غریب حلیہ اس پر جسامت ایسی کہ لمبا چوڑا پہلوان اور سب سے بڑھ کر اس کی انتہائی پر اسرار ہلکی سبز نیلی نیلی آنکھیں میں عام طور پر ایک ڈرپوک انسان ہوں۔ کاکروچ، چھپکلیوں وغیرہ سے میری نہیں بنتی، اسی لیے انہیں دیکھتے ہی یہاں وہاں بھاگنے لگتی ہوں وہ بھی مکمل ساؤنڈ ایفیکٹس کے ساتھ (جی ہاں میری مشہور و معروف چیخیں) لیکن اللہ کا شکر ہے میں کسی بھی قسم کے حالات سے یا انسان سے نہیں ڈرتی سو اندازہ تو مجھے ہو ہی گیا تھا کہ یہ جعلی فقیر ہے لہٰذا پہلے تو میں نے اسے کہا کہ جاؤ معاف کرو اور اگر پیسے لینے ہیں تو یہی لے لو اندر بھی یہی پیسے ہوں گے اور یہاں بھی وہی ہیں لیکن وہ تو ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا مار کے دھم سے زمین پر اور کہے لے کر ہی جاؤں گا اس گھر سے تو لے کر ہی جاؤں گا اور دیکھنا تمہیں فلاں قاعدے کا فلاں ملے گا۔

جون جولائی کی سناتی دار دوپہر اندر سہمے ہوئے بچے، خالہ تو سو رہی تھیں اگر میں چاہتی تو ذرا سا شور مچا کر کسی کو بلا لیتی لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی تو مختصر یہ کہ میں نے گیٹ بند کرنے کی کوشش کی اور وہ کرنے نہ دے بیچ میں پاؤں رکھا ہوا تھا اور اوپر سے ڈنڈے والے ہاتھ نے گیٹ پکڑ رکھا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتا رہا تھا کہ دو ماہ پہلے میرے ساتھ کسی نے ایسا کیا تھا وہ اب اپاہج ہوکر بیٹھی میرا سلسلسان سے یہاں سے ہے لیکن اللہ کی طرف سے مدد ایسی آئی کہ میں نے اس پوری طاقت سے اس کے پاؤں کو پرے کیا تو جس ہاتھ سے اس نے گیٹ پکڑا ہوا تھا اس میں چونکہ ڈنڈا بھی تھا سو اس کا بیلنس بگڑا اور میں نے فوراً سے گیٹ بند کردیا۔ یہ سب شاید دو سے ڈھائی منٹ کا واقعہ تھا جس پر میں نے وہ تحریر لکھی ہے اس ملنگ نما فراڈ کا چہرہ مجھے اب تک یاد ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ جن برے نتائج کی اس نے اپنی عظیم سرکار کے در سے مجھے ملنے کی خبر دی تھی آج چھ سال بعد بھی ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔

عمیرا سلیم، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ فاخرہ آپی مجھے آپ کی تحریریں بہت پسند ہیں اور جس بھی رسالے میں آپ کی کوئی تحریر شامل ہو میں وہ ضرور ہی خریدتی ہوں۔ پہلے تو میں آپ کی لکھی گئی کہانیوں کی ہی فین تھی لیکن جب سے فیس بک کے تھرو آپ کی روزمرہ کی باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں میں آپ کی سوچ کی بھی بہت بڑی فین ہوگئی ہوں اتنے خوب صورت انداز میں باتیں کرتی ہیں کہ مزہ آجاتا ہے بہت دفعہ سوچا کہ آپ کو میسج کرکے بتاؤں لیکن ہمت نہیں ہوئی اب آنچل کا بہت شکریہ کہ ان کے توسط سے آپ سے مخاطب ہوں۔

آپ کیا پاکستان بھی آتی ہیں اگر آتی ہیں تو کتنے عرصے بعد اور اب کب آنا ہے مجھے آپ سے ملنے اور آپ کو اپنے سامنے باتیں کرتا دیکھنے کی بہت شدید خواہش ہے، کیا آپ میری یہ چھوٹی سی خواہش پوری کریں گی اور کیا آپ کے ساتھ میں بھی تھوڑا سا وقت گزار پاؤں گی، جو ہمیشہ کے لیے یادگار ہوجائے میں آپ کی احسان مند رہوں گی۔

پیاری عمیرا اتنی ڈھیر ساری تعریفوں اور دعاؤں کے لیے دل سے بہت شکریہ آپ کے طویل ترین پیغام کو میں نے بڑی توجہ سے پڑھا لیکن باقی خطوط کی طرح مختصر سوال لکھا ہے کہ مجھے اپنی اتنی تعریفیں لکھنا ذرا عجیب سا لگتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں نے پڑھی نہیں آپ کے لکھے ایک ایک لفظ میں جو محبت موجود تھی میں اس کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے میری باتیں اگر آپ کو اچھی لگتی ہیں تو صرف اس لیے کہ آپ انہیں محبت سے پڑھتی ہیں کیونکہ پتا ہے ناں کہ جو لوگ برے لگتے ہوں ان کی اچھی بات بھی بری معلوم ہوتی ہے اور جو اچھے لگتے ہیں ان کی عام سی باتیں بھی دل میں گھر کر جاتی ہیں۔

جی ہاں میں تقریباً ہر سال پاکستان آتی ہوں بلکہ اس دفعہ بھی ان شاء اللہ پچیس جون کی فلائٹ ہے اور آدھے روزے ہم پاکستان میں ہی رکھیں گے پاکستان میں روزے رکھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے اور خاص طور پر سحری کے وقت ہونے والی فجر کی اذان، میں یہاں پر بہت مس کرتی ہوں ہمیشہ آپ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں تو بھلا کون سی مشکل بات ہے اگلے دو ماہ تک میں پاکستان میں ہی ہوں جب بھی آپ کا گجرات آنا ہو ضرور تشریف لائیے گا مجھے بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔

پروین افضل شاہین، بہاولنگر سے پوچھتی ہیں

فاخرہ گل آپ کا نام کس نے رکھا تھا اور کیا آپ کو یہ نام پسند ہے؟

ڈیئر پروین پہلی بات تو میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جس نام کا آپ نے پوچھا ہے یہ تو آدھا میں نے خود ہی رکھا ہے اور وہ یوں کہ میرا اصل نام فاخرہ گل نہیں بلکہ فاخرہ ذبین ہے جو امی ابو اور بڑی پھپھو نے مل کر رکھا تھا البتہ یہ فاخرہ گل میں صرف مذاق مذاق میں ہی بدلا تھا اندازہ نہیں تھا کہ یہی پھر مستقل شناخت بن جائے گا۔ دراصل میٹرک میں ہم چار دوستوں کا گروپ تھا فاخرہ ذبین یعنی کہ میں، شازیہ گل جو سوات کی تھی، عائشہ صدیقہ اور عائشہ اشرف ان میں سے بالترتیب ایک حیدرآباد جبکہ دوسری پنجاب کی تھی ہم چاروں میں سے میں اور شازیہ ایک دوسرے کے زیادہ کلوز تھے اور وہ دونوں بس پھر ایک دن اسی محبت میں آکر ہم چاروں نے اپنے لاسٹ نیم ایک دوسرے کے ساتھ تبدیل کرلیے۔ کاپیز، جرنلز، ڈائری ہر جگہ پرسے نام کے اسٹیکرز ہٹا کر دوبارہ نئے ناموں والے اسٹیکر لگائے گئے ساری کلاس کو بھی اس تبدیلی کے بارے میں بتایا گیا اور یوں میٹرک ختم ہونے تک ہم یہی نام استعمال کرتے رہے انہی دنوں میں نے ایک میگزین میں شاید اپنی پہلی نعت یا کوئی مراسلہ اب یاد نہیں بھیجا جس پر وہی نام یعنی فاخرہ گل ہی لکھا اور اس کے بعد سے میں تحریری سفر میں یہی نام لکھنے لگی۔

البتہ مجھے اپنا نام فاخرہ ذبین بھی بے حد پسند ہے کیونکہ ناموں کا انسان کی شخصیت پر بے حد اثر ہوتا ہے اور میں اس بات کی بے حد قائل بھی ہوں، جیسا کہ میں نے دو سال میں اللہ کے کرم سے چار کلاسز پاس کی۔ یعنی ون ٹو اور پھر اس کے بعد تھری اور فور اور یہ آئیڈیا مکمل طور پر ہمارے سر اور ہمارے پرنسپل کا تھا کیونکہ ہماری امی کا شروع سے ہی ہمارے پڑھائی کے معاملے میں یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ لیسن جو کل ٹیچر نے پڑھانا ہے اسے پہلے ہی گھر میں اچھی طرح پڑھنے پر زور دیتیں یوں جب بھی ٹیچر کچھ پڑھاتے ہیں فٹافٹ ہر چیز کا جواب دے دیا کرتی، کلاس ورک بھی فوراً اور ٹیسٹ میں بھی سب سے اوپر..... تب سر نے ابو کو کہا کہ فاخرہ تو بہت ذہین ہے (آہم آہم) تو اگر آپ چاہیں تو اسے تیاری کرا کر اگلی کلاس کے بھی پیپر لے جاسکتے ہیں میری خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا بس پھر دل لگا کر تیاری کی اور اللہ کی مدد سے پورے دونوں کلاسز میں ٹاپ کیا۔

آگے بھی کئی سلسلے اسی طرح کے سامنے آئے جب مجھے کبھی سننے کو ملتا ہاں بھئی فاخرہ ذہین جو ہے اس سے تو یہی امید تھی ماشاء اللہ، مختصر یہ کہ مجھے اپنا نام بہت پسند ہے۔

آپ کے باقی سوالات کے جواب ضرور آپ کو انہی صفحات پر مل گئے ہوں گے۔

(جاری ہے)

عید وہے

عیدِ قرباں اور ہم

عائشہ خان...... ٹنڈو محمد خان

جواب نمبر۱:۔سب سے پہلے تمام قارئین کو السلام علیکم اور بقرعید مبارک' عیدالضحیٰ پر سب سے پہلے گوشت کی چیز تو نہیں کیونکہ گوشت کٹنے میں وقت لگتا ہے البتہ کلیجی سب سے پہلے تسلے میں لینڈ کرتی (ہاہاہا) ہے تو کلیجی ہی پکائی جاتی ہے۔ چونکہ میرے ہاتھ کی پکائی ہوئی کلیجی سب گھر والوں کو پسند ہے تو مجھے ہی کچن کی جانب دوڑنا پڑتا ہے۔

جواب نمبر۲:۔واقعی آج کل سب دکھاوے کی دوڑ دھوپ میں لگ گئے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کرنے سے قربانی کا ثواب رہ جائے گا اور ویسے بھی جب اللہ سے کچھ چھپ نہیں سکتا تو جس کو رضی کرنا وہ ہی منافقت اور دکھاوے سے آگاہ ہے تو یہ نمود و نمائش کیسی اور پھر اس عمل سے ان لوگوں کی بھی دل آزاری ہوتی ہے جو صاحب حیثیت نہیں۔

جواب نمبر۳:۔قربانی کے گوشت سے عام طور پر سیخ کباب، بریانی، کچے قیمے کے کباب، قورمہ، نہاری وغیرہ وغیرہ تو پکتے ہی ہیں مگر ایک ڈش جو فرمائش کرکے بنواتے ہیں وہ ہوتی ہے سوئٹ ڈش۔ میرے بچے جو کوئی گال پر ہاتھ رکھے آتا ہے مما داڑھ میں بوٹی پھنس گئی درد ہو رہا ہے، ایک آتا مما پیٹ میں درد ہو رہا ہے ایسے میں۔ بچے ٹھیک سے کھانا نہیں کھا پاتے تو باری آتی ہے سوئٹ ڈش کی، میٹھے میں سویاں، شاہی ٹکڑے، کھیر، شیر خورمہ، یا حلوہ جو بھی بچے کہتے ہیں بنا دیتی ہوں۔

جواب نمبر۴:۔چونکہ ہم بقرعید اپنے جیٹھ کے گھر مناتے ہیں تو بٹوارے کے پیکٹ بنانے کا کام انہیں کا ہوتا ہے البتہ میں ہیلپ کراتی ہوں۔ مگر پیکٹ جیٹھانی بنائی جاتی ہیں اور بھجوائی جاتی ہیں۔

جواب نمبر۵:۔ہاہاہا، دلچسپ واقعہ ایک بار ہمارے جیٹھ جو فاران شوگر مل شیخ بھر کیو میں رہتے تھے انہوں نے جو بکرا خریدا وہ بڑا ہی لڑاکو خان ہلا کو خان ٹائپ کا تھا سینگ مارنا اس کی ہابی تھی اب صحن میں ہم سب موجود اور بکرے کو غصہ آ گیا۔ اب ہمارا آ تھ دس کا لشکر آ گے آ گے اور بکرا پیچھے پیچھے اور بکرے کے پیچھے جیٹھ کا بیٹا (عدیل) اسے قابو کرنے کے چکر میں پھر بھئی ہم سب نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی دروازے کی کنڈی لگائی مگر پھر بھی بکرا دروازے پر ٹکریں مار مار اپنا دل خوش کرنے لگا۔ صد شکر عدیل نے اسے قابو کر لیا۔ ایک اور واقعہ ہماری خالہ کے گھر میں ہم سب قربانی دیکھنے جاتے تھے۔ پڑوسیوں کی گائے جو آدھی ادھوری ذبح کی ہوئی بھاگ گئی بس پھر کیا تھا آس پڑوس کے تمام قصائی ہائی الرٹ ہو کر اس کے پیچھے بھاگے بمشکل تمام اسے قابو کرکے مکمل ذبح کیا۔ یہ سارا منظر ہم سانس روکے اپنی اپنی گیلریوں سے دیکھتے رہے۔

طیبہ نذیر...... شاہیوال گجرات

جواب نمبر۱:۔سب سے پہلے کلیجی پکاتی ہوں۔

جواب نمبر۲:۔بالکل ٹھیک کہا آپ نے خاص طور پر امیر لوگ جو گوشت سے اپنے فریزر بھر لیتے ہیں (وہ بھی پورے سال کے لئے کیوں صحیح کہا نا میں نے) اس طرح کے لوگوں کو چاہیے وہ زیادہ سے زیادہ غریب لوگوں میں گوشت بانٹیں امیر لوگ تو عام روٹین میں بھی گوشت کھاتے رہتے ہیں لیکن بے چارے غریب لوگ شادی پر ہی کھا سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر پیدا کیا ہے تو ہم لوگ کیسے فرق ڈال سکتے ہیں قربانی بھی ان لوگوں کی قبول ہوتی ہے جن لوگوں کی نیت صاف ہو اور وہ ثواب سمجھ کر اس فریضہ کو سرانجام دیں اور آج کل کے لوگ اپنی عزت بنانے کے چکر میں اپنے رشتہ داروں کو باور کرانے کے لیے گوشت زیادہ دیتے ہیں کہ (اوہناں نوں وی پتا تے چلے اسی ایڈا وڈا ڈنگر کیتا وے) میری تو دعا ہے کاش سب لوگ اس حقیقت کو سمجھ جائیں اور ثواب کے مستحق ٹھہرے نہ کہ گناہ کے۔

جواب نمبر۳:۔نہیں ایسی خاص فرمائش تو کسی کی بھی نہیں ہوتی لیکن مجھے میٹھا بہت پسند ہے تو میں تو میٹھی ڈشز بنا کے کھاتی ہوں اور گوشت کو دیکھ کر ویسے ہی میرے دانتوں میں درد شروع ہو جاتا ہے سو میں عید پر عید والا گوشت نہیں کھاتی۔

جواب نمبر۴:۔یہ فریضہ میری چھوٹی بہن مکیہ بخوبی نبھانا جانتی ہے وہی محلے میں بانٹتی ہے سب کے حصے وغیرہ علیحدہ علیحدہ کرکے میں تو گوشت کو ہاتھ تک نہیں لگاتی اور نہ ہی پکاتی ہوں ویسے عید والے گوشت کے علاوہ میں پکاتی ہوں لیکن عید والا گوشت دیکھ کر ہی دل بھر جاتا ہے میرا، اتنے دن مکیہ ہی کوکنگ کرتی ہیں۔

جواب نمبر۵:۔کچھ خاص واقعات تو نہیں گزرے لیکن دس بارہ سال پرانا واقعہ ہے کہ میں اپنی بڑی آپی نویلہ کے پاس (دھیر کے خورد) گئی ان کے سسرال میں تو جب آپی کے سسرال والے گائے ذبح کرنے کے لیے ابھی پر تول ہی رہے تھے کہ گائے نے باہر دوڑ لگا دی وہ بھی پانی والے کھیت میں آپی کے جیٹھ کے بیٹے نے بھی پیچھے چھلانگ لگا دی اس نے گائے کی دم پکڑی تو پھر کیا کچھ مت پوچھے گائے کا گوبر اس کے کپڑوں اور ہاتھوں میں میرا تو ہنس ہنس کے برا حال تھا یہ واقعہ آج بھی یاد کرتی ہوں تو دل قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عائشہ اختر بٹ...... سرگودھا

جواب نمبر۱:۔قربانی کے گوشت سے سب سے پہلے کلیجی یا پھر قورمہ اور پلاؤ وغیرہ پکاتے ہیں۔

جواب نمبر۲:۔ارے بابا ہم اس بارے میں کیا کہیں گے کیا ہم لوگوں کو رب ذوالجلال کا فرمان بھول گیا ہے کہ ہمارے اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اللہ تعالیٰ تک ہمارے گوشت ہماری نمود و نمائش ہرگز نہیں پہنچی بلکہ وہ تو ہماری نیت کو دیکھ رہا ہوتا ہے تو پھر نمود و نمائش

کر کے تو اعمال کو ضائع کرنے والی بات ہوئی نا، اب سمجھ دار باجیاں، آنٹیاں معزز خواتین سب ہی سمجھ تو گئی ہوں گی کہ مجھ کج فہم کا کیا مطلب ہے (گستاخی معاف)

جواب نمبر۳:۔ مزے کا سوال ہے ہماری طرف تو بھابی کی بنی ہوئی آئسکریم کی فرمائش ہوتی ہے جبکہ ذاتی طور پر مجھے پھوپو کے ہاتھ کی کھیر بے حد پسند ہے، میرے تو منہ میں پانی آرہا ہے قسم سے پھوپو وزیر سلطانہ کے ہاتھوں کی بنی ہوئی کھیر کمس میں تو میری جان ہے آپس کی بات ہے عید پر پھوپو کی طرف چلی جاؤں ناں تو نظریں بس اس لذیذ سی کھیر کو ہی ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ ویسے عام دنوں میں میٹھا چکھنا بھی پسند نہیں کرتی ہوں کیونکہ مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے میٹھی ڈشز میں اسپائسی فوڈز زندہ باد۔

جواب نمبر۴:۔ گوشت کی تقسیم کے مرحلے سے ابھی ہم کوسوں دور ہیں ویسے بھی میری دونوں والدہ ماجدائیں بھی تقسیم نہیں کرتی ہیں اور نہیں نہیں بالکل غلط تکا ہے آپ کا بڑی سسٹر اور بھابی بھی نہیں...... آں ہاں ایسی بات ہرگز نہیں ہے کہ ہم قربانی نہیں کرتے بلکہ جناب گوشت کی تقسیم میرے پیارے بابا جانی اپنے پیارے ہاتھوں سے کرتے ہیں اور اس قدر ایمان داری سے کرتے ہیں کہ جب تک ہمارے اپنے حصے میں سے بھی آٹھ دس کلو چلا نہ جائے تو ان کو سکون نہیں ملتا (بابا میں آپ کے ساتھ ہوں) خیر بابا تو تب تک نہیں تھکتے جب تک بے چارہ ہیڈا خود بول کر نہ کہہ دے کہ انکل اب میں آپ کے حصے کا ہوں (ہاہاہا) بہر حال چھوٹی ماں کی گھوریوں پر نظر پڑنے پر یہ سلسلہ تھم سا جاتا ہے (ماں جی ناراض نہیں ہونا)

جواب نمبر۵:۔ بچپن کے حوالے سے تو ایک مزے کا واقعہ ہے کہ دادا خود گھر میں قربانی کے لیے پیارا سا دنبہ پالتے تھے ایک بار دنبے کو ہم سے بیر ہو گیا لو جی، پھر کیا تھا، لگ گیا ہمیں سیر کرانے گاؤں کی، لاکھ کہا او بھائی ہم نے سارا گاؤں دیکھا ہوا ہے مگر اس نے تو قسم کھا رکھی تھی جیسے اور پھر جب تک ہم دادا جان کی پناہ میں نہ چھپتے اس نے بھگا بھگا کر ادھ موا کر دیا اور پھر ہم نے بھی خود سے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی دنبے بکرے کی رسی کھولنے کی کوشش نہیں کرنی چاہے دھوپ میں یا بارش میں جلنا نہانا ہے۔ اور یہ تو تازہ ترین واقعہ بنتا ہے یعنی پچھلی بقرعید میرے بڑے پھوپا جان جن کو ہم ماموں فیاض بولتے ہیں نے قصائی کے ساتھ مل کر وہیڑے کی ٹانگ پکڑائی کی رسم ادا کرنے کی کوشش کی مگر یہ کیا وہیڑے کو یہ شرکت پسند نہ آئی اور اگلے ہی لمحے ایک زوردار دولتی آئی جس نے ماموں کا جبڑا تک ہلا کر رکھ دیا گھر میں سب سیریس بیٹھے اس بات پر ڈسکش کر رہے تھے مجھے شرارت سوجھی بڑے بھیا جن کے سامنے بولتے ہوئے ہر بڑا چھوٹا سوچ سمجھ کر بولتا ہے میں نے بھیا سے اجازت طلب کی۔ بھیا ایک بات بولوں، ہاں بولو سنجیدہ سا جواب آیا ماموں نے جبڑا سینکتے ہوئے یہ سونگ تو ضرور یاد کیا ہوگا مجھے تو تیری لت (ٹانگ) لگ گئی۔ ماموں کا جبڑا سینکنا ہاتھ اور ساتھ گانے کی ٹون (ویری فنی) سب کے ساتھ ساتھ بھیا بھی بے ساختہ مسکرا اٹھے (آئی لو یو بھیا)

شگفتہ خان...... بھلوال

جواب نمبر۱:۔ عید پر قربانی کے بعد سب سے پہلے کلیجی فرائی کی جاتی ہے۔

جواب نمبر۲:۔ یہ تو سچ کہا سنت ابراہیمی کو نمود و نمائش کا حصہ بنا دیا ہے قربانی بھی غریب لوگوں کے لیے مشکل ہو گئی ہے کہ جی بکرے کی ہلو تو اہمیت بڑھتی ہے خدارا مذہب میں تو نمود و نمائش نہ کریں۔

جواب نمبر۳:۔ ہمارے ہاں اس عید پر بھی شیر خورمہ کی فرمائش ہوتی ہے کہ چھوٹی عید پہ تو بنتی ہی ہے بڑی عید پر بنائی جاتی ہے۔

جواب نمبر۴:۔ گوشت کی تقسیم کا کام امی اور بھائی کے ذمہ ہوتا ہے جی ہم ابھی اس قابل کہاں۔

جواب نمبر۵:۔ ہاں جی پچھلے سال قصائی ۸ بجے ہی آ گیا ہم خوش کہ جلدی ہی فارغ ہو جائیں گے مگر نہ جی گائے بھی وہ رسہ توڑ کر بھاگ گئی اور بس جی پھر گائے آگے آگے اور گلی کے تمام لوگ اس کے پیچھے پیچھے پورا شہر ہی گھما ڈالا گائے نہر کے کنارے پر گئی سب اس کے پیچھے اس نے مڑ کر دیکھا اور نہر کراس کر گئی اور سب لوگ اس کے پیچھے نہر میں آٹھ سے گیارہ بج گئے ایک بند گلی میں گھس گئی سامنے چیزیں رکھ کر اسے روکنا چاہا مگر نہ جی سب کو ٹکریں مارتی نکل گئی پھر تو لوگ اسے دیکھ کر جو گھر سامنے دیکھیں وہاں ہی گھس جائیں اور پھر سب چھریاں لے کر اس کے پیچھے کہ جہاں بھی گری وہیں ذبح کر دیں گے۔ اللہ اللہ کر کے ۱۲ بجے وہ تھک کر جب دوسری گلی میں گری تو وہاں ہی اس پر چھری پھیر دی اور سب بھائیوں کو پھر بخار ہو گیا سب کو بعد میں اپنی اپنی چوٹیں یاد آئیں پھر گھر بیٹھ کر ہنس ہنس کر قصہ سناتے رہے اور اس کا گوشت خوب چبا چبا کر کھایا بہت بھگایا اس نے اب بھی یاد کرتے ہیں تو سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں اور اس عید پر آس پاس کے تقریباً ۶ جانور بھاگے تھے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

جواب نمبر۱:۔ (لیپٹا) جس میں قربانی کے جانور کے گردے، دل اور گوشت شامل ہوتا ہے۔

جواب نمبر۲:۔ اللہ کے پاس خوب صورت اور مہنگا جانور نہیں پہنچے گا صرف قربانی کرنے والے کی عاجزی اور اخلاص پہنچے گا اس لیے مہنگا جانور اس لیے نہ خریدیں کہ لوگوں میں ہماری امارت بڑھے گی اور لوگوں میں ہم معتبر ہو جائیں گے۔

جواب نمبر۳:۔ ثابت مونگ اور چاول کیونکہ میرے میاں جانی کو یہ بہت ہی پسند ہیں۔

جواب نمبر۴:۔ پہلے گوشت کے تین حصے کرتی ہوں ایک حصہ غریبوں مسکینوں میں دوسرا حصہ اپنے رشتہ داروں میں اور تیسرا حصہ خود رکھ لیتی ہوں ضرورت سے زیادہ اپنے حصے کا گوشت بھی بانٹ دیتی ہوں۔

جواب نمبر۵:۔ ایک بار بکرا عید پر ہم نے بکرا لیا ایک دن میں وہ بکرا صحن سے کمرے میں لانے لگی تو کمرے میں بیٹھے میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین نے کہا اس بھینس کو کہاں لے کر

آرہے ہو، میں نے جواب دیا تمہاری آنکھیں ہیں یا بٹن یہ بھینس نہیں بکرا ہے۔ میرے میاں جانی نے جواب دیا۔ میں تم سے نہیں بکرے سے مخاطب تھا۔ یہ سن کر میں ان کی طرف بڑھی مگر وہ تو دو گیارہ ہو چکے تھے۔

پارس فضل...... نامعلوم

عید قربان سب امت مسلمہ اور آنچل فیملی کو بہت بہت مبارک ہو عیدیں تو آتی جاتی رہتی ہیں قربانیاں بھی ملک میں آئے دن ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ ہماری قربانیوں کو قبول فرمائے آمین، اب آتے ہیں جی آپ کے سوالوں کی طرف۔

جواب نمبر۱:۔ جناب ہمارے گھر کی روایت کے مطابق تو سب سے پہلے سورج طلوع بعد میں ہوتا ہے اور حلوے کی کڑاہی تیار ہوتی ہے اب آپ نے گوشت کی خاص ڈش پہلی جو پکتی ہے وہ پوچھی ہے تو نمکین بھنا ہوا گوشت ہی چلتا ہے۔

جواب نمبر۲:۔ جی بالکل آج تو قربانی صرف دکھاوا ہی بن گئی ہے لوگ بکرے اور ان کا وزن دیکھتے ہیں جبکہ اللہ کو نہ تو زیادہ گوشت چاہیے اور نہ ان کی خوب صورتی بلکہ اللہ تو نیتوں کو دیکھتا ہے تو میرے خیال میں قربانی صرف اللہ کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ دنیا کو دکھانے کے لیے تو ہم صرف اپنی نیت اور خلوص کو سامنے رکھ کر دیں دنیا کو نہیں۔

جواب نمبر۳:۔ سب موڈ کی سے ہیں جو دل چاہتا ہے پکا لیتے ہیں پھر گھر میں جو اس چیز کو اچھی طرح پکاتا ہے اسی سے فرمائش کی جاتی ہے۔ مجھ سے سوئٹ ڈشز ہی بنوائی جاتی ہیں (بھئی خود جو سوئٹ سی ہوں)

جواب نمبر۴:۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جو اللہ پاک نے دی ہے اور میں نا تو اس کی بھئی مجھ میں تو اتنا دم خم نہیں، سو اس لیے ابھی تک تو یہ ذمہ داری اماجی کے کندھوں پر ہے اور وہی اسے نبھاتی ہیں کیسے معلوم نہیں۔

جواب نمبر۵:۔ قربانی کے جانور کے حوالے سے کوئی خاص واقعہ تو یاد نہیں ہاں ایک دفعہ ہمارا چھوٹا سا مینا تھا ہم نے بھی اسے بہت لاڈ پیار سے پالا تھا۔ خصوصاً چھوٹا بھائی تو اس سے بہت پیار کرتا تھا وہ اسے چیز بھی ساتھ ہی کھلاتا، ابو نے قربانی سے دو دن پہلے بتایا کہ اسے قربان کرنا ہے (بہت بگڑا ہوا ہے تنگ کرتا ہے، ہم اسے نہیں رکھ سکتے) قربانی کے وقت بھائی کو سمجھا بجھا کر راضی کیا وہ محترم تو راضی ہو گئے لیکن بکرے صاحب شاید ناراض ہی تھے اسی لیے جب اسے ذبح کرنے کے لیے لٹایا گیا گلے پر چھری پھیری تھوڑا سا کٹ لگا ادھر ابو کو چکما دے کر بھاگم بھاگ۔ پہلے تو سب ذبح ہوئے (تھوڑے سے زخمی بکرے) کو دیکھتے رہے لیکن جب سمجھ آیا تو پھر سارے گھر میں آگے آگے بکرا اور پیچھے ہم بڑی مشکلوں سے پکڑا اور قصائی سے ذبح کروایا اس واقعہ کو ہم جب بھی یاد کرتے ہیں تو خود بخود مسکراہٹ لبوں پر آ جاتی ہے۔

عروج مغل...... للہ ٹاؤن

تمام آنچل اسٹاف کو عروج مغل کی طرف سے کراری کراری نمکین اور مزےدار بقرہ عید مبارک ہو۔

جواب نمبر۱:۔ زیادہ تر عید پر خاص ڈش کلیجی یا پھر بھنا نمکین گوشت ہی پکتا ہے۔

جواب نمبر۲:۔ مذہبی تہواروں میں رواداری اور کھرے پن کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ تو معاملہ ہی خاص نیت کا ہے اور اعمال کا دارومدار تو نیت پر ہے نمائش کے بجائے خالص نیت کے ساتھ کریں چاہے چھوٹا عمل ہی ہو۔

جواب نمبر۳:۔ نہیں ہمارے گھر میں ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ضرور ہی کوئی بغیر گوشت کے ڈش بنتی ہے جب بھی سب کا موڈ ہے تو بن جاتی ہے ورنہ نہیں۔

جواب نمبر۴:۔ دیکھیں جی ابھی میرا اشمار بچوں میں ہوتا ہے تو یہ ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے لیکن گوشت کاٹنے میں ابو اور بھائیوں کے شانہ بشانہ ہوتی ہوں جی ماشاءاللہ بڑا شوق ہے مجھے تقسیم کا کام بھی ابو ہی کر دیتے ہیں پھر امی شاپر میں ڈالتی ہیں اور ہم یا امی یا چھوٹو اگلا کام کر دیتے ہیں۔

جواب نمبر۵:۔ قربانی کے جانور کے متعلق واقعات زیادہ تر بچپن کے ہیں جو مجھے پورے پورے یاد نہیں ہیں۔ دو واقعات ہیں جو مجھے یاد ہیں ایک گوشت سے متعلق ہے اور ایک بکرے سے متعلق، ہماری ایک عید ننھیال میں گزری تھی تو اس پر جب گوشت آیا تو نانا ابو نے سارے ماموؤں کو کہا کہ وہ گوشت بنوائیں تو سب بہانے بنا کر چلے گئے۔ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ ہم بنواتیں ہیں تو میری بڑی بہن اور میں ہم بنوانے لگ گئے میں نے سارا گوشت بنوالیا ہم دونوں کو بھوکسے اچھے نہیں لگتے تو مجھے پتا تھا کہ بڑی بہن کو بھی الرجی ہے لیکن وہ نانا ابو کو نہیں کرے گی۔ سو میں پانی کا بہانہ بنا کر چلی گئی تو وہ بےچاری پھنس گئی۔ اس کے وہ تاثرات مجھے ابھی تک یاد آتے ہیں تو مجھے ہنسی اور پھر نانا ابو کے کمنٹس ہاہاہا کیا بات تھی۔ کمنٹس چھوڑیں ان میں میری تعریفیں تھیں کہ میں نے بڑا اچھا گوشت بنوایا ہے۔

وثیقہ زہرہ...... سمندری

سب سے پہلے تو ہماری طرف سے تمام مسلمانوں کو بہت بہت عید مبارک اب آتے ہیں سوالات کی طرف۔

جواب نمبر۱:۔ قربانی کے گوشت سے بریانی پکائی جاتی ہے اور ساتھ گوشت کو بھونا جاتا ہے۔

جواب نمبر۲:۔ اس زمانے میں سنت ابراہیمی پر کوئی عمل نہیں کر رہا سب دکھاوا ہی ہے قربانی کے اصل مقصد سے تو سب ہٹ چکے ہیں۔

جواب نمبر۳:۔ دو سال پہلے جب ہماری بھابی بیاہ کر آئیں تو انہوں نے آلو والی نمکین سویاں پکائی تھیں پہلے تو ہم سب نے بہت مذاق بنایا تھا۔ لیکن جب کھائی تو اتنے مزے کی تھیں کہ اب وہی فرمائش پر پکوائی جاتی ہے۔

جواب نمبر۴:۔ گوشت کی تقسیم ذمہ داری تو ہے پورا بھی کیا

جاتا ہے سب سے پہلے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے دو حصے رشتہ داروں اور غریبوں مسکینوں کو بانٹ دیا جاتا ہے ایک حصہ خود رکھا جاتا ہے۔

جواب نمبر۵:۔ ہر سال بکرا قربان کیا جاتا ہے اور بہت لاڈ و پیار سے پالا جاتا ہے ایک سال پہلے کی بات ہے جب بھائیوں نے بکرے کو زمین پر لٹایا تو وہ پہلے سمجھا کہ لاڈ کررہے ہیں پتا تو تب چلا جب چھری پھیری جاچکی تھی۔

نسیم احمد مغل...... حیدر آباد

جواب نمبر۱:۔ عید پر میری شادی سے پہلے قربانی کے فوراً بعد امی کلیجی کا سالن پکاتی تھیں چونکہ کلیجی جلدی گل جاتی ہے تو پہلے یہی ڈش پکتی تھی اب سسرال میں مٹن کا قورمہ یا گوشت کا سالن پکتا ہے اور وہی لنچ میں کھایا جاتا ہے۔

جواب نمبر۲:۔ بالکل ایسا ہی ہے جہاں تک میرا خیال ہے چھوٹے قصبوں یا دیہاتوں کی بہ نسبت یہ بڑے شہروں میں زیادہ عام ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اگر خواتین چاہیں تو اس معاملے میں اپنا مثبت کردار ادا کرسکتی ہیں وہ خود اپنے اندر اپنی فیملی اور اپنے بچوں کے اندر سے یہ چیز ختم کریں تاکہ آنے والی نسل بھی قربانی کے اصل مفہوم اور مقصد سے آگاہ ہو کر اس پر عمل کرسکے۔

جواب نمبر۳:۔ ارے یہ کیا گوشت کے علاوہ کوئی ڈش، امپاسبل گوشت کی اتنی توہین ہمارے گھر میں کوئی برداشت نہیں کرسکتا کہ گوشت کے ہوتے کوئی اور ڈش پکے۔

جواب نمبر۴:۔ الحمدللہ فی الحال یہ بھاری بھرکم ذمہ داری میرے نازک کندھوں پر نہیں، امی ساس اور ابو سسر کرتے ہیں اور ماشاء اللہ بڑے احسن طریقے سے کرتے ہیں، اقربا اور مساکین کے حصے میں اپنے حصے سے بھلے زائد چلا جائے باقی دو حصوں کی ایک بوٹی بھی اپنی طرف نہ آئے اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں بلکہ بعض اوقات شام تک جب سارا گوشت تقسیم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد بھی کوئی لینے چلا آئے تو اپنے حصے میں سے بھی حسب توفیق دے دیا جاتا ہے اللہ سلامت رکھے یہ ذمہ داری اچھی طرح نبھانے والوں کو ہم تو ابھی سیکھنے کی اسٹیج میں ہیں اور ان شاء اللہ اسی طریقے اسی روایت کو برقرار رکھیں گے۔

جواب نمبر۵:۔ دلچسپ واقعہ...... ہاہاہا...... یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں پانچویں کلاس میں تھی دادا ابا عید سے ڈیڑھ دو ماہ پہلے ایک بکرا لے آئے بکرا خوب صورت تھا اچھے قد کاٹھ اور بارعب سے سینگوں والا، خیر اس نے ہمارے ساتھ رہنا شروع کیا ورنہ اس سے پہلے بکرا ہمیشہ عید سے دو دن پہلے آتا تھا۔ دن بھر گلی میں بندھا ہوتا رات کو گھر لاتے۔ ایک دن گھر پر کوئی نہ تھا ماسوائے میرے تو بکرا صاحب نجانے کیسے گلی سے کھل کر گھر چلے آئے میں چولہے کے پاس بیٹھی روٹی پکا رہی تھی بکرے کو دروازے سے داخل ہوتے اور متوالی چال اپنی طرف آتا دیکھ کر اوسان خطا ہوگئے بکرے پہ کبھی کبھی جلالی موڈ بھی آتا تھا تو اسے میں اپنے سینگوں کا زور بھی دکھاتا تو اس وقت میں نے سوچا ہو نہ ہو آج مجھے اکیلا پاکے تو ضرور ہی حملہ آور ہوگا میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ توے سے روٹی اتار کر بکرے کی جانب اچھال دی کہ وہ وہیں رک کر کھانے لگ جائے مگر اس نے شان بے نیازی سے سامنے پڑی روٹی کو اگنور کیا اور آگے بڑھا میں نے برتنوں کے اوپر سے چھلانگ لگائی اور سرپٹ بھاگی، اب میں چیختے چلاتے آگے آگے اور بکرا پیچھے پیچھے آخر بھاگ کر کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرلیا میرے چلانے کی آواز پڑوس میں بیٹھی امی سن کر جلدی سے گھر آئیں اور پورے گھر میں مزے سے مٹر گشت کرتے بکرے کی رسی پکڑ کے کھونٹے سے باندھ دیا تو یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے ہونٹوں پر ہنسی اور آنکھوں میں نمی آجاتی ہے کیونکہ عید قرباں تک بکرے کی خدمتیں اور دیکھ بھال کرکے اس سے اتنی محبت اور انسیت ہوگئی تھی کہ عید کے دن جب اسے قربان کیا گیا تو آنکھوں میں آنسو آگئے اور صحیح معنوں میں قربانی کا اصل مطلب سمجھ میں آگیا۔ تمام بہنوں کو عید مبارک، اجازت دیں۔ رب راکھا۔

فرحت اشرف گھمن...... سید والا

جواب نمبر۱:۔ عیدالاضحی پر سب سے پہلے قربانی کے گوشت سے ہمارے گھر میں کباب بنائے جاتے ہیں۔

جواب نمبر۲:۔ آج کل سنت ابراہیمی کو نمود ونمائش کا جو طریقہ بنایا ہوا ہے بہت برا ہے ہم اللہ تعالیٰ قادر مطلق کی رضا کی خاطر قربانی کرتے ہیں نہ کہ نمود ونمائش کے لیے جو لوگ نمود ونمائش کے شیدائی ہوتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لوگ دکھاوے کی خاطر رشتہ داروں کو چن چن کر گوشت بھجواتے ہیں غریبوں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا جو کہ سراسر غلط طریقہ ہے۔

جواب نمبر۳:۔ میرے چھوٹے بھائی کو گوشت کی کوئی بھی ڈش پسند نہیں اور مجھے بھی ہم دونوں بس چکن ہی کھاتے ہیں بیف اور مٹن پسند نہیں اس لیے میرا بھائی شاہی ٹکڑے اور رس ملائی کی فرمائش کرتا ہے۔

جواب نمبر۴:۔ گوشت تقسیم کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی کیونکہ فارم ہاؤس میں ابو اور بھائی ملازمین سے گوشت تقسیم کرادیتے ہیں غریبوں کا حصہ غریبوں اور رشتے داروں کا رشتے داروں کو دے دیتے ہیں بس گھر میں گھر کا ہی حصہ آتا ہے۔

جواب نمبر۵:۔ ہم ہر تہوار اپنی دادی ماں کے پاس گاؤں فرید آباد میں جاکر مناتے ہیں جوائنٹ فیملی سسٹم ہے قربانی کا جانور فارم ہاؤس میں ہوتا ہے میں بھی فارم ہاؤس نہیں گئی نہ قربانی کا جانور دیکھنے کا اتفاق ہوا اس لیے میرے پاس کوئی واقعہ نہیں ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

سب سے پہلے میری طرف سے آنچل کے تمام اسٹاف کو اور تمام قارئین آنچل کو دلی عید مبارک۔

جواب نمبر۱:۔ قربانی کے گوشت سے یوں تو کئی ڈشز پکتی ہیں لیکن سب سے پہلے ڈش ہوتی ہے مصالحے دار کلیجی اور فرائی گوشت۔

جواب نمبر۲:۔ آج کل لوگوں نے قربانی کے مقدس تہوار کو بھی

دکھاوے کا ذریعہ بنالیا ہے جو کہ نہایت غلط ہے اللہ تعالیٰ ہمارے شاندار اور خوب صورت بکرے اور گائے نہیں دیکھتا نہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ کتنے لاکھ کے آئے ہیں وہ صرف ہماری پرخلوص نیت دیکھتا ہے اس لیے ہمیں قربانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

جواب نمبر۳:۔ قربانی کے دنوں میں ہر طرف گوشت ہی گوشت نظر آتا ہے جس سے طبیعت بے زار ہو جاتی ہے مرد حضرات جب گوشت نمٹا کر فارغ ہوتے ہیں تو ہلکا پھلکا کھانے کو دل کرتا ہے مجھ سے پکوڑے اور دہی کا رائتہ کی فرمائش کی جاتی ہے۔

جواب نمبر۴:۔ گوشت کی مناسب تقسیم بہت جان جوکھوں کا کام ہے اور اس وقت جب جانور بھی مناسب سا ہو، سب سے پہلے سارے گوشت کی بوٹیاں بنوالی جاتی ہیں پھر اس کے بعد ان کے تین حصے کرلیتے ہیں ایک غریبوں کا، ایک رشتے دار و عزیز اور ایک اپنا' اپنے حصے میں سے بھی میں کافی بانٹ دیتی ہوں۔

جواب نمبر۵:۔ ویسے تو کئی واقعات ہوتے ہیں لیکن ایک آپ سے شیئر کرتی ہوں میں جانوروں خصوصاً بکروں، کتوں اور چوزوں سے بھی بہت الرجک ہوں، میرے میاں صاحب بکرے کو گیٹ کے اندر داخل کر کے گیٹ باہر سے لاک کر دیا (آٹومیٹک) اور خود بکرے کا چارادانہ وغیرہ لینے باہر ہی سے چلے گئے اور مجھے بتانا بھول گئے۔ (تھوڑے بھلکڑ ہیں نا) میں واش روم سے باہر آرہی تھی کہ میں نے بکرے کو سامنے اپنا استقبال کرتے پایا بکرے نے مجھے دیکھا تو میری طرف دوڑا آیا پھر تو میری چیخیں تھیں اور بکرے کی دوڑیں میں نے بھاگ کر واش روم میں جا کر دروازہ بند کر دیا دل خوف سے دھڑکنے لگا اب باہر دروازے پر بکرے میاں ٹکریں مار رہے تھے (بہت ہی جنگلی بکرا تھا) اور اندر میں میاں جی کو دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہی تھی تقریباً ۱۵ منٹ بعد باہر سے آٹومیٹک لاک کھول کر میاں جی چارہ وغیرہ لے کر آئے تھے تب انہوں نے اکیلے گھر میں بکرے کی کارستانیاں دیکھیں کرسیاں گری ہوئی برتنوں کی ٹرے الٹی ہوئی، کپڑے بکھرے ہوئے انہوں نے پکڑ کر بکرے کو گیراج میں باندھا تب میں نے واش روم کا دروازہ کھولا بعد میں اس بکرے کی دو دن سیوا بھی کی (تب بندھا ہوا تھا نا) آج بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر جاتی ہے۔

فیاض اسحاق...... سلانوالی

جواب نمبر۱:۔ ہمارے ہاں شروع سے روایت ہے کہ سب سے پہلے قربانی کے گوشت سے کلیجی پکائی جاتی ہے جو کہ آج تک قائم ہے پہلے یہ ڈیوٹی آپی کی ہوا کرتی تھی جب سے ان کی شادی ہوئی ہے یہ ہماری ذمہ داری ہے جو کہ ہم انتہائی ایمان داری اور خلوص نیت سے سر انجام دیتے ہیں اور سب سے خوب داد وصول کرتے ہیں۔

جواب نمبر۲:۔ آج کل سنت ابراہیمی کی پیروی کم اور دکھاوا زیادہ ہے جسٹ لوگوں کو اور رشتہ داروں کو دکھانے کے لئے خود کو شو آف کرنے کے لئے قربانی کی جاتی ہے ثواب کی نیت کم اور دکھاوے کی نیت زیادہ ہوتی ہے پھر بھی دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہماری ان قربانیوں کو قبول فرمائے آمین۔

جواب نمبر۳:۔ ایسی ڈش جو گوشت کی پکی نہ ہو اور تو کوئی نہیں ہوتی پھر سیکنڈ ڈے میری فیورٹ مسور کی دال پکا لی جاتی ہے۔

جواب نمبر۴:۔ گوشت کی تقسیم میری ماما جانی کی ذمہ داری جو کہ بہت اچھے طریقے سے مینج کرتی ہے۔

جواب نمبر۵:۔ جب ہم بہت چھوٹے تھے تو ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم تھا اور ہمارے یہاں دو یا تین قربانیاں ہوتی تھیں ایک عید پر جو بکری ذبح کی تو اس میں سے اس کا ایک بے بی باہر آیا۔ بکری اتنی اسمارٹ تھی کہ فیل ہی نہ ہوا کہ اس کا کوئی بے بی بھی ہوگا یا نہیں، ایکچوئیلی وہ جانور رات کے وقت خریدا گیا تھا پھر ہماری وہ قربانی نہ ہو سکی اور دوسری قربانی کی۔ پھر ہم بچوں نے بے بی کو اپنے ہاتھوں دفن کیا اور یہ ہماری لائف کا قربانی کا یادگار واقعہ تھا اور کئی سال تک ہم اس بے بی کی قبر پر بھی جاتے رہے۔ اب بھی ہم انکل کو کہتے ہیں کہ انکل وہ قربانی لائیے گا جو کہ ایک بچہ بھی ہمیں دے۔

مایہ کنول ماہی...... گوجرانوالہ

جواب نمبر۱:۔ ڈشز تو بہت ساری پکتی ہیں سب کی اپنی اپنی فرمائشیں ہوتی ہیں البتہ مصالحے والی بریانی ہماری پہلی ڈش ہوتی ہے۔

جواب نمبر۲:۔ سو فیصد اس بات پر اتفاق کرتی ہوں، پچھلے سال کی بات ہے میں نے ایک خاتون کو کہتے ہوئے سنا کہ اگلے سال ہم بھی قربانی کریں گے تاکہ ہمارے بچے بھی دوسروں کا منہ نہ دیکھیں۔ اور دوسرا یہ کہ فلاں نے قربانی کی ہے ہم کیوں نہ کریں، ہم کون سا اس سے کم ہے۔ قربانی کا اصل مقصد اور اصل نیت تو سب ہی لوگ بھول گئے ہیں اور جو لوگ قربانی کرتے بھی ہیں وہ صرف خود کو مدنظر رکھتے ہیں کسی غریب کے گھر چولہا نہیں جلا تو ہمیں کیا ہے، ہمیں تو بس اپنے گھروں کے فریجوں کو بھرنا ہے تاکہ پورا مہینہ آرام سے من پسند ڈشز پکا کر کھا سکیں۔ (بڑے افسوس کی بات ہے یار)

جواب نمبر۳:۔ کچھ مت پوچھیں عید کا تو سارا دن ہی پکانے اور کھانے کی نذر ہو جاتا ہے البتہ ہمارے گھر میں سوئٹ ڈش زیادہ بنتی ہے کیونکہ ہم پوری فیملی ویجیٹرین ہیں گوشت کو پسند نہیں کرتے اس لیے میٹھا زیادہ شوق سے کھاتے ہیں۔

جواب نمبر۴:۔ نو پرابلم یار یہ ماما جانیں اور ان کا کام ہم تو بری الذمہ ہیں کیونکہ مابدولت کا شمار ابھی چھوٹوں میں ہے اور یہ کام گھر کے سربراہ کا ہوتا ہے (کیا سمجھے)۔

جواب نمبر۵:۔ بہت انٹرسٹنگ سوال ہے کچھ سال پہلے کی بات ہے ہمارا ایک بکرا تھا جسے ہم نے بچپن سے ہی پالا تھا اور مجھے تو جانوروں سے بڑی انسیت اور محبت ہے۔ میں نے اسے مارنا سکھا دیا حالانکہ میرے پاپا نے منع بھی کیا کہ اسے مارنا مت سکھاؤ کل کو یہ تنگ کرے گا۔ مگر وہ ماہی کیا جو کسی کی بات مان جائے لیکن یہ مجھے کیا پتا تھا کہ ایک دن یہ اپنا ہنر مجھ پر آزمائے گا۔ ہوا یوں کہ ایک دن امی

ماموں کے ہاں گئی تھیں بھائی بھی گھر پر نہیں تھے اور پاپا حویلی تھے تب میں نے بکرا کھولنے کی غلطی کردی۔ بس پھر کیا تھا بکرا میرے پیچھے پیچھے اور میں آگے آگے، سامنے دیوار کے ساتھ تندور لگا تھا فوراً سے پیشتر اس پہ کھڑی ہو کر دیوار پر چڑھ گئی۔ ۱۲ بجے کے قریب پاپا گھر آئے مجھے دیوار پر چڑھا دیکھ کر حیرت سے بولے بیٹی یہاں کیا کررہی ہو بس جی میں تو ہوگئی شروع رونا اور ساتھ میں ساری روداد سنا دی یہ سنتے ہی پاپا کھلکھلا کر ہنسے۔ اب اس واقعہ کو یاد کرو تو لب بے اختیار خود ہی مسکرادیتے ہیں کیونکہ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تو ماہی کی زندگی ہے۔

عائشہ نور آشا...... گجرات

جواب نمبر۱:۔ سوال تو مزے کا ہے افسوس مجھے کچھ پکانا ہی نہیں آتا۔

جواب نمبر۲:۔ اس میں شک نہیں کہ لوگوں نے سنت ابراہیمی کو نمود ونمائش کا حصہ بنادیا ہے ہر کوئی اپنی دولت دکھانے کے چکر میں ہے اور ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ خدارا ایسی قربانی نہ کریں۔ اس موقع پر اپنے غریب رشتے داروں کا خیال رکھیں اور ان کی خوشیوں کی وجہ بن جائیں۔

جواب نمبر۳:۔ ہاں جی ہمارے ہاں گوشت کے علاوہ فروٹ چاٹ کی فرمائش ہوتی ہے اس کے علاوہ میرے بابا جانی امی سے کہتے ہیں کہ تم خود پکاؤ جو بھی پکاتا ہے اور ساتھ امی کی تعریف میں کہتے ہیں تم جیسا کھانا کوئی نہیں پکا سکتا۔

جواب نمبر۴:۔ بے شک یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے مجھے ایک بار ہی موقع ملا ہے، تب میں نے سب سے پہلے جو ہمارے قریب قریب جو غریب گھر تھے ان میں تقسیم کیا تھا اس سب سے بہت خوشی محسوس ہوئی۔

جواب نمبر۵:۔ نہیں جی ایسی کوئی یاد نہیں ہے۔ بس ترس آتا تھا جانوروں پر اور اکثر میں رو پڑتی تھی کیونکہ میرے کزن کہا کرتے تھے اس کے بعد تمہاری باری ہے (ہاہاہا) آگے سے آپ خود ہی اندازہ لگا لیں کیا ہوتا ہوگا۔

زوبیا اعجاز...... لاہور

جواب نمبر۱:۔ عیدالاضحی پر ہمارے گھر میں سب سے پہلے قربانی کے فوراً بعد کلیجی کا سالن پکانے کی روایت ہے، مزیدار اور چٹ پٹا سا یہ سالن پہلے امی جی پکاتی تھیں اور اب کئی سالوں سے میں پکا رہی ہوں، تمام اہل و عیال گرما گرم کلیجے اور کلیجی سے ناشتہ کرتے ہیں ویسے یہ واضح کرتی چلوں کہ ہمارے گھر میں قربانی عید کی نماز کے فوراً بعد ہوجاتی ہے۔

جواب نمبر۲:۔ آج کل قربانی میں خلوص نیت اور رضائے الٰہی کے جذبات سے مفقود ہوچکے ہیں قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے یہ حساب کیا جاتا ہے کہ رشتہ داروں، دوستوں میں گوشت کی تقسیم کے بعد اپنا فریزر ایک مخصوص مدت تک کس سائز کے جانور سے بھرا جاسکتا ہے جانور کی خریداری کے بعد بڑھ چڑھ کر عزیز واقارب کو فون کر کے ڈینگیں ماری جاتی ہیں۔ یہ مذہبی جذبہ ورسم اب محض اپنی معاشی حیثیت کی نمائش بن کر رہ گیا ہے، ہم یہ حقیقت فراموش کیے بیٹھے ہیں کہ اللہ پاک کو قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، اس بے نیاز ذات اقدس کو صرف ہماری نیت وجذبے سے غرض ہوتی ہے۔

جواب نمبر۳:۔ لو کرلو بات یہ کسی نے کہہ دیا آپ سے کہ گھر میں صرف قربانی کا گوشت پکتا ہے عید پر ہمارے گھر میں تو کچھ افراد ایسے ہیں جنہیں مٹن کھانا کسی کڑوی کسیلی دوائی کھانے سے بھی زیادہ مشکل لگتا ہے اور کچھ قربانی کے جانور سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں کہ اس کو ذبح ہوتے دیکھ کر بہت روتے ہیں۔ پھر گوشت کی ہر ڈش پکنے پر از سر نو آنسوؤں کی جھڑیاں لگتی ہیں۔ لہٰذا ویج اور نان ویج دونوں پکائے جاتے ہیں عید پر۔

جواب نمبر۴:۔ ہاں جی، بڑی مشکل ہے جی یہ ذمہ داری، الجبرا اور لوگرتھم سے بھی زیادہ مشکل، مگر ابھی ہم چونکہ اس ذمہ داری سے مبرا ہیں تو ہم سکون سے صرف بانٹتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ باقی گوشت کے پیکٹ بنانے کا کام ابو جی خود کرتے ہیں اور بہت خوب کرتے ہیں۔

جواب نمبر۵:۔ ایک نہیں بے شمار یادگار واقعات ہیں مثلاً ۲۰۰۹ میں دو بکرے خریدے گئے لیکن دونوں کی جسامت و لاگت میں فرق تھا رات کو انہیں صحن میں باندھ دیا گیا اب بڑے والا بکرا اپنی طاقت کے خمار میں کچھ زیادہ ہی مخمور تھا اس نے چھوٹے والے کا ناطقہ بند کیے رکھا بے چارے پر اپنا غاصبانہ قبضہ قائم کرلیا۔ وہ جیسے ہی پاس آتا اسے سینگ مار کر پیچھے دھکیل دیتا۔ یہ ڈبلیو ڈبلیو ایف تب ختم ہوئی جب موخرالذکر کو الگ قیام وطعام فراہم کیا گیا مگر پھر بھی اول الذکر کو جانے کیا رقابت تھی اس سے۔ اس کی طرف منہ کیے مسلسل اسے للکارتا رہا رات بھر۔ ہم نے انہیں بھارت و پاکستان کا خطاب دے کر ان کی حرکات وسکنات پر خوب اپنی کمنٹری جاری رکھی۔ ۲۰۰۵ء میں عیدالاضحی قدرے سرد موسم میں آئی تھی۔ بکرے صاحب کو ایک سوئٹر پہنا کر برآمدے میں خصوصی رہائش دی گئی لیکن شاید رسی ڈھیلی رہ گئی تھی وہ رات کو ادھ کھلے دروازے سے کمرے میں گھس آیا۔ فرش پر میٹرس بچھا کر ہم سب ہی خواب خرگوش میں مگن تھے جب میرے کان میں ایک زوردار بھیں ں ں ں ں ں ں...... کی آواز گونجی اف میرا دل ایک دم اچھل کر حلق میں آگیا اور اس کی بھیں کے ترنم میں میری چیخوں نے گویا ہنی سنگھ کے سریلے نغموں کو بھی مات دے دی۔

مائے نی میں کنوں آکھاں
نازیہ کنول نازی
READING
Section

عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ

بہتے پانی پر چل رہا ہوں میں
ساتھ لے کر رواں دواں منظر
رنگ کیا کیا زمیں بدلتی ہے
جب بدلتا ہے آسماں منظر

سبز موسم کے زرد پتے
اجاڑ بستی میں اڑ رہے ہیں
ہواؤں سے زیر لب مخاطب
ہماری کتنی ہے زلہ باقی؟

جون کی سلگتی دوپہر میں، بسوں میں دھکے کھا کر جس وقت پسینے سے شرابور وہ گھر پہنچی آگے لوڈشیڈنگ اس کو منہ چڑا رہی تھی۔

گھر کے صحن میں برسوں پہلے اس کے مرحوم دادا ابا اپنے ہاتھوں سے شیشم کا پیڑ لگا گئے تھے اس وقت بھی شیشم کا پیڑ خود دھوپ میں جلتے ہوئے اس گھر کے مکینوں کو چھاؤں فراہم کررہا تھا۔

اماں اور چھوٹی لائبہ کے ساتھ ساتھ بھابی بھی اپنے تینوں تنگ دھڑنگ بچوں کے ساتھ اسی پیڑ کے نیچے دھری چارپائیوں پر کسی قبضہ گروپ کی صورت براجمان تھیں۔ اوپر ٹنکی میں پانی ختم ہوچکا تھا، تحریم کا پہلے ہی گرمی سے کھولتا دماغ مزید کھول اٹھا اس گھر میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

بیگ چارپائی پر پھینکتے ہوئے اس نے ہینڈ پمپ سے بالٹی بھری اور ہاتھ منہ دھو کر کچن میں آگئی۔ کولر میں ٹھنڈا پانی موجود تھا، دو گلاس بھر کر ٹھنڈا پانی اندر انڈیلنے کے بعد اس کے اعصاب قدرے پرسکون ہوئے تھے۔ ہاٹ پاٹ میں اس کے حصے کی روٹی موجود تھی جو امی نے یقیناً بہت مشکل سے بھابی کے بچوں سے بچا کر رکھی ہوئی تھی۔ قریب ہی چولہے پر دھری ہانڈی میں اروی کا سالن تھا اس نے ٹھنڈا سالن پلیٹ میں نکالا اور چند نوالے کھانے کے بعد روٹی لپیٹ کر رکھ دی بھوک ہی مر گئی تھی۔

اگلے چند منٹوں میں وضو کرکے ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ گرمی میں ہی بنا کپڑے تبدیل کیے چارپائی پر ڈھے گئی۔

بوجھل اعصاب کو بار بار اگر کوئی چیز چھیڑ رہی تھی تو وہ ”سحرش“ کا تصور تھا۔ وہ سحرش جو پچھلے پانچ سال سے اس کی دوست تھی اور اسی کے ساتھ پرائیوٹ اسکول میں نہایت کم اُجرت پر جاب کررہی تھی۔ تحریم کی طرح وہ بھی حالات کی ماری تھی بس فرق صرف اتنا تھا کہ اس کا باپ مرچکا تھا اور تحریم کا باپ زندہ ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے مُردہ سے کم نہیں تھا۔ دونوں اکثر بریک میں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے دکھ سکھ شیئر کیا کرتی تھیں مگر اب وہی بات بات پر گھنٹوں رونے والی سحرش سرتاپیر بدل گئی تھی نہ صرف وہ بدل گئی تھی بلکہ اس کی تقدیر بھی بدل گئی تھی اس نے بہت محنت کی تھی کچھ اس کی ذہانت بھی کام آئی تھی بھی نہایت خراب حالات کے باوجود اس کی نیا پار لگ گئی تھی۔

دو ماہ پہلے دبئی سے اس کے لیے رشتہ آیا جسے معمولی چھان پھٹک کے بعد قبول کرلیا گیا اور جھٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق فوری شادی رچا کر وہ اسکول چھوڑ گئی۔ تحریم اس کی تقدیر کا کھیل دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی، بھلا لڑکیوں کی قسمت یوں بھی کھل جاتی ہے؟ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

شادی کے پورے تین ماہ بعد وہ اسکول آئی تھی، اپنی کولیگ دوستوں سے ملنے اور ان کا منہ میٹھا کرانے مگر وہ جتنی خوش اور خوب صورت لگ رہی تھی تحریم کی نظریں اس کی چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے شوہر کی چھٹی ختم ہوگئی ہے لہٰذا وہ دبئی واپس جارہے ہیں مگر وہ تنہا نہیں جارہے اسے بھی ساتھ لے کر جارہے ہیں کیونکہ ان کے میاں جانی کا دل اس کے بغیر اب نہیں لگتا۔

وہ لڑکی جسے اسکول سے گھر واپسی پر روٹی بھی قسمت سے ملتی تھی اب دبئی جارہی تھی وہ بھی اپنے میاں جانی کے ساتھ۔ تحریم اس کی خوش بختی پر جتنا بھی رشک کرتی کم تھا مگر کوئی چیز

تھی جس نے اس کے اندر یک عجیب سا طوفان اٹھا دیا تھا۔
اسے یکا یک ساری دنیا سے نفرت سی محسوس ہوئی تھی' سحرش اس سے زیادہ خوب صورت نہیں تھی' قابل بھی نہیں تھی اور سب سے بڑی بات نیک بھی نہیں تھی اس نے تو کبھی بھول کر بھی پانچ نمازیں باقاعدگی سے ادا نہیں کی تھیں۔ وہ فیشن کی دلدادہ تھی' نہایت غربت میں بھی وہ خود پر توجہ دینا اور خود بننا سنوارنا نہیں بھولتی تھی۔ شدید پریشانی میں بھی اس کی بھنوئیں ترشی رہتی تھیں اور ہاتھ پاؤں کے ناخن نیل پالش سے رنگے رہتے تھے پھر بھی اس کا نصیب کھل گیا تھا اور وہ بھی ایسا قابل رشک کہ جس کو پتا چلتا تھا منہ میں انگلیاں داب تا تھا مگر وہ ابھی تک نامساعد حالات سے لڑ رہی تھی۔ نیک پاک' خوب صورت' ذہین ہونے کے باوجود اس کا نصیب نہیں کھل رہا تھا' اول تو کوئی رشتا آ ہی نہیں رہا تھا بھول بھٹک کر آ جاتا تو بات آگے ہی نہ بڑھتی وجہ اس کے حالات تھے۔

اس کے باپ نے بڑھاپے میں جب جوان بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کا وقت تھا' کسی عورت سے معاشقہ لڑا کر دوسری شادی کر لی تھی اور ان لوگوں کے احتجاج پر اپنی نئی نویلی دلہن بیوی کو لے کر علیحدہ ہو گئے۔ بھائی خود شادی شدہ مگر پرائیوٹ ملازم تھے' کرائے کے گھر میں' طوفانی مہنگائی کے ساتھ' اس کے لیے سارے کنبے کی کفالت مشکل ہوئی تو تحریم نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر بی اے' بی ایڈ کے بعد خود پرائیوٹ اسکول میں نوکری کر لی۔ اس کی ماں ایک صابر اور سادہ خاتون تھیں' پچھلی عمر میں شوہر کی بے حیائی اور بے وفائی کے روگ نے انہیں بستر پر ڈال دیا تھا پھر بھی وہ اپنے بچوں کا خیال رکھنا نہیں بھولتی تھیں۔

تحریم جب اسکول لائف اور کالج لائف سے گزر رہی تھی تو دو چار لڑکوں نے اس پر جال پھینکا تھا اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش بھی کی مگر اس نے کسی کو گھاس نہیں ڈالی تھی۔ خطرناک عمر میں بھی اپنے باپ اور بھائی کی عزت کے لیے اس نے اپنے جذبات پر کڑے بند باندھے رکھے تھے مگر...... جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' وہ تنہا ہوتی گئی اور اس کے خواب گرد آلود ہوتے گئے۔ اب تو دور دور تک اس کی زندگی میں کوئی لڑکا نہیں تھا مگر اب وہ چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں بھی کوئی ہو جو اس کی روکھی پھیکی بے رونق زندگی میں خواب بھر کر اسے رنگین بنائے' اسے زندگی کا نیا پیرہن عطا کرے۔

عمر جیسے جیسے سالوں کی مسافت طے کر رہی تھی اس کے اندر کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے اپنی خوب صورتی اور ذہانت بے معنی ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے اندر کے اضطراب سے تنگ آ کر اس نے ایک دوست کے اصرار پر ''فیس بک'' جوائن کی تھی اور پھر واقعی اس کا ٹائم اچھا پاس ہونے لگا تھا۔ اس کی فرینڈ لسٹ میں صرف لڑکیاں ایڈ تھیں' اس نے کسی لڑکے کو بھی ریکوئسٹ نہیں بھیجی تھی مگر لڑکوں کی ریکوئسٹ ضرور اسے موصول ہوتیں جو بھی تو وہ قبول کر لیتی تھی کبھی پینڈنگ چھوڑ دیتی تھی مگر اس رستے پر بھی اس کے لیے نہ سکون تھا نہ منزل۔ لڑکے گپ شپ اور دوستی کی آفر تو کرتے تھے مگر شادی کی طرف نہیں آتے تھے۔ تمام تر صلاحیتوں' ذہانت اور خوب صورتی کے باوجود وہ جیسے کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی اس کے لیے پوری دنیا میں جیسے کہیں کوئی ایک لڑکا بھی نہیں تھا۔

آنکھوں پر بازو رکھے اندر ہی اندر وہ رو رہی تھی جب اس سے چھوٹی لائبہ اندر کمرے میں چلی آئی اور آتے ہی اس نے پنکھے کا بٹن آن کر دیا۔

''لائٹ آ گئی ہے بجو! گرمی میں کیوں پڑی ہو طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہوں' بس یونہی تھکن ہو رہی تھی۔'' جلدی سے بازو آنکھوں سے ہٹا کر وہ اٹھ بیٹھی تھی' لائبہ اس کے قریب ہی ٹک گئی۔

''نماز پڑھ لی؟''

''ہوں اور تم نے؟''

''میں نے بھی ابھی پڑھی ہے' سچ پوچھو تو آج مجھے تمہاری واپسی کا شدت سے انتظار تھا۔'' لائبہ نے آنکھوں میں عجیب سی خوشی سموتے ہوئے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا' وہ چونک گئی۔

''کیوں خیریت؟''

''ہوں خیریت ہی ہے' خالہ نفیسہ آئی تھیں آج وہی جو امی کی منہ بولی بہن بنی ہوئی ہیں۔ ان کی کوئی بھانجی ہیں جو اپنے خوب صورت جوان بھائی کے لیے رشتہ دیکھ رہی ہیں۔ خالہ نے انہیں تمہاری تصویر دکھائی تھی جو کہ انہیں بہت پسند آئی۔ اب وہ باقاعدہ رشتہ لے کر آنا چاہتی ہیں' امی تو صبح سے بے حد خوش ہیں کیونکہ لڑکا بہت اچھا ہے' سمجھدار ہے سب سے بڑی بات اس کی کوئی ڈیمانڈ نہیں ہے' ہمارے گھر کے حالات کے بارے میں بھی جانتا ہے۔'' لائبہ نشریات جاری کرنے پر آئی تو پھر بولتی چلی گئی۔ تحریم کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"سچ......؟"

"ہاں جی سچ' خالہ کہہ رہی تھیں جہیز وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں لڑکا کہتا ہے اپنے زور بازو پر اپنا گھر خود بناؤں گا' بس یہ ہے کہ وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے' اصل میں حالات کی وجہ سے اسے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی۔"

"پھر بھی کتنا پڑھا ہے؟"

"پتا نہیں' شاید میٹرک کیا ہو۔" لائبہ نے بتایا تھا اور ادھر تحریم کے خوابوں کے شہزادے کی جیسے بینائی چلی گئی تھی۔

"نام کیا ہے؟"

"ندیم۔" شہزادے کے بازو بھی ٹوٹ کر گر گئے۔

"کام کیا کرتا ہے؟"

"فروٹ کی ریڑھی لگاتا ہے چمن بازار میں' خالہ بتا رہی تھیں ہوسکتا ہے ایک دو سال میں باہر چلا جائے۔" شہزادے کی گردن بھی ٹوٹ کر گر پڑی۔ تحریم کے چہرے پر یکایک ہی مایوسی کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے جبکہ آنکھیں بھر آگئی تھیں۔

"کیا ہوا؟" لائبہ جو اسے اشتیاق سے دیکھتے ہوئے سب بتا رہی تھی اب اچانک سے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئی' تحریم کا سر جھک گیا تھا۔

"تمہیں یہ رشتہ میرے قابل لگتا ہے لائبہ! سچ بتانا' کیا اپنی پڑھی لکھی قابل بہن کے لیے ایک ریڑھی والے کا رشتہ تمہارے لیے قابل قبول ہے وہ بھی اس صورت میں جب وہ پڑھا لکھا نہ ہو اور اس کی ترقی کے کوئی چانس بھی نہ ہوں۔ مان لیا کہ وہ باہر چلا جائے گا مگر باہر جانے والے غریب لڑکے کئی سال دھکے کھانے کے بعد عزت اور سکون کی زندگی جینے کے قابل ہوتے ہیں' کیا میری ساری زندگی میرے خواب یونہی حسرتوں کی مٹی تلے دفن ہوجائیں گے؟" سر جھکائے جھکائے اس کی آنکھیں چھلکی تھیں۔

"میں عام لڑکی نہیں ہوں لائبہ! مجھے دھن دولت' زیورات' آسائشات کی ہوس نہیں ہے۔ میں اپنے حالات اور مجبوریوں سے بھی بے خبر نہیں ہوں' مگر زندگی کے ہمسفر کے لیے میرا ایک خاکہ ہے بالکل نمرہ احمد اور فرحت اشتیاق کی کہانیوں کے ہیرو جیسا' نبیلہ عزیز کی کہانیوں کے ہیرو جیسا' ایک منفرد شخص جس کا ساتھ مجھے مکمل کردے۔ میں اپنی فرینڈز سے جب اس کا تعارف کرواؤں تو مجھے شرمندگی نہ ہو۔ کوئی ترحم سے میری طرف نہ دیکھے' یہ نہ کہے کہ تم نے اتنا صبر کیا پھر بھی تمہیں یہ ملا ایک معمولی شخص...... نہیں لائبہ! مجھ سے اپنے سنہری خوابوں کا ٹوٹنا برداشت نہیں ہوگا کیونکہ خواب جب ٹوٹ جائیں تو ان کی کرچیاں انسان کی روح میں چبھ جاتی ہیں' میں زخمی روح کے ساتھ کیسے زندہ رہوں گی؟" وہ اب باقاعدہ رو رہی تھی' لائبہ کا چہرہ بھی اداس پڑ گیا۔

"میں تمہارے جذبات سمجھتی ہوں بجو! مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ ہمارے حالات ہمارے بس میں نہیں ہیں' کیا ہے ہمارے پاس کسی کو دینے کے لیے اور پھر ابو کی کہانی جو بھی رشتہ دیکھنے آتے ہیں' تحقیقات ضرور کرتے ہیں بھی جب ان کو ابو کی کہانی کا پتا چلتا ہے وہ چپ چاپ پیچھے ہٹ جاتے ہیں جن کے باپ ایسے ہوں ان کی بیٹیاں مجبوراً سمجھوتا کرتی ہیں زندگی سے یہ' بھی ایک سمجھوتہ ہی ہے ورنہ میں بھی جانتی ہوں تمہاری خواہشات کیا ہے مگر تم خود دیکھو' کیا ہمارے جیسے گھر میں نمرہ احمد یا نبیلہ عزیز کے ہیرو جیسے لڑکے پرپوزل بھیج سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں بھیج سکتے کیا کمی ہے مجھ میں؟ میرا باپ اگر ایک غلط انسان ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں اگر غریب پیدا ہوئی ہوں تو میرا کیا قصور ہے؟ وہ سحرش بھی تو غریب تھی ان کے گھر میں کیا تھا؟ ان کے حالات تو ہم سے بھی زیادہ خراب ہیں پھر بھی اس کو وہ مل گیا جو اس نے سوچا بھی نہیں تھا' بالکل فرحت اشتیاق کے ناولز جیسا ہیرو شخص' کتنے فخر سے وہ سارے اسٹاف کے سامنے اس کا تعارف کروا رہی تھی۔ تعریفیں کر رہی تھی اور سب حیرانگی سے گنگ نہایت رشک سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے' واہ واہ کر رہے تھے کیا اس کے ساتھ معجزہ نہیں ہوا؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ اللہ سے قریب ہے؟ اس نے تو کبھی بھول کر نماز نہیں پڑھی' سارے وہ کام کیے جو اللہ کو ناپسند ہیں پھر بھی اللہ نے اسے نواز دیا میں کیوں نظر نہیں آتی اللہ کو؟ کیا میں اس کی تخلیق نہیں ہوں' کیا میرا رب کوئی اور ہے؟" وہ جذباتی ہوئی تھی' لائبہ ترحم سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"ہر انسان کا اپنا نصیب ہوتا ہے بجو! کچھ لوگوں کو دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے اور کچھ کے لیے اللہ آخرت میں ان کا حصہ سنبھال رکھتا ہے۔"

"بس کرو یار! آخرت کس نے دیکھی ہے' مجھے نہیں چاہیے آخرت میں کچھ بھی۔ میرا دل بہت دکھی ہے' مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے بس......"

"ایسا نہیں کہتے بجو! اللہ ناراض ہوتا ہے۔"

''مجھ سے راضی کون ہے؟'' وہ چڑی تھی' لائبہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ندیم بھائی خوب صورت ہیں بجو! پھر محنت کرتے ہیں' محنت میں کوئی شرم کوئی برائی نہیں ہے بہر حال امی کو فوری انکار مت کیجیے گا' انہیں دکھ ہوگا۔'' گہری سانس بھر کر اٹھتے ہوئے لائبہ نے اپنی بہن کو تلقین کی تھی' تحریم چپ چاپ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔

اگلے روز سنڈے کی چھٹی کے باعث وہ گھر پر تھی۔ نفیسہ خالہ ندیم کی بہن کو گھر لے آئیں' گھر کے در و دیوار تو جیسے بھی تھے مگر صفائی میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بھابی جیسی بھی تھیں مگر نندوں کے فرض سے سبکدوش ہونا ان کی پہلی ترجیح تھی لہٰذا وہ بھی ہر کام میں پیش پیش تھیں۔

تحریم نے ماں کے اصرار پر کپڑے بدل لیے تھے مگر نہ خود کو سنوارا تھا نہ مہمانوں کے پاس بیٹھی تھی نہ اس نے ان سے کوئی بات کی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی خزاں چھائی تھی جبکہ لبوں پر مستقل چپ کا قفل تھا جسے مہمانوں کے ساتھ ساتھ خود اس کی ماں اور بھابی نے بھی محسوس کیا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی۔ ریڑھی فروش ندیم احمد کا رشتہ اس کے لیے ہونے نہ ہونے کے برابر تھا۔ ذہنی ڈسٹربنس کے باعث وہ ظہر اور عشا کی نماز بھی نہ پڑھ پائی تھی۔

موسم میں حبس تھا' رات کے کھانے کے بعد سب چھت پر سونے چلے گئے مگر وہ بچوں کی ٹیسٹ کاپیاں چیک کرنے کے بہانے شیشم کے پیڑ تلے بیٹھی خاموشی سے روتی رہی' کل سحرش نے جیسے اس کے اندر کی سوئی دنیا کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔

سر درد حد سے بڑھا تو اس نے کاپیاں سمیٹ کر بنا نماز کی پروا کیے' سیل فون پر فیس بک آن کرلی' آج کل کسی بھی ڈپریشن میں اس سے اچھا دل بہلانے کا ذریعہ اور کوئی نہیں تھا۔ حسب معمولی انباکس میں کئی دوستوں کے پیغامات اس کی توجہ کے منتظر تھے۔ تحریم نے سرسری سی نظر ڈالنے کے بعد توجہ ہٹالی مگر اسی وقت اس کی نظر عبدالہادی نامی شخص کے پیغام پر پڑی تھی اور وہ ٹھٹک گئی تھی' وہ شخص اس کی فرینڈ لسٹ میں تھا مگر پچھلے تین ماہ سے کبھی کبھار سلام کا پیغام آجاتا تھا جسے وہ عادت کے عین مطابق نظر انداز کر دیتی۔ تاہم اس وقت وہ نظر انداز نہیں کر سکی تھی' سلام کے بعد اس نے بس ایک جملہ لکھا تھا۔

''آپ اتنی سادہ اور اداس کیوں رہتی ہیں؟'' وہ حیران رہ گئی۔ ایسا پیغام تو آج تک موصول نہیں ہوا تھا' بھلا یہ شخص اسے کیسے جانتا تھا؟ فوراً سے بیشتر سارے سوالوں کو ذہن سے جھٹک کر اس نے اس شخص کی پروفائل چیک کی تھی' وہ ایک خوب صورت شخص تھا۔ بے حد پرکشش اور پڑھا لکھا' دبئی میں جاب کرتا تھا۔ اپنی پروفائل میں اس نے اپنی اپنے دوستوں کی اور چند دیگر تصاویر بھی شیئر کر رکھی تھیں جو تحریم نے بعد میں اس کی فرینڈ لسٹ میں شامل ہونے کے بعد دیکھی تھیں کیونکہ اس شخص نے اپنی پرائیویسی سکیور کر رکھی تھی۔

تحریم کو وہ ہو بہو فرحت اشتیاق اور نبیلہ عزیز کے ناولز کے ہیروز کی طرح لگا تھا' بھی نا چاہتے ہوئے بھی اس نے اس کے پیغام کے جواب میں لکھ دیا تھا۔

''وعلیکم السلام! آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟'' مخالف شخص کو شاید اس سے جواب کی امید نہیں تھی تبھی شخص دس منٹ کے بعد اس نے اس کا پیغام پا کر خوشی کا اظہار کیا تھا۔

''شکریہ آپ نے جواب تو دیا میں اکثر آپ کی پوسٹس اور کمنٹس دیکھتا رہتا ہوں اپنی ایک کزن کی وال پر' بہت اچھی حساس لڑکی ہیں آپ' کہیں شادی وغیرہ ہوئی ابھی تک کہ نہیں؟''

چار سال ہو گئے تھے اسے فیس بک جوائن کیے ہوئے مگر ان چار سالوں میں وہ پہلا شخص تھا جو اس سے شادی کا پوچھ رہا تھا' تحریم کا دل دھڑک اٹھا۔

''نہیں......''

''کیوں کیا ابھی تک کوئی اچھا نہیں لگا؟'' وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو' تحریم چاہتے ہوئے بھی اسے نظر انداز نہیں کر پائی تھی۔

''نہیں' میں بہت منفرد سی افسانوی لڑکی ہوں' میری پسند کے معیار پر کوئی عام شخص نہیں اتر سکتا' اسی لیے شاید میرے خواب ایک پسندیدہ ہمسفر کے لیے کبھی پورے نہ ہوں۔''

''آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟'' اسے شاید اس کی مایوسی سے حوصلہ ملا تھا۔

''واب اگر پورے ہو بھی جائیں تو کیا' جانا تو ایک دن مٹی میں ہے۔ میں آپ میں انٹرسٹڈ ہوں آپ بالکل میری پسند کے معیار پر پوری اترتی ہیں' اسی لیے میں آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں پلیز مجھے غلط مت سمجھیے گا' میں فلرٹی یا فراڈ نہیں ہوں ذمہ دار شخص ہوں' میچور ہوں' دبئی میں سیٹل ہوں' انسان ہوں فرشتہ ہرگز نہیں ہوں اور نہ ہی خود کو پرفیکٹ سمجھتا ہوں' آپ میرے

بارے میں سوچ لیں میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔"

نبیلہ عزیز کے ناولز کے ہیروز جیسا وہ خوبرو شخص کہہ رہا تھا اور تحریم جو عام حالات میں یوں بھی کسی کو منہ لگانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ خواہشات کے بہاؤ میں اس کے قدم اکھڑ گئے ستائیس سال کی عمر میں لوگوں کی طرف سے روز شادی کا سوال سن سن کر اس کا دل بے زار ہوگیا تھا' اندر کہیں مایوسی کی شام اترنے لگی تھی بھی شاید کپکپاتی انگلیوں سے اس نے لکھا تھا۔

"میں جسے جانتی نہیں اس کے بارے میں کوئی رائے کیسے دے سکتی ہوں؟"

"ہوں' آپ یقیناً مجھے نہیں جانتیں مگر ہم ایک دوسرے کو جان سکتے ہیں' بہت دکھ ہیں میری زندگی میں۔ میں چاہتا ہوں آپ میری اور میں آپ کا ہمسفر بنوں' آپ میرے دکھ سمیٹیں' مجھے سہارا دیں اور میں آپ کے خواب پورے کروں' آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں دوں۔"

"مگر میں آپ پر یوں فوری کیسے اعتبار کرسکتی ہوں' ایسے تو کوئی بھی لڑکا کسی بھی لڑکی کو پرپوز کرسکتا ہے پھر میں بہت مختلف سی لڑکی ہوں' پتا نہیں میں آپ کے ساتھ چل پاؤں کہ نہیں۔"

"پلیز ایسا مت کہیں' میرے خلوص اور نیت پر شک مت کریں۔ کوئی لڑکا یوں کسی لڑکی کو پرپوز نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اس کے ساتھ سنجیدہ نہ ہو' جہاں تک مجھ پر اعتبار کی بات ہے تو ہماری فیملی میں آج تک نکاح ہوجائے تو طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی میں انجان ضرور ہوں مگر ایک بات کہہ سکتا ہوں' میرا آپ سے وعدہ ہے اگر آپ ہاں کردیں تو میں نکاح "مدینہ منورہ" میں کروں گا جہاں سے ساری زندگی کے لیے رحمتیں اور برکتیں ہمارا ساتھ دیں گی۔ اس سے بڑی سچائی کی میرے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے۔"

تحریم کا دل ایک مرتبہ پھر زور سے دھڑکا تھا' کیا واقعی اس جیسی معمولی لڑکی پر تقدیر اتنی مہربان ہوسکتی تھی کہ کوئی اپنے اخلاص کے لیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی گارنٹی دے رہا تھا۔ پہلی بار عشاء کی نماز قضا ہونے پر اسے کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔

رات کافی ہوگئی تھی مگر اسے پروا نہیں تھی' سیل کا چارج ختم نہ ہوتا تو شاید وہ پوری رات یونہی اس کا انٹرویو لیتی رہتی۔ اس رات وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سوسکی تھی' سرور ہی اتنا تھا بے یقینی ہی ایسی تھی کہ اسے کسی طور پر یقین نہیں آرہا تھا کہ قدرت

اس پر یوں مہربان بھی ہوسکتی ہے یوں کوئی اجنبی انجان شخص بناء اسے جانے پرکھے اسے پرپوز بھی کرسکتا ہے۔

دل میں جہاں خوشی تھی وہیں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں کوئی اسے بیوقوف بنا کر اس کی سادگی سے فائدہ ہی نہ اٹھا رہا ہو۔ بھلا اس جیسی سادا دل لڑکی کو بےوقوف بنانا کون سی مشکل بات تھی۔ ساری خوش فہمیاں اور خدشات اپنی جگہ مگر وہ رات اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت رات تھی۔

اسے لگا جیسے قدرت نے اس کی روکھی پھیکی بے رونق زندگی میں تازہ بہار کی مانند کوئی دریچہ وا کردیا ہو اس کی ذات کے اندھیروں کو کوئی روزن مل گیا ہو۔ اسکول میں بھی سارا دن وہ بے حد خوش رہی۔ دوپہر میں بس کا سفر اور گرمی بھی اسے بُری نہیں لگی تھی گھر واپسی پر روز کی طرح لوڈشیڈنگ نے بھی اس کا موڈ آف نہیں کیا۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد رات میں وہ پھر آن لائن تھا۔

"کیسی ہو؟"

"فائن۔"

"کیا کررہی ہو؟"

"کچھ نہیں ابھی عشاء کی نماز پڑھی ہے۔"

"ماشاءاللہ اور کیا کرتی ہیں آپ؟"

"کچھ خاص نہیں اسی شہر میں ایک مقامی اسکول میں پڑھاتی ہوں۔"

"گڈ شوقیہ پڑھاتی ہیں یا......؟"

"نہیں...... شوقیہ نہیں پڑھاتی حالات سے مجبور ہوکر پڑھاتی ہوں۔" وہ اسے آزمانے کے لیے اس سے کوئی بھی بات چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف اس نے اداسی والا آئی کون ارسال کردیا۔

"کیا ہوا حالات کو کیا ابو اور بھائی نہیں ہیں؟"

"نہیں ابو ہمارے ساتھ نہیں رہتے بھائی پرائیوٹ جاب کرتے ہیں ان کی تنخواہ میں سب کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔"

"اوہ ویل سیڈ ابو ساتھ کیوں نہیں رہتے؟"

"بس یونہی چند سال پہلے انہوں نے دوسری شادی کرلی تھی اسی لیے چلے گئے۔"

"اوہ ویری ٹریجک...... کاش میں اس وقت آپ کے پاس ہوتا تو اپنے بازو آپ کے گرد پھیلا کر آپ کو خود میں سمیٹ لیتا اتنی پیاری سی لڑکی غمگین اچھی نہیں لگتی۔"

"آپ کیسے جانتے ہیں کہ میں پیاری ہوں؟"

"میں نہیں جانتا میرا دل جانتا ہے کہ جو اسے اچھی لگی ہے وہ ضرور بہت پیاری ہوگی ایسے ہی تو پرپوز نہیں کردیا آپ کو۔" اس نے لکھا تھا اور تحریم کا دل ڈھیروں خوشی سے بھر گیا۔

"ایک بات پوچھوں سچ سچ جواب دیں گی؟" اگلے ہی پل پھر پیغام آیا تھا تحریم نے سر تکیے پر ٹکادیا۔

"جی پوچھیں؟"

"آپ کسی کو پسند کرچکی ہو یا تلاش ابھی جاری ہے؟" جس موضوع پر وہ خود سے بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی اسی موضوع پر وہ خود آگیا تھا تحریم کے اندر تک سرشاری اتر گئی۔

"نہیں میری کوئی پسند نہیں ہے؟"

"کیوں؟"

"بس یونہی پسند کے مرد صرف کہانیوں میں ملتے ہیں حقیقت میں نہیں۔"

"کیوں کیا میں آپ کی پسند کے معیار پر پورا نہیں اترتا؟"

"میں نے آپ کی بات تو نہیں کی۔"

"آپ میری بات کریں ناں پلیز میں آپ کو کیسا لگا؟"

"پتا نہیں آپ میری فرینڈ لسٹ میں نہیں ہیں شاید اسی لیے میں آپ کی پروفائل نہیں دیکھ سکتی۔"

"اوکے میں آپ کو ایڈ کرتا ہوں پلیز آپ میری پروفائل دیکھیں۔ میں کام کی مصروفیات کی وجہ سے سوشل میڈیا زیادہ استعمال نہیں کرتا مگر آپ کے لیے فیس بک پر آتا ہوں وقت نکال کے۔" اس شخص نے پھر اسے معتبر کردیا تھا تحریم کے لب مسکرا دیے۔

"شکریہ میں دیکھتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں اپنے لیے آپ کی رائے کا انتظار کررہا ہوں۔" فوراً ہی اس کا جواب آگیا تھا تحریم نے اس کی ریکوئسٹ قبول کرکے اگلے پانچ منٹ میں اس کی ساری تصاویر دیکھ لیں۔

"کیسا لگا میں آپ کو؟" کچھ ہی دیر کے بعد اس نے پوچھا تھا تحریم نے کروٹ بدل لی اس کی ماں اس کے برابر میں سو رہی تھی دوسری طرف لائبہ کا بستر تھا وہ درمیان میں لیٹی تھی۔ بھابی اور بھائی نیچے صحن میں سوتے تھے تبھی ایک نظر اپنی سوئی ہوئی ماں پر ڈالنے کے بعد اس نے لکھا تھا۔

"بہت اچھے اللہ نظر بد سے بچائے۔"
"شکریہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ آپ کے الفاظ میرے لیے کتنے قیمتی ہیں۔"
"شکریہ کی کوئی بات نہیں، کیا میں آپ کی فیملی کے بارے میں کچھ پوچھ سکتی ہوں؟"
"ہاں کیوں نہیں، کیا جاننا چاہتی ہیں آپ میری فیملی کے بارے میں؟"
"کون کون ہے آپ کی فیملی میں، باقی جو آپ بتانا چاہیں۔"
"میں سب سے چھوٹا ہوں اپنی فیملی میں، دو بھائی اور دو بہنیں مزید ہیں۔ ایک بھائی اور ایک بہن شادی شدہ ہیں، دوسرے کا ابھی موڈ نہیں، امی کی چند سال قبل ڈیتھ ہو چکی ہے۔ ابو زندہ ہیں اب آپ بتائیں آپ کی فیملی میں کون کون ہیں؟"
"میری امی ہیں، ایک بھائی ہیں جو شادی شدہ ہیں، ایک چھوٹی بہن ہے جو پڑھ رہی ہے۔"
"بھائی کیا کرتے ہیں پرائیوٹ جاب کے علاوہ؟"
"کچھ نہیں بس جاب ہی کرتے ہیں۔"
"گڈ پھر کیا سوچا آپ نے مجھ سے شادی کے لیے؟"
"کچھ نہیں آپ مجھ سے شادی کرنا کیوں چاہتے ہیں؟" دل میں جو خدشات تھے وہ زبان پر لانا چاہتی تھی، تبھی دوسری طرف سے جواب آ گیا۔
"کیوں کی کوئی خاص وجہ نہیں، یہ میرا فیصلہ ہے شادی تو ایک نہ ایک دن کرنی ہی ہے لیکن میرے لیے آپ بیسٹ ہیں۔ میں اپنی بیوی کی حیثیت سے آپ جیسی لڑکی ہی چاہتا ہوں، سادا سی، اداس اداس، ایک غریب مخلص لڑکی جو ہمیشہ میرے ساتھ وفا کرے۔ زندگی کے اچھے برے دنوں میں کبھی میرا ساتھ چھوڑ کر نہ جائے۔ فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے مگر سوچیے گا ضرور، میں میرے ابو آپ اور آپ کی امی مل کر مدینہ جائیں گے اور نکاح کر لیں گے۔ وہاں میرے دوست رہتے ہیں، میری فیملی اور کچھ رشتہ دار بھی ہیں، کچھ دن وہاں ان کے پاس قیام کریں گے پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں ان شاء اللہ ہمارا نکاح ہوگا۔" اس نے جو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا وہ حقیقت میں ہو رہا تھا مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ابھی کل تک وہ سحرش کے نصیب پر رشک کرتی تھی اب اسے اپنے نصیب پر رشک آ رہا تھا۔ کیا وہ اس قابل تھی کہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ جا سکتی؟

کیسی بے یقینی سی بے یقینی تھی۔
"ٹھیک ہے میں اپنی امی سے بات کر کے بتاؤں گی مگر اس سے پہلے میں آپ کو لائیو دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"کوئی مسئلہ نہیں، کیا آپ اسکائپ استعمال کرتی ہیں؟"
"نہیں میرے پاس نہیں ہے۔"
"کوئی بات نہیں میں دو ماہ میں پاکستان آ رہا ہوں آپ مجھ سے مل بھی سکتی ہیں، مجھے دیکھ بھی سکتی ہیں مگر جب تک میں پاکستان نہیں آتا آپ کو قسم ہے آپ خود کو میری امانت سمجھنا، میں کسی طور اب آپ کو کھونے کا تصور نہیں کر سکتا۔"
کتنی بے قراری تھی اس کے ایک ایک لفظ میں، وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔ اس کی دعائیں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔ تقدیر کو آخر اس پر رحم آ ہی گیا تھا، تبھی اس نے مسکراہٹ والا آئی کون ارسال کر دیا۔
"ایک سوال پوچھوں آپ سے، اگر سچ سچ جواب دیں؟" اس کے آئی کون کے جواب میں اگلا پیغام آیا تھا، تحریم نے لکھ دیا۔
"جی پوچھیں۔"
"کیا آپ کو رومانس اچھا لگتا ہے؟"
"ہوں، مگر آپ تو شکل سے رومانٹک نہیں لگتے۔"
"بندہ شکل سے نہیں جذبات سے رومانٹک ہوتا ہے اور میں اوو۔ رومانٹک ہوں، برداشت کر لیں گی مجھے؟" تحریم کو اس سے ایسے جواب کی امید نہیں تھی تبھی وہ ٹپٹائی تھی۔
"مجھے تو آپ مشکوک لگ رہے ہیں۔"
"پلیز میرے جذبات کا خون مت کریں آپ کو اپنانے کا فیصلہ میرا اپنا ہے آپ ریجیکٹ کر سکتی ہیں مگر میرے خلوص پر شک مت کریں کیونکہ میں سمجھتا ہوں آپ زندگی میں کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑیں گی۔" وہ ہرٹ ہوا تھا، تحریم گھبرا گئی۔
"سوری اگر آپ کو برا لگا، آپ بتائیں پاکستان کب آ رہے ہیں؟"
"جب آپ بلائیں، آپ حکم کریں گی تو ابھی اڑ کے آ جاؤں گا۔" مخالف کا موڈ فریش تھا، تحریم پھر لاجواب ہو گئی۔
"اچھا پلیز اپنی تین چار تصاویر تو ارسال کریں، میں نے گھر والوں کو دکھانی ہیں۔" اس کی خاموشی کے جواب میں عبدالہادی کی طرف سے فرمائش آ گئی تھی، تحریم نے لکھ دیا۔
"سوری، ابھی میرے پاس تصاویر نہیں ہیں ویسے بھی

جب تک میں آپ کو اچھی طرح جان نہیں لیتی' تصاویر ارسال نہیں کرسکتی۔"

"کیوں؟ کیا آپ کو ابھی بھی مجھ پر یقین نہیں' میں نے مکہ اور مدینہ کا حوالہ دیا ہے کیا کہیں گی آپ ایسے آدمی کے بارے میں جو آپ کو مدینہ میں نکاح کی گارنٹی دے رہا ہے۔ کیا وہ آپ کو دیکھنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ میں جسے اپنی زندگی میں اپنی بیوی بنانے جارہا ہوں' کیا میرا اتنا سا حق بھی نہیں کہ اس کا چہرہ دیکھ سکوں۔"

"حق ہے مگر ابھی نکاح ہوا تو نہیں ناں' ابھی آپ میرے لیے اجنبی ہیں۔ ابھی میں کیسے آپ کو اپنی تصویر دکھا سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے' مت دکھائیں مگر میں ایک بات کہوں گا' شک انسان کی زندگی کو تباہ کردیتا ہے۔ زندگی میں لوگوں پر یقین کرنا سیکھیں' نہیں تو آپ زندگی میں ہمیشہ کہیں گی

"میں نے اسے شک کی آندھی میں کھودیا۔"

"جسے پایا ہی نہیں اسے کھونا کیسا؟ مجھے آپ کے خلوص پر کوئی شک نہیں مگر...... آپ تو پہلے ہی مرحلے پر پسپائی اختیار کرگئے' زندگی کا سفر تو ابھی بہت لمبا تھا۔" اس نے فوری لکھا تھا مگر وہ آف لائن ہوچکا تھا' تحریم کے اندر تک اضطراب بکھر گیا۔

اس کا دل عجیب سے احساسات کا شکار ہورہا تھا' پتا نہیں وہ کسی کے ہاتھوں بے وقوف بن رہی تھی یا واقعی تقدیر نے اس کی زندگی میں کوئی نیا دریچہ کھول دیا تھا۔ رات کے دو بج رہے تھے وہ کافی دیر عبدالہادی کی طرف سے پیغام کی منتظر رہی پھر سوگئی۔

اگلے روز اس کی بے کلی اور اداسی عروج پر تھی' اسکول میں بھی چپ چپ سی رہی گھر واپسی پر اپنی ماں کو نفیسہ خالہ کے ساتھ مصروف پاکر اس نے لائبہ کو ساری بات بتادی۔

"ہوں' تو یہ بات ہے پھر اب کیا چاہتی ہو تم' میں کروں امی سے بات؟" ساری بات سن کر لائبہ نے اس سے پوچھا تھا' وہ انگلیاں چٹخا کر رہ گئی۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا لائبہ! فیس بک پر زیادہ تر لوگ فراڈ ہوتے ہیں' سمجھ میں نہیں آتا اس پر اعتبار کروں یا نہ کروں اگر اعتبار کرتی ہوں تو رسوائی کا خدشہ ہے اگر نہیں کرتی تو اسے کھونے کا ڈر ہے۔ جو میں کسی صورت نہیں چاہتی۔ وہ شخص ہو بہو میرے تخیلاتی ہیرو جیسا ہے اگر میں نے اپنی نادانی میں اسے کھودیا تو خود کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گی۔"

"اگر ایسی بات ہے تو تم اسے تصویر بھیج دو' زیادہ سے زیادہ کیا کرسکتا ہے وہ؟"

"یہی تو میں سوچ رہی ہوں کیا پتا وہ سچ ہی کہہ رہا ہو۔ کیا پتا سحرش کی طرح میرے نصیب کے تالے بھی کھل جائیں۔"

"ہوں' اللہ کرے ایسا ہی ہو' کھانا لاؤں تمہارے لیے؟"

"نہیں ابھی بھوک نہیں ہے' تم بتاؤ یہ خالہ نفیسہ اس وقت کیا کرنے آئی ہیں؟" وضو کے لیے جاتے جاتے اس نے رک کر پوچھا تھا' لائبہ اسے بتانے لگی۔

"کرنا کیا ہے وہی رشتے والی بات کے لیے آئی ہیں' بتا رہی تھیں کہ ندیم بھائی نے کہیں تمہیں اسکول آتے جاتے دیکھا ہے ان کو تم اچھی لگی ہو تو اسی لیے انہوں نے اپنی بہن کو بھیجا۔ امی نے رات مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہاری رائے لوں کیونکہ ندیم بھائی انہیں بہت پسند آئے ہیں ویسے بھی پورا شہر ان کے اخلاق اور کردار کی گواہی دیتا ہے وہ کسی طور اتنے اچھے رشتے سے دستبردار نہیں ہونا چاہیں گی۔ مگر اب میں سوچ رہی ہوں کہ انہیں کیا جواب دوں' تم تو پٹڑی ہی بدلے کھڑی ہو۔"

"کیا کروں یار! میرا دل نہیں مانتا کسی معمولی سے شخص کے لیے اگر ایسے ہی کسی شخص سے شادی کرنی ہوتی تو کب کی کرلیتی' اتنا صبر نہ کرتی۔"

"اچھا' میں دعا کروں گی اللہ تمہارے حق میں بہتر کرے تم ٹینشن نہ لو پلیز۔" کمرے سے نکلتے نکلتے لائبہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر اثبات میں سر ہلاگئی۔

❁......❁......❁

"اللہ اور اللہ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے' تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی نے قطع تعلق جائز نہیں' جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرے گا اللہ اس کو بلند کردے گا۔ محبت میں تو ویسے بھی انا نہیں ہونی چاہیے اگرچہ آپ نے ڈائریکٹ میرے کردار پر الزام لگایا تھا جو مجھے بہت برا لگا مگر میں محبت کو اپنی انا پر قربان نہیں کرسکتا' آئی مس یو۔"

پورے دن بے حد مصروف رہنے کی وجہ سے وہ فیس بک آن نہیں کرسکی تھی مگر رات میں دل کے ہاتھوں مجبور جیسے ہی اس نے فیس بک آن کی' اس کا پیغام سامنے آگیا۔

وہ شخص اس سے ناراض نہیں رہ سکا تھا' تحریم سارے دن کی تھکن بھول گئی مسکراتے ہوئے اس نے لکھا تھا۔

"میری تو آپ سے کوئی ناراضگی نہیں' آپ کو جو اچھا لگا آپ نے وہ کیا' آپ میرے پابند نہیں ہیں۔"

"میں پابند ہونا چاہتا ہوں' تمہارے سارے جملہ حقوق اپنے نام کروانا چاہتا ہوں' تمہارے ہمیشہ کے قرب کا طلب گار ہوں' میرا ہاتھ تھام لو پلیز۔" وہ عاجزی پر اتر آیا تھا' تحریم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"کیا آپ ہر لڑکی سے یونہی محض چند دنوں میں کلوز ہوجاتے ہیں؟" وہ اسے اپنی کمزوری نہیں دکھانا چاہتی تھی' تبھی ایسا سوال پوچھا جس کا جواب اسے فوری موصول ہوا تھا۔

"یہ اگلے بندے پر منحصر ہے' میں بہت کائنڈ ہوں' یہاں دبئی میں بہت دوست ہیں میرے گرلز بھی اور بوائز بھی' مگر میں ایک بیلنس زندگی گزار رہا ہوں الحمدللہ۔"

"ہوں' مجھے کردار کے مضبوط مرد بہت پسند ہیں۔"

"آپ جب یہاں دبئی آئیں گی تو آپ کو میرے میل اور فی میل فرینڈز بتادیں گے کہ میرا ان کے ساتھ کیسا رویہ ہے۔"

"گڈ' میں نے بہت ہمت اور صبر کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ میں چاہتی ہوں میں جس سے شادی کروں وہ کوئی عام شخص نہ ہو' مجھے صرف شوہر نہیں چاہیے بلکہ شوہر کے روپ میں ایک ایسا دوست چاہیے جو میرا سب کچھ ہو اور مجھے اپنا سب کچھ سمجھے۔"

"اوہ تحریم! تم میری جان ہو' آپ مجھے اتنا پیار دینا کہ میں دنیا کا ہر دکھ بھول جاؤں۔ تم نہیں جانتیں صبر کرنا کتنا مشکل ہے' ہجر کے یہ لمحے عجیب سی آگ بن کر سینہ جلا رہے ہیں۔ دل کرتا ہے یہ دوری مٹ جائے۔" دل پسلیاں توڑ کر کیسے باہر آتا ہے یہ اسے اس لمحے پتا چلا تھا' صرف ایک لمحے میں اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں' وہ شخص ضرورت سے زیادہ رومینٹک ثابت ہورہا تھا۔

"بس بس پلیز...... لگتا ہے آپ پر دبئی کے بے باک ماحول کا کچھ زیادہ ہی اثر ہورہا ہے؟" کپکپاتی انگلیوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے لکھا تھا' جواب بھی فوراً ہی آگیا۔

"نہیں یار' یہاں پاکستان سے زیادہ اچھے مسلمان رہتے ہیں' جس نے گناہ کرنا ہے وہ دبئی کا محتاج نہیں۔ پاکستان میں دبئی سے شراب پی جاتی ہے' زنا ہوتا ہے' قتل ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' آپ اپنے گھر والوں کو کب بھیج رہے ہیں ہمارے گھر؟" وہ فوراً مطلب کی بات پر آگئی تھی۔

"پہلے آپ مجھے جان لیں' سمجھ لیں پھر ڈائریکٹ فیملی کو انوالو کریں گے بلکہ آپ لوگ ہمارے گھر آجانا یا ہم آجائیں گے آپ کے ہاں لیکن اس سے پہلے پلیز آپ مجھے اپنی دو تین تصاویر ارسال کریں' آخر میں نے فیملی کو بھی دکھانی ہیں کہ نہیں اب یہاں بیٹھ کر کیاں کہوں ان کو کہ لڑکی پسند کی ہے مگر ایسی لڑکی جسے میں نے ابھی تک خود دیکھا نہیں ہے۔" گھوم پھر کر بات پھر تصویر پر آگئی تھی' تحریم نے اس بار حماقت کیے بغیر تصویر ارسال کردی۔

"اوہ میری جان! آپ تو بالکل پٹھانی لگتی ہو' کاش میں اس وقت آپ کے پاس ہوتا' کاش......" فوراً اسے اس کا تعریفی پیغام موصول ہوگیا تھا' تحریم کا سیروں خون بڑھ گیا۔ اس رات پھر وہ عشاء کی نماز نہیں پڑھ سکی تھی' پڑھتی بھی کیسے عبدالہادی کے پیغامات نے اسے نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا مگر وہ اتنی مسرور تھی کہ اسے اب نماز چھوٹنے پر زیادہ افسوس نہیں ہوتا تھا' آخر کو اس کی دعائیں مستجاب ہوگئی تھیں' اس کے خواب تعبیر پانے جارہے تھے۔

❁......❁......❁
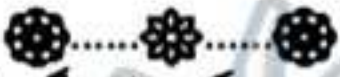
موسم بدل رہا تھا۔ دو ماہ کیسے اور کب گزر گئے پتا ہی نہیں چلا' خواہشات کے سمندر میں قدم اکھڑنے کے بعد تحریم ہر نئی موج کے ساتھ بہتی چلی گئی تھی۔ عبدالہادی صرف رومانوی نہیں تھا' اس بار...ٰ کا پتا اسے اس وقت لگا جب اس نے اس کے ساتھ اپنا سیل نمبر شیئر کیا۔ دبئی سے پاکستان کال اس کے لیے جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھی' اس کا لہجہ بے حد گمبھیر اور مضبوط ہوتا تھا۔ اتنا گمبھیر اور مضبوط کہ تحریم سمجھ دار ہونے کے باوجود خود کو جذبات کے بہاؤ میں بہنے سے نہ روک پائی۔

فجر اور عشاء کی نماز پڑھنا تو ممکن ہی نہیں رہا تھا' مگر اس میں بھی سرور تھا۔ وہ ایسی کوئی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے خوابوں کا شہزادہ اس سے ناراض ہوکر اسے چھوڑ دیتا پھر اسے خود بھی رومانیت پسند تھی۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ جب عبدالہادی اس سے بات کرے تو پھر ساری حدیں پار لگ جائیں۔

اماں کو ندیم پسند تھا' مگر تحریم کی خوشی اور ضد سے مجبور ہوکر انہوں نے نفیسہ خالہ کو دبے دبے لفظوں میں انکار کردیا۔ عبدالہادی نے اگرچہ اب تک اسے نہ اپنے علاقے کا بتایا تھا'

ناں فیملی کے دیگر افراد کا تاہم اس نے پاکستان آنے کی تاریخ کلیئر کردی تھی۔
تحریم نے اس سے کہا تھا کہ وہ نکاح پاکستان میں ہی کرے گی تاہم نکاح کے بعد عبدالہادی کی زوجیت میں وہ صرف مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جانا چاہے گی۔ عبدالہادی نے کوئی اعتراض نہیں کیا' وہ تحریم کے ڈر اور شک سے بخوبی واقف تھا۔
اوائل سردیوں کے دن تھے جب وہ پاکستان آیا تھا' تحریم کو جیسے ہی اس کے آنے کی خبر ملی وہ جھوم اٹھی' پاکستان ائیرپورٹ پر پہنچنے کے بعد اس نے سب سے پہلے کال اسے ہی ملائی تھی۔
"کیسی ہو میری جان!"
"میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"
"کیسا ہو سکتا ہوں جب تک اپنی جان کو قریب سے نہ دیکھ لوں' محسوس ناں کرلوں خود ہی بتاؤ بھلا کیسا ہو سکتا ہوں؟" اس کی بے قراری اور آنچ دیتے لہجے کے خمار میں پاکستان پہنچ کر بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ تحریم کا جسم پھر موم کی طرح پگھلنے لگا۔
"خدا کا نام لیں' اب تو پاکستان آگئے ہیں' اب تو ہوش کرلیں ذرا۔"
"نہیں' میری محبت کی شدت میں کبھی کمی نہیں پاؤ گی تم۔"
"ہادی پلیز۔"
"کیا پلیز یار! ہونے والا شوہر ہوں تمہارا' تم سے یہ ساری باتیں نہیں کروں گا تو اور کس سے کروں گا۔ میرا اور ہے ہی کون دنیا میں تمہارے سوا؟" ایک پل میں ہی وہ جذباتی ہوگیا تھا' تحریم کا دل جکڑنے لگا۔
"ایسا مت کہو پلیز' تمہارے ابو ہیں' بھائی ہیں' بھابی' بہنیں ہیں۔ میری امی بھی تو تمہاری امی ہیں پھر خود کو اکیلا کیوں سمجھتے ہو تم؟"
"میرا کوئی نہیں ہے تحریم! ماں کے ساتھ سارے رشتے مر گئے میرے لیے۔ میں اکیلا تمہارے گھر آؤں گا تمہارا ہاتھ مانگنے۔ پھر شادی کی تاریخ لینے ابو آئیں گے بس میرا اور کوئی نہیں ہے' میں نے اور کسی کو اس معاملے میں شامل نہیں کرنا۔" وہ جذباتی ہوا تھا' تحریم پریشان ہوگئی۔
"ایم سوری ہادی! میں نے آپ کو ہرٹ کردیا' مجھے کسی سے کوئی مطلب نہیں مجھے بس آپ کے ساتھ زندگی گزارنی ہے پلیز آپ دکھی مت ہوں۔"
"میں دکھی نہیں ہوں میری جان! اب کیوں دکھی ہوں گا' اب تو اللہ نے مجھے میری منزل عطا کردی ہے۔ زندگی کا مقصد دے دیا ہے' اب دکھی نہیں ہونا میں نے' بس تم اپنا خیال رکھنا میں آرہا ہوں صبح تمہارے گھر۔" فوراً ہی سنبھل کر اس نے کہا تھا اور لائن ڈس کنکٹ کردی تھی۔
اگلا دن تحریم اور اس کے گھر والوں کے لیے عید کا دن تھا۔ عبدالہادی تصویروں میں جتنا خوب صورت دکھائی دیتا تھا حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ خوب صورت تھا' بے حد صاف ستھرا اور نفیس' اس کی پرسنالٹی غضب کی پرسنالٹی تھی۔ اس وقت سفید شلوار سوٹ میں ملبوس وہ اس کے گھر کے کچے صحن میں بیٹھا تھا اور تحریم کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔
وہ بلیک قیمتی جوتوں میں قید اس کے شفاف دودھیا پاؤں کو دیکھ رہی تھی' اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس کے کپڑوں کا رنگ زیادہ سفید ہے یا اس کے جسم کا۔ عجیب سی سرشاری اور بے یقینی تھی' کیا واقعی وہ اتنی خوش نصیب تھی کہ اسے اس جیسا ہمسفر ملتا؟
بھابی اور لائبہ کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا' وہ تحریم کی طرف خاصی رشک بھری ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اور جیسے جیسے ان کی نظریں اس کی طرف اٹھتی تھیں تحریم کی گردن مزید اونچی ہوجاتی' اتنی سی کہانی ہی تو ہوتی ہے لڑکیوں کی۔
اسکول کالج میں سکھیوں نے اپنی اپنی الفت کے چٹخارے دار قصے سنائے تو فٹ سے دل میں خواہش بیدار ہوگئی کہ کوئی ہمیں بھی ٹوٹ کر چاہے۔ عمر تھوڑی سی زیادہ ہونے پر کسی نے شادی کا سوال پوچھا تو خوامخواہ شرمندگی اور خود پر ترس آنے لگے۔ زندگی کے کسی موڑ پر کوئی اچھا شخص مل جائے تو سب کے سامنے اترانا گویا فرض ہوجائے جیسے کے ٹو کا پہاڑ سر کرلیا ہو۔
تحریم کی فیلنگز بھی اس وقت کچھ ایسی ہی تھیں' اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑے اور خوب اونچے اونچے قہقہے لگائے۔
عبدالہادی اس کی ماں سے شادی کی بات کررہا تھا' اس نے ثابت کردیا تھا کہ وہ فراڈ نہیں ہے۔ اس کی ذات کے لیے تحریم کے دل میں جنم لینے والے سارے خدشات بے بنیاد ہیں' وہ یہ صرف تحریم کے لیے بے حد قیمتی تحائف لایا تھا بلکہ اس کی ماں' بھابی' بچوں' بھائی اور لائبہ کے لیے بھی کئی بیش قیمت تحائف لایا تھا' بھی کسی کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے مگر

اس کی ماں زیادہ خوش نہیں تھی۔

اس نے اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے گھر آئے شخص کو عزت تو دی تھی مگر وہ اپنائیت نہ دے سکی تھی جو انہوں نے ندیم کو دی تھی۔ وہ ندیم جو اُن کا دیکھا بھالا' اسی شہر میں رہنے والا عام سا مگر شریف لڑکا تھا جس کی حیثیت ان کی جیسی ہی تھی۔

عبدالہادی ان کا دیکھا بھالا نہیں تھا' وہ اس کے سامنے خود کو بہت معمولی تصور کررہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ رات میں جب وہ کئی گھنٹے وہاں گزار کر واپس گیا تو انہوں نے تحریم کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

"کیا بات ہے امی! کیا آپ کو ہادی اچھا نہیں لگا؟" تحریم پریشان تھی' انہوں نے نفی میں سر ہلادیا۔

"نہیں' اس میں اچھا نہ لگنے والی کوئی بات نہیں وہ بہت خوب صورت اور نفیس شخص ہے مگر جانے کیوں میرا دل نہیں مان رہا۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ یوں تمہاری شادی ایک قطعی انجان شخص کے ساتھ کرکے تمہیں خود سے اتنی دور بھیجوں گی۔"

"امی وہ انجان نہیں ہے میں نے ہر لحاظ سے جانچا پرکھا ہے اسے۔ اس میں آج کل کے عام لڑکوں جیسی کوئی بات نہیں' آپ دیکھیں کیا ہادی جیسے پرفیکٹ مرد کو لڑکیوں کی کمی ہوسکتی ہے؟ نہیں ناں' اس کا ہاتھ تھامنے کے لیے تو کوئی بھی لڑکی اپنی جان دینے کو تیار ہوسکتی ہے۔ جس ملک میں وہ رہتا ہے وہاں لڑکیاں شہد کی مکھیوں کی طرح چمٹتی پھرتی ہیں' گلے کا ہار بنتی ہیں مگر اسے ایسی لڑکیاں پسند نہیں ہیں اسی لیے تو وہ پاکستان آیا ہے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ اس رشتے میں اپنے گھر والوں کو ملوث کیوں نہیں کررہا؟ ہم ایسے بناء تسلی کیے آنکھیں بند کرکے تو بیٹی نہیں دے سکتے ناں؟" وہ ماں تھیں اور ان کے اپنے خدشات تھے۔

"اُف امی! آپ یہ سوچیں ہمارے پاس ہے کیا جو کوئی ہمارے ساتھ فراڈ کرے گا اس نے مانگا کیا ہے ہم سے؟ جہیز تک کے لیے صاف انکار کردیا۔ جتنی دیر ہمارے گھر بیٹھا رہا' ایک بار بھی نظر اٹھا کر بھابی یا لائبہ کی طرف نہیں دیکھا۔ آپ پلیز اپنے دل کو فضول وہموں میں مت ڈالیں اگر تقدیر نے ہمارے دن بدلنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو آپ بھی تھوڑا سا دل بڑا کریں۔ زندگی میں ایسے لوگ بار بار نہیں ملتے نہ ہی تقدیریں ہر کسی پر مہربان ہوتی ہے جہاں تک اس کے گھر والوں کی بات ہے تو ہر فیملی میں مختلف ایشوز ہوتے ہیں امی! ہمیں کیا پتا اس کی فیملی نے اس کے ساتھ کیا کیا ہوا ہے جو وہ اتنا ڈسٹرب ہوجاتا ہے ان کو لے کر۔"

"جو بھی ہو آخر وہ اس کے خون کے رشتے ہیں' ایسے موقعوں پر جتنے بھی لڑائی جھگڑے ہوں انسان اپنے خون کے رشتوں سے نہیں کٹ سکتا اور پھر ہمیں کیا پتا وہ سچ بھی بول رہا ہے یا نہیں' یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہو اور تمہیں دھوکہ دے رہا ہو۔"

"امی پلیز میں ہادی کے لیے اب ایسی کوئی فضول بات برداشت نہیں کرسکتی جتنا میں نے اسے جانا ہے وہ ایک بہترین عظیم انسان ہے۔ میں کوئی آسمان سے اتری حور پری نہیں ہوں جو وہ ساری دنیا کی لڑکیوں کو چھوڑ کر صرف مجھے ہی بے وقوف بنائے گا۔"

"اس کے لیے حور پری نہیں ہوگی میرے لیے ہو۔ میں اپنی بچی کو ایک قطعی انجان شخص پر بھروسہ کرکے اپنی آنکھوں سے اتنی دور نہیں بھیج سکتی' تم لوگوں کے سوا مجھ دکھیاری ماں کے پاس اور ہے کیا؟ اللہ جانے وہاں لے جاکے کیا سلوک کرے وہ تمہارے ساتھ میں ادھر بیٹھی کیا کرسکوں گی؟ آئے روز ہزار واقعات ہوتے ہیں ویسے بھی میرا دل مطمئن نہیں ہے۔"

"امی پلیز کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟ میری زندگی ہے جب میں خوش ہوں تو آپ کو کیا مسئلہ ہے۔"

"تم نادان ہو' کم عمر ہو تم نے ابھی دنیا نہیں دیکھی میں نے دیکھی ہے۔"

"مجھے دنیا نہیں دیکھنی' مجھے بس اسی شخص سے شادی کرنی ہے ہر صورت ہر حال میں اگر یہ آپ کو منظور نہیں تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں امی! میں ساری زندگی کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔" روکر غصے سے کہتی وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئی تھی' پیچھے اس کی ماں بے بس' بے چین نگاہوں سے اس کی پشت تکتی رہ گئی تھیں۔

❀......❀......❀

تحریم کے بھائی نے اپنی ماں کی التجا پر ایک دوست کے ترلے کرکے اس سے عبدالہادی کا اتا پتا معلوم کروایا تھا وہ جس گھر میں رہتا تھا اس کی شان وشوکت باہر سے ہی دیکھنے والے کو مرعوب کردیتی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کے مطابق وہ بہت کم پاکستان آتا تھا اور اپنے کام سے کام رکھتا تھا' گھر میں اس

کے علاوہ اس کے والد اور ملازمین رہتے تھے جن کی رائے میں وہ ایک بہت اچھا انسان تھا۔
صبح ناشتے کے بعد وہ گاڑی لے کر نکلتا اور پھر رات گئے گھر واپسی ہوتی۔ کسی نے کبھی اس کے گھر میں کوئی لڑکی یا عورت آتے جاتے نہیں دیکھی تھی۔ ہر طرح کی تحقیق وتصدیق کے بعد اس نے اپنی ماں کو رپورٹ پیش کردی جس کے بعد تحریم کی آنکھوں کے جگنوؤں میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔
بھلا جذبوں اور خوابوں کی رومانوی باتیں کرنے والا وہ شخص فریب ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ تبھی اس نے اپنی ماں کو خاصی ملامتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اس کی نظر میں آج کل کی مائیں تو خود اپنی لڑکیوں کی ایسے خوب صورت امیر لڑکوں کے ساتھ میل ملاقات کرواتی تھیں تاکہ ان کی بیٹیاں راج کریں لیکن ایک اس کی ماں تھی کہ پکی پکائی فصل کاٹنے پر بھی انہیں خدشات لاحق تھے۔
شادی کی ساری شاپنگ ہادی کے پیسوں سے ہوئی تھی اس نے تحریم سے کہا تھا کہ پہلے وہ صرف نکاح کرے گا بعد میں جب تحریم کے دبئی کے لیے کاغذات بن گئے اس کا ویزہ کنفرم ہوگیا تب وہ رخصتی کروائے گا کیونکہ تحریم کے بغیر اب اس کا گزارہ مشکل تھا' تحریم نے ہامی بھرلی' اسے اس کے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں تھا۔
ہادی کے بقول اسے ایک خوب صورت پاکستانی' سمجھ دار' باوفا' باشعور لڑکی کی تلاش تھی' جو اپنی محبت سے اس کی ذات کے سارے خلاء پُر کردے۔ زندگی میں کبھی اسے تنہا چھوڑ کر نہ جائے اور تحریم ایسی لڑکی کے معیار پر پوری اتری تھی وہ خود پر رشک کیوں نہ کرتی؟ اوائل سردیوں کے دن تھے جب اس کا نکاح عبدالہادی کے ساتھ ہوگیا تھا۔
ہادی کی فیملی سے اس کے بزرگ والد اور چھوٹا بھائی آیا تھا کوئی خاتون نہیں آئی تھی مگر تحریم کو پروا نہیں تھی۔ براؤن سوٹ میں ملبوس عبدالہادی اتنا خوب صورت لگ رہا تھا کہ وہ جتنا اپنے نصیب پر رشک کرتی کم تھا' نکاح کے بعد اس کے سارے خدشات دم توڑ گئے تھے۔
جو فراڈ کرتے ہیں وہ اپنا نام کبھی نہیں دیتے مگر عبدالہادی نے اسے اپنا نام دے دیا تھا۔ وہ جتنا بھی رب کا شکر ادا کرتی' جشن مناتی کم تھا۔ نکاح کے بعد عبدالہادی کی وارفتگیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ وہ اتنی بے باک گفتگو کرتا کہ تحریم پاس کھڑی کھڑی پانی پانی ہوجاتی' اب اسے سحرش کی جیلسی نہیں تھی کیونکہ اسے سحرش سے بڑھ کر ملا تھا۔
ایک فریبی نیٹ ورک نے اسے ایک پرفیکٹ شخص سے ملادیا تھا۔ وہ ہواؤں میں نہ اڑتی تو کیا کرتی؟
نکاح کے چوتھے روز اس نے اسکول سے ریزائن کردیا' تاہم وہ پانچ کلو مٹھائی کے ساتھ' بالکل سحرش کی طرح اپنی کولیگز سے اپنی خوشیاں شیئر کرنا نہیں بھولی تھی۔ سحرش کی طرح سب اسے بھی ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور ان نظروں میں کیسی کیسی حسرتیں اور رشک تھا' یہ صرف تحریم محسوس کرسکتی تھی تبھی اس کے قہقہے رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ہادی کی دن رات کی کوششوں سے تحریم کا ویزہ جلدی لگ گیا تھا لہٰذا شادی کی تاریخ بھی ساتھ ہی طے ہوگئی تاہم شادی سے پہلے ہادی نے اس کے بھائی کو جاب چھڑوا کر ایک درمیانے درجے کی کپڑے کی دکان کروادی تھی جس سے تحریم کے قد میں تو اضافہ ہوا ہی' ساتھ اس کی بھابی اور بھائی بھی ہادی کے گن گانے لگے۔
دسمبر کی چار تاریخ کو تحریم کی رخصتی ہوگئی۔ اس کی ماں اس کے گاڑی میں بیٹھنے تک دہلیز پر کھڑی چپ چاپ روتی رہی تھی۔ اپنے دل کی تمام تر بے چینی اور جدائی کے درد کے ساتھ تاہم تحریم نے وہ درد محسوس نہیں کیا تھا اس کے لیے ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں والا معاملہ تھا۔ ماں کے گھر سے رخصت ہوکر وہ سیدھی ایئر پورٹ آئی تھی جہاں عبدالہادی کا باپ بھی ان کے ساتھ ہی دبئی جارہا تھا۔
ہادی کی طرح تحریم کو وہ بھی بہت نائس انسان لگے تھے بے حد سلجھے ہوئے مشفق باپ' اسے بے ساختہ اپنا باپ یاد آیا اور ساتھ ہی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں' جہاز میں عبدالہادی کے برابر آرام دہ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا سر ہادی کے کندھے پر ٹکادیا تھا جس پر اس نے فوراً اس کی طرف جھکتے ہوئے بناء کسی کی پروا کیے اس کی پیشانی چوم لی۔
عشاء کی نماز سے کچھ دیر پہلے ہی اس کے قدموں نے دبئی کی سرزمین کو چھوا تھا اور اندر کہیں انوکھے ساز سے چھڑ گئے تھے۔ زندگی یکلخت ہی خواب ہوگئی تھی' اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ ایک ایک منظر اور چیز کو وہ بے حد مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور ہادی اس کی اس وارفتگی پر زیرلب مسکراتے ہوئے اسے شرارتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

پانچ گھنٹوں کے مسلسل سفر کے بعد اسے اس کمرے میں آنا نصیب ہوا تھا جو اس کا حجلہ عروسی تھا۔ بے حد صاف ستھرا نفیس سا کمرا جو خواب ناک لگ رہا تھا' تاہم اسے پھولوں سے سجانے کی زحمت نہیں کی گئی تھی شاید دبئی میں پاکستان والے رواج نہیں تھے وہ سہج سہج چلتی بیڈ پر آ بیٹھی ہادی اس کے ساتھ ہی آیا تھا۔

"خوش ہو ناں؟" جگمگاتی نگاہوں سے اس کی خوب صورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ تحریم نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ اب خود کو تیار کرلو میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔ میرے آتے ہی تمہاری کلاس شروع ہوجائے گی' آج کے بعد صبح چار بجے سے پہلے سونا' بھول جاؤ گی تم۔" اسے بازوؤں سے پکڑ کر خود میں جذب کرتے ہوئے اس نے گویا اطلاع دی تھی۔ تحریم کے پورے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ اس شخص کی قربت اور جذبوں میں بہت شدت تھی' تحریم کے لبوں کو جیسے قفل لگ گیا۔

"میرا ساتھ دوگی ناں؟" وہ بے خود ہو رہا تھا' تحریم کی جان نکلنے لگی۔

"ہوں۔" جانے کیسے اس نے کہا تھا۔

"تھینک یو۔" اس کے اقرار پر پوری شدت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا تھا اور پھر فوراً پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا' تحریم اگلے پچیس تیس منٹ تک اپنی سانسیں ہموار کرتی رہی' اس کا جسم جیسے ایک ان دیکھی سی آگ میں جلنے لگا۔

پورے دو گھنٹے کے بعد رات کے کھانے کے ساتھ اس کی واپسی ہوئی تھی۔ تحریم نے بھوک نہ ہونے کے باوجود اس کا ساتھ دینے کے لیے تھوڑا سا کھانا کھالیا۔ کھانے کے بعد بیوٹیشن آگئی تو وہ تیار ہونے چل دی۔ دبئی کے وقت کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے وہ تیار ہوئی تھی اور ٹھیک بارہ بجے ہادی اپنے دوستوں کو نپٹا کر کمرے میں اس کے پاس آیا تھا۔ تحریم کا دل اس کے قریب بیٹھتے ہی پھر بے قابو ہونے لگا تھا۔ تاہم ہادی کا حال اس سے زیادہ بُرا تھا' وہ تو اسے دلہن کے روپ میں اپنے سامنے دیکھ کر گویا پلکیں جھپکانا ہی بھول گیا تھا' جبھی اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی مضبوط گرفت میں لے کر شدت سے دباتے ہوئے اس نے خوابناک لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

"تحریم' تم واقعی اتنی ہی خوب صورت ہو یا مجھے لگ رہی ہو۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" اس کا لہجہ ایسا تھا کہ تحریم کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

"بولو ناں یار' چپ کیوں ہو؟ آج میرے صبر کے پیمانے چھلکنے والے ہیں' ضبط کے سارے بند ٹوٹنے والے ہیں' آج چپ مت رہو پلیز۔" اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے اس نے جیسے التجاء کی تھی۔ تحریم نے آہستہ سے آنکھیں بند کرلیں' اس کا جسم انگارہ بنا کانپ رہا تھا۔ دوسری طرف ہادی کی شدتیں عروج پر تھیں۔ وہ ٹھیک رہی تھی مگر...... اسے تھکن کا اظہار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ پیار کا اگر ایک یہ بھی روپ تھا تو قطعی لائق ستائش نہیں تھا۔

دوپہر ایک بجے کے قریب ہادی جاگا تھا۔ اسے سوتے دیکھ کر بناء ڈسٹرب کیے وہ چپ چاپ فریش ہوکر کمرے سے باہر نکل گیا۔ تحریم شام چار بجے کے قریب جاگی تھی' چار گھنٹوں کی نیند کے باوجود اس کا جسم بے حد تھکن کا شکار تھا جب کہ آنکھوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی' ہادی کمرے میں آیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اٹھ گئی میری شہزادی؟"

"جی۔" وہ اس سے نظریں ملانے کی بجائے سر جھکا گئی۔

"طبیعت ٹھیک ہے ناں؟"

"جی۔"

"گڈ' تم سوچ نہیں سکتیں میں کتنا خوش اور پُرسکون ہوں' یوں لگتا ہے جیسے ذات کا سارا بوجھ اتر گیا ہو' تھینک یو تحریم! تم واقعی میری جان ہو۔" اچانک ہی وارفتگی سے کہتے ہوئے اس نے پھر اسے بھینچ لیا تھا' تحریم پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

"چلو اٹھ کر ہاتھ لے لو پھر کھانا کھاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے مگر پہلے میں گھر کال کرکے اپنی امی سے بات کرنا چاہوں گی' وہ انتظار کررہی ہوں گی۔" بمشکل وہ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ پائی تھی' ہادی نے فوراً جیب سے سیل نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"شیور' جتنا دل کرے اتنی بات کرو۔ میں ابھی جارہا ہوں تم فریش ہوجاؤ تو پھر مل کر کہیں اچھی سی جگہ پر جا کر کھانا کھاتے ہیں ٹھیک ہے۔"

"جی۔" وہ مسکرائی تھی' ہادی اس کی ناک دبا کر اٹھ گیا۔ اس

کے کمرے سے جانے کے بعد تحریم نے اپنے گھر کال ملائی تھی۔ لائبہ نے امی کے زیر استعمال رہنے والے سیل پر دبئی کا نمبر دیکھ کر فوراً کال ریسیو کرلی۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام! تحریم بول رہی ہوں' کیسی ہو تم اور امی کیسی ہیں؟ مجھے یاد کرکے روتو نہیں رہیں؟" لائبہ تحریم کی کھنکتی آواز سن کر خوش ہوگئی۔
"امی ٹھیک ہیں مگر رات سے بخار ہوگیا ہے جب سے تم گئی ہو مسلسل رو رہی ہیں۔"
"اُف...... میری بات کرواؤ امی سے' فوری۔" وہ بے چین ہوئی تھی' لائبہ سیل ماں کے پاس لے گئی۔
"امی' بجو کا فون ہے دبئی سے۔" اس نے کہا تھا اور انہوں نے فوراً سیل فون اس سے جھپٹ لیا تھا۔
"تحریم......" بے تابی سے اس کا نام پکارتے ہی وہ رو پڑی تھیں' تحریم کی اپنی آنکھیں بھرآئیں۔
"جی امی! آپ رو رہی ہیں؟" اس کی خوشی لمحوں میں ماند پڑی تھی۔
"تم کیسی ہو' ٹھیک ہو ناں؟"
"امی میں ٹھیک ہوں بے حد' بے پناہ خوش ہوں۔ میرا یقین کریں امی! بندہ ساری عمر سجدے میں پڑا رہے اور خدا سے ہادی جیسا ہمسفر مانگتا رہے تب بھی شاید اسے ایسا ہمسفر نہ ملے جیسا میرے خدا نے مجھے بن مانگے دیا ہے۔ آپ دیکھنا امی! اب کیسے ہمارے حالات یوں چٹکیوں میں بدل جائیں گے۔" وہ اتنی خوش اور مطمئن لگ رہی تھی کہ اس کی ماں کو اپنے آنسو خشک کرنے پڑے۔
"اللہ تمہیں ایسے ہی خوش رکھے میری بچی! میرا دل بہت بے چین تھا آج تک کبھی اتنا دور کیا جو نہیں خود سے۔"
"دل کو سمجھالیں امی کیونکہ اب ہمارے رونے دھونے کے دن گئے ابھی ہادی کھانا لینے گئے ہیں تھوڑی دیر بعد مجھے پورا دبئی اور شارجہ گھمائیں گے۔ اس کے بعد شاپنگ کریں گے اور دوستوں سے ملوائیں گے میں سچ میں بہت' بہت خوش ہوں امی پلیز آپ میری فکر مت کریں۔"
"مائیں اولاد کی فکر کرنا نہیں چھوڑ سکتیں تحریم! خواہ اولاد کتنی ہی سکھی کیوں نہ ہو۔"
"تو امی! پلیز اب خوش ہوجائیں ناں' میں ہادی سے کہوں گی مجھے کوئی اچھی سی جاب دلوائیں پھر وہ پیسے میں پاکستان بھیجوں گی آپ کو اس کے بعد میں ہادی اور آپ عمرہ کرنے جائیں گے' ٹھیک ہے۔" وہ ماں کو بچوں کی طرح بہلارہی تھی' سمندر پار سے اتنا ہی ہوسکتا تھا۔
"وچلیں اب میں فون رکھتی ہوں' ابھی باتھ لینا ہے تیار ہونا ہے۔ آپ اب روئیں یا اداس ہوئیں ناں تو سچ میں' میں نے ناراض ہوجانا ہے اور بات بھی نہیں کرنی۔"
"ٹھیک ہے نہیں ہوتی اداس مگر یہ دل ہے کہ اس میں عجیب سی آگ بھڑک اٹھی ہے' کسی کروٹ قرار نہیں۔"
"دل کو مضبوط کریں امی! میں اب رات میں بات کروں گی' اللہ حافظ۔"
اسے عجلت تھی لہٰذا جلدی سے لائن ڈراپ کرکے وہ واش روم میں گھس گئی۔ شام میں ہادی نے اسے وعدے کے عین مطابق' دبئی اور شارجہ کی بہت سی اہم جگہوں پر گھمایا' سٹی آف گولڈ سے خوب صورت سیٹ بھی لے کر دیا اور تمام دوستوں سے متعارف بھی کروایا۔ رات گئے واپسی پر دونوں ہی تھکن سے چور تھے لہٰذا سوگئے۔
اگلی صبح پھر ایسی ہی مصروفیات رہیں' رات میں البتہ کھانا کھانے کے بعد جب وہ ہادی کے پہلو میں آکر لیٹی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے بازو پر سلالیا۔
"آج کیا موڈ ہے؟"
"کس بات کا؟" وہ اس کی نظریں پہچاننے کے باوجود انجان بن گئی تھی۔
"بتاؤں کس بات کا؟" وہ اس کے چہرے پر جھکا تھا' تحریم کی پلکیں لرزنے لگیں۔
"بتانا ضروری ہے۔"
"ہوں' جو جان کر انجان بنے اسے بتانا ضروری ہے۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا' تحریم نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑلیے۔
"میں دعویٰ سے کہہ سکتی ہوں کہ پوری دنیا میں آپ سے بڑھ کر پیار کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے کہا تھا اور وہ کھل کر ہنس پڑا تھا۔
"ابھی یہ دعویٰ مت کرو کیونکہ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"ہر بات کا مطلب بتانا ضروری ہے؟"

"ہوں' جب بات عقل کے خانے میں فٹ نہ آتی ہو تو مطلب بتانا ضروری ہے۔"

"ہوں' تو یہ بات ہے چلو بتاتے ہیں پھر مطلب۔" کہنی کے بل اٹھتے ہوئے اس نے کہا تھا اور پھر بناء کوئی شرارت کیے ایک بڑی سی البم اٹھا لایا تھا۔ تحریم اٹھ کر بیٹھ گئی' ہادی اس کے پہلو میں تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے البم کھولنے لگا۔ تحریم نے دیکھا وہ سب لڑکیوں کی تصاویر تھیں' مختلف ممالک کی لڑکیوں کی' مختلف رنگ اور نسل کی لڑکیوں کی' کچھ خواتین کی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی' ہادی نے اسے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"بتاتا ہوں میری جان! بتانے کے لیے ہی یہ البم اٹھا کر لایا ہوں۔" اس کے بھرے بھرے لبوں پر مسکراہٹ تھی' تحریم نے اپنی نظریں پھر البم پر چپکا دیں۔

"یہ سمیہ ہے' پاکستان میں سیالکوٹ شہر کے قریب ایک گاؤں میں رہتی ہے' تین بچے ہیں اس کے' میری زندگی میں ماں کے بعد جو پہلی لڑکی آئی وہ یہی تھی۔" البم کے آغاز میں ایک سادہ سی بھرے بھرے سے جسم والی لڑکی کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے اس نے بتایا تھا اور تحریم کے اندر کہیں چھن سے کچھ ٹوٹ گیا' غیر محسوس انداز میں اس نے اپنے کندھوں کے گرد سے ہادی کا بازو ہٹانا چاہا تھا مگر ناکام رہی تھی' وہ بتا رہا تھا۔

"بہت چاہا تھا میں نے اسے' بھری گرمیوں کی دوپہروں میں بناء سورج کی تپش کی پروا کیے میں کئی کئی گھنٹے اس کے اسکول کے باہر کھڑا اسے صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے جلتا رہتا تھا۔ بہت ماریں بھی کھائیں اس کے لیے دو بار جیل بھی گیا' سارے زمانے کی رسوائی مول لی' اپنا جسم سگریٹ سے جلا جلا کر راکھ کیا مگر اسے مجھ پر رحم نہیں آیا اور یہ بناء میری دیوانگی میری محبت کی پروا کیے مجھے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی۔ میں جیسے پاگل ہو گیا تھا' امی شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں' میری حرکتوں نے ان کی جان لے لی اور وہ ایک رات لاہور کے میو ہسپتال میں شریان پھٹنے کے باعث چپ چاپ ہمیشہ کی نیند سو گئیں۔ امی کی موت میرے لیے زندگی کا دوسرا بڑا دھچکا تھا لہٰذا میں آوارہ گرد ہو گیا' ابو نے سمجھانے کی کوشش کی تو ان سے لڑ پڑا۔ بھائی نے روک ٹوک کی تو ایک روز اسے پکڑ کر دھو دیا' بھائیوں کے ساتھ بھی معاملہ قتل وغارت تک پہنچ گیا تھا تبھی گھر سے نکال دیا گیا۔ میرا ایک دوست یہاں دبئی میں سیٹل تھا اسے' برے حالات کا علم ہوا تو اس نے کوشش کر کے مجھے یہاں دبئی بلوا لیا یہاں آ کر میں نے ایک نئی دنیا دیکھی' ایسی دنیا جس کا پاکستان میں تصور بھی نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ میں اسی ماحول کا حصہ بن گیا' تبھی میرے دوست نے مجھے کسی کام دھندے پر لگانے کی بجائے ایک نئی راہ دکھائی' ترقی کی راہ' کامیابی کی راہ دولت کمانے کا شارٹ کٹ راستہ۔" اپنے مخصوص انداز میں ٹھہر ٹھہر کر وہ اسے بتاتا جا رہا تھا اور تحریم دم سادھے سانس روکے سنے جا رہی تھی۔

"جانتی ہو وہ شارٹ کٹ راستہ کیا تھا؟ نہیں...... چلو میں بتاتا ہوں۔" بے پروائی سے اس کی ساکت ہوئی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ہم پانچ دوستوں کا گروپ ہے یہاں ایک کی بیوی اس کی کسی کزن کے ساتھ بھاگ گئی تھی' دوسرے کی سوتیلی ماں نے اسے بڑا ستایا' تیسرے کی گرل فرینڈ بے وفا نکلی اور چوتھا اپنے گھر والوں کی بے حسی سے متنفر ہو کر ادھر آیا۔ یہ جو لڑکیاں تم دیکھ رہی ہو' یہ سب لڑکیاں' ہم پانچوں دوستوں کی ان تھک محنت کا ثمر ہیں۔ دبئی کے سخت قانون کے مطابق یہاں کسی لڑکی کو بناء کسی محرم رشتے کے لانا قدرے مشکل ہے لہٰذا مجبوراً شادی کا کھیل رچا کر لانا پڑتا ہے اور یہاں پھر جو رئیس ہیں ان کے سامنے مختلف درہم کی قیمت لگا کر چند گھنٹوں کے لیے پیش کرنا پڑتا ہے اب سمجھ گئیں یا ذرا اور تفصیل سے سمجھاؤں۔" وہ گوشت سے پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو رہی تھی اور ادھر ہادی یوں پرسکون تھا جیسے یہ بات کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔

"چلو ذرا تفصیل سے سمجھاتا ہوں' اصل میں یہاں دبئی میں پاکستانی لڑکیوں کی بہت مانگ ہے' یوں سمجھ لو کہ انہیں خریدنا زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ انڈین' انڈونیشیا' فلپائن' سری لنکا کی لڑکیوں کی بہتات ہے مگر ان کی اتنی مانگ نہیں تو مجبوراً ہم پاکستانی لڑکیوں کو دانا ڈالتے ہیں' کبھی فیس بک' کبھی اسکائپ' کبھی سیل فون اور کبھی لائیو' کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی پھنس ہی جاتی ہے۔ لڑکیاں بھی بے چاری کیا کریں' پاکستان کے حالات ہی ایسے ہیں' ایسے حالات میں محبت اور شادی ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور ہم اسی مسئلے سے فائدہ اٹھا کر اپنا کاروبار چمکاتے ہیں۔ یہ دیکھو یہ گرین سوٹ والی' یہ ابھی بھی میری وائف ہے۔ دو گھنٹوں کے پانچ سو درہم لیتا ہوں میں اس کے بہت فائدہ پہنچایا ہے اس محبت نے' تمہاری طرح یہ بھی

حالات کی ماری تھی۔ سات بہنیں تھیں اس کی' کسی کی بھی شادی نہیں ہو رہی تھی۔ اب تین کی ہو چکی ہے' باقی کی طے ہو رہی ہے کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے ناں؟" وہ شخص جو خوشبو کا پیکر تھا فقط چند لمحوں میں گدھ بن گیا تھا اور تحریم کی دھندلائی آنکھیں اس کا چہرہ بھی نہ دیکھ پا رہی تھیں جو مسکرا رہا تھا۔ اپنی خوش بختی اور اس کی بدنصیبی پر۔

"اور یار پلیز رونا نہیں' یہاں رونے سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ پنک سوٹ والی دیکھو' تم سے زیادہ خوب صورت پڑھی لکھی سمجھدار تھی۔ ابھی پچھلے سال ڈیتھ ہوئی ہے اس کی' امیر ماں باپ کی بیٹی تھی مگر میری محبت اور جذبوں کی شدت کے سامنے قدم اکھڑ گئے اس کے۔ اسی لیے ماں باپ سے بغاوت کر کے' سب کچھ چھوڑ کر میرے ساتھ یہاں چلی آئی۔ بہت روئی تھی شروع شروع میں' بھوک ہڑتال بھی کی دھمکیاں بھی دیں۔ دو بار چکر دے کر فرار ہونے کی کوششیں بھی کی مگر کامیاب نہ ہو سکی' ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ ہمارا نیٹ ورک ہی اتنا مضبوط ہے کہ جو چڑیا ہمارے جال میں پھنس کر یہاں آ جائے اسے پھر موت کے سوا رہائی نصیب نہیں ہوتی۔ یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لینا۔" وہ اسے دھمکا نہیں رہا تھا' بتا رہا تھا۔ تحریم کو دماغ کے ساتھ ساتھ اپنا سارا جسم سن ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

"تم میرے دل کو بہت اچھی لگی ہو' میں نہیں چاہتا تمہارے ساتھ زیادتی ہو اسی لیے سمجھا رہا ہوں' جیسا کہوں ویسا کرنا' تنگ کرو گی تو تمہارے ساتھ بھی کچھ اچھا نہیں ہوگا اور ادھر پاکستان میں تمہارے جو پیارے پیارے رشتے ہیں' ان کو بھی تکلیف ہوگی کیا تم چاہو گی کہ ان کو تکلیف ہو؟" تحریم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ اسے وارن کر رہا تھا' اس کی آنکھوں سے کئی قطرے ایک ساتھ چھلک پڑے' اسے لگا وہ جیسے کسی پہاڑ سے دھکا دے کر گرا دی گئی ہو۔

"اچھا یہ ادھر دیکھو' یہ جو بلیک سوٹ میں لڑکی ہے ناں۔ اسے بھی مجھ سے محبت ہوئی تھی بلکہ نہیں' محبت کے ساتھ ساتھ اسے مجھ سے ہمدردی تھی۔ میری تنہائی' میری اداسی' میری وحشت پر دل کٹتا تھا اس کا' کمشنر کی بیٹی تھی میرے دکھ بانٹنے میری زندگی میں آئی تھی مگر یہاں آنے کے بعد اسے مجھ سے نفرت ہو گئی۔ اس نے مجھے چیلنج دیا کہ یہ مجھے اور میرے دوستوں کو ضرور بے نقاب کرے گی تاکہ اس کی طرح کوئی اور لڑکی اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھ کر' ہمارے ہاتھوں برباد نہ ہو مگر افسوس کامیاب نہ ہو سکی۔ انکل نے اس کے ارادے جاننے کے بعد اسے ایک "ایڈز" کے مریض شخص سے ملوا دیا یوں ہمیں بے نقاب کرنے کی خواہش لیے چار ماہ کے اندر اندر ایڈز کی شکار ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ میں نے اس کے ماں باپ کو اس کی ڈیڈ باڈی بھجوا دی تھی ساتھ میں میڈیکل رپورٹس بھی۔" کتنے فخر سے وہ اسے بتا رہا تھا' تحریم کے اندر دھواں پھیلتا گیا۔

"اور کسی کے بارے میں کچھ جاننا چاہو گی؟" روح شگاف انکشافات کرنے کے بعد کتنے سکون سے وہ اس سے پوچھ رہا تھا' وہ سسک اٹھی۔

"میرے ساتھ ایسا مت کرو پلیز۔"

"کیوں؟ تم یہاں صرف دبئی دیکھنے آئی ہو؟"

"میں یہاں صرف تمہارے لیے آئی ہوں۔"

"ہمارا جو سرکل ہے اس میں میرا تیرا نہیں چلتا' ڈیئر تحریم! تم میری بیوی رہو گی مگر....... تمہیں رات کے لیے پارٹنر میں اپنے باس یعنی انکل سے پوچھ کر دیا کروں گا' ویسے انکل سے تو تم مل ہی چکی ہو' میرے والد کے روپ میں۔"

"نہیں' پلیز ایسا مت کرو' میں مر جاؤں گی مگر خود کو نیلامی کے لیے پیش نہیں کروں گی۔"

"تو مر جاؤ' یہاں پروا کس کو ہے۔"

"تم میرے ساتھ اتنا بڑا فریب کیسے کر سکتے ہو' میں نے تم پر اعتبار کیا تھا' تمہاری قسموں پر اعتبار کیا تھا۔"

"اعتبار کیا تھا تو اب اس اعتبار کا پھل بھی کھاؤ' زیادہ بک بک کرو گی تو برداشت نہیں کروں گا۔" ایک پل میں اس کے تیور بدلے تھے پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید احتجاج کرتی' وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

❀......❀......❀

سردی اپنے جوبن پر تھی۔ دبئی فش مارکیٹ میں مچھلی ہول سیل میں فروخت ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی سے اتری اور محتاط قدموں سے چلتی ہوئی' سامنے بڑی مچھلی کی ایک قطار کی طرف چلی آئی' جہاں اس جیسے عبایا میں ہی ملبوس ایک اور لڑکی ایک خوبرو پاکستانی سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔

"بھائی دو کلو جھینگے ملیں گے؟"

"نہیں' یہ ہول سیل ہے' یہاں دو کلو کوئی چیز نہیں ملتی۔" سیلز مین نے اس لڑکی کو صفا چٹ جواب دے دیا تھا۔ تحریم کے

قدموں کی رفتار سست پڑگئی۔

"پلیز دے دیں‘ میں زیادہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتی‘ مہربانی ہوگی پلیز۔" وہ عاجزی پر اتر آئی تھی‘ تحریم کی سماعتوں میں جیسے گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔

"سحرش......" یونہی ابہام میں کپکپاتی آواز سے اس نے اس لڑکی کو پکارا تھا اور وہ جیسے کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ ساتھ ہی مچھلیاں فروخت کرتے نوجوان نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور جیسے ٹھٹک گیا تھا۔ دبئی کی فضاؤں میں پورے پانچ سال کے بعد وہ کبھی یوں آن ملے گی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"تحریم......" اس کے سامنے کھڑی پاکستانی لڑکی پلٹی تھی اور اس کے اندازے اور گمان کی تصدیق ہوگئی۔ وہ وہی تحریم تھی جسے اس نے چاہا اور پرپوز کیا تھا مگر وہ اس کی نہ ہوسکی تھی۔ آج جبکہ وہ لکھ پتی تھا وہ صرف دو کلو مچھلی خریدنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی چھلکی تھی مگر وہ فوراً رخ پھیر کر دوسرے گاہکوں کی طرح متوجہ ہوگیا تھا۔ تحریم اسے نہیں پہچان پائی تھی وہ ندیم تھا۔

"تحریم......تم یہاں کیسے؟" بھیگی پلکوں سے تحریم کے ہاتھ چومتے ہوئے سحرش نے اس سے پوچھا تھا جواب میں اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

"بس حالات لے آئے‘ تم سناؤ کیسی ہو؟"

"کیسی ہوسکتی ہوں‘ سونے کے پنجرے میں لحہ بہ لحہ جینے مرنے والی بے بس چڑیا کیسی ہوسکتی ہے؟"

"کیا مطلب‘ میں سمجھی نہیں۔" وہ چونکی تھی‘ سحرش نے آنسو پونچھ لیے۔

"میں تمہیں یوں سر راہ سمجھا بھی نہیں سکتی تحریم! میری نگرانی ہو رہی ہے بس اتنا سمجھ لو کہ زندگی برباد ہوگئی ہے۔ کوئی دولت کے سحر میں اپنا نام دے کر لوٹ لایا اور یہاں لاکر گناہ کی دلدل میں دھکیل دیا‘ یوں کہ واپسی کی ساری راہیں ہی مسدود ہوگئیں۔" سحرش کے لہجے میں کرب کی آنچ تھی‘ اس کی بلوری آنکھیں نقاب کے اندر بن بادل برسات برسنے لگی تھیں‘ تحریم کے دل کو زبردست دھچکا لگا۔

"بہت کوشش کی خود کو بچانے کی‘ بہت ہاتھ پیر مارے مگر......نہ بچ سکی اب تو ہمت ہی نہیں رہی اندر کہیں زندگی جیسے مرگئی ہے۔ خیر چلتی ہوں وہ لوگ یہیں کہیں آس پاس ہوں گے۔" اچانک ہی گھبرا کر اس کے ہاتھوں کو پوری شدت سے

نظم

میرے ہاتھ اٹھے‘ میرے لب ہلے
میرے دل سے یہ آواز اٹھی
تیرے ہونٹوں کی ہنسی‘ تیری آنکھوں کی چمک
تیرے لفظوں کی خوشبو‘ تیرے لہجے کی دھنک
سدا قائم رہے
تُو جو سوچے تجھے مل جائے‘ تُو جو چاہے وہ ہوجائے
ہر قدم پر تجھے بہار ملے‘ تُو شاد رہے آباد رہے
تجھے زندگی سے اتنا پیار ملے‘ جب محفل میں تیرا ذکر چلے
ہر لب پر یہ دعا آئے‘ تجھے ہر خوشی راس آئے
کوئی غم نہ تیرے پاس آئے (آمین)

ثناء خان......ہری پور

دباتے ہوئے وہ اس کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑاتی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک طرف کو نکل گئی تھی۔ پیچھے تحریم یوں ٹھہرائی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی جیسے قافلہ گزر گیا ہو اور پیچھے صرف اڑتی ہوئی دھول باقی رہ گئی ہو۔

وہ بھی اسی راہ کی مسافر تھی کہ جس راہ نے تحریم سے اس کی زندگی کا مقصد چھین لیا تھا‘ بڑا کہرا وار کیا تھا تقدیر نے کہ وہ جس لڑکی کے نصیب پر رشک کرتی تھی اسے بھی ویسا ہی نصیب مل گیا تھا اس نے کہا تھا۔

"مجھے نہیں چاہیے آخرت میں کچھ بھی۔"

اور وقت کے دیوتا نے جیسے یہ جملہ اچک لیا تھا‘ عبدالہادی کے بعد اس کی عزت کا جنازہ نکالنے والا وہی شخص تھا جسے ہادی نے پاکستان میں اپنا باپ متعارف کروایا تھا مگر دبئی میں وہ اس کا باس اور انکل تھا۔ اسی رات اس کی التجا پر ہادی نے اسے پاکستان کال ملا کردی تھی۔

"السلام علیکم بجو! کیسی ہو؟" حسب توقع کال اٹھانے والی لائبہ تھی‘ تحریم کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"تم کیسی ہو امی اور باقی سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک اور خوش باش ہیں آپی! آپ کو پتا ہے ندیم بھائی نے مجھے پرپوز کیا ہے اور امی نے اس بار انکار نہیں کیا آخر کو ندیم بھائی ان کے دل کو لگتے ہیں اور اب تو ہادی بھائی کی طرح ان کا بھی دبئی میں لاکھوں کا کاروبار ہے۔ فش مارکیٹ میں ہول

سیل میں مچھلی فروخت کرتے ہیں' سب بہت خوش ہیں بجو! پچھلے ہفتے ابو کی دوسری بیوی بھی انہیں دھوکہ دے کر بھاگ گئی بہت پشیمان تھے ابو ادھر ہی آ گئے ہیں۔ کاش آپی آپ یہاں ہوتیں تو دیکھتیں کیسے ہمارے سب رشتہ دار جل جل کر مر رہے ہیں' چچی لوگوں کی تو زبان نہیں سوکھتی تمہارے نصیب پر رشک کر کر کے۔ بڑی بلے بلے ہوئی پڑی ہے تمہاری یہاں بھائی کا کاروبار بھی اچھا چل پڑا ہے سچ کہتی ہوں بجو! اللہ تم جیسا نصیب ہر بیٹی کو دے۔''

''نہیں...... اللہ نہ کرے۔'' لائبہ کی دعا پر اس نے دہل کر دل ہی دل میں کہا تھا پھر خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بمشکل بولی۔

''امی کہاں ہیں؟''

''نماز پڑھ رہی ہیں' ابھی سلام پھیرتی ہیں تو بات کرواتی ہوں۔ جب سے تم گئی ہو بجو! امی ہر وقت تمہاری باتیں کرتی رہتی ہیں' تمہیں یاد کر کے روتی رہتی ہیں۔ پانچ سال ہو گئے تمہاری شادی کو مگر امی کی چپ نہیں ٹوٹی' ہر وقت اداس رہتی ہیں۔ تمہارے لیے دعائیں مانگتی مصلے پر بیٹھی روتی رہتی ہیں۔ بس یہی کہتی ہیں میرے دل کو سکون نہیں ہے' میرا اندر جل رہا ہے اب اتنی خوشیاں ہونے کے باوجود پتا نہیں کیوں ان کے دل کو سکون نہیں ہے' کیوں ان کا دل جلتا رہتا ہے؟'' لائبہ اس سے اس کی ماں کی شکایت کر رہی تھی' تحریم کے لیے اپنی سسکیوں کو روکنا محال ہو گیا۔ عجیب سگنل ہوتے ہیں ماؤں کے دلوں کے' سمندر پار بیٹھ کر بھی انہیں اپنے بچوں کے دکھوں کا پتا چل جاتا ہے اس کے آنسو مزید روانی سے بہنے لگے۔

''امی کا خیال رکھا کرو لائبہ! میں یہاں بہت خوش ہوں' ہادی میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

''جانتی ہوں بجو! ہادی بھائی جیسا آئیڈیل شخص تو پوری دنیا میں دوسرا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔''

''ہوں' اچھا میں فون رکھتی ہوں' کریڈٹ ختم ہو رہا ہے امی کو میرا اسلام کہنا اور ایک ریکوئسٹ بھی کرنا۔''

''کیسی ریکوئسٹ؟'' لائبہ پوچھ رہی تھی اور ادھر تحریم سے بولنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ اس لہجے میں اپنی ماں سے بات نہیں کر سکتی تھی کیونکہ مائیں لہجے پہچان لیتی ہیں۔

''امی سے کہنا لائبہ! وہ رات میں تمہارے سونے سے پہلے نہ سویا کریں' کیونکہ شب کے اندھیرے میں جن جوان بیٹیوں کی مائیں ان کے سونے سے پہلے سو جاتی ہیں ان بیٹیوں کا امتحان پھر زندگی اپنے ڈھب سے لیتی ہے۔''

''میں سمجھی نہیں بجو۔''

''امی سمجھ جائیں گی۔'' شکستگی سے کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے لائن ڈس کنکٹ کر دی تھی۔

ہادی اسکائپ پر پاکستان میں حیدرآباد کی کسی لڑکی سے گپ شپ لگا رہا تھا' وہ باہر سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔

ہوا چل رہی تھی مگر اسے گھٹن محسوس ہو رہی تھی' اندر ایک عجیب سی کسک کا غبار بڑھتا جا رہا تھا۔ آنسوؤں کا کوٹا تو جانے کب کا ختم ہو چکا تھا تبھی پلکیں موند کر سر کھڑکی کے کھلے ہوئے پٹ سے ٹکاتی' وہ اپنے تخیل کی دنیا میں پاکستان پہنچ گئی تھی' وہ پاکستان جہاں غربت تھی' جہالت تھی' مسائل تھے لوڈشیڈنگ اور بھوک تھی مگر...... اس بھوک میں بھی ذلالت نہیں تھی' سکون تھا۔

اس کی عزت کی اجلی چادر تار تار کر کے بھی کسی کی گندی ہوس کے مزار پر نہیں چڑھتی تھی۔ کسی نے عزت بنا کر وہاں اس کے وجود کو دھجیوں میں نہیں بکھیرا تھا' وہ اپنی ہی ذات کے مقبرے میں زندہ دفن نہیں ہوئی تھی۔ وہاں تو بس خواب تھے خواہشات تھیں اور ''اعتبار تھا۔''

مگر جانے افلاس کی اس دھرتی کی اور کتنی نوخیز کلیوں کو ان رو پہلے خوابوں' خواہشات اور بھروسے کی سولی چڑھنا تھا۔

''مائے نی میں کنوں آکھاں' درد وچھوڑے دا حال نی

مائے نی میں کنوں آکھاں

دکھاں دی روٹی سولاں دا سالن

آہیں دا بالن بال نی مائیں

مائے نی میں اکھاں؟ درد وچھوڑے دا حال نی مائیں

جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی

اجے ناں پائیو بال نی...... مائیں

مائے نی میں کنوں آکھاں' درد وچھوڑے دا حال نی

رانجھن رانجھن' پھراں ڈھونڈیندی

رانجھن میرے نال نی

مائے نی میں کنوں آکھاں' درد وچھوڑے دا حال نی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
راحت وفا
موم کی محبت
READING
Section

قسط نمبر 15

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

اک عجب شور سا بپا ہے کہیں
کوئی خاموش ہوگیا ہے کہیں
تو مجھے ڈھونڈ میں تجھے ڈھونڈوں
کوئی ہم میں سے رہ گیا ہے کہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شرمین دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر صبیح احمد کے بیٹے کو لینے ہاسٹل پہنچ جاتی ہے اور وہاں چند ضروری پیپر سائن کرکے بچے سے ملتی ہے۔ صبیح احمد کا بیٹا شرمین کو دیکھتے ہی ماما کہہ کر پکارتا ہے جبکہ شرمین اذان (صبیح احمد کا بیٹا) کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے کہ وہ صبیح احمد کی کاپی ہوتا ہے۔ عبدالصمد کو جہاں آرا بیگم اپنے ساتھ لے جاتی ہیں ان کا خیال تھا کہ بچے کی محبت میں زیبا کی ممتا جوش مارے گی اور وہ بے قرار ہوکر گھر آجائے گی۔ مگر زیبا دل پر پتھر رکھ کر صبر کرلیتی ہے۔ دوسرے ہی دن صفدر عبدالصمد کو چھوڑنے آتا ہے تو زیبا اسے عارض کی تصویر دکھا کر اپنے ساتھ گناہ میں شریک ٹھہرا کر صفدر کا سکون غارت کردیتی ہے۔ صفدر کا دل ودماغ یہ بات تسلیم کرنے سے عاری ہوتا ہے اس پر دوست کی حقیقت واضح تو ہوتی ہے کہ وہ لڑکیوں سے فلرٹ کرتا رہتا ہے لیکن اسے اس بات کا یقین نہیں تھا پھر بھی دل کی تسلی کے لیے وہ عارض کو زیبا کی تصویر دکھاتا ہے تو وہ اسے پہچاننے سے انکار کردیتا ہے۔ آغا جی نے سنجنا کی ضمانت کرادی تھی لیکن اب سنجنا امریکہ میں ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے مشکل پیدا کررہی تھی۔ سنجنا عارض کے اپارٹمنٹ کے باہر مستقل اپنا ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جاتی ہے۔ یہی بات آغا جی کو بہت پریشان کرتی ہے۔ شرمین اذان کے ساتھ زینت آپا سے ملنے آتی ہے تو وہ ششدر رہ جاتی ہے تب شرمین انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کرکے بوبی کے ساتھ منگنی سے معذرت کرلیتی ہے۔ زینت آپا افسردہ ہوکر شرمین کو بوبی سے ملنے کا کہتی ہیں۔ صفدر جہاں آرا بیگم کے ساتھ نئے گھر میں شفٹ ہوجاتا ہے لیکن اب اسے کسی کل چین نہیں رہتا۔ زیبا کی باتیں عارض پر الزام لگ رہی تھیں صفدر کی نظر میں زیبا اس سے اس کی دوستی چھین رہی تھی جبکہ زیبا اس حقیقت لیے صفدر کے سامنے سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی۔ بوبی اذان کو دیکھ کر تلملا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی صورت یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کہ شرمین ایک آٹھ سال کے بچے کی ماں ہے جبکہ شرمین اس پر حقیقت آشکار نہیں کرتی اور بوبی کے آگے شرط رکھتی ہے کہ وہ اسی صورت شادی کرے گی جب وہ اذان کو قبول کرے گا۔ عارض کو شاپنگ کے دوران شرمین نظر آتی ہے وہ شرمین کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے ساتھ بچے کو دیکھ کر اپنی جگہ ٹھہر جاتا ہے جبکہ شرمین اس کو دیکھ کر نظر انداز کرتی دوسری شاپ کی طرف چل دیتی ہے۔ عارض اس بچے کے بارے میں صفدر سے معلوم کرتا ہے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ شرمین پر صبیح احمد کی زندگی کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ صبیح احمد زندہ ہے اور اپنے علاج کے لیے بیرون ملک مقیم ہے۔ شرمین ایک بار پھر پرانی محبت کے حصار میں آجاتی ہے جبکہ عارض بھی اب اس سے بات کرکے معاملات کو سلجھانا چاہتا ہے۔ زیبا اب صفدر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی لیکن وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ صفدر اس کے گناہ گار کو سزا دے یک طرفہ محبت نے زیبا کو صفدر کی نظروں میں رسوا کردیا ہے صفدر بھی اپنے عہدو پیماں بھول کر غصہ کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)
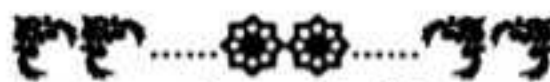
بلیو سادہ سے سوٹ میں جلدی جلدی بالوں میں برش کرکے اذان کو شاور کے لیے واش روم میں بھیجا وہ کافی لیٹ ہورہی تھی۔

زینت آپا کے تین چار فون آ چکے تھے۔اذان کے کپڑے الماری سے منتخب کر کے نکالے تو فون بجنے لگا۔اسے لگا کہ آپا ہی کا فون ہوگا۔مگر نیا نمبر دیکھ کر وہ کچھ ہچکچائی مگر پھر اٹینڈ کر لیا۔

''ہیلو۔''

''میڈم شرمین از دیئر۔''

''جی۔''

''میں صبیح احمد صاحب کا وکیل ایم عالم بیگ بات کر رہا ہوں آپ کو اطلاع دینی تھی کہ مسٹر صبیح احمد اب دنیا میں نہیں رہے۔''

''آہ......!'' ایک چیخ حلق کے اندر دم توڑ گئی سماعت پتھرا گئی غیر متوقع اتنی افسوس ناک اطلاع اس کی آنکھوں سے جانے کیوں موٹے موٹے آنسو ٹوٹے اور رخسار پر پھسل گئے۔

''آپ سن رہی ہیں نا؟'' بیرسٹر صاحب کو خاموشی پر کہنا پڑا۔

''آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟'' کڑے ضبط کے ساتھ بولی۔

''مرحوم نے آپ کو بتانے بلکہ ول بھی آپ تک پہنچانے کو کہا تھا۔''

''میرا فون نمبر؟''

''وہ میں نے ہاسٹل کے چیف ایگزیکٹیو باجوہ صاحب سے لیا اذان کے لیے ان سے میرا رابطہ رہتا تھا۔امید ہے آپ کے پاس اذان خیریت سے ہوگا۔''

''جی مگر مجھے صبیح احمد کی ول سے کوئی سروکار نہیں۔''

''میڈم اذان کی کفالت کے تمام تر امور، مسٹر صبیح احمد نے آپ کے نام لکھوا دئے ہیں۔تو پھر آپ وقت بتائیں کب ملاقات ہو رہی ہے؟''

''آپ کو کنفرم ہے کہ صبیح احمد......؟'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''جی، کنفرم ہے انہیں وہیں مسلم قبرستان میں دفن کر دیا گیا ہے۔''

''اوہ......'' وہ بے دم سی ہو کر دیوار سے لگ گئی۔

''پھر۔''

''ابھی میں اس پر بات نہیں کر سکتی پلیز۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔

''او کے آئی ایم سوری۔''

''اٹس او کے۔''

''ٹھیک ہے ول میرے پاس محفوظ ہے آپ جب چاہیں، او کے اللہ حافظ۔''

وکیل صاحب نے فون بند کر دیا مگر وہ دل و دماغ میں اٹھنے والے یادوں کے طوفان کو کہیں بند نہیں کر سکتی تھی۔بس ڈوبتے دل کے ساتھ کمرے سے نکل کر برآمدے کے ستون سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگی۔نفرتوں کی دبیز تہہ میں دفن ہونے کے باوجود وہ سامنے آ گیا تھا۔ان پر کیا گزری ہوگی، تنہا موت سے ملتے وقت کس دکھ سے گزرے ہوں گے؟

''اوہ صبیح احمد! تم اس قدر بدقسمت تھے کہ آخری لمحوں میں کوئی تمہارے پاس نہیں تھا، کوئی تڑپنے والا جان کنی کے کرب میں آنسو بہاتے ہوئے سورہ یاسین پڑھ کر سکون قلب دینے والا نہیں ہوگا۔تم نے کیسی سزا پائی، وطن سے دور، اپنے بیٹے سے دور گھر بنا لیا۔ہمیشہ کے لیے وہیں رہ گئے کس قدر تڑپے ہوں گے روئے ہوں گے اور جان، جان آفریں کے سپرد کی ہوگی میں اذان کو کیسے بتاؤں گی، کیسے؟''

''ماما۔'' اذان کی آواز پشت سے آئی تو وہ چونکی۔

''ہممم۔'' جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

''فون آ رہا تھا۔''

''لاؤ'' اس نے فون دیکھا زینت آپا کا تھا مگر بند ہو چکا تھا۔
''ماما آپ ڈیڈی کو یاد کر رہی تھیں؟'' اذان نے معصومیت سے پوچھا تو وہ پھٹ پڑی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔
''ڈیڈی خراب ہیں۔''
''نہیں، وہ آپ کے اچھے ڈیڈی......'' وہ اس کو بانہوں میں بھر کے ادھورا جملہ بول کے اسے لیے کمرے میں آ گئی دل غم سے پھٹا جا رہا تھا زینت آپا کو طبیعت خرابی کا میسج کر کے بیڈ پر دراز ہو گئی۔
ماضی کی فلم نگاہوں میں چلنے لگی۔ سحر انگیز شخصیت کا مالک، نفاست و لطافت کا وجیہہ پیکر جس سے اس نے دیوانہ وار محبت کی تھی وہ منوں مٹی تلے سو گیا تھا۔ ایک آزمائش دے کر، امتحانی مرکز میں چھوڑ کر اس نے برابر لیٹے اذان کو دیکھا جو بے فکر اور بے غم آنکھیں موندے لیٹا تھا ہر بات سے لاعلم...... بے خبر۔

❀❀
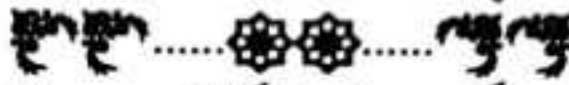
زینت بیگم نے خاموشی کے ساتھ کھانا اپنے کمرے میں ہی کھایا۔ بڑے اہتمام سے ڈھیر ساری چیزیں انہوں نے تیار کروائی تھیں۔ مگر شرمین کا میسج پڑھ کر خاصی افسردہ سی ہو گئیں، بابا کو صرف بوبی کے لیے کھانا لگانے کا کہا مگر بوبی تو آگ بگولہ ہو کر ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ بھولی برتن لے کر جا رہی تھی وہ اس سے ٹکرایا چھناکے سے سب برتن کرچی کرچی ہو گئے۔ زینت بیگم چلا اٹھیں۔
''یہ کیا...... کیا آپ نے؟''
''مجھے یہ بتائیں کہ وہ کیوں نہیں آئی، اس لڑکے کی وجہ سے۔'' وہ برتنوں کی ٹوٹ پھوٹ نظر انداز کر گیا۔ بھولی نے جلدی جلدی کرچیاں ٹرے میں رکھیں اور باہر نکل گئی۔
''جو بھی وجہ ہو آپ یہ پوچھنے کے مجاز نہیں۔''
''کیوں، ہماری بات طے ہوئی تھی۔''
''ہوئی تھی، جو آپ کی نادانیوں کے سبب ختم ہو گئی۔''
''کون سی نادانی، میں شرمین کی طرح سنجیدہ بابا بن جاؤں۔''
''یہی...... یہی زبان کی خرافات اس رشتے کا خاتمہ بنی ہیں۔'' زینت بیگم کو غصہ آ گیا۔
''کیا مطلب ہے آپ کا؟''
''بڑی دعائیں کیں، مگر آپ کو عقل نہ آئی پہلے شرمین، شرمین کی رٹ لگائی اور پھر اسی سے الجھنا بحث کرنا وطیرہ بنا لیا۔ اب شرمین کو بھول جاؤ وہ شاید آپ کی وجہ سے کھانے کے لیے نہیں آئی۔''
''نہیں، وہ اس پراسرار بچے کی وجہ سے نہیں آئی۔''
''یونہی سمجھ لو۔''
''آپ کو مجھ سے ہمدردی نہیں۔''
''بوبی شرمین آپ سے بدظن ہو چکی ہے رہ گئی بات اذان کی تو وہ اسے نہیں چھوڑ سکتی۔'' انہوں نے واضح کر دیا۔
''اور مجھے اذان قبول نہیں۔''
''تو پھر ٹھیک ہے، بھول جاؤ اسے۔''
''یہ آپ کہہ رہی ہیں۔''
''مجبوری ہے، شرمین کو میں مجبور نہیں کر سکتی۔''
''ٹھیک ہے میں واپس چلا جاؤں گا۔''
''بصد شوق۔'' وہ رنجیدہ خاطر ہو کر بولیں۔
''یعنی آپ کو فرق نہیں پڑتا۔''

"تو کیا کروں ماما آپ کے پاؤں پکڑوں، ہاتھ جوڑوں، بوڑھی بیمار ماں کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔" وہ عشاء کی اذان سن کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں جانتا ہوں آپ شرمین کو فیور کررہی ہیں۔"

"وہ غلط نہیں تھی کبھی بھی، جب بڑی بن کر سمجھاتی تھی تب بھی آپ نہ سمجھے اس سے عشق فرماتے وہ بے زار ہوتی مگر اڑے رہے جب اس نے قبول کیا تو حماقتیں شروع کردیں اذان میرے لیے بھی باعث تشویش ہے لیکن وہ باشعور ہے مرضی کی مالک ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے چھوڑ دو، جانے کس وجہ سے وہ اس کے ساتھ ہے۔" انہوں نے کچھ نرمی اختیار کی۔

"میں ضرور پوچھوں گا۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلا گیا تو وہ بے بسی سے سرد آہ بھر کے وضو کرنے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئیں۔

......
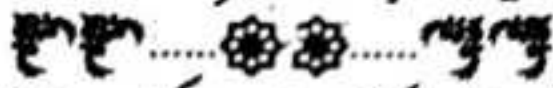
رات آنکھوں میں گزارنے کے بعد صبح کسی انسان کی کیا حالت ہوسکتی ہے یہ آئینے کے روبرو کھڑے ہوکر اس نے پورے سچ کے ساتھ دیکھا۔ محسوس کیا سرخ انگارہ آنکھیں، متورم پپوٹے، سیاہ حلقے، کملایا ہوا چہرہ، کنپٹی کی تنی ہوئی رگیں جو بڑی نمایاں ہوگئیں تھیں برسوں کی مریضہ سے مل رہی تھی۔

"شرمین، محبت کی میت دفن ہوتی ہے تو ایسا ماتم بپا ہوتا ہے۔ روح ایسے بین کرتی ہے بدن ایسے سسکیاں لیتا ہے یہ جان لو کہ تم پر ایسی قیامت ہی گزری ہے کچھ بھی تھا کبھی سب کچھ ہی تھا۔" اس نے الجھے بالوں میں برش کرکے آج خود کو تیار ہی سمجھا مگر پھیکی تصویر میں رنگ بھرنے کے لیے جیسے صبیح احمد کی آواز کانوں میں گھنٹیاں سی بجانے لگی۔

"لپ اسٹک میرے جانے کے بعد لگایا کرو۔" یہ شکوہ اس کو گلنار کردیا کرتا وہ لپ اسٹک ہاتھ سے لے کر رکھ دیتے اور اسے لو دیتی نگاہوں سے دیکھتے۔ وہ ان نگاہوں کا مطلب خوب سمجھتی تھی جان چھڑانے کو دور بھاگ کر الٹی سیدھی لپ اسٹک کی تہہ ہونٹوں پر جمالیتی وہ خود سر اور انا پرستی کے مارے پھر ہفتوں اسے دیکھنے بھی نہ آتے۔

"اب میری لپ اسٹک سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، بلکہ بہت عرصے سے یہ سب قصے پرانے ہوچکے ہیں، مگر جانور کے اپنے پسندیدہ جانور کے رخصت ہونے کا بھی ملال ہوتا ہے۔ تم سے تو محبت کا تعلق تھا۔ معاف کرنا، اب تمہارے کہنے سے نہیں اپنے دکھی دل کی آواز پر یہ رنگ بھرنے کو جی نہیں چاہ رہا۔ میں تمہارے سوگ میں نہیں بلکہ اذان کی یتیمی پر مغموم ہوں، تم نے اپنے طور پر کتنا دانش مندانہ فیصلہ کیا۔ صبیح احمد تم تو اب ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں شامل ہوگئے ہو، اذان مجھے سونپ کر تم نے خود سے میرا رشتہ پھر سے مضبوط کرلیا ہے۔ میری سب راہیں مسدود کردی ہیں۔" وہ کھڑی بڑبڑا رہی تھی مگر اذان نے اسے چونکا دیا ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک ہاتھ میں لیے وہ رنگ بھرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ وہ شدت جذبات سے مغلوب ہوکر اس سے لپٹ گئی، اس کی پیشانی چومی اور پھر لپ اسٹک لگائی اذان خوش ہوکر اپنا اسکول بیگ اٹھا کر ریڈی ہوگیا۔

"دودھ کا گلاس بھی خالی کرنا ہے۔" اس نے جلدی سے گاڑی کی چابی اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ماما پلیز دل نہیں چاہ رہا۔"

"دل کو سمجھاؤ، چلو شاباش جلدی۔" اس نے خود گلاس اٹھا کر اس کے منہ سے لگایا تو اسے پینا پڑا۔ اس کے اسکول کا ٹائم ہورہا تھا اس نے اسے بھاگنے کا اشارہ کرکے کمرہ لاک کیا تو زینت آپا کا فون آ گیا۔

"السلام علیکم آپا۔ میں آفس آرہی ہوں اذان کو اسکول ڈراپ کرکے۔" اس نے کہا۔

"آپ کی طبیعت کیوں خراب ہوگئی، لو اچھا میں گھر آتی ہوں۔" اس نے دوسری طرف کی بات سن کر فون بند کیا۔ گاڑی تک پہنچ گئی تھی، اذان نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پہلا سوال کیا۔

"ماما کس کے گھر؟"

"وہ آپ کی نانو کے گھر۔"

"وہ آپ کی ماما ہیں۔"

"ہمم یہی سمجھ لو، اچھا ڈائری دھیان سے نوٹ کرنی ہے لنچ کرنا ہے۔" اس نے اس کی گفتگو کا موضوع بدلا۔

''ماما ڈیڈی کو اب تو بلالیں۔'' اذان نے اچانک کہا تو گاڑی جھٹکے سے رک گئی۔ اس کا دل ڈوب سا گیا آنکھوں میں اس کے لیے ترس نمی بن کر گھوم گیا۔ اذان اس کی آنکھیں دیکھ کر جلدی سے بولا۔

''اچھا، اچھا رہنے دیں میں بھی تو ان سے ناراض ہوں۔'' وہ سمجھا کہ شاید اس کی آنکھوں میں ناراضگی ہے۔

''میں ناراض نہیں ہوں۔'' اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔

''تو پھر، پھر فون کریں۔'' وہ خوش ہوگیا۔

''ہنہ۔''

''پھر ڈیڈی مجھے اسکول چھوڑ دیا کریں گے۔'' وہ اپنی ترنگ میں کہہ گیا۔ تو وہ ہنس کر ٹال گئی۔

''آپ کے ڈیڈی کا یہ مزاج نہیں وہ تو ہل کر پانی نہیں پیتے۔''

''ہاہاہاہا......!'' اذان سوچ کر ہنس دیا بات تو سچ تھی اسکول کے گیٹ پر اس نے اذان کو چھوڑا اور پھر واپسی کے لیے گاڑی موڑی۔

......❀❀......

زینت آپا اسٹک کے سہارے واش روم گئی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے گھٹنے کا درد شدت اختیار کر گیا ہے وہ پر ملول سی ان کی میڈیسن اٹھا کر دیکھنے لگی بھولی ان کا ناشتہ کمرے میں ہی لے آئی تھی اسے دیکھ کر خوشی سے بولی۔

''باجی آپ آ گئیں۔''

''ہاں یہ زینت آپا کی طبیعت کیسے خراب ہوگئی؟''

''وہ چھوٹے صاحب آپ کی وجہ سے لڑتے رہتے ہیں تو......!'' وہ رکی۔

''تمہیں بیگم صاحبہ کا تو بہت خیال رکھنا چاہیے۔''

''آپ واپس آ جائیں نا۔''

''جاؤ، جا کر ایک کپ چائے بنا کر لاؤ۔'' اس نے کہا تو وہ چلی گئی اسی اثناء میں واش روم کا دروازہ کھلا زینت آپا باہر آئیں اس نے لپک کر انہیں سہارا دیا وہ خوش ہوگئیں۔

''تم آ گئیں۔''

''آپا یہ طبیعت اتنی خراب کیسے ہوگئی؟'' بیڈ پر تکیے کے سہارے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ٹینشن ہے نہ میرے مقدر میں۔''

''یوبی کی باتوں کو آپ سیریس نہ لیا کریں۔''

''تم نے کیا حال بنا رکھا ہے۔'' انہوں نے نظر جما کر دیکھا۔

میں ٹھیک ہوں۔'' وہ ٹال گئی۔

''کہاں ٹھیک ہو؟ کیا بات ہے بتاؤ۔''

''کچھ نہیں بس ویسے ہی رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔''

''کوئی وجہ۔''

''تھی بھی اور نہیں بھی۔''

''بتاؤ۔''

''آپ ناشتہ کریں، چھوڑیں۔'' اس نے ناشتے کی ٹرے ان کے سامنے رکھی۔

''شرمین ایک بات کہوں۔''

''جی۔''

''زندگی کا سفر سہل نہیں، اذان کی ذمہ داری نہ لو، میں ایسا یوبی کی وجہ سے نہیں کہہ رہی، کیونکہ مجھے تم بھی بہت عزیز ہو۔''

"جانتی ہوں لیکن آپا اب تو چاہ کر بھی ایسا نہیں کرسکتی، کیونکہ اب اذان کا میرے سوا کوئی نہیں۔" اس کا لہجہ اشک بار ہوگیا۔
"کیا مطلب؟"
"صبیح احمد اب دنیا میں نہیں رہے۔"
"ک.....کیا..... تمہیں کس نے بتایا؟" ان کی آواز لڑکھڑائی۔
"ان کے وکیل نے......اب ایسے میں اذان صرف میری ذمہ داری بن گیا ہے۔"
"لیکن شرمین یہ تو تمہارے اپنے ساتھ زیادتی ہوگی اس نے پہلے ہی تمہاری زندگی برباد کی، اب مرگئے تو بھی اپنا بیٹا تمہارے گلے کا ہار بنا گئے۔ ان کی بہن ہے اور بھی کوئی ہوگا یا پھر میرے پاس چھوڑ دو۔"
"آپا وہ مجھے ماما تسلیم کرچکا ہے، صبیح احمد نے یہ ستم ہم دونوں کے ساتھ کیا ہے ان کی بہنوں کا مجھے کچھ اتا پتا نہیں اور کاغذات میں، اپنے خط میں انہوں نے اعتبار ہی میرے نام کیا ہے، میرے اعتبار کو پامال کرنے والے نے اپنا اعتبار صرف مجھ پر کیا ہے ہے نا مزے کی بات۔" وہ بولتے بولتے طنزیہ ہنسی۔
"کچھ بھی ہے وہ تمہاری محبت، تمہارے خلوص کو فریب دے کر گئے تھے بیٹا اصل ماں کے حوالے کرتے۔" زینت بیگم کو غصہ آرہا تھا۔
"آپا آپ کا غصہ بجا ہے، اپنی مثال تو کچھ ایسی ہے۔
ہجر پہ بھی نادم تھے وصل پر بھی شرمندہ
وہ بھی رائیگانی تھی یہ بھی رائیگانی ہے"
"اور پھر بھی تم خود کو مشکل میں ڈالنا چاہتی ہو۔"
"ڈال چکی ہوں آپا اب تو کچھ بھی اختیار میں نہیں۔"
"پلیز شرمین۔" انہوں نے پرامید لہجے میں پکارا لیکن بھولی، چائے بنالائی تھی وہ کچھ بول نہ سکی۔ چائے پینے لگی واپس جاتے ہوئے اس نے فقط اتنا کہا۔
"مجھے معاف کردیجیے۔" اور ان کا جواب سنے بغیر ہی آ گئی بوبی کو نہ ملنے کا فیصلہ چند منٹ پہلے ہی کیا تھا کیونکہ بوبی کو سمجھانا مشکل تھا۔

❀❀

صبح کا وقت سڑکوں پر ایک طوفان بپا ہونے کا وقت ہوتا ہے اسکول، کالجز، دفتر آباد ہونے کا وقت ٹریفک کا اژدھام سب کو آگے نکلنے کا جنون، بے صبری اور جلد بازی کے مناظر ایسے میں گاڑی چلاتا وہ بھی اس ٹینشن میں کہ عبدالصمد چارپائی سے منہ کے بل گرا ہے، اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے، نمی نے تو محض اطلاع ہی دی تھی یا مقصداً سے بلانا تھا اسپتال لے جانے کے لیے جہاں آرا تو تڑپ کر اس کے سرہانے کھڑی رونے لگیں۔ ان کی پریشانی دیکھ کر وہ جیسا سویا تھا اسی لباس میں گاڑی نکال لایا، بے چین تو خود بھی ہو کر اندر آیا، مگر پھر خود پر کنٹرول کرتے ہوئے زیبا پر برس پڑا ننھے عبدالصمد کو اس کی گود سے چھینا۔
"کرتی کیا ہو، ننھے سے بچے کی دیکھ بھال نہیں کرسکتیں۔"
"ارے بیٹا سارا دن اسی میں لگی رہتی ہے لیکن بس اب یہ چارپائی پر سکون سے نہیں لیٹتا۔" حاجرہ نے بیٹی کی طرف سے صفائی دی۔
"تو.....دھیان کس نے رکھنا ہے۔" وہ ناک سے خون آلود رومال ہٹا کر دیکھتے ہوئے بولا۔
"میں نے اور ہوتے کون ہیں آپ؟" زیبا نے جھنجلا کر کہا۔
"یہ بعد میں بتاؤں گا، فی الحال جارہا ہوں۔" عبدالصمد کو لے کر وہ باہر کو لپکا تو وہ چلاتی ہوئی پیچھے آئی۔
"چھوڑو، میرے بیٹے کو، یہ میرا بیٹا ہے تم اسے نہیں لے جاسکتے۔"
"میں اس وقت تم سے الجھنا نہیں چاہتا، لے جارہا ہوں روک سکتی ہو تو روک کر دکھاؤ۔" وہ پلٹ کر غرایا اور باہر نکل گیا۔

"لے جانے دو، اسپتال لے جانا ضروری ہے۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے، میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ پیچھے بھاگی تو وہ عبدالصمد کو گاڑی کی سیٹ پر لٹا کر اندر آیا اور خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور کلائی تھام کر کھینچتا ہوا اسے باہر گاڑی تک لایا پچھلا دروازہ کھول کر اندر دھکیلا، گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے مشتعل ہو کر بولا۔

"لے جا رہا ہوں عبدالصمد کے ساتھ، اب جی چاہے تو چھلانگ لگا دینا میں نہیں روکوں گا۔" ساتھ ہی گاڑی اسٹارٹ کی اور برق رفتاری سے نکال لے گیا۔ منھی اور حاجرہ بیگم دروازے سے دیکھتی رہ گئیں۔

"اپنے بیٹے سمیت چھلانگ لگاؤں گی۔" اس نے غصے سے کہا تو وہ پلٹ کر گھورتے ہوئے بولا۔

"یہ تمہارے جہیز میں نہیں آیا۔"

"اس کے دعویدار آپ بھی نہیں ہیں۔" وہ بھی قرض چکانے کے فن سے آشنا ہوگئی تھی۔

"کس قدر ڈھیٹ ہو، اپنی فضول حرکت پر شرمندہ ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔" وہ دانت کچکچا کے گاڑی چلانے میں منہمک ہو گیا تو وہ بھی ندامت کے کڑوے گھونٹ بھر کے ضبط کر گئی۔ ویسے بھی عبدالصمد اب پھر درد سے رونے لگا تھا۔

❀❀
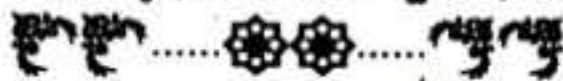
پوتے کو شدت جذبات سے چومتے ہوئے وہ پہلی بار زیبا پر برس پڑیں حالانکہ صفدر نے عبدالصمد کو اسپتال سے واپسی پر انہیں تسلی دے دی تھی کہ منہ کے بل گرنے سے ناک کے رستے خون آ گیا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں، ایک سیرپ لکھا تھا جو صفدر ان کے حوالے کر گیا تھا اس کا آفس جانا ضروری تھا، زیبا نے نئے گھر کو طائرانہ نگاہوں سے دیکھا مگر جانے کے لیے تو کہنا ہی تھا جس پر وہ بڑے تیکھے تیوروں کے ساتھ بولا۔

"اس وقت تو نہیں جاسکتیں جب تک میری طاقت کا اندازہ نہ کرلو۔"

"تو گویا آپ زبردستی مجھے یہاں رکھیں گے۔" اس نے بھی تیکھے ہی انداز کو نرمی میں ڈھالتے ہوئے کہا۔

"یہ کس نے کہا؟"

"پھر کیوں لائے ہیں؟"

"تاکہ میری ماں کو تم سے نفرت ہو جائے۔" وہ خوامخواہ ہی یہ کہہ گیا۔

"اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امی کے ذریعے بیٹے پر حق جتانا چاہتے ہیں وہ مجھے نفرت سے نکال دیں اور پوتے کو رکھ لیں کتنے بے حس ہیں آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ نفرت سے محبت ختم نہیں ہوسکتی رشتے کمزور پڑ سکتے ہیں اگر نفرت سے محبت مر سکتی تو آپ بے قرار ہو کر بیٹے کے لیے میرے پاس نہ آتے، اسے اسپتال نہ لے جاتے اور یہاں تو بالکل نہ لاتے اور غور کریں آپ کی نفرت خاصی عمر رسیدہ ہو کر بھی بیٹے کی محبت ختم نہیں کر سکی۔" اس نے چسکا لیتے ہوئے خاصی لمبی بات کی تو وہ سلگ اٹھا۔

"بھول ہے، اب تو چال بازی اور الزام تراشی پر نفرت میں اضافہ ہوا ہے۔" وہ یہ کہہ کر بریف کیس اور لیپ ٹاپ اٹھا کر چلا گیا تو وہ جہاں آرا بیگم کے پاس آ گئی مگر انہوں نے بھی پہلی بار توپوں کا رخ اس کی طرف رکھا۔

"ارے بہو بیگم، ایک ننھا سا بچہ سنبھال نہیں سکیں، خدانخواستہ چوٹ خطرناک ہوتی تو' تم اس لیے میکے میں ہمارا بچہ لے کر بیٹھی ہو کہ......"

"کہ کیا؟ امی میں ماں ہوں، بھلا کیوں کر خیال نہیں رکھوں گی۔"

"یہی تو حیرت ہے یہ اتنا بڑا گھر بھائیں بھائیں کر رہا ہے میں ہر وقت سنبھالنے کو موجود ہوں ہر آسائش گھر میں ہے پھر بھی ہمارا بچہ اس ماحول میں پل رہا ہے کیا کہوں؟" جہاں آرا نے کوئی کمی نہ چھوڑی آسائشیں سہولتیں سب گنوا دیں تو زیبا کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آپ نے یہ نہیں کہا کہ اس بڑے گھر میں ہماری گنجائش کتنی ہے، ہے بھی کہ نہیں۔"

"کیا مطلب، تمہارا گھر ہے اگر سمجھو تو، اب تو مجھے اپنے صفدر پر ترس آتا ہے، شادی کے بعد کون سا سکھ ملا ہے اسے یہ معصوم

اللہ نے رونق بنا کر بھیجا تو تم میکے لیے بیٹھی ہو، اب کان کھول کر سن لو، تم نے جانا ہے تو جاؤ میرا پوتا کہیں نہیں جائے گا۔" انہوں نے خوب کھری کھری سنا کر فیصلہ بھی کردیا۔

"یہ سب اپنے بیٹے سے کہیے گا۔"

"کہہ دیں گے چلو اب جا کر کچن دیکھو، ایک کپ چائے اور رس ہی لا دو، ہم نے تو پریشانی میں کھیل تک منہ میں نہیں ڈالی۔" انہوں نے بے تکلفی سے کہا تو اسے آنکھیں صاف کرتے ہوئے باورچی خانے کا رخ کرنا پڑا۔

وہ بھی اپنی جگہ حق بجانب تھیں۔ حالات تو ان دونوں کے درمیان سر پٹخ رہے تھے۔ انہیں حقیقت نہیں معلوم تھی۔ وہ تو یہی جانتی تھیں کہ زیبا بسنا نہیں چاہتی، اب تو انہیں کامل یقین ہو چکا تھا اپنی سگی والدہ حاجرہ بیگم کی طرح کہ صفدر بے قصور ہے زیبا ہی غلط ہے۔

"اے اللہ میں کیا کروں، جس شخص کو سب دیوتا سمجھتے ہیں اس کا ظرف اتنا چھوٹا ہے کہ وہ فراخدلی سے معاف کرکے اپنے دل اور گھر کے دروازے مجھ پر نہیں کھولتا، گھر چھوٹا ہو یا بڑا کیا فرق پڑتا ہے جب گھر کے سرپرست نے دل پر بھاری تالا لگا کر چابی سمندر میں پھینک دی ہو۔" اشک بار نگاہوں کو رگڑ کر اس نے اللہ سے ہی فریاد کی اور چائے بنانے کے لیے ساس پین میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔

اذان کو اسکول سے پک کرنا تھا۔ اس نے پہلے سوچا کہ آفس سے ڈرائیور کو سمجھا کر بھیج دوں مگر یوبی کے آفس آنے کی اطلاع پر اور انٹر کام پر اپنے آفس میں بلانے کی بات پر بے زار ہو کر خود جانے کا ارادہ کیا۔ سرکلر روڈ سے ہو کر فیروز پور روڈ سے ذرا پہلے ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹائر پنکچر ہو گیا۔ دھیرے دھیرے اس نے گاڑی سڑک کے کنارے لگائی، چند لمحے سخت پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اتر کر چاروں طرف نظر گھمائی، مگر بھاگتی دوڑتی زندگی میں کسی کے پاس اس کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ سخت پریشانی کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا اذان کی چھٹی کا وقت قریب تھا۔

"یا خدا، کیا کیا جائے۔" یہ سوچ کر اس نے ورکشاپ کے مالک کا نمبر تلاش کیا۔ پھر خود ہی ایسا نہ کیا اپنی مدد آپ کے خیال سے ٹول گاڑی سے نکالے ایکسٹرا ٹائر باہر نکالا ٹائر بدلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

وہ متاثر ٹائر کی طرف بڑھی ہی تھی کہ سفید ایکسل آئی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی بالکل اس کے قریب رک گئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو حیرت و بے زاری دونوں ایک ساتھ اس پر طاری ہوئے جسے عارض اور ڈرائیور نے واضح طور پر محسوس کیا۔

"ہائے۔" وہ گاڑی سے نکل کر اس کے قریب آ کر مسکراتے ہوئے بولا وہ منہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھو، یہ مناسب جگہ ہے نا مناسب وقت پلیز میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" وہ بہت دھیرے سے بولا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

"پلیز آپ جائیں تماشا نہ لگائیں۔" اس نے بھی بڑے دھیمے لہجے میں کہا۔

"کوئی تماشا نہیں ہے گاڑی کا ٹائر بدلنا ہے بدلوا دیتا ہوں تم میری گاڑی میں بیٹھو۔" اس نے ٹائر دیکھتے ہوئے کہا۔

"فار گاڈ سیک، جائیں آپ، میں ٹائر بدل سکتی ہوں۔" اس نے غصے سے کہا۔

"میں بہت برا ہوں مگر تم اتنا بھروسہ مجھ پر کر سکتی ہو۔"

"دیکھیے عارض صاحب مجھے کسی کے بھروسے کی ضرورت نہیں۔"

"شرمین آپ کو کوئی تو جلدی ہوگی آپ گاڑی میں چل کر بیٹھو میں ڈراپ کر دیتا ہوں ڈرائیور ٹائر بدل کے گاڑی پہنچا دے گا پلیز ٹرسٹ می۔" اس نے آخری کوشش کی تو اسے اذان کا خیال پریشان کرنے لگا، اس کی چھٹی ہو چکی ہوگی اور وہ گیٹ سے لگا کھڑا ہوگا۔

"میں رکشہ لے سکتی ہوں۔"

"پلیز رکشہ اس وقت ملنا مشکل ہے۔"

"مگر۔" وہ سخت تذبذب کا شکار ہوئی۔
"پلیز نا ؤ۔"
"نہیں، بس اتنا ہی کافی ہے یہ گاڑی کی چابی ہے ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیجیے گا۔" وہ بڑی مشکل سے یہ مدد لینے کے لیے آمادہ ہوئی پرس کندھے پر ڈالا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ چابی ہاتھ میں پکڑے اسے پشت سے دیکھتا رہا، کچھ دور جا کر اس نے ٹیکسی روکی اور بیٹھ کر چلی گئی۔ تب عارض نے ڈرائیور کو چابی تھما کر پتا سمجھا دیا۔ اس کے دل کو اس وقت بہت قرار حاصل ہوا تھا یہ بھی بہت کافی تھا کہ وہ یوں مل گئی۔ اسے دیکھ لیا اسے سن لیا، ورنہ کوئی امید اسے اب نہیں رہی تھی کچھ تو بہتری ہوئی تھی اس نے اتنی بات مان لی تھی ورنہ جو سلوک اس نے روا رکھا تھا اس کے بعد بچا ہی کیا تھا آج کی اتفاقی ملاقات پر دل خوشی سے بھر سا گیا تھا۔

یہی بہت ہے کہ دل اس کو ڈھونڈ لایا ہے
کسی کے ساتھ سہی، وہ نظر تو آیا ہے
کروں شکایتیں، تکتا رہوں کہ پیار کروں
گئی بہار کی صورت وہ لوٹ آیا ہے
وہ سامنے تھا مگر یہ یقین نہ آتا تھا
وہ آپ ہے کہ مری خواہشوں کا سایا ہے

❀❀

اذان کو کھانا کھلا کر سلا دیا تھا۔
خود بھی ذرا دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی آفس میں کام تھا اذان کو چھوڑ کر اسے واپس جانا ہوتا ہے مگر دو گھنٹے گزرنے کے باوجود عارض کا ڈرائیور گاڑی نہیں لایا تھا۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ بلاوجہ گاڑی چھوڑ آئی آفس تو جانے کا وقت گزر گیا تھا۔ عارض سے یہ دوسری ملاقات تھی پہلی میں بات چیت نہیں ہوئی تھی آج بات کرنے کی وجہ سے ماضی کے بند کمرے کی کھڑکیاں جیسے ایک ایک کر کے کھل سی گئی تھیں مگر پھر اس نے سختی سے آنکھیں بھینچ لیں کہ مبادا کسی کھڑکی سے وہ کود کے باہر نہ آ جائے۔
"نہیں عارض صاحب تم نے آنے پر شور شرابہ کیا تھا مگر جاتے ہوئے تو صرف ایک خاموش جملہ بھیجا تھا۔ سمندر پار سے ایک خاموش جملہ جو مجھے یہ یقین دلا گیا تھا کہ ہنگاموں سے مزین فیصلے لمحاتی ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔" اس نے فقط اتنا سوچا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اسے اٹھ کر دروازہ کھولنا پڑا۔ مگر دروازہ کھولتے ہی وہ بھونچکا سی کھڑی رہ گئی۔ ایک بڑے سے خوش نما پھولوں کے گلدستے کے ساتھ عارض کھڑا تھا۔ اپنی پرکشش مسکراہٹ کے ساتھ اس نے باہر نکل کر دروازہ باہر سے بند کیا اور دھیرے سے کہا۔
"عارض صاحب میں آپ سے شناسائی کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی یہاں میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی ہوں۔ لہٰذا میں نہیں چاہتی کہ میرے بیٹے کے ذہن میں الجھنیں پیدا ہوں آپ چلے جائیں ان پھولوں کے ہمراہ۔"
"بہ...... بیٹا...... وہ...... میں۔" وہ بری طرح ہکلایا۔
"جی...... اب جائیے۔"
"شرمین پلیز ہم بات کر سکتے ہیں۔"
"نہیں، ہماری کوئی بات نہیں ہو سکتی۔"
"ناراض ہو بجا ہے تمہاری ناراضگی۔"
"جی میں کسی سے ناراض نہیں ہوں، اب جائیے۔"
"عجیب سی بات ہے میں تمہاری زندگی میں خوشی لانے کا سبب بننا چاہتا تھا اس پر اب بھی خوش ہوں۔" وہ جانے کیا کہنا چاہتا تھا۔
"جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے میری زندگی میری زندگی نہیں رہی، خوشیاں ہی خوشیاں ہیں میرے پاس مجھے

خوشیوں میں کوئی مداخلت قبول نہیں۔"
"میں نے تو تمہارے لیے مداخلت پہلے ہی چھوڑ دی تھی۔ مگر ایک بات یہاں لے آئی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر رکا۔
"کوئی بات اب ہو نہیں سکتی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔
"دراصل میرے لیے دونوں باتیں حیران کن ہیں۔" وہ گلدستہ دروازے کے ساتھ دیوار سے لگا کر رکھتے ہوئے بولا۔
"کون سی باتیں؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکلا۔
"شاید یہ مناسب جگہ نہیں۔" وہ بولا۔
"جی یہ میرا گھر آپ کے لیے مناسب جگہ نہیں میں کوئی فسانہ بنانا نہیں چاہتی۔" اس نے جلدی سے کہا اور دروازہ کھول کے اندر گئی اور پھر کھٹ سے دروازہ لاک کرلیا۔ اسے اپنی گاڑی کا پوچھنا بھی یاد نہیں رہا۔ دوبارہ عارض نے دستخط دی تو اسے مجبوراً اندر سے کہنا پڑا۔
"پلیز، جایئے یہاں سے۔"
"گاڑی پورچ میں کھڑی ہے اور چابی دروازے کے باہر سے اٹھالینا۔" اس نے یہ کہا تو اس نے دروازہ کھول دیا وہ جا چکا تھا فرش پر چابی پڑی تھی اس نے چابی اٹھائی اور پھر بڑی اطمینان بھری سانس بھر کے اندر آ گئی گو کہ اس کے دل میں اب کہیں کمی وہ نہیں تھا مگر پھر بھی وہ کیوں سامنے آ کھڑا ہوا تھا، کیسے زندگی میں سب مرضی کے خلاف ہوتا چلا جاتا ہے پاس جنہیں بلانا چاہیں وہ دور ہو جاتے ہیں بنا کسی جرم کے کسی خطا کے اور پھر نہ چاہتے ہوئے دروازہ پر دستک دینے لگتے ہیں اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آیا تھا صبیح احمد کے لیے اپنی ذات مٹا ڈالی تو وہ دور ہی ہوتے چلے گئے۔ پھر اب نہ چاہا نہ بلایا تو اذان کی صورت وہ زندگی کا دروازہ کھول کر آئے اور عارض، عارض کو روکنا چاہا تو وہ محبت محبت کا جنون لیے زندگی میں گھس آیا پھر زندگی بنا کر رکھنا چاہا تو وہ بند دروازے سے بھی باہر نکل گیا اب کیوں پھر سے راہ میں آ رہا ہے۔ اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے اذان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سوچا جبکہ اب کچھ بھی حاصل نہیں تھا اذان کی خاطر تو وہ بوبی سے کنارہ کشی اختیار کر چکی تھی۔

❀❀
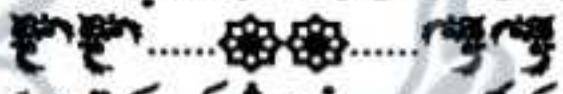
کہتے ہیں کہ جب انسان کسی سے دور ہو کر بھی نہ اسے فراموش کر سکے تو یقیناً وہ اس کی الفت میں گرفتار ہے۔ عارض اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ اس نے واپس آ کر خود کو کمرے میں بند کر کے یہی اندازہ لگایا کہ وہ قطع تعلقی کا فریب ہی خود کو دیتا رہا اسے بھولا تو ایک دن بھی نہیں۔ اب جبکہ وہ سامنے آ گئی تو دل دکھی ہو رہا تھا ذہن میں طرح طرح کے سوالات آ رہے تھے شرمین ایک ناحل ہونے والا معمہ کیوں بن گئی تھی صبیح احمد کی زندگی، بوبی سے منگنی اور اب یہ بچہ میں کہاں رہ گیا؟ ان سب کے درمیان میری ہستی کیوں معدوم ہو گئی؟
"اے کاش میری صبیح احمد سے ملاقات ہی نہ ہوتی، کاش میں کھل کر پوچھ لیتا۔" اس نے افسردگی سے سوچا۔
"مگر اس سے بھی پہلے عارض صاحب آپ ایک نادانی تو خود بھی کر چکے تھے فضول سوال کر کے اس سے بدگمان ہو کے، صبیح احمد تو محض ایک بہانہ بنے، حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے اسے الجھایا۔ الٹے سیدھے سوال کیے محبت کی دلیلیں طلب کیں اور پھر صبیح احمد کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائی، کتنا عجلت کا فیصلہ کیا تھا ایک لمحے کو بھی کچھ نہ سوچا اور ایک بار بھی شرمین کو صفائی کا موقع نہ دیا۔ صفدر نے آغا جان نے کتنا سمجھایا مگر ایک نہ سنی، مگر اب، اب کیا حاصل، شرمین خوددار، باحوصلہ ثابت قدم لڑکی ہے نہ اس کا حوصلہ ٹوٹ سکتا ہے اور نہ اس کی انا کا خول، ایک بار بھی تو اس نے ماضی کا تعلق اپنی آنکھوں سے، اپنے لہجے سے، اپنی زبان سے باہر آنے نہیں دیا۔"
"مسٹر عارض سب ختم ہو گیا اب شرمین سے ملنا نہ ملنا ایک برابر ہے۔ وہ تمہیں معاف کر کے بھی معاف نہیں کر پائے گی۔ اب کوئی اس کی زندگی میں ہے یا نہیں سچ تو یہ ہے کہ تم کم از کم نہیں ہو تمہارے لیے اس کی زندگی میں کوئی گنجائش نہیں۔" اس نے پورے یقین کے ساتھ سوچا اور پھر ایزی چیئر پر آنکھیں موند کر بیٹھ گیا۔ مگر اپنے محبوب کی یادیں کب پیچھا چھوڑتی ہیں۔ شرمین تبسم سے بند آنکھوں کے آنگن میں آ گئی۔ اس کی موہنی صورت مدھر آواز نے جیسے پورے وجود میں آگ بھر دی۔ وہ بے قرار ہو

کر ٹہلنے لگا۔

جن کا ملنا محال ہو محسن
ان کی یادیں عذاب ہوتی ہیں

جو سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سلب کر لیتی ہیں۔

”شرمین میں تمہیں بھولنا چاہتا ہوں کیونکہ یہی میری سزا ہے میں محبت کا اہل نہیں مگر تم مجھے بھولتی کیوں نہیں، میں کیا کروں؟“ وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا تو گویا آواز گونج کر واپس آ گئی وہ دیوانوں کی طرح اپنے سر کے بال نوچنے لگا اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی وہ چونکا۔ اگلے ہی لمحے آغا جی کمرے میں آ گئے ان کی پیشانی شکن آلود تھی چہرے پر جلال تھا انہوں نے اس کی پریشانی پر غور ہی نہیں کیا بولنا شروع ہو گئے۔

”بزرگوں سے سنا تھا کہ اللہ ایک دے اور نیک دے میں نے ساری زندگی خود ایک اور نیک ہونے کا ثبوت دیا میرے والدین مجھ سے راضی ہو کر گئے اپنے لیے میں اتنا بدقسمت کیوں ہوں یہ سوال مجھے دکھی کر رہا ہے ستا رہا ہے میرے پاس بھی ایک بیٹا ہے مگر اس کے نیک ہونے پر مجھے شکوک کیوں ہو رہے ہیں؟“ وہ لمحہ بھر کو چپ ہوئے تو وہ حیران پریشان سا بولا۔

”کیا مطلب؟“

”یار مجھے یہ بتاؤ آپ کہ آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آتی میں نے یہ کہا کہ اس ہندو لڑکی سے آپ کا کوئی نہ کوئی تعلق ہے تو آپ نے جھٹلایا حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آپ نے شرمین کو ٹھکرایا، اب وہ اپارٹمنٹ میں رہ کر آپ کا انتظار کر رہی ہے، یہ سب کیا ہے؟“ وہ پہلی بار حد درجہ مشتعل ہو کر بولے، وہ بڑی مشکل سے الفاظ اکٹھے کر کے بولا۔

”اپارٹمنٹ، وہ کب میں نے سچ کہا ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔“

”نہیں، میرا ہے میں نے معید صاحب کو کہہ کر اسے وہاں ٹھہرایا ہے ہاؤ ڈیئر شی۔ وہ میرے اپارٹمنٹ میں رہے آپ سے رابطے میں رہے۔“

”بابا ایسا کچھ نہیں ہے میرا رابطہ نہیں ہے آپ میرا فون چیک کر لیں۔“

”رابطہ تو تھا مسٹر معید کی تو میں نے ایسی کلاس لی ہے کہ اب اس کی صورت نہیں دیکھیں گے۔“

”بابا معید صاحب کا کوئی قصور نہیں ہے میں نے مدد کرنے کو کہا تھا۔“ وہ شرمندہ سا ہو کر بولا۔

”جانتا ہوں کیونکہ آپ کے لیے وہ اہم ہے مگر کیوں؟“ وہ چلائے۔

”جہنم میں جائے وہ میں اپنی پریشانی میں ہوں آپ اسے نکال باہر کریں۔“ وہ جھلا کر باہر نکل گیا آغا جی سر تھام کر بیٹھ گئے۔

❀❀

اس وقت وہ خاموش لیٹی کمرے کی چھت تک رہی تھی۔ جب صفدر غیر متوقع طور پر کمرے میں آ گیا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اسے شاید کوئی فائل لینی تھی اس لیے اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا وہ نظریں جھکائے اور بیڈ کی پٹی سے پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ پر غلط کرتے اور چنے ہوئے دوپٹے میں بال بکھرے بکھرے سے شانوں سے نیچے کی طرف جھول رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس وقت بھی خوب صورت اور نازک سی لگ رہی تھی۔ صفدر نے خود پر ضبط کیا اور اس کا دل جلانے کو ٹیبل سے فائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

”جب تک ہو، اپنا بیٹا خود سنبھالو یہاں آرام کرنے تو نہیں آئیں۔“

”کسی ایک طرف تو رہیں جب اپنا بیٹا کہتی ہوں تو بھی غلط، اب آپ کی مرضی سے وہ آپ کی امی کے پاس ہے تو بھی میں غلط آپ یہاں لے کر کیوں آئے؟“ وہ بھی غصے سے اکھڑ گئی۔

”غلط کو غلط ہی کہتے ہیں۔“

”تو پھر تسلیم بھی کر لیں کہ غلط ہی غلط ہوتا ہے میں غلط ہوں جبکہ آپ کو تو غلط صحیح کا فرق ہی معلوم نہیں۔“ اس نے طنز کیا۔

”مطلب؟“

"دوست صحیح اور میں غلط۔"
"یہ قصہ بھی ختم ہو ہی جائے گا پھر پوچھوں گا کہ کون غلط ہے اور کون صحیح۔"
"فی الحال مجھے اپنے گھر جانا ہے۔"
"ہاں لیکن اس کے لیے ایک کام کرنا ہوگا۔"
"کیسا کام؟"
"اپنی اداکاری سے میری امی کے دل میں اپنے لیے بہت ساری نفرت بھر دو، وہ تمہارا جانا خوشی سے قبول کرلیں گی۔"
"اور یہ کام تو آپ اچھا کرسکتے ہیں۔ میری اصلیت بتادیں۔" وہ بولی تو صفدر کو پتنگے لگ گئے۔
"وہ تم پر تھوکیں گی بھی نہیں دھکے مار کر نکالیں گی۔"
"اچھی بات ہے میرا اور میرے بیٹے کا پیچھا چھوٹ جائے گا۔" وہ غصے میں کہہ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی تو اس نے وہی خوب صورت بال مٹھی میں جکڑ لیے جو کچھ دیر پہلے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں آ گئی۔
"پلیز چھوڑیں مجھے...... پلیز۔"
"جانا تو ہے اتنی بھی کیا جلدی ہے کہیں رابطے بحال تو نہیں ہو گئے اپنے محبوب سے۔" وہ سختی سے کہہ کر جھٹکے سے بال چھوڑ کر فائل لیے کمرے سے نکل گیا اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔
"اتنے گھٹیا نفرت آمیز سلوک سے بہتر ہے میری جان لے لیں خاتمہ کردیں میرا۔" وہ سسکیاں بھرتے ہوئے وہیں بیڈ پر گر گئی۔ وہ تو جا چکا تھا اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر...... وہ کافی دیر روتی رہی منھی کا فون آتا رہا مگر اس نے اٹینڈ نہیں کیا۔

رات وہ لیٹ گھر آیا۔
کمرہ خالی تھا لائٹس آف تھیں اس نے لائٹس آن کیں وہ شاید امی کے پاس سوگئی تھی یہ سوچ کر وہ چینج کرنے کے لیے واش روم میں گھس گیا کچھ دیر بعد باہر نکلا تو وہ کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں آچکی تھی۔ روئی روئی صورت متورم آنکھیں، اداس ہونٹ، سفید سوٹ میں بالکل خاموش، ناراض سی پری کی طرح اس نے اچٹتی سی نگاہ ڈالی تو چند منٹ دیکھنا پڑا، وہ واپس پلٹنے کو تھی کہ وہ بولا۔
"میں نے تو کھانا نہیں مانگا۔"
"مجھے اخلاقاً ایسے کرنا پڑا۔" اس نے جتلایا تو وہ پھر بھڑک اٹھا اسے گویا اس کی زبان سے آگ لگنے لگی تھی۔
"اخلاقاً تم معنی جانتی ہو اخلاقیات کے اس گھر میں داخل ہی نہ ہوتیں اگر اخلاقاً سوچتیں۔" وہ حیرت و افسوس سے دیکھتی رہ گئی۔
"آپ کو بتادیا تھا۔"
"ہمہ مجھے اذیت میں مبتلا کرکے میرا سکون غارت کرنے کے لیے بتایا۔" وہ کڑواہٹ سے کہہ کر گیلے بال تولیے سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے کہا۔
"آپ، ابھی اسی وقت مجھے طلاق دے دیں پلیز، اب تھک گئی ہوں میں اس زہر کو پیتے پیتے مرگئی ہوں میں آہ...... ہا۔" وہ دیوانوں کی طرح چیختے ہوئے زور زور سے روتے روتے فرش پر گر گئی اور بین کرنے لگی۔ صفدر پریشان ہوگیا رات کے سناٹے میں اس کی آواز باہر جارہی ہوگی کچھ ہی دیر میں امی آجائیں گی۔
"او...... اچھا خاموش ہوجاؤ چپ کرو۔" وہ خود بھی فرش پر جھک کر کچھ نرمی سے کہنے لگا مگر اس کی حالت تو جیسے آؤٹ آف کنٹرول ہوگئی۔ دانت بھینچ گئے اور رونے سے ہچکیاں شروع ہوگئیں آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ شدید صدمے کے باعث عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔ صفدر بوکھلا سا گیا اسے گود میں بھر کے بستر پر لٹایا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے مگر اس کو تو جیسے دورہ سا پڑ گیا تھا۔ اس نے منہ تھپتھپایا۔

''ہوش کرو، ہوش میں آؤ کیا کررہی ہو؟'' وہ سخت پریشانی میں اسے ہلانے جلانے پر مجبور ہوگیا۔ مگر اس کی تو جیسے گھگھی سی بندھ چکی تھی۔

''زیبا...... زیبا...... ہوش کرو۔''

''چھوڑ دیں مجھے ہٹیں مجھے جانے دیں جانے دیں۔'' وہ زور سے چیخی اور چلاتی ہوئی بیڈ سے اترنے کی کوشش کرنے لگی آج پہلا موقع تھا کہ وہ اس کے سرہانے اس کے قریب بیٹھا تھا اس۔ نے اس کا بازو تھام کر روکا۔

''فارگاڈ سیک چیخنا بند کرو، امی سنیں گی تو کیا سمجھیں گی؟''

''سننے دیں بس مجھے جانے دیں آپ مجھے طلاق دے دیں۔'' وہ اور زور سے چلائی تو اس کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

''مرو، جو کرنا ہے کرو، جاؤ جہنم میں۔'' وہ تکیہ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا وہ چلائی۔

''جانے کیوں نہیں دے رہے میں گناہ ہوں، گند ہوں مجھے نکال باہر کرو۔'' مگر اس نے دروازہ باہر سے لاک کردیا اور خود ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر جا کر لیٹ گیا ہاتھ پر نگاہ پڑی تو افسوس ہوا۔

''یہ کیا، کیا تم نے، اتنی نیچ حرکت۔'' مگر وہ بھی کیا کرتا پریشانی میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا شرمندگی سے سر تکیے پر پٹخنے لگا۔

''کیا مصیبت ہے، زندگی حرام ہوگئی۔'' وہ چلا اٹھا۔

❀❀

''صفدر صفدر یہ کیا فضول حرکت ہے، شرم نہیں آئی بیوی کو رات بھر کمرے میں بند رکھا۔'' جہاں آرا سخت غصے میں پاس کھڑی چلائیں تو وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔

''وہ، میں......!'' کچھ بات نہ بن پڑی۔

''کیا میں میں شرم ہے کہ نہیں اسی لیے وہ یہاں نہیں رہتی، ایسا سلوک کرتے ہیں بیوی کے ساتھ ارے نئے گھر میں وہ آئی ہے اور تم نے لڑ جھگڑ کے اسے کمرے میں بند کردیا۔ میں پوچھتی ہوں یہی تربیت کی تھی میں نے۔'' وہ سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''اوہ، سوری، غلطی سے لاک لگ گیا ہوگا۔'' وہ شرمندہ ہوکر بولا۔

''لاک غلطی سے لگ گیا۔ تم یہاں صوفے پر بھی غلطی سے آگئے میاں بیوی کے رشتے میں فاصلے اور دوریاں نہیں ہوتے، احساسات کا تبادلہ ہوتا ہے، روح کی تھکن اتاری جاتی ہے لمحوں کو زندہ رکھا جاتا ہے۔'' وہ ذومعنی سب باتیں جل بھن کے کہہ گئیں۔

''ایسا تب ہوتا ہے جب ازدواجی رشتہ ہو، جب سچے احساسات ہوں۔'' وہ بھی جل کر بولا۔

''تم، تم ہی غلط ہو، رو رو کے وہ رات بھر ہلکان ہوتی رہی اور تم مزے سے یہاں سوئے رہے۔''

''سوتا نہ تو کیا کرتا اور یہ تو آپ کہہ رہی ہیں کہ مزے میں تھا جس کی بیوی رات میں طلاق مانگے چیخ و پکار مچادے پھر کیا مجھے کمرے میں رہنا چاہیے تھا۔''

''اس کی جگہ اور کیا کرے وہ؟''

''آپ چھوڑیں۔''

''کیا چھوڑوں، جا کر دیکھو کتنی بری حالت ہے اس کی، میں تو شرمسار ہوگئی ہوں۔ اگر اس کی ماں آجائے تو کیا کہے گی؟''

''ایسا کچھ نہیں ہوا؟'' وہ اٹھ کر جانے لگا تو وہ بھڑک اٹھیں۔

''بکواس بند کرو، معافی مانگو زیبا سے۔''

''ایسا کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔''

''صفدر مت بھولو کہ اللہ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔'' وہ بولیں۔

"امی، مجھے آفس کے لیے دیر ہورہی ہے۔"
"ہوتی رہے پہلے زیبا سے معافی مانگو۔"
"اسے اس گھر سے جانا ہے اسے کہیں کہ ایک دو دن گزار لے یہاں پھر سب واضح ہوجائے گا۔"
"کیا واضح ہوجائے گا کیسی باتیں کررہے ہو؟"
"آپ نے ناشتہ دینا ہے یا نہیں۔"
"ارے بدبخت وہ غریب تمہارے اس سلوک کے باوجود ناشتہ تیار کررہی ہے۔" انہوں نے جتلایا۔
"اسے کہیے، رہنے دے۔"
"پھر وہی ڈھاک کے تین پات، تمہاری اولاد کی ماں ہے شرم کرو۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں، وہ کچھ دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کندھے جھٹک کر نہانے و تیار ہونے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف گیا، جانتا تھا کہ اب وہ اس کے کمرے میں نہیں ہوگی، شاید اب کبھی اس کمرے میں آئے بھی نہیں وہ ایسی بدتمیزی والا سلوک کرنا نہیں چاہتا تھا مگر ہوگیا اب اس سے معافی تو کسی طور نہیں مانگی جاسکتی تھی انا بھی کوئی چیز تھی۔

........❀❀........
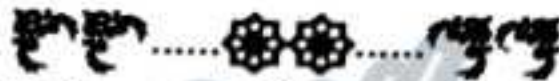
شہر سے تقریباً ستر اسی کلومیٹر دور ایک ٹرک ڈرائیوروں کے ڈھابے پر گاڑی کو بریک لگائی تو صفدر نے پہلی بار اس کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔
"یہاں اتنی دور کیوں؟"
"تاکہ تسلی سے بات ہوسکے۔" عارض نے جواب دیا۔
"کیسی بات؟" صفدر کے دماغ میں ہلچل پیدا ہوئی کہ شاید عارض زیبا کے حوالے سے کچھ کہے گا۔
"صفدر، میں شرمین سے ملا تھا اس کو ملنے گیا تھا پھر اس نے بڑی مختصر سی بات کی، مجھے تشویش ہے۔"
"کیسی تشویش؟" اب صفدر کے حیران ہونے کی باری تھی۔
"اس بات کو میرا دماغ قبول نہیں کررہا کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے جبکہ اس نے یہی کہا۔"
"بھائی میرے تمہیں اس پر سر کھپانے کی ضرورت کیا ہے، شرمین پر وقت کیوں ضائع کررہے ہو؟" صفدر اپنی ذہنی الجھن میں گرفتار تھا دفتر میں بھی کام کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اسے اصرار کرکے باہر لے آیا۔
"یہ تم کہہ رہے ہو؟"
"ہاں، کیونکہ شرمین کو تم اپنی زندگی سے نکال چکے ہو، اب وہ کس کے ساتھ ہے کون اس کا بیٹا ہے یا نہیں تمہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔" صفدر نے بالکل سیدھا جواب دیا۔
"اور اگر وں اسے بھول نہ پایا ہو، اس سے مل کر دیکھ کر اور بھی بے قرار ہوتو؟"
"تو بھی کچھ حاصل نہیں یار خود سوچو کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں مگر تم نے ایک نہ سنی، اس غریب کا جرم کیا تھا تم نے بزدلوں کی طرح اس کو ناکردہ جرم کی سزا سنادی آخر کیوں؟"
"بس اس کی بھی ایک وجہ تھی۔"
"اور اب وہ وجہ ختم ہوگئی؟" صفدر طنزیہ بولا۔
"صفدر میں نے شرمین کی خاطر کیا تھا اس وجہ کا شرمین سے تعلق تھا۔" عارض نے یقین دلانا چاہا۔
"او چھوڑو یار، کوئی بھی وجہ تھی شرمین نے قتل کردیا تھا پھر بھی تمہیں اسے صفائی کا موقع دینا چاہیے تھا۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو مگر مجھے ایسا لگا کہ شرمین کو مجھ سے محبت نہیں بلکہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔" عارض نے اعتراف کیا۔
"اور ایسا کیوں لگا تمہیں، وہ کسی کون آگیا؟" صفدر نے کہا۔
"میں اسے بتانا چاہتا ہوں مگر اسے کہو کہ وہ میری بات سنے۔"

”میں ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ میرے پاس کوئی جواز نہیں ہے، خود بتاؤ، سمجھاؤ۔“ صفدر نے صاف جواب دیا۔
”مگر وہ مجھے سننے کا موقع نہیں دے گی۔“
”اللہ کی مرضی، صبر کرو پھر۔“
”پلیز کیسے دوست ہو؟“
”عارض میں خود بہت الجھا ہوا ہوں، میں بھلا کیسے یہ بات شرمین بہن سے کرو۔“
”اپنی الجھن مجھے بتاؤ، پلیز۔“
”ہاں، مگر اس کے لیے تمہیں میرے گھر آنا ہوگا۔“
”ضرور کب؟“
”کل یا پرسوں۔“ صفدر کھویا کھویا بولا۔
”ٹھیک ہے میں فون کر کے آ جاؤں گا۔“
”اب چلیں۔“
”اسے کہو میری بات سن لے میں بہت خلش محسوس کر رہا ہوں، میں اسے مجبور نہیں کروں گا بس وہ میری بات سن کر دل صاف کر لے۔“
”اور اس کے بیٹے سے متعلق۔“
”مجھے معلوم ہے کہ وہ اس کا کیا لگتا ہے؟“
”کیا......؟“
”خیر اس بات کو چھوڑو، بس مجھے شرمین سے مطلب ہے۔“
”میں بڑے عرصے سے ملا نہیں، کوشش کروں گا مگر وعدہ نہیں۔“
”بس ایک بار وہ مجھ سے ملے۔“
”او کے، کہا نا کہ بات کی کوشش کروں گا۔“
”تھینک یو میرے دوست۔“ عارض نے پرسکون ہو کر کہا۔
”کوئی بات نہیں ویسے میں کس منہ سے بات کروں گا؟“ صفدر دھیرے سے بولا عارض نے کوئی جواب نہیں دیا گاڑی واپسی کے لیے موڑ لی۔

......❀❀......
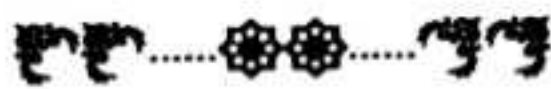
یہی سزا ہے میری جو میں اکیلا ہوں
کہ سر اسر تیرے آگے بھی ختم نہیں ہوتا
وہ بے حسی ہے مسلسل شکست دل سے منیر
کوئی بچھڑ کے چلا جائے غم نہیں ہوتا

ٹیرس پر کھڑا وہ گہری ہوتی رات میں آسمان کی وسعتوں میں اپنے مقدر کا ستارہ تلاش کر رہا تھا۔ شرمین کی صورت میں جگمگاتا ستارہ، جس کی روشنی اس سے روٹھ گئی تھی یا جسے اس نے اپنے ہاتھوں اندھیروں میں اتارا تھا اب ان اندھیروں سے نکل کر وہ پھر اس کے سامنے آ گیا تھا۔
”نہیں وہ...... وہ میرے احساس سے کبھی کہیں گئی ہی نہیں تھی، اسے اپنی زندگی کے ایک لمحے سے بھی باہر نہیں نکال سکا تھا وہ میری محبت، میری چاہت مجھے کسی وقت نہیں بھولی، بس مجھ سے بھول ہوئی۔“ پشت پر آہٹ ہوئی تو وہ ٹھٹکا ملازم چاچا اس کا موبائل لیے کھڑے تھے۔
”جی۔“ وہ بولا۔

”یہ آپ کا فون بج رہا تھا آغا جی نے بھیجا ہے۔“
”شکریہ۔“ اس نے فون تھام لیا فون دوبارہ شور مچانے لگا نمبر باہر کا تھا وسوسہ سا ذہن میں آیا کہ شاید سنجنا کا ہو لیکن پھر خیال ذہن سے نکال کر فون اٹینڈ کیا مگر دوسری طرف سچ مچ سنجنا ہی تھی۔
”ہیلو۔“
”ہیلو، میں سنجنا تھینک گاڈ میں بات کر پا رہی ہوں۔“ وہ بہت خوش تھی۔
”سنجنا تمہیں ایک بات سمجھائی تھی کہ میرا تعاقب مت کرو، میرے بابا تمہاری وجہ سے سخت ناراض ہیں۔“
”بھگوان کی قسم میں نے بہت کوشش کی مگر تمہیں بھول نہیں سکے۔“
”اپارٹمنٹ بھی تمہیں خالی کرنا ہوگا، اپنے ملک چلی جاؤ۔“
”میرے گھر والے مجھے مار دیں گے وہ مجھے شمع نہیں کریں گے۔“
”تو میں کیا کروں، مجھے آئندہ فون نہ کرنا۔“ اس نے سخت ردعمل ظاہر کیا اور فون بند کر دیا پھر تاؤ میں آ کر معید صاحب کا نمبر ملا لیا۔ اس کو شدید غصہ آ گیا۔
”کمال کرتے ہیں معید صاحب اسے میرا نمبر دے دیا۔“
”نہیں، میں نے نمبر نہیں دیا وہ آفس گئی تھی شاید۔“
”بابا کو تو آپ نے بتایا۔“
”سر انہوں نے ایسے سوالات کیے کہ میں جھوٹ نہیں بول سکا۔“
”تو ٹھیک ہے سنجنا کو اپارٹمنٹ سے نکلوا دو اور بس۔“
”مگر وہ پھر......؟“
”بھاڑ میں جائے۔“
”سر وہ ریئلی میں آپ سے بہت محبت کرتی ہے آپ کی جیکٹ میں اس کی جان ہے۔“
”معید صاحب مجھے اس سے صرف انسانی ہمدردی ہے آپ مالی مدد کر دیں۔“
”آغا صاحب نے فوری طور پر اسے نکالنے کا حکم دیا ہے مگر مجھے ڈر ہے۔“
”کس بات کا۔“
”چھوڑیں، قبل از وقت کچھ کہہ نہیں سکتا۔“
”بہر کیف اسے سمجھائیں جانے کیوں میرے پیچھے پڑی ہے۔“ اس نے فون بند کیا اور ٹیرس سے کمرے میں آ گیا بھوک کا شدید احساس ہوا تو کچھ کھانے کی غرض سے کمرے سے باہر نکلنا۔

❀❀

اذان کا یونیفارم استری کر کے وہ کرائے داروں کی طرف آ گئی انہوں نے پیغام بھیجا تھا کہ ہم مکان خالی کر رہے ہیں آپ آ کر گھر چیک کر لیں گھر آ کر بیٹھی نہ تھی کہ بار بار موبائل فون بجنے لگا۔ عارض مسلسل فون کر رہا تھا۔ ان کو ایکسکیوز کہہ کر واپس آ کر فون اٹینڈ کرنا پڑا۔
”شرمین پلیز مجھے کچھ کہنا ہے۔“ اس نے اس طرح کہا کہ اس نے بڑی نرمی سے کہا۔
”جی کہیے۔“
”شرمین ایک وقت تھا کہ تمہیں میری محبت پر یقین تھا اعتبار تھا مگر اب میں جانتا ہوں کہ......!“
”مگر آپ کو نہیں تھا یہ میں نہیں جانتی تھی۔“ اس نے جملہ کاٹا۔
”بات مذاق سے شروع ہوئی اور پھر کچھ سے کچھ ہو گیا۔“ وہ وضاحت دے رہا تھا۔
”تو کیا ہوا...... کچھ نہیں ہوا۔“

اردو ادب کا روشن ستارہ
رفعت سراج
اپنے سلسلے وار ناول
چراغِ خانہ
کے ہمراہ آنچل محفل کی شان بڑھانے آرہی ہیں
ہمیشہ کی طرح اچھوتے موضوع پر قلم بند کرتی رفعت سراج اس بار بھی
حالات کی ستائی لڑکی کو اس کی منزل تک کیسے پہنچاتی ہیں
یہ جاننے کے لیے زیادہ نہیں بس تھوڑا انتظار
کیونکہ بہت جلد ماہنامہ آنچل میں آرہا ہے چراغ خانہ
آپ بہنوں کی پرزور فرمائش پر
جلد ماہنامہ آنچل کے صفحات پر پڑھیں

"نہیں، بہت کچھ ہوا تم سے بچھڑنے کے بعد پتا چلا کہ تمہارے ساتھ ہی میری دنیا ختم ہوگئی۔" وہ بہت عالم جذب میں تھا۔
"دنیا ختم ہو جانے والی ہی جگہ ہے۔"
"شرمین مجھے قرار نہیں، سکون نہیں، ایک پچھتاوا ہے ایک کسک ہے ایک اسرار ہے۔"
"کیسا اسرار؟"
"تم ملو تو بتاؤں۔"
"کاش کبھی ایسا ہو۔"
"مجھے یقین سا ہے کہ......!"
"آپ کا یقین دھوکہ دے رہا ہے آپ کی طرح۔"
"میں دھوکہ باز نہیں۔"
"خیر، ہر چیز اپنی اصلیت کی طرف لوٹتی ہے۔"
"آغا جی کہتے ہیں کہ میں تم سے ملوں۔"
"انہیں بتا دیجیے کہ......
اب کے تجدید وفا کا نہیں امکاں جاناں"
"اخاہ۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو اس نے فون بند کردیا۔
"ہنہ، بتا دو سب کو بتا دو کہ اب کے تجدید وفا کا نہیں امکان جاناں......

یاد کیا تجھ کو دلائیں تیرا پیماں جاناں
زندگی تری عطا تھی سو ترے نام کی ہے
ہم نے جیسے بھی بسر کی تیرا احساں جاناں
دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہو افسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں
ہم بھی کیا سادہ تھے ہم نے بھی سمجھ رکھا تھا
غم دوراں سے جدا ہے غم جاناں جاناں"

وقت کی مٹھی بے شک چھوٹی اور کمزور ہو مگر اس کے قدم بڑے بھاری اور توانا ہوتے ہیں جسم تو جسم روح تک کچلی جاتی ہے۔
وہ اپنے پورشن کی طرف آ گئی اذان ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہا تھا اسے مغموم سا دیکھ کر بولا۔
"ماما آپ بابا کو معاف کردیں۔"
"کردیا۔"
"کیسے؟"
"بس کردیا۔" وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔
"تو پھر بابا آ جائیں گے۔" اس نے پر امید نگاہوں سے دیکھا تو اس کا دل کٹ سا گیا۔
"نہیں، وہ وہیں رہنا چاہتے ہیں۔"
"کیوں؟" وہ غصے سے بولا۔
"آپ ایسی باتیں کیوں سوچتے ہو؟"
"ماماں، ہم باہر چلیں۔" وہ ٹال گیا۔
"ہاں جلدی سے ہوم ورک کرو، گھومیں گے پیزا کھائیں گے اور پھر واپس۔"
"ماما، کسی کو بلیں گے نہیں۔"

"ہاں مل بھی سکتے ہیں۔"
"نہیں وہ انکل گندے ہیں۔" وہ بے ساختہ بڑی تلخی سے بولا۔
"وہ، نہیں وہ مجھے آفس میں ملتے ہیں ویسے کسی کو برا نہیں کہتے۔" اس نے اپنے لیے اور اس کے لیے کپڑے الماری سے نکالے لیکر محض اتفاق تھا کہ زینت آپا کے لینڈ لائن نمبر سے فون آ گیا وہ ٹھٹکی۔
"ہیلو۔"
"شرمین بٹیا بیگم صاحبہ گر گئی ہیں آپ جلدی آ جائیں۔" بابا بہت گھبرائے ہوئے تھے۔
"اوہ کیسے...... بوبی کہاں ہے؟"
"بس انہی کی وجہ سے تو گری ہیں وہ گھر پر نہیں ہیں۔"
"اچھا، میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے کہا تو اذان نے ناگواری سے دیکھا اور پہلے ہی کہہ دیا۔
"آپ جائیں مجھے شبانہ آنٹی کی طرف چھوڑ جائیں۔" وہ خاموش ہوگئی کیونکہ اس وقت اسے سمجھانا مشکل تھا۔

"انا کی جنگ میں ہمیشہ جیت ہارنے والے کی ہوتی ہے۔"
"کیا کہتے مائی سن۔"
آغا جی نے اسے لان میں اداس سا ٹہلتا دیکھ کر کہا تو وہ شام کے ملگجے سے اجالے میں انہیں ویران نظروں سے دیکھنے لگا۔
"یہ اداسی، یہ تنہائی یہ ویرانی ایک دم ختم ہو جائے گی اگر شرمین کے قدموں میں بیٹھ کر معافی مانگ لو۔" وہ پھر بولے۔
"اگر وہ معاف کرتی تو میں ایسا کر لیتا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"خود ہی اخذ کر لیا اس نے کہا۔"
"ایک ہی بات ہے۔"
"نہیں، ایک بات نہیں ہے کیا اسے ایک بھی لمحہ، ایک بھی موسم ایک بھی گیت، ایک بھی موقع آپ نے ایسا نہیں دیا کہ وہ اسے یاد رکھتی اور آپ کو معاف کر دیتی، محبت کے تو قدم قدم پر کہکشاں اترتی ہے، قوس وقزح کے رنگ نثار ہوتے ہیں پھر کیسی محبت کی تھی آپ نے؟"
"بابا شاید محبت تو اب ہوئی ہے۔" وہ کھویا کھویا بولا۔
"تو کوئی بات نہیں اسے اب ہی یقین دلاؤ۔"
"بابا یہ سب آسان کام نہیں، اب ایک بچہ ہے اس کے ساتھ اس کا مرکز ہی بدل گیا ہے۔" وہ منمنایا۔
"میں چاہتا نہیں کہ محبت کا پیامبر بنوں کیونکہ محبت میں جذبے ایک طرف سے اشارہ پا کر دوسری طرف اترنے لگتے ہیں۔"
"بابا اب کچھ نہیں ہو سکتا شرمین کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔"
"پاگل نہ بنو کوشش جاری رکھو اور اپنا ہر ارادہ بدل لو۔"
"کون سا ارادہ؟"
"اس لڑکی کو سنجنا و نجنا کو بھول جاؤ۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی پھر سے ٹہلنے لگا۔
بابا کو کیسے یقین دلائے کہ سنجنا سے اس کا کوئی دل کا رشتہ نہیں، وہ ایک مظلوم لڑکی ہے اس کے شوہر نے اسے محبت کی شادی کرنے کی کڑی سزا دی ہے اس نے تو اس سے انسانی ہمدردی کے تحت حسن سلوک برتا ہے وہ خود دیوانگی کی حرکتیں کر رہی ہے اس کے دل میں کل بھی شرمین تھی اور آج بھی ہے اب تک تو معید صاحب نے اس سے اپارٹمنٹ بھی خالی کرا لیا ہوگا۔ پھر جانے کیوں آغا جی کو مسئلے کی وجہ وہی لگ رہی ہے۔ جب کہ اس نے تو کبھی اس انداز میں سوچا بھی نہیں تھا۔ اسے جانے کیوں محبت ہو گئی تھی بابا کے بقول اس کی چال ہے ہندو لڑکی کسی مقصد کے تحت اس کے قریب آئی ہے۔ مقصد کوئی بھی تھا مگر وہ تو آ چکا تھا۔

زینت بیگم پر اللہ نے مہربانی کی تھی۔ وہ ان کو اسپتال سے لے کر گھر آئی سہارا دے کر بیڈ پر لٹایا گرنے کی وجہ سے دائیں گھٹنے اور دائیں بازو پر چوٹ لگی تھی پین کلر اور سوجن سے بچاؤ کی دوائیں لکھیں تھیں، زینت آپا کی احساس تشکر سے بار بار آنکھیں بھر آتیں بھولی اور اذان کو کسی وجہ سے کمرے سے باہر بھیجا اور پھر پوچھا۔

''آپا کیوں پریشان ہیں کہاں گیا بوبی؟'' وہ بول نہ سکیں بس رو دیں۔

''آپ دل پر پتھر کیوں نہیں رکھ لیتیں؟'' وہ ان کا سر دباتے ہوئے بولی۔

''وہ......وہ......!''

''آپ نہ بولیں کوئی ٹینشن نہ لیں میں جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟'' وہ بولی مگر وہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہو کر اس کے مقابل آ گیا۔

''کیا جانتی ہو کیا پتا ہے تمہیں، مجھ سے پوچھو اس سب کی ذمہ دار تم ہو، تم نے مجھے اور میری ماں کو استعمال کیا ہے ہماری اس حالت کی ذمہ دار تم ہو۔''

''بوبی بی ہیو یور سیلف۔'' اسے شدید غصہ آ گیا زینت نے بیٹے کو گھور ا روکنا چاہا مگر وہ آپے سے باہر ہو گیا۔

''ماما چپ رہیں آپ یہ شرمین بی بی ہر روز ہمارے احساسات سے کھیلنے کا نیا سرٹیفکیٹ لے آتی ہیں۔ اب یہ جانے کس کی جائز ناجائز اولاد اٹھا لائی ہیں۔''

''بوبی......!'' شرمین نے غصے سے زوردار طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔

''کیوں کیوں صرف تمہیں ہی برا لگتا ہے۔ تمہیں ہی غصہ آتا ہے۔ میں نے سچ کہا ہے بولو بتاؤ یہ اذان کس کا بیٹا ہے کون ہے اس کا باپ، تمہیں ماما کیوں کہتا ہے؟'' وہ تھپڑ کھا کر بھی کف اڑا تا رہا۔

''بو......بوبی......!'' زینت بیگم پوری قوت سے دھاڑیں۔

''شٹ اپ، شٹ اپ بوبی تمہاری کسی گھٹیا بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔'' شرمین غصے سے تمتما اٹھی۔

''جواب کوئی ہے ہی نہیں، کیا جواب دو گی، میرا تماشا بنایا میری ماں کو بے وقوف بنایا اور پھر یہ نیا ڈرامہ؟''

''میرا تو ڈرامہ ہے اور تمہاری محبت کیا ہے، مسٹر بوبی'' وہ کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

''میری محبت تم ہو تمہارے نام نہاد بیٹے سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔''

''تمہارا مجھ سے بھی کوئی واسطہ نہیں بلکہ تھا ہی نہیں تم ڈیزرو ہی نہیں کرتے۔'' وہ بولی۔

''بوبی، چپ ہو جاؤ'' زینت بیگم رو دیں۔

''شرمین صاحبہ آپ بھی مجھے ڈیزرو نہیں کرتی تھیں مگر میں محبت کرتا ہوں۔''

''شٹ یور ماؤتھ، اب ایک لفظ بھی محبت کے لیے نہیں بولنا۔'' وہ چلائی۔

''کیوں تم نے محبت کہیں پال رکھی ہے؟''

''پالی ہا نہیں، تم سے ہرگز نہیں۔'' شرمین نے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر نکلنے کا اشارہ دیا زینت بے تاب ہو کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں مگر بوبی نے انہیں روکا اور کہا۔

''جانے دیں ماما مجھے بچے کی ماں سے شادی نہیں کرنی، اس سے تو بہتر ہے کہ میں بھولی سے شادی کر لوں۔'' بوبی نے گرم کھولتا ہوا لاوا گویا اس کے وجود پر پھینکا اور وہ سرتاپا جھلس کر کوئلہ ہو گئی۔ ناقابل بیان جرأت اظہار ناقابل برداشت سوچ، شرمین کی آنکھیں دکھ اور حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ بوبی ہے وہ بوبی جس کی محبت کی مرکز صرف وہ تھی۔ بھولی کے سامنے لا کھڑا کیا بھولی اور وہ ایک برابر ہیں محبت یہ تھی۔

''جائیں مس شرمین آپ میری طرف سے آزاد ہیں۔'' اس نے بے بسی سے منہ چھپا کر روتی زینت کو دیکھا اور خود کو یکجا کر کے باہر نکل آئی۔
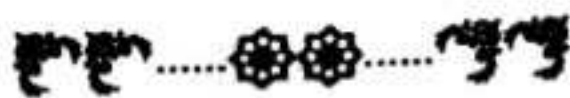
زندگی نے محبت کا ایک اور چہرہ مسخ کیا تھا۔
ایک اور میت زمانے کی قبر میں محبت کا کفن پہن کر اتری تھی۔ محبت کے بت دفناتے ہاتھ پتھرائے گئے تھے۔ جسم میں جیسے کسی شکستہ حال گورکن کی روح سما گئی تھی۔ اس شان سے اس سلیقے سے وہ محبت کا تابوت قبروں میں اتارتی تھی کہ بڑے سے بڑے گورکن کو بھی اپنی مہارت پر شک ہونے لگے محبت کی تازہ قبر بنی تھی۔
سوگ میں آنکھیں متورم تھیں......لب خشک تھے......چہرے پر ماتم تھا۔
جواں سال محبت کی مرگ کا سوگ بھی تو اس کے شایانِ شان ہی کرنا تھا نہ دانہ حلق سے اترا اور نہ بدن بستر سے لگا بس ایک بے یقینی کی فضا تھی۔
بوبی بھی......صبیح احمد کی حدوں سے آگے......عارض کی حدوں سے بڑھ کر......
اسے سکون نہیں آ رہا تھا......قرار نہیں تھا محبت کی جذباتیت کا تو پتا تھا مگر سچ میں یہ چہرہ دکھائی دے گا یہ معلوم نہیں تھا۔
"ماما" اذان نے اسے اس حال میں دیکھا تو پیار سے پکارا۔
"ہمنہہ۔"
"آپ کو کیا ہوا ہے؟"
"بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"
"آپ نے کچھ کھایا بھی نہیں۔"
"بھوک نہیں ہے تم آپ نے برگر کھالیا؟" واپسی پر اس کے لیے برگر خرید لائی تھی۔
"جی۔"
"برش کر کے سو جائیں۔"
"آپ کو کچھ لا کر دوں۔"
"نہیں، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"
"آپ ڈاکٹر کے پاس چلیں۔"
"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔"
"ماما۔"
"ہمنہہ جی۔"
"وہ انکل ڈیڈی کا نام پوچھ رہے تھے۔"
"پھر۔"
"میں نے بتا دیا تو وہ غصہ ہونے لگے۔"
"کیا کہا؟"
"ڈیڈی خود نہیں سنبھال سکتے۔"
"چھوڑو وہ بس ایسے ہی ہیں نہیں جانتے کہ محبت میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔" اس نے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔
"بس اب ہم وہاں نہیں جائیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔"
"اب بیڈ پر آ جائیں۔"
"ہمنا آپ سو جاؤ میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔" اس نے کہا تو اذان نے بات تسلیم کر لی۔ وہ بڑی ہمت کر کے اٹھی جلتے ذہن کو سکون دینے کیلئے شاور لینے کی ضرورت تھی۔

بظاہر تو وہ لائٹس آف کر کے سوگئی تھی۔
مگر حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا تھا۔ سسکیاں اندر ہلکورے لے ہی تھیں۔ اذان کی وجہ سے اس نے آواز دبا رکھی تھی۔ وہ اس کو احساس تک نہیں دلانا چاہتی تھی کہ بوبی نے جو کچھ کیا وہ صرف تمہاری وجہ سے کیا۔ تمہارے ڈیڈی کی وجہ سے کیا میرا براہ راست کوئی مجرم ہے تو وہ تمہارے ڈیڈی ہیں۔ جنہوں نے مجھے ایک سوالیہ نشان بنادیا ہے۔
''صبیح احمد تمہارا شکریہ کہ تمہارے ذریعے مجھے مزید محبتوں کی پہچان ہوگئی میں جان سکی کہ لوگ بالکل جھوٹ بولتے ہیں دھوکہ دیتے ہیں، محبت سے نہیں اپنی غلیظ فطرت سے۔'' اس نے کروٹ بدلی۔
مگر اب اس میں زینت آپا کا کیا قصور؟ انہیں اس تکلیف میں تنہا چھوڑنا کتنی بری بات ہوگی۔
''ثمرین بس اب یہ جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہونا بند کرو، چھوڑ دو سب محبت کا کلمہ پڑھنے والے رشتوں کو، یہ اہل نہیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم صبیح احمد کو بھی آئینہ دکھا کر چلتا کرتیں انہوں نے ہی تو فریب اور دھوکے کی غلیظ بوند محبت کے پاکیزہ تالاب میں شامل کی تھی۔
تمہاری محبت تو پاکیزہ اور معصوم تھی۔ کیوں اذان کو دھتکارا نہیں' کیا ہو جاتا تمہارا دل مضبوط ہو جاتا، کیا ضروری تھا کہ اذان کے لیے خود کو قربان کر دیا۔'' وہ تر آنکھوں کے ساتھ سوچ رہی تھی۔
''نہیں، اس معصوم کا کیا قصور، اور بوبی سے اس نادانی کے سوا کوئی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ اس کا ظرف اتنا چھوٹا اور گھٹیا تھا کہ وہ اس حد تک گر گیا۔ ایک طرح سے تو اچھا ہی ہو گیا تھا۔ اب مجھے بھی بوبی کا سامنا نہیں کرنا نہ دفتر اور نہ گھر۔ بس زینت آپا سے فون پر بات ہوگی۔
''اور اخراجات...... فی الحال کرائے داروں کو گھر خالی کرنے سے روکنا ہوگا، جب تک نئی جاب کا بندوبست نہیں ہوتا۔'' وہ اپنے ہی سوال کا جواب تلاش کر کے کچھ مطمئن ہوگئی آخر زندگی تو گزارنی تھی۔ اس نے پلٹ کر اذان کو دیکھا وہ ہر غم اور فکر سے آزاد گہری نیند سو چکا تھا۔

......

زیبا بخار میں بری طرح پھنک رہی تھی۔
جہاں آرا کو اس کی بہت فکر ہوئی، چائے بنا کر دی، ملازمہ سے اس کا سر دبانے کو کہا، عبدالصمد کھیل رہا تھا۔ وہ اسے لے کر گھر جانے کی ضد کرنے لگی تو وہ ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں بخار نے اسے بھی غنودگی میں پہنچا دیا۔ پتا ہی نہ چلا کہ وہ سوگئی، صفدر نے کندھا ہلا کر جھنجوڑا تو جاگی۔
''میرے بیڈ پر سونے کا زیادہ شوق ہے۔''
''نہیں مجھے بخار تھا۔''
''چلو جاؤ مجھے سونا ہے۔'' اس نے بالکل بھی خیال نہیں کیا۔ وہ نقاہت زدہ سی اٹھ کر باہر نکل گئی۔ دروازے پر بیل ہو رہی تھی۔ اس نے ملازمہ کو بلایا مگر وہ جانے کہاں مصروف تھی۔ بیل چوتھی بار ہوئی تو اسے خود ہمت کرنی پڑی ویسے بھی طبیعت خرابی کے باعث کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا دروازہ بے دھڑک کھول دیا اور باہر دیکھا اور لڑکھڑا گئی گرنے کی آواز پر ملازمہ نے شور مچا کر صفدر کو بلایا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

تیرے عشق نچایا
نگہت عبداللہ
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

محبت کے سفر میں کوئی بھی راستہ نہیں دیتا
زمیں واقف نہیں بنتی فلک سایہ نہیں دیتا
خوشی اور دکھ کے موسم سب کے اپنے اپنے ہوتے ہیں
کسی کو اپنے حصے کا کوئی لمحہ نہیں دیتا

معمول کے مطابق فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ کمرے سے نکلی تو روزانہ کی طرح نم اجالے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے روزانہ کی طرح اس کے قدم آپ ہی آپ رک گئے اور وہ گلاس وال سے ادھر لان میں شبنم سے نہائے پھولوں کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ مسکرائی' پھر کچن میں آ گئی۔ بوا جائے نماز پر بیٹھی نماز کے بعد تسبیح میں مصروف تھیں۔ اس نے جلدی سے چائے بنائی ایک کپ بوا کے قریب رکھا اور دو کپ ٹرے میں رکھ کر جلال احمد اور ساجدہ بیگم کے کمرے میں لے آئی۔

''السلام علیکم!'' اس کی نظر پہلے ساجدہ بیگم پر پڑی تھی جو بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ اس نے چائے کا کپ ان کے قریب کارنر ٹیبل پر رکھا پھر پلٹ کر جلال احمد کو دیکھا جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔

''کوئی خاص خبر ہے تایا ابو؟'' اس نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت خاص......'' جلال احمد اسے دیکھ کر مسکرائے تو وہ مشتاق ہوئی۔

''مجھے بھی بتائیں تایا ابو کیا خاص خبر ہے؟''

''خاص خبر یہ ہے کہ آج ہماری نشاء کی برتھ ڈے ہے۔'' جلال احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بتایا تو اسے خوشی سے زیادہ حیرانی ہوئی۔

''آپ کو یاد تھی' تایا ابو۔''

''نہیں بیٹا! ابھی مجھے تمہاری تائی امی نے بتایا ہے۔'' جلال احمد کی صاف گوئی نے اسے مزید حیران کیا تھا۔ اس نے ساجدہ بیگم کو دیکھا۔ ان کا چہرہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ تھا۔

''تھینک یو تائی امی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چاہتی تھی کہ ساجدہ بیگم کے گلے لگ کر ان سے دعائیں لے مگر فون کی بیل بجنے لگی۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی اور مسلسل بجتے ٹیلی فون کا تیزی سے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو......ہیلو'' اس کی ہیلو کے جواب میں ادھر سے کوئی بولا ہی نہیں تو اس نے بے دلی سے ریسیور پٹخ دیا۔

''کس کا فون تھا؟'' عقب سے احسن کی آواز سن کر وہ فوراً ان کی طرف پلٹی تھی۔

''کس کا فون تھا؟'' احسن نے اپنا سوال دہرایا تو وہ لاعلمی کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔

''پتا نہیں کوئی بولا ہی نہیں۔'' پھر احسن کی تیاری دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ''آپ اس وقت کہاں جارہے ہیں؟''

''ہاسپٹل......'' احسن کی نظریں اپنی رسٹ واچ پر تھیں۔

''کیوں؟ میرا مطلب ہے آج تو سنڈے ہے۔'' اس نے جیسے یاد دلایا۔

''پھر......؟'' احسن نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔

''پھر یہ کہ آپ کیوں جارہے ہیں؟'' وہ قدرے ٹپٹائی۔

''ایمرجنسی کال آئی ہے۔ تم امی ابو کو بتا دینا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' احسن عجلت میں کہتے ہوئے آگے بڑھے تو وہ ان کے پیچھے لپکی۔

''احسن......''

''اب کیا ہے؟'' وہ رکے۔

''وہ......آپ شاید کچھ بھول رہے ہیں۔'' وہ انہیں اپنی برتھ ڈے یاد دلانا چاہتی تھی۔

''کیا' کیا بھول رہا ہوں۔'' احسن نے انتہائی سنجیدگی سے

اسے دیکھا تو وہ جھنجلا گئی۔
''مجھے نہیں پتا۔''
''اسٹوپڈ...... جاؤ اندر اور دیکھو میرے کمرے کی صفائی اچھی طرح کرنا'' وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔
''صفائی اچھی طرح کرنا' نوکر ہوں نا میں...... نہیں کروں گی' بوا کو بھی منع کردوں گی اور شانی کو بھی۔'' وہ مسلسل بڑبڑاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی اور جب احسن کے کمرے میں داخل ہوئی تو خود پر غصہ آ گیا۔
''پاگل ہوں میں۔ انہیں میری پروا نہیں اور میں۔'' خود پر جھنجلانے کے ساتھ وہ پھیلاوا بھی سمیٹتی جارہی تھی پھر ڈسٹنگ کرتے ہوئے اس کی نظر ٹیبل پر رکھے پیکٹ پر پڑی تو وہ وہیں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ پیکٹ پر چسپاں گلابی رنگ کا کارڈ جس پر سنہری حروف میں لکھا تھا۔
''اپنی نشا کے لیے۔''
''احسن......'' اس کی نظروں کے سامنے ان گنت دیئے روشن ہوگئے تھے۔ آپ ہی آپ مسکراتے ہوئے وہ پیکٹ پر سے ریپر اتارنے لگی تھی کہ دروازے سے جھانک کر محسن بولا۔
''ارے نشا، تم یہاں ہو' میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔'' وہ ایک دم کھڑی ہو کر یوں محسن کی طرف گھومی کہ پیکٹ اس کے پیچھے چھپ گیا۔
''کیا کررہی ہو؟'' محسن اندر آ گیا۔
''کچھ نہیں' کمرہ ٹھیک کررہی تھی۔ تم بتاؤ کیوں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔'' اس کے پوچھنے پر جیسے محسن کو یاد آیا۔
''ہاں آج تمہاری برتھ ڈے ہے' ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' محسن کے پرجوش انداز پر وہ ایک پل کو مسکرائی لیکن اگلے پل اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔
''ارے یہ کیا......؟'' محسن فوراً اس کے قریب آیا۔
''سب کو میری برتھ ڈے یاد ہے' نہیں یاد تو ابو جی کو یاد نہیں اور انہیں تو شاید یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ دنیا میں کہیں میں بھی موجود ہوں۔'' اس کی آنکھ سے فقط ایک آنسو گرا تھا۔
''پاگل ہو تم' کوئی کسی کو نہیں بھولتا اور چچا جان تمہیں فون کرتے تو ہیں' گفٹ بھی بھیجتے ہیں' خوامخواہ شاکی مت ہوا کرو' پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک شخص کی وجہ سے تم باقی محبتوں سے منہ موڑ رہی ہو۔'' محسن نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ فوراً احساس کرکے نادم ہوئی تھی۔
''نہیں تو میں کہاں منہ موڑ رہی ہوں۔''
''تو پھر چلو تمہاری برتھ ڈے مناتے ہیں۔'' محسن پھر پرجوش ہوا تھا۔
''نہیں...... نہیں مونی' یہ سب نہیں' بس تم نے وش کردیا میرے لیے یہی بہت ہے۔ وہ کہتے ہوئے کمرے سے جانے لگی تھی کہ محسن اس کے سامنے آ گیا۔
''کوئی بہت نہیں ہے' کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔ چلو ایسا کرتے ہیں۔'' محسن نے رک کر کھڑکی سے باہر نظریں دوڑائیں پھر اسے دیکھ کر بولا۔ ''موسم اچھا ہے چلو ریکٹ کھیلتے ہیں۔''
''کیا......؟'' وہ پہلے چیخی پھر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
''تم...... تم ریکٹ کھیلو گے۔''
''ہاں' میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔ تھوڑی سی ایکسرسائز پھر اچھا سا ناشتا۔'' محسن بچوں کی طرح خوش ہوا تھا لیکن وہ خائف ہوگئی۔
''نہیں مونی' ایکسرسائز چھوڑو میں تمہیں اچھا سا ناشتہ کرادیتی ہوں۔''
''بالکل نہیں' پہلے ریکٹ......'' ضد بھی بچوں جیسی تھی۔ اس نے بہت منع کیا' سمجھانا چاہا لیکن وہ مانا ہی نہیں۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی لان میں لے آیا اور ریکٹ اٹھا کر ایک اس کے ہاتھ میں تھمادیا...... وہ شش وپنج میں کھڑی تھی۔
''کم آن نشا......'' محسن نے پکارتے ہی شٹل کاک اس کی طرف اچھالی تو پہلے ناچار پھر وہ بھی دلچسپی سے کھیلنے لگی تھی یوں کہ سارے خدشے ذہن سے نکل گئے تھے۔ وہ تو جب زوردار شارٹ کے بعد محسن ایک دم دوہرا ہو کر گرنے لگا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔
''مونی......'' اس نے بھاگ کر محسن کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''مونی' مونی' میرے پیارے بھائی۔''
''تائی امی' تائی امی۔'' وہ پوری قوت سے چیخی اور اس کی چیخ وپکار پر ہی ساجدہ بیگم دہل کر کمرے سے نکلی تھیں کہ گلاس وال سے وہاں کا منظر دیکھتے ہی وہ پہلے ٹیلی فون پر جھپٹی اور کانپتے ہاتھوں سے نمبر پش کرتے ہی تیزی سے بولی تھیں۔
''ایمبولینس۔''

......●❀●......

وہ کچن کے دروازے سے ہی ثریا کو خدا حافظ کہہ کر تیزی

سے آگے بڑھی تھی کہ ادھر سے راحیلہ خاتون سامنے آ گئیں۔
"کہاں جارہی ہو؟" کڑے تیوروں سے پوچھا۔
"کام سے جارہی ہوں مامی جی! اگر آپ کو باہر کا کوئی کام ہے تو بتادیں وہ بھی کرتی آؤں گی۔" اس نے اپنے ازلی اعتماد جسے ڈھٹائی کا نام دیا جاتا تھا' سے جواب دینے کے ساتھ پوچھ بھی لیا۔
"پہلے یہ بتاؤ تم کس کام سے اور کہاں جارہی ہو......؟" راحیلہ خاتون سلگیں۔
"یہ میں واپس آ کر بتاؤں گی۔ ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل آ ئی تھی۔
چھٹی کا دن ہونے کے باعث سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام نہیں تھا جب ہی وہ مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی مطلوبہ مقام پر پہنچ گئی تھی۔ وسیع رقبے پر پھیلا عالی شان بنگلہ جس کے لاؤنج میں اسے چھوڑ کر ملازم جانے کس سمت غائب ہوگیا تھا۔ اس نے اردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے گہری خاموشی محسوس کی پھر کندھے اچکا کر بیٹھتے ہی ٹیبل سے میگزین اٹھالیا۔ جانے بڑے صاحب اسے کتنا انتظار کروائیں گے۔ اسے کچھ کچھ اندازہ تھا اور ذہنی طور پر تیار بھی تھی جب ہی اس نے خود کو میگزین میں مصروف کرلیا تھا۔ پھر کتنی دیر بعد سیٹی نما آواز پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ وہیل چیئر پر وہ بارہ تیرہ سالہ لڑکا یقیناً بنٹی تھا جس کے لیے اسے بلایا گیا تھا۔
"تم ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے ترس کھارہی ہو مجھ پر؟" بنٹی کے چبھتے ہوئے انداز پر وہ ایک دم ہوش میں آ ئی۔
"کیوں......! تم ایسے تو نہیں ہو جس پر ترس کھایا جائے۔ اچھے بھلے ہو شاندار بنگلے میں رہتے ہو نوکر چاکر ہیں' جو بات منہ سے نکالتے ہوگی فوراً پوری ہو جاتی ہوگی اور......"
"میں چل نہیں سکتا......" بنٹی نے اپنے تئیں اس کی زبان کو لگام دی تھی۔
"تو جو چل سکتے ہیں وہ کیا تیر مار رہے ہیں۔ اصل اپاہج تو وہ ہیں ہاتھ پاؤں سب سلامت پھر بھی کچھ نہیں کرتے۔" اس نے قصداً بنٹی کی بات کو اہمیت ہی نہیں دی تھی۔
"تم کون ہو؟" بنٹی نے غالباً لاجواب ہو کر پوچھا۔
"صبا...... میرا نام صبا ہے۔" اس نے جھٹ تعارف کرایا۔
"میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا۔" بنٹی نے فوراً ٹوکا۔
"پھر......؟" اس نے جان بوجھ کر پہلے ناسمجھی سے اسے دیکھا پھر ایک دم سمجھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہنے لگی۔ "اچھا اچھا میں سمجھ گئی' تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ میں کون...... کہاں سے آئی ہوں...... اور یہاں کیا کررہی ہوں؟ تو اچھے لڑکے' میں ایک مجبور لڑکی ہوں' جاب کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی کہ کسی نے مجھے خان جنید کا نمبر دیا کہ میں ان سے مل لوں' شاید وہ مجھے جاب دلا سکتے ہیں۔"
"بالکل دلا سکتے ہیں۔" بنٹی بے ساختہ بولا۔
"سچ......" وہ خوش ہو کر پوچھنے لگی۔ "خان جنید صاحب تمہارے کون ہیں؟"
"ڈیڈی......وہ میرے ڈیڈی ہیں۔"
"پھر تو تم ان سے میری سفارش کرسکتے ہو۔" وہ کہہ کر اس کی منت کرنے لگی۔
"پلیز تم اپنے ڈیڈی سے کہنا بے شک وہ مجھے اپنے گھر میں نوکر رکھ لیں۔ میں سارے کام کردوں گی۔ کہو گے ناں اپنے ڈیڈی سے' دیکھو میں بہت مجبور ہوں۔ مجھے جاب کی سخت ضرورت ہے۔"
"تو بس تمہاری جاب ہوگئی۔" بنٹی کے شاہانہ انداز پر وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔
"کہا نا تمہاری جاب ہوگئی۔ کل سے آ جانا۔" بنٹی خود کو بہت بڑا محسوس کررہا تھا۔
"کہاں' میرا مطلب ہے تم مجھے اپنے ڈیڈی سے تو ملوا دو پتا نہیں وہ......"
"ڈیڈی میری بات نہیں ٹالتے۔ میں جو کہوں گا وہ وہی کریں گے۔ اب تم جاسکتی ہو۔" بنٹی کے انداز پر وہ بمشکل ہنسی روک کر بولی تھی۔
"اوکے باس۔"
"نو باس' میرا نام بنٹی ہے۔" بنٹی کی تنبیہہ پر اب وہ مسکرائی دی۔
"اوکے بنٹی' تھینک یو کل ملاقات ہوگی۔"
"اوکے......" بنٹی نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور پہلے اس نے خان جنید کو فون کرکے بتایا کہ بنٹی نے اسے اوکے کردیا ہے پھر اندازے سے ایک طرف چل پڑی۔ اس پوش علاقے سے نکلنے میں اسے پندرہ منٹ لگے تھے۔ جب اسٹاپ پر پہنچی تو جاذب کی گاڑی دیکھ کر

اطمینان ہوا کہ بسوں میں دھکے کھانے سے بچ گئی تھی۔

جاذب اسی کی تلاش میں گردن گھما گھما کر دیکھ رہا تھا۔

"کیا پاگلوں کی طرح گردن گھمارہے ہو۔" اس نے جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہی کہا تو جاذب اسے دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں میں بے شمار سوال تھے۔ جنہیں وہ پڑھ سکتی تھی' بلکہ پڑھ لیا تھا جب ہی کہنے لگی۔

"جب تک تم میری بات کا جواب نہیں دوگے میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے......" وہ بددل ہوا تھا۔

"پوچھنا بھی مت' اور اب چلو مجھے کسی اچھے سے ریسٹورنٹ سے بریانی کھلاؤ۔ ساتھ کولڈ ڈرنک' سچ مزہ آجائے گا۔" اس کے چٹخارہ لینے پر جاذب نے دانت پیسے۔

"تم کیوں مجھے تنگ کرتی ہو؟"

"اور تم کیوں تنگ ہوتے ہو۔ میں نے کوئی ایسی فرمائش تو نہیں کی جو ناممکنات میں سے ہو۔ خیر چھوڑو۔ مجھے نہیں کھانی بریانی۔" اس نے سیٹ پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کی بند پلکوں کے اندر جو موسم اتر رہا تھا وہ جاذب دیکھ سکتا تھا اور دیکھ کر ہی اس نے نظریں چرائی تھیں۔

پچیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد جب گاڑی بل کھا کر رکی تب اس نے آنکھیں کھولی تھیں پھر بنا کچھ کہے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تو جاذب نے پکارا۔

"صبا ایسا مت کرو۔"

"تم جو کررہے ہو وہ ٹھیک ہے؟" وہ چیخی۔ "شرم کرو جاذی' تم مجھے کچھ اور نہ سمجھو پھر بھی تمہاری پھوپی زاد ہوں اور اس رشتے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ پھر مجھے راستے میں اتارنے کا مطلب؟"

"تم جانتی ہو......" وہ جز بز ہونے لگا۔

"ہاں جانتی ہوں بزدلی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔" وہ کہہ کر اتری اور جب جاذب گاڑی بڑھا لے گیا تب تاسف سے اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے اس نے گہری سانس کھینچی تھی۔ پھر سست قدموں سے چلتے ہوئے گھر آئی تو آگے وہ راحیلہ خاتون کے ساتھ بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

"تم کہاں سے آرہی ہو؟"

"جہنم سے۔" وہ کوئی لحاظ کیے بغیر بولی۔

......●❀●......

احسن کی نظریں ایمرجنسی کے بند دروازے پر ٹکی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوجائیں' انتہائی بے بسی سے انہوں نے ساتھ بیٹھی اپنی ساتھی ڈاکٹر تانیہ کو دیکھا تو وہ نرمی سے ان کا بازو تھام کر بولی۔

"ریلیکس احسن۔"

"میرا بھائی......" ان کے ہونٹوں سے اسی قدر نکلا۔

"جانتی ہوں' ڈاکٹر انعام ہیں ناں اندر۔" تانیہ نے انہیں تسلی دی۔

"ہاں لیکن......"

"پلیز احسن' تمہارا اندر جانا ٹھیک نہیں' کیونکہ تم خود پر کنٹرول نہیں کرپارہے۔ ایسے میں ڈاکٹر انعام کی توجہ بٹ جائے گی۔ وہ تمہیں دیکھیں گے یا تمہارے بھائی کو۔" تانیہ کی آخری بات پر احسن نے خود کو ریلیکس کیا۔

"تم اکثر اپنے اسی بھائی کا ذکر کرتے ہونا' کیا ہوا ہے اسے؟" تانیہ نے پوچھا تو وہ لاعلمی کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"پتا نہیں' صبح تو اچھا بھلا تھا۔ اب پتا نہیں کیا ہوا' میں تو صبح سے یہیں تھا۔"

"ٹھیک ہوجائے گا تمہارا بھائی' تم پریشان مت ہو۔" تانیہ نے پھر تسلی دی تب ہی جلال احمد تیز قدموں سے قریب آئے تھے۔

"کیسا ہے محسن' کہاں ہے؟" احسن انہیں دیکھ کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور ایمرجنسی روم کی طرف اشارہ کیا تو جلال احمد ایک نظر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"ٹھیک تو ہے' کوئی سیریس بات تو نہیں؟" احسن کے پاس جواب نہیں تھا' جبھی ان سنی کرکے پوچھا۔

"کیا ہوا تھا مونی کو؟"

"پتا نہیں بیٹا' تمہاری امی بتارہی تھیں نشاء کے ساتھ بیڈ منٹن کھیلتے ہوئے گرا تھا۔"

"او گاڈ۔" وہ پریشان ہوئے۔ "مونی بیڈ منٹن کھیل رہا تھا' ابو آپ کہاں تھے؟" جلال احمد ان کا کندھا تھپک کررہ گئے۔

"آپ میرے روم میں جاکر بیٹھیں' میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" احسن انہیں بھیج کر پھر تانیہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر اب غصہ بھی جھلکنے لگا تھا۔

"کیا ہوا؟" تانیہ نے دھیرے سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"تم اپنے بھائی سے بہت محبت کرتے ہو۔" تانیہ نے پھر کہا تو ان کا سر اثبات میں ہلا پھر کہنے لگے۔

"بہت...... خود سے بھی بڑھ کر چاہتا ہوں اسے اور میں صرف اسی کی خاطر ڈاکٹر بنا اسی کی خاطر اب اسپشلائزیشن کے لیے امریکہ جارہا ہوں' تاکہ اس کا علاج میں خود کرسکوں۔ یہاں تو ابھی تک ڈائیگنوز ہی نہیں ہو پایا کہ اس کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ کس چیز کی کمی یا زیادتی ہے اس میں جو وہ اپنی جان پر ذرا سی سختی برداشت نہیں کرپاتا ڈھے جاتا ہے۔"

"شروع سے آئی مین پیدائشی ایسا ہے یا کوئی حادثہ؟" تانیہ نے پوچھا تو ان کا ذہن بہت پیچھے بھٹک گیا۔ اس وقت جب وہ آٹھ سال' محسن پانچ سال اور نشاء چار سال کی تھی۔ تینوں چھت پر کھیل رہے تھے۔ محسن' نشاء سے اس کی گڑیا چھین کر بھاگا تھا جس پر نشاء نے چیخ چیخ کر رونا شروع کردیا تھا۔ ساتھ ساتھ احسن کو پکار رہی تھی اور احسن گڑیا لینے کی خاطر ہی محسن پر جھپٹے تھے جس سے اس کا توازن بگڑ گیا اور وہ چھت سے نیچے جاگرا تھا۔

"کیا سوچنے لگے احسن......" تانیہ نے ٹوکا تو چونکتے ہوئے انہوں نے یوں جھرجھری لی تھی جیسے محسن ابھی ابھی گرا ہو۔

......●❀●......

عشاء کی نماز کے بعد بھی ساجدہ بیگم جانماز پر بیٹھی تھیں۔ ان کی انگلیوں سے تسبیح کے دانے بہت دھیرے دھیرے پھسل رہے تھے۔ نشاء کے آنے کا انہیں پتا ہی نہیں چلا' یوں بھی ان کی آنکھیں بند تھیں۔

"تائی امی!" نشاء نے ڈرتے ڈرتے پکارا تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تائی امی میں نے کچھ نہیں کیا' میری غلطی نہیں ہے۔ میں نے منع کیا تھا مونی کو لیکن وہ زبردستی......" نشاء روہانسی ہوکر بولی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہی تائی امی' میرا یقین کریں۔" وہ رو پڑی۔

"میرے یقین اور بھروسے ہی سے تو کھیل رہی ہو تم۔" عجیب چبھن تھی نشاء تڑپ گئی۔

"نہیں تائی امی' ایسا نہ کہیں' میں مرجاؤں گی' لیکن آپ کے یقین اور بھروسے کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتی۔"

"بڑے بول مت بولو نشاء' جاؤ اپنے کمرے میں۔" ساجدہ بیگم نے ناگواری سے ٹوک کر تحکم سے کہا تو وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آتے ہی بیڈ پر گر کر سسکنے لگی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی' دروازے کی طرف اس کی پشت تھی اور مارے خوف کے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ جب احسن سامنے آکر کڑے تیوروں سے اسے دیکھنے لگے تو اسے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا دوبھر ہوگیا تھا۔

"کیا تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ محسن کتنا نازک ہے ہوا کی زری بھی نہیں سہہ پاتا۔ نہیں نشاء سب جانتی ہو تم' پھر تم نے......؟" احسن سرد چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"م...... میں نے منع کیا تھا لیکن مونی نہیں مانا۔ میرا یقین کریں۔" اس کی رندھی آواز کا احسن پر اثر نہیں ہوا تھا۔

"کیا یقین کروں...... سب پتا ہے تمہیں' مونی نہیں مان رہا تھا تو تم امی سے کہتیں وہ سمجھا سکتی تھیں اسے۔ پتا ہے ناں میں مونی کے معاملے میں کتنا حساس ہوں۔ مجھے اپنی جان سے بڑھ کر پیارا ہے وہ۔ اس کی طرف سے کوئی کوتاہی کوئی غلطی میں برداشت نہیں کرسکتا' سمجھ ہی ہو ناں۔"

"آ...... ابھی کیسا ہے۔ ٹھیک تو ہے ناں۔ مجھے اس کے پاس لے چلیں۔" وہ خود محسن کے لیے بہت پریشان تھی۔

"ابھی نہیں......" احسن نروٹھے پن سے کہہ کر جانے لگے کہ اس نے بے اختیار ان کا بازو تھام لیا۔

"آپ کہاں جارہے ہیں؟"

"کہیں نہیں جارہا میں تم سو آرام سے۔" احسن جھنجلائے تھے۔

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔" وہ پھر روہانسی ہوئی۔

"کیوں...... تمہیں نیند کیوں نہیں آئے گی۔" انہوں نے پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا۔ تو وہ منمنائی۔

"جب سب ناراض ہوں تو نیند بھی روٹھ جاتی ہے۔" احسن نے ہونٹ بھینچ کر غالباً خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔ پھر یک دم نرم پڑگئے۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ کوئی تم سے ناراض نہیں ہے۔ بس آئندہ احتیاط کرنا' چلو اب سو جاؤ۔"

"آپ کہاں جارہے ہیں؟" اس نے پھر پوچھا۔

"کہاں جاؤں گا مونی کو ہاسپٹل میں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی کے پاس جارہا ہوں اور تم پریشان مت ہو صبح مونی آجائے گا...... لوکے۔" آخر میں انہوں نے خوب صورت مسکراہٹ اس کی نذر کی پھر ساجدہ بیگم کو تسلی دے کر وہ ہاسپٹل آگئے تو وہاں جلال احمد ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے جلال احمد کو گھر بھیج کر فریش جوس لے کر روم میں آگئے۔

محسن چھت پر نظریں ٹکائے سیدھا لیٹا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں نرمی سے لے کر گویا ہوئے۔

"تم کچھ عرصہ صبر نہیں کر سکتے مونی' کیا ضرورت تھی اچھل کود کرنے کی یا پھر تمہیں ہم سب کو پریشان کرنے کا شوق چرایا تھا۔ تمہاری وجہ سے نشاء کو بھی ڈانٹ پڑی۔"

"اسے کیوں ڈانٹا بھائی وہ تو منع کررہی تھی۔ میں ہی زبردستی......" محسن کو افسوس ہوا۔

"تو کیا نتیجہ نکلا۔ تم صرف خود پر ہی نہیں ہم سب پر بھی ظلم کررہے ہو۔ خدانخواستہ کوئی سیریس بات ہوجاتی تو تم سے پہلے میں مرجاتا۔" احسن کی آخری بات پر وہ روہانسا ہوا۔

"بس کریں بھائی' میں آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گا۔" احسن نے ہونٹ بھینچ کر خود پر قابو پایا پھر کہنے لگے۔

"جانتے ہو ناں میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے' میں تمہیں اپنے ساتھ بھاگتا دوڑتا دیکھنا چاہتا ہوں اور ایک دن میری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی بس تم ہمت نہ ہارنا۔ سمجھے...... وعدہ کرو تم مجھے مایوس نہیں کروگے۔" محسن نے پلکیں گرا کر گویا وعدہ کیا تھا۔

"تھینک یو۔" احسن نے اس کا ہاتھ چوم کر اپنی آنکھوں سے لگالیا تھا۔

......●❀●......

اس نے جمائی لے کر وال کلاک پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

"اف میری ماں......" وہ کچھ جھنجلاہٹ اور غصے سے کتاب پٹخ کر اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکل کر کچن میں داخل ہوتے ہی رک گئی اور تاسف سے ثریا کو دیکھنے لگی جو برتن دھونے میں مصروف تھیں۔

"آپ کے کام ختم نہیں ہوئے ابھی۔" وہ خود پر ضبط کی کوشش ترک کرکے تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ "بس کریں امی رات کا ایک بج رہا ہے' سوتے سوتے دو بج جائیں گے' پھر صبح اذان کی آواز کے ساتھ ہی اٹھ بھی جائیں گی۔"

"تو اس میں کیا برائی ہے' کام کاج کرتے رہنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔" ثریا نے نل بند کرتے ہوئے کہا تو وہ طنزیہ ہنسی۔

"ماشاء اللہ بہت اچھی صحت ہے آپ کی۔ برسوں کی مریض لگتی ہیں۔ اللہ کے واسطے امی خود پر نہیں تو مجھ پر رحم کریں خدانخواستہ آپ کو کچھ ہوگیا تو میرا کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوتا مجھے' خوامخواہ وہم مت کیا کرو۔" ثریا نے پیار سے اس کا گال تھپکا تو وہ زچ ہوگئی۔

"آپ نہیں مانیں گی' چلیں اندر۔" وہ ثریا کو کندھوں سے تھام کر پلٹی تو دروازے میں جاذب کو کھڑے دیکھ کر کاٹ کھانے کے انداز میں پوچھنے لگی۔

"اب تمہیں کیا چاہیے؟"

"وہ کافی مل جاتی تو؟" وہ اپنی گدی کھجاتے ہوئے بولا۔

"کافی......!" صبا نے دانت پیسے۔ "رات کے ایک بجے تمہیں کافی ضرور پینی ہوتی ہے۔ اگر اتنا ہی شوق ہے تو خود بنا لیا کرو۔ ہم تمہارے نوکر نہیں ہیں۔"

"صبا......" ثریا نے پریشان ہوکر اسے ٹوکا۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ایسے بات کرتے ہیں۔"

"جانے دیں پھپھو۔ میں اس کی بدتمیزیوں کا برا نہیں مانتا۔" جاذب کے معصوم بننے پر وہ مزید سلگی۔

"اوہو......خود تو جیسے بڑے تمیزدار ہو۔"

"صبا تم کمرے میں جاؤ' چلو شاباش۔ جاذب بیٹا تم اس کی باتوں کا برامت ماننا۔" ثریا نے ایک ساتھ دونوں کو مخاطب کیا۔

"ارے نہیں پھپھو۔ آپ نہ پریشان ہوں۔ آپ کی خاطر میں اس کی کڑوی گولیاں شہد سمجھ کر نگل لیتا ہوں۔" وہ تسلی ثریا کو دے رہا تھا دیکھ اسے رہا تھا۔

"تو پھپھو کی خاطر کافی بھی خود ہی بنالو یا اپنی ماں بہن سے کہو وہ بنادیں گی۔" اس پر ثریا کے ٹوکنے کا کوئی اثر نہیں ہورہا تھا۔ جاذب کو جلی کٹی سنا کر ثریا کو کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی تھی۔

"بس اب آپ سو جائیں' جاذب کی فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔"

"کافی بنانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔" ثریا کا دھیان اس

کی طرف ہی تھا۔
"کوئی دیر نہیں لگتی، وہ اپنی اماں سے کہے یا بہن سے وہ بنادے گی۔" اس نے زبردستی ثریا کو پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ عاجز ہوکر بولی۔
"کیوں ایسی باتیں کرتی ہو تم، جب پتا ہے کہ کام کاج کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہے پھر بار بار ٹوکنے کا مطلب؟"
"اف کتنے آرام سے کہہ دیا آپ نے ساری ذمہ داری آپ پر ہے اور باقی سب لوگ وہ کیا صرف کھانے کے لیے ہیں۔" وہ پھر چڑی۔
"صرف کھانے کے لیے کیوں۔ ماشاء اللہ کماتے بھی ہیں اور شکر کرو دو وقت روٹی ہمیں بھی مل جاتی ہے۔"
"تو دو وقت روٹی کا قرض چکاتی ہیں آپ۔" اس نے دکھ سے ثریا کو دیکھا۔
"یہی سمجھ لو......" ثریا نے لیٹ کر اس کی طرف سے کروٹ بدلی تو کتنی دیر وہ ان کی پشت پر نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر لائٹ آف کی اور اپنی جگہ پر لیٹتے ہی تکیہ منہ پر رکھ لیا۔ سسکیاں گھٹ گئی تھیں لیکن آنکھوں کا سیلاب سارے بند توڑ گیا تھا۔
صبح اس نے ناشتے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بس گھونٹ گھونٹ چائے پیتی رہی اور ثریا اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہی بولی کچھ نہیں تھی کیونکہ اس کی آنکھیں شدت گریہ کا پتا دے رہی تھیں۔
چائے کے بعد وہ آرام سے تیار ہوئی پھر بیگ اٹھا کر کمرے سے نکلی تو لاؤنج میں نگار کو بیٹھے دیکھ کر اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ نگار چہرے پر ماسک لگائے بالکل بت بنی بیٹھی تھی۔
"کچھ بھی کرلو کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔" وہ شرارت سے کھنکھار کر بولی تو نگار سلگ گئی۔
"تم جلتی کیوں ہو۔"
"ارے ارے بولو مت، چہرے پر مزید لکیریں پڑ جائیں گی۔" اس نے ٹوکا تو نگار فوراً سابقہ حالت میں آ گئی۔
"میرا مشورہ مانو چہرے کی بجائے دل پر توجہ دو۔ دل صاف ہو تو چہرہ شاداب نظر آتا ہے۔" وہ چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔
"یہ نسخہ تم خود پر کیوں نہیں آزماتیں۔" نگار پھر تلملائی تھی۔
"آزما کر ہی مشورہ دے رہی ہوں۔ ویسے تمہاری مرضی۔" وہ کہہ کر ہنستے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

......●✿●......

خان جنید کچھ ضروری کاغذات چیک کرتے ہوئے بار بار نظریں اٹھا کر بنٹی کو دیکھ رہے تھے جو ناراض اور غصے میں لگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ملازم اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھ کر گیا تھا وہ ویسے ہی رکھا تھا۔ بنٹی نے اسے چھوا تک نہیں تھا۔ خان جنید نے کاغذات بریف کیس میں رکھ کر دوسرے صوفے پر بیٹھی مدیحہ کو دیکھا پھر بنٹی کو مخاطب کیا۔
"بنٹی بیٹا تم کیوں ایسے بی ہیو کررہے ہو، کیا چاہیے تمہیں؟"
"کچھ نہیں، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" بنٹی نے بدتمیزی سے جواب دیا۔ خان جنید ضبط کرگئے۔
"پھر کیا پرابلم ہے؟"
"میں...... فیل کرتا ہوں، بہت زیادہ۔" بنٹی نے کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔ خان جنید زچ ہوکر کہنے لگے۔
"اب اس کا میں کیا علاج کروں۔ تم اپنے فرینڈز کو بلا لیا کرو، پھر گھر میں تمہارے پاس سب کچھ ہے کمپیوٹر، نیٹ، موویز......"
"بس پاپا میں اکتا گیا ہوں ان سب چیزوں سے، میں زندہ انسانوں سے بات کرنا چاہتا ہوں جو میری سنیں، اپنی سنائیں۔" بنٹی نے تنگ ہوکر کہا تو خان جنید فوراً بولے۔
"تمہارے فرینڈز۔"
"کسی کے پاس فالتو ٹائم نہیں ہے پاپا۔ کوئی مجھ اپاہج کو زیادہ دیر کمپنی نہیں دے سکتا۔" بنٹی کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔ خان جنید نے جیسے لاجواب ہوکر مدیحہ کو دیکھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔
"ایسا نہیں کہتے بنٹی، تم اپاہج نہیں ہو اپنا ہر کام خود کرسکتے ہو۔"
"مت بہلائیں مجھے آپی۔" بنٹی ناراض ہوا تو مدیحہ خاموش ہوگئی۔
"مدیحہ......" کچھ دیر رک کر خان جنید مدیحہ سے مخاطب ہوئے۔ "بیٹا تم یہاں بنٹی کے پاس کیوں نہیں آجاتیں۔"
"یہ کیسے ممکن ہے پاپا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں بنٹی کے پاس آجاؤں یا تو آپ کو میری شادی ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" مدیحہ ان سے کہہ کر بنٹی کی طرف گھومی۔ "اور بنٹی تم کوئی چھوٹے بچے نہیں ہو تمہیں خود سمجھنا چاہیے فیل کرتے ہو تو اس

کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے اور پاپا کو پریشان کرو۔ پاپا تمہارے لیے جو کر سکتے ہیں کر رہے ہیں اور کیا چاہتے ہو؟''
''آپ ایسا کریں آپی مجھے تھرڈ فلور سے نیچے دھکا دے دیں۔ میں آپ کے لیے پرابلم ہوں ناں' تو آپ لوگ اسی طرح مجھ سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں۔'' بنٹی کی بات پر خان جنید خود پر قابو نہیں پا سکے غصے سے چلائے اٹھے۔
''جسٹ شٹ اپ بنٹی' جاؤ اپنے کمرے میں۔''
''پاپا پلیز۔'' مدیحہ نے ملتجی انداز میں خان جنید کو دیکھا پھر بنٹی سے بولی۔ ''تم پرابلم نہیں ہو بنٹی میں' پاپا' ہم سب تم سے پیار کرتے ہیں بیٹا لیکن ہماری کچھ مجبوریاں ہیں۔''
''ہونہہ مجبوریاں......'' بنٹی نے تنفر سے سر جھٹکا پھر وہیل چیئر کا رخ موڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ دروازے سے داخل ہوتی صبا کو دیکھ کر اس کے وہیل پر حرکت کرتے ہاتھ رک گئے۔
''السلام علیکم!'' صبا نے قدرے فاصلے پر رک کر سلام کیا تو خان جنید قصداً انجان بن کر پوچھنے لگے۔
''ہو آر یو؟''
''شی از مائی ٹیچر......'' صبا سے پہلے بنٹی بول پڑا۔ ''اسے میں نے اپائنٹ کیا ہے آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''
''نہیں' لیکن......'' خان جنید جانے کیا کہنے جارہے تھے کہ بنٹی نے انہیں بولنے ہی نہیں دیا۔
''آؤ صبا میرے کمرے میں چلو۔'' صبا نے قدم بڑھانے سے پہلے خان جنید کو دیکھا اور ان کا اشارہ ملنے پر بنٹی کی چیئر دھکیلتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئی۔
''تھینک گاڈ۔'' خان جنید نے اطمینان کا سانس لیا پھر مدیحہ کو صبا کے بارے میں بتا کر بولے تھے۔
''میرا خیال ہے یہ لڑکی بنٹی کو ہینڈل کرلے گی۔''

......☆☆☆......

اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے محسن کو جلال احمد کے ساتھ آتے دیکھا تھا اس کے بعد کتنی دیر انتظار کرتی رہی جب یقین ہوگیا کہ ساجدہ بیگم اور جلال احمد محسن کو آرام کرنے کی تاکید کر کے اپنے کمرے میں جاچکے ہوں گے تب وہ محسن کے کمرے میں آئی تو وہ جو سیدھا لیٹا تھا گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کچھ سہمی ہوئی اور مجرم سی بنی کھڑی تھی۔
''وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں آؤ۔'' محسن نے کہا تو وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آگئی۔
''کیا بات ہے' یوں منہ لٹکائے کیوں کھڑی ہو۔ زندہ ہوں' مرتو نہیں گیا۔'' محسن نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا پھر بھی اس نے سہم کر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔
''مونی' مت ایسی باتیں کیا کرو۔''
''کیوں مرنا نہیں ہے کیا' جب ایک بات طے ہے تو پھر اس سے بھاگنا کیسا؟'' محسن باز نہیں آیا تو وہ منہ پھلا کر بولی۔
''میں جارہی ہوں۔''
''اچھا چلو نہیں کروں گا ایسی باتیں' تم بھی اپنی شکل سیدھی رکھا کرو۔ ہر وقت منہ پر بارہ بجائے رکھتی ہو۔''
''میری شکل ہی ایسی ہے۔'' اس کا انداز ہنوز تھا۔
''ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مانتا ہوں۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تب وہ اصل بات کی طرف آئی۔
''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''
''دیکھ لو بھلا چنگا ہوں' کوئی کام ہو تو بتاؤ۔'' محسن درحقیقت اسے مجرمانہ احساس سے نکالنا چاہ رہا تھا۔
''بس زیادہ طرم خان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ آرام سے لیٹے رہو اور مجھے بتاؤ تمہیں کچھ چاہیے تو۔ میرا مطلب ہے کھانے پینے میں جوس وغیرہ......'' اس نے قدرے رعب جما کر پوچھا تو وہ بے دلی سے بولا۔
''نہیں نشاء یہ سب نہیں۔''
''پھر اور کیا لاؤں؟'' اس نے پوچھا تو وہ یکلخت آزردگی میں گھر گیا۔
''لاسکتی ہو تو کوئی ایسی دوا لادو جسے پی کر میں زندوں میں شامل ہوجاؤں یا پھر مردوں میں۔ یہ درمیان کی کیفیت تو بڑی تھکا دینے والی ہے نشاء۔ تھک گیا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔
''مونی......'' نشاء کے صرف ہونٹ ہلے تھے۔ دل دکھ سے بھر گیا آنکھیں بھی جل تھل ہوگئی تھیں۔ کتنی دیر وہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔ جلال احمد کے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ اس نے غور کیا تو وہ احسن سے بات کر رہے تھے۔ موضوع یقیناً محسن تھا۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھی تو ساجدہ بیگم کو لابی سے نکلتے دیکھ کر پھر رک گئی۔
''شالی کہاں ہے؟'' ساجدہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی

ملازمہ شالی کا پوچھا تو اس نے سر ہلا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔
"عجیب لڑکی ہے صبح سے کہہ رہی ہوں گیسٹ روم کی صفائی کر دے۔" ساجدہ بیگم نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔
"کوئی مہمان آ رہے ہیں تائی امی؟"
"نہیں، تمہارے ابو آئیں گے۔" ساجدہ بیگم کا انداز سرسری تھا وہ چونک گئی۔
"ابو..... کب آ رہے ہیں؟"
"ابھی کچھ ٹھیک سے بتایا نہیں ہے انہوں نے..... دو ہفتے یا دو مہینے بعد۔ ایسا ہی کچھ کہہ رہے تھے۔"
"اکیلے آئیں گے؟" اس نے پھر پوچھا۔
"اکیلے کیوں، بیوی بچوں کو کہاں چھوڑیں گے۔ انہیں بھی ساتھ لے کر آئیں گے۔" ساجدہ بیگم کی ناگواری محسوس کر کے وہ خاموش ہوگئی تو پھر وہ خود ہی بولنے لگیں۔
"اچھا ہے ناں بلال احمد نے گھر بسا لیا تھا کم از کم بڑھاپے کا سہارا تو ہوگیا ورنہ تو زندگی مشکل ہو جاتی پھر کوئی بیٹا بھی نہیں تھا اور بیٹیاں کب تک ساتھ دیتی ہیں۔ تمہارے لیے بھی اچھا ہے اگلے گھر جاؤ گی تو ساتھ یہ فکر تو نہیں ہوگی کہ ابو اکیلے ہیں۔ ایک طرح سے اطمینان ہی رہے گا۔"
"اطمینان......" وہ ساجدہ بیگم کو بولتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ دل پر جانے کیسا بوجھ آن پڑا تھا۔
اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ وہ اس گھر میں کب آئی تھی۔ کب ساجدہ بیگم کی گود میں ڈالی گئی تھی نہ اسے اپنی امی کا پتا تھا' ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے سے وہ خود کو یہیں دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اس کے ابو بلال احمد بھی ساتھ تھے۔ پھر ابھی وہ لڑکپن کی عمر میں ہی تھی کہ اس کے ابو بھی اسے چھوڑ کر سات سمندر پار جا بسے۔ شروع میں وہ انہیں بہت یاد کرتی تھی لیکن پھر وقت نے سب بھلا دیا اور وہ اس گھر کے مکینوں کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنے لگی۔ جلال احمد' ساجدہ بیگم پھر احسن اور محسن نے بھی اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ ابھی بھی سب اس سے بہت محبت کرتے تھے وہ بھی سب پر جان چھڑکتی تھی اور یہ فطری بات تھی کیونکہ اپنی اب تک کی زندگی میں اس نے ان رشتوں کے علاوہ کسی اور کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ البتہ کبھی کبھی سوچتی ضرور تھی۔ خصوصاً اپنی ماں کو جس کے بارے میں جب بھی اس نے ساجدہ بیگم سے پوچھا تو خواہ وہ اس وقت اس سے کتنے لاڈ کر رہی ہوتیں' اس کے سوال پر خاموشی اختیار کر لیتی تھیں۔ ایسی خاموشی جو اسے مزید کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی جبکہ احسن اور محسن لاعلمی کا اظہار کرتے تھے کہ انہیں کچھ پتا نہیں' بہرحال ایک معمہ تھا جسے جب بھی وہ سوچنے یا حل کرنے کی کوشش کرتی اس کا دھیان بٹ جاتا یا بٹا دیا جاتا اور پھر دنوں' مہینوں اسے خیال نہیں آتا تو اس کی وجہ سب کی محبتیں تھیں جن میں وہ پروان چڑھی تھی اور اب تو ان محبتوں میں ایک اور رنگ بھی شامل ہوگیا تھا اور وہ تھا احسن کا اظہار جس نے اس کے دل کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔ محبت کا یہ رنگ سب رنگوں پر حاوی ہوگیا تھا اور وہ ٹین ایج لڑکی سہانے سپنوں میں کھو کر یہ بھول ہی گئی کہ کوئی اور بھی اس کا دعویدار ہو سکتا ہے۔
"ابو جی کیوں آ رہے ہیں؟" اس نے سوچا تھا کہ احسن نے کمرے میں داخل ہو کر اسے پکارا۔
"نشاء......" وہ چونکی اور پلکیں جھپک کر آنکھوں میں ٹھہری نمی اپنے اندر اتارنے لگی۔
"کیا بات ہے تم رو رہی ہو؟" احسن اس کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔ "کسی نے کچھ کہا ہے؟"
"نہیں، مجھے کہاں کوئی کچھ کہتا ہے' سب اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ تایا ابو' تائی امی' موتی' آپ......" وہ زبردستی مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھ نہیں پا رہی تھی۔
"نشاء ادھر میری طرف دیکھو۔" انہوں نے ٹوکا تو وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔
"کیا پاگل پن ہے یار...... مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ میری کوئی بات بری لگی ہے...... بتاؤ۔" انہوں نے اس کی دونوں کلائیاں تھام کر چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹائے تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے منہ سے بلا ارادہ نکلا تھا۔
"ابو جی......"
"کیا ابو جی...... فون آیا تھا چچا جان کا۔ انہوں نے کچھ کہا ہے۔" احسن نے اس کی کلائیاں چھوڑ کر پوچھا۔
"نہیں، وہ آ رہے ہیں۔" اس نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔
"ارے یہ تو خوشی کی بات ہے۔"
"ہاں، لیکن میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اس کے خدشے پر انہیں بے طرح پیار آیا۔
"بے وقوف، تمہیں کون جانے دے گا۔ تم یہیں

رہوگی ہمیشہ۔“

”سچ.....آپ سچ کہہ رہے ہیں نا۔“ اس کی خوشی میں ہلکی سی غیر یقینی بھی تھی۔

”یہ تو تم پر منحصر ہے کہ تم یہاں رہو یا ان کے ساتھ۔“ انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔

”میں یہیں رہوں گی۔“

راحیلہ خاتون پورے دھیان سے نگار کی بات سن رہی تھیں جب ہی انہیں جاذب کی آمد بری لگی تھی۔

”اچھا امی میں جارہا ہوں۔“ جاذب عجلت میں تھا اور راحیلہ خاتون نے اس سے زیادہ عجلت دکھائی۔

”جاؤ بیٹا اللہ کی امان۔“ لٹھ مار کر وہ پھر نگار کی طرف متوجہ ہوئی تھیں کہ صبا کی آواز پر تلملا گئیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

”رکو جاذی میں بھی چل رہی ہوں۔“ جاذب نے بوکھلا کر راحیلہ خاتون کو دیکھا ان کی پیشانی پر بے شمار بل پڑ گئے تھے۔

”تت.....تم کہاں جارہی ہو؟“ راحیلہ خاتون کو سنانے کی خاطر جاذب نے اپنے تئیں صبا پر رعب ڈالا تھا۔

”مجھے ایک جگہ جانا ہے۔ ڈراپ کردینا۔“ صبا صورت حال سے محظوظ ہوکر بولی تھی۔

”سوری، مجھے پہلے ہی دیر ہورہی ہے۔ اچھا امی خدا حافظ۔“ جاذب تیزی سے نکل گیا۔

”جاسکتی ہوں میں، کسی کی محتاج نہیں ہوں۔“ صبا بھی اونچی آواز میں بولتی ہوئی نکل گئی تھی۔

”دیکھا امی!“ نگار نے فوراً راحیلہ خاتون کو اکسایا۔

”دیکھ رہی ہوں، سب دیکھ رہی ہوں، ان ماں بیٹی کے لچھن اور جاذب کو بھی دیکھ رہی ہوں، بہت چاپلوسی کرنے لگا ہے ثریا کی۔ ضرور کچھ گھول کر پلا رہی ہے میرے بیٹے کو۔“ راحیلہ خاتون جل کر بولیں تھیں۔

”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، مجھے تو شروع سے پھپھو کی نیت ٹھیک نہیں لگی زبردستی صبا کو جاذب کے سر تھوپنا چاہتی ہیں۔“ نگار نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولیں۔

”میری جوتی، یہ کلموہی رہ گئی ہے میرے جاذب کے لیے۔“

”ارے امی آپ بہت بھولی ہیں آپ کو پتا ہی نہیں اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے۔“

”ذرا میں بھی سنوں۔ کیا کھچڑی پک رہی ہے، بتاؤ۔“ راحیلہ خاتون نے کڑے تیوروں سے نگار کو دیکھا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

”رہنے دیں امی۔ آپ بس جاذب کو ٹائٹ رکھیں۔“

”ارے جاذب میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ سانس بھی مجھ سے پوچھ کر لیتا ہے۔“ راحیلہ خاتون نے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔

”اچھا چھوڑیں، میں آپ کو عمیر کے بارے میں بتارہی تھی۔“ نگار کے یاد دلانے پر وہ پھر پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”ڈیفنس میں رہتا ہے عمیر، بہت امیر کبیر باپ کا بیٹا ہے۔ کل کالج کے بعد وہ مجھے پی سی لے گیا تھا۔ وہیں ہم نے لنچ کیا۔ سچ امی بہت مزہ آیا، اتنا شاندار ماحول اور ایسا اعلیٰ کھانا سچ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی پی سی میں لنچ کروں گی۔“ نگار ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

”کیوں نہیں۔ تمہاری قسمت تمہیں اس سے بھی اونچا لے جائے گی۔ دیکھنا کس شان سے رخصت کروں گی تمہیں۔“

”پہلے اس صبا کی بچی کو دفعان کریں امی، اس کے ہوتے تو میرا کچھ نہیں بننے والا۔“ نگار کو گویا صبا کے مقابلے میں اپنی کم روی کا احساس تھا۔

”ارے اس کا تو میں ایسا بندوبست کروں گی کہ یاد رکھے گی اور تم دیکھنا میں......“ نگار کا سیل فون بجنے سے راحیلہ خاتون کی بات ادھوری رہ گئی۔

”عمیر کا فون ہے۔“ نگار سیل فون کان سے لگا کر کمرے سے نکل گئی تو راحیلہ خاتون کچھ سوچ کر اٹھیں پھر دندناتی ہوئی ثریا کے سر پر جا پہنچیں۔

”ثریا...... یہ صبا روز بن ٹھن کر کہاں جاتی ہے؟“

”جی......“ ثریا خائف ہوئی۔

”میں پوچھ رہی ہوں، صبا کہاں گئی ہے؟“ راحیلہ خاتون نے مزید تیز لہجے میں اپنی بات دہرائی تو ثریا دھیرے سے بولی۔

”کالج......“

”اب کون سا کالج، امتحانوں کے بعد کون سی پڑھائی ہوتی ہے بی بی۔ تم بھی پڑھی لکھی ہو جاہل نہیں ہو اتنا تو تمہیں

بھی پتا ہوگا۔"
"جی پتا ہے وہ اصل میں آج کالج میں......"
"بس زیادہ صفائیاں مت دو۔" راحیلہ خاتون اس کی بات کاٹ کردھاڑیں۔ "سب جانتی ہوں میں۔ تم کیسی ماں ہو ذرا فکر نہیں جوان جہان لڑکی روز نکل جاتی ہے' کل کلاں کو کوئی بات ہوگئی تو۔"
"بھابی......" ثریا نے بے اختیار ٹوکا۔
"اوہو بہت بری لگ گئی میری بات' جب زمانہ انگلیاں اٹھائے گا تب کس کس کو روکو گی۔ میں کہتی ہوں لگام ڈال کے رکھو بیٹی کو۔ کوئی بات ہوگئی تو ہم ذمہ دار نہیں۔ سمجھی۔" راحیلہ خاتون نے آخر میں نخوت سے سر جھٹکا تھا۔
......☆☆☆......
وہ کالج سے نکلی تو جاذب پہلے سے موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی گاڑی اس کے قریب لے آیا اور اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ غصے سے بولی۔
"خبردار جو مجھے لفٹ دینے کی کوشش کی۔ میں ہرگز تمہاری گاڑی میں نہیں بیٹھوں گی۔"
"تمہاری مرضی۔" جاذب نے کندھے اچکائے پھر ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کے اندر کھینچ کر دروازہ بند کردیا۔
"اب جتنا مرضی برا بھلا کہنا ہو کہہ لو۔"
"تو یہ کیسی سڑی گرمی ہے۔" وہ یکسر انجان بن کر اپنا چہرہ تھپتھپانے لگی۔
"ہاں اب سورج سے لڑنا شروع کردو کہ وہ اتنی آگ کیوں برساتا ہے' خصوصاً جب تم گھر سے نکلتی ہو۔" وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔
"میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں۔" اس کے تیکھے انداز پر وہ مسکرانے لگا۔
"اسی لیے تو تم مجھے اچھی لگتی ہو۔ تمہارے ساتھ مغز ماری نہیں کرنی پڑتی فوراً بات پک کرلیتی ہو۔"
"کاش یہ کوالٹی تم میں بھی ہوتی۔" وہ حسرت سے بولی۔
"کیا مطلب؟" وہ پوچھ کر پچھتایا۔ "میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"
"ہاہاہا......" وہ زور زور سے ہنسنے لگی تو اپنی خجالت مٹانے کو جاذب نے ٹیپ آن کردیا۔ تیز میوزک میں حبا کی ہنسی دب گئی تھی۔ جس کا بدلہ اس نے یوں لیا کہ جب ہمیشہ کی طرح جاذب نے گھر سے کافی فاصلے پر گاڑی روکی تو اس نے اترنے سے انکار کردیا۔
"سنو...... اگر تم میری مجبوری نہیں سمجھوگی تو کون سمجھے گا۔ اصل میں امی ذرا پرانے خیالات کی ہیں اور تم ان کے سامنے ہی......" جاذب سنجیدہ ہوکر اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔
"ان کے سامنے نگار تو بڑے آرام سے اپنے یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر آتی ہے' تب تو امی جی بہت روشن خیال بن جاتی ہیں۔"
"نگار کی بات مت کرو۔" وہ ہتھک پڑا۔
"کیوں نگار آسمان سے اتری ہے کیا۔" وہ تڑخ کر بولی اور اس کے ہونٹ بھینچنے پر ایک دم دروازہ کھول کر اتری اور تیز قدموں سے چلتی گھر آگئی۔ اسے جاذب پر جس قدر غصہ تھا اس سے کہیں زیادہ دکھ اس کی بزدلی پر تھا۔ محبت کے دعوے تو بہت کرتا تھا لیکن اتنی ہمت نہیں تھی کہ راحیلہ خاتون کی موجودگی میں اس سے بات کرسکے۔ وہ اگر اس کے لیے دل میں نرم گوشہ نہ رکھتی تو کب کی اس کی محبت پر لعنت بھیج چکی ہوتی۔ یہاں اپنے دل کے ہاتھوں وہ بھی مجبور تھی۔ جس نے لڑکپن کی حدود پار کرتے ہی اس کے نام پر دھڑکنا شروع کردیا تھا۔ پھر جاذب نے اس کی آنکھوں میں ایسے خواب سجائے تھے جن سے اب دستبردار ہونے کو وہ تیار ہی نہیں تھی۔ اس وقت وہ بری طرح جھنجلا رہی تھی' اسے گالیاں بھی دیں پھر ہمیشہ کی طرح سر جھٹک کر کچن میں آگئی اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔
"کیا پک رہا ہے؟" وہ سالن بھون رہی تھی جب نگار نے آکر پوچھا تو وہ جل کر بولی۔
"بھیجا۔"
"بھیجا......" نگار بدمزہ ہوکر چیخی۔ "یہ بھیجا پکانے کا مشورہ کس نے دیا تم کو۔"
"کسی نے نہیں اپنی مرضی سے پکا رہی ہوں۔"
"اوہو' تمہاری مرضی کب سے چلنے لگی۔" نگار کے طنز کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی اپنے کام میں مصروف رہ کر بولی۔
"جب سے میں اس دنیا میں آئی ہوں۔"
"لیکن اس گھر میں تمہاری مرضی نہیں چلے گی۔ ایسا ہی شوق ہے تو اپنے گھر......"

نگار کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ چیخ زور سے پتلی میں پٹخ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ثریا جانے کہاں تھیں۔ اس نے دیکھنے جاننے کی سعی نہیں کی اور سر تک چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ گوکہ اسے پہلی بار ایسا کچھ سننے کو نہیں ملا تھا وہ بچپن سے ایسی باتیں سنتی آ رہی تھی، کبھی کسی فرمائش پر کبھی بچکانہ ضد پر اور اس کے سارے شوق تو اس ایک بات کی نذر ہوئے تھے کہ یہ اس کے باپ کا گھر نہیں ہے اور اس کے باپ کا گھر کہاں تھا' وہ سوچتے سوچتے سو گئی تھی۔

پھر رات کے کھانے پر ثریا نے اسے اٹھایا تو وہ اٹھ تو گئی لیکن کھانے سے انکار کردیا۔

''بری بات بیٹا رزق سے منہ نہیں موڑتے' اللہ ناراض ہوتا ہے۔ چلو شاباش کھالو......'' ثریا نہ جانتے ہوئے بھی جان گئی تھی کہ ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو وہ ناراض ہو کر سو گئی تھی۔

''نہیں کھاؤں گی۔'' اس کے غصے میں ضد بھی شامل ہوگئی۔

''کب تک بھوکی رہوگی۔'' ثریا نے نرمی سے اس کا گال چھوا تو وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''جب تک آپ مجھے سچ نہیں بتائیں گی۔''

''کیسا سچ' کیا جاننا چاہتی ہو تم۔'' ثریا عاجز ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''بہت کچھ' سب سے پہلے تو یہ بتائیں میرے پاپا کہاں ہیں؟'' اس کے پوچھنے پر ایک لحظہ کو ثریا کا چہرہ تاریک ہوا تھا' پھر وہ بنا کچھ کہے اٹھنا چاہتی تھیں کہ صبا نے سختی سے ان کی کلائی پکڑلی۔

''بتائیں امی...... مجھے بتائیں میرے پاپا کہاں ہیں؟ ان کا گھر کہاں ہے؟'' اس کا انداز ایسا جارحانہ تھا کہ اگر ابھی اسے نہیں بتایا گیا تو جانے وہ کیا کر ڈالے گی۔ ثریا نے خود کو بے بسی کی انتہاؤں پر محسوس کیا پھر بمشکل خود کو بولنے پر آمادہ کرکے گویا ہوئی۔

''اب مجھے نہیں پتا بیٹا کیونکہ میں جس گھر سے نکالی گئی تھی وہ گلشن اقبال میں تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے' جب تم دو سال کی تھیں اور نشاء چھ مہینے کی۔ اس کے بعد ماہ و سال کا حساب تم خود لگالو۔ مجھے نہیں معلوم تمہارے پاپا نے کب وہ گھر چھوڑا اور کہاں چلے گئے؟ چاہے تم میرا یقین کرو یا نہ کرو یہی سچ ہے کہ مجھے تمہارے پاپا کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔''

''آپ نے جاننے کی کوشش بھی نہیں کی؟'' اس نے پوچھا تو ثریا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیوں...... میرا مطلب ہے نشاء کے لیے' کیا آپ کو یاد نہیں آتی' وہ چھ ماہ کی بچی' آپ کی یا ماتا نہیں تڑپتی اس کے لیے۔'' وہ جانے اتنی سفاک کیسے ہوگئی تھی کہ ثریا کو کٹہرے میں کھینچ لائی تھی۔

''اگر ایسی ہی سنگ دل اور ظالم تھیں آپ تو مجھے بھی وہیں چھوڑ دیتیں کیوں لے آئیں اپنے ساتھ۔''

''صبا......'' ثریا کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ وہ سناٹے میں آ گئی۔

''ایسا ہی پچھتاوا ہے تو جاؤ چلی جاؤ' رہ لوں گی میں تمہارے بغیر بھی۔'' ثریا نے کہہ تو دیا لیکن پھر اپنے آنسو نہیں روک سکی تھی۔

''امی......'' صبا نے تڑپ کر اسے اپنی بانہوں میں لیا تھا۔

❀••❀••❀

احسن اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ تانیہ آ گئی اور ان کے سامنے چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تو اب عنقریب تمہاری امریکا روانگی ہے۔''

''ہوں......'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے احسن نے چیئر کی بیک سے ٹیک لگائی پھر پوچھنے لگے۔ ''ارادہ تو تمہارا بھی تھا پھر تم نے کینسل کیوں کردیا؟''

''اپنی مما کی وجہ سے' حالانکہ وہ تو چاہتی ہیں کہ میں ہائر اسٹڈیز کے لیے امریکا جاؤں لیکن میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔'' تانیہ نے کہا تو احسن چونک کر پوچھنے لگے۔

''کیا مطلب' گھر میں اور کوئی نہیں؟''

''نہیں بس میں اور مما ہیں۔ پانچ سال پہلے پاپا کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی تھی۔''

''اوہ ویری سیڈ اور بہن بھائی؟'' احسن کو واقعی افسوس ہوا اور خود پر حیرت بھی کہ وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

''کوئی نہیں۔ اکلوتی ہوں۔''

''پھر تو تمہارا فیصلہ ٹھیک ہے۔ تمہیں اپنی مما کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔'' انہوں نے کہا تو تانیہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

"کیا کروں مما یہ بات نہیں مانتیں، کہتی ہیں جب تمہاری شادی ہوجائے گی تب بھی تو میں اکیلی ہوجاؤں گی۔"
"بات تو ان کی بھی ٹھیک ہے۔" وہ بے اختیار بولے۔
"یہ بھی ٹھیک ہے وہ بھی ٹھیک ہے تو پھر غلط کیا ہے؟"
تانیہ نے الجھ کر انہیں دیکھا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔
"اصل میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم وقت پر صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر پاتے، بس جو ہمیں بظاہر صحیح لگ رہا ہوتا ہے ہم اسے ہی صحیح مان لیتے ہیں۔ پھر باقی کا سارا وقت خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں۔"
"تم اپنی بات کرو، کیا تم مطمئن ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جس بھائی کی خاطر تم یہاں کی اچھی خاصی پریکٹس چھوڑ کر امریکا جا رہے ہو واپس آ کر اسے زندگی دے سکو گے؟" تانیہ نے ان کی ساری بات سن کر پوچھا تو ایک پل کو ان کا چہرہ تاریک ہوا تھا پھر فوراً سنبھل بھی گئے۔
"زندگی دینا میرا کام نہیں ہے تانیہ، مجھے اس کی بیماریوں سے لڑنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں اس کی تمام بیماریوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"
"ان شاء اللہ۔" تانیہ نے خلوص دل سے کہا۔
"میں تمہارے لیے دعا کرتی رہوں گی...... اور ہاں تم نے اپنے بارے میں تو بتایا نہیں آئی مین خود اپنے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟"
"فی الحال میرا ایک ہی مقصد ہے ایک ہی خواہش ہے کہ میرا بھائی ٹھیک ہوجائے، اس کے بعد اپنے بارے میں بھی سوچ لوں گا۔" وہ ایک دم خاموش ہوئے پھر ٹیبل پر ذرا آگے جھک کر تانیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔
"ایک بات بتاؤ، تم لڑکیوں کو گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت کیوں ہوتی ہے۔ سیدھے صاف لفظوں میں پوچھ لیا کرو۔ شادی کب کرو گے، کس سے کرو گے، کوئی چکر چل رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔"
"سوری، مجھے ایسا کچھ نہیں پوچھنا۔" تانیہ فوراً انجان بن گئی وہ پھر بھی باز نہیں آئے۔
"شیور......" ان کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت تھی۔ تانیہ کندھے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑے۔ لابی سے نکل کر کوریڈور میں آتے ہی تانیہ رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟"
"اب تم سے کب ملاقات ہوگی، بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ پتا نہیں پھر کبھی تم سے ملاقات ہوگی بھی کہ نہیں۔" تانیہ نے ان کے ٹوکنے پر کہا تو وہ فوراً بولے تھے۔
"کیوں نہیں، میں واپس یہیں آؤں گا۔ یہاں سے مراد اسی شہر میں۔ ہاں اگر تم بیاہ کر کہیں دور دیس سدھار گئیں تب مشکل ہے۔ ناممکن پھر بھی نہیں۔"
"تم بہت عجیب ہو احسن۔" وہ جانے کیوں چڑی تھی۔
"میں سمجھا نہیں۔" وہ واقعی حیران ہوئے۔
"یہی تو ساری مشکل ہے کہ تم کچھ نہیں سمجھتے یا شاید سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ تمہارے جانے کے سارے انتظامات مکمل ہوگئے؟" وہ خود ہی بات بدل گئی۔
"ہاں بس اب یہ چند دن اپنی فیملی کے ساتھ گزاروں گا۔ اس کے بعد فلائی کر جاؤں گا۔"
"فون کرو گے؟"
"کبھی کبھی۔" انہوں نے کہتے ہوئے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو ایک دم یاد آیا کہ انہیں نشاء کو کالج سے پک کرنا ہے۔
"اوہ سوری تانیہ، مجھے اپنی کزن کو پک کرنا ہے۔"
"کہاں سے؟"
"کالج سے۔ اوکے چلتا ہوں۔" وہ بہت عجلت میں اسے خدا حافظ کہہ کر پارکنگ کی طرف بڑھے تھے۔
پھر بیس منٹ کا راستہ پندرہ منٹ میں طے کر کے وہ کالج پہنچے تو اپنے انتظار میں کھڑی نشاء کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گئے۔ وہ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور اس کے قریب کھڑا لڑکا جانے کون تھا اور نشاء سے کیا کہہ رہا تھا، ان کا بہرحال خون کھول گیا۔ فوراً دروازہ کھول کر گاڑی سے اترنا چاہتے تھے کہ اسی وقت نشاء کی ان پر نظر پڑی اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی آ کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے نشاء کو دیکھا پھر اس لڑکے کو جو چند قدم نشاء کے پیچھے آ کر رک گیا تھا۔
"کون ہے؟" انہوں نے نشاء سے پوچھا ٹھہرا ہوا سرد لہجہ تھا۔
"پپ...... پتا نہیں میں نہیں جانتی۔ بالکل نہیں جانتی۔" وہ رو دینے کو ہوگئی تھی۔
"کچھ کہہ رہا تھا؟" ان کا انداز ہنوز تھا۔
"نن...... نہیں کچھ نہیں۔ آپ چلیں ناں۔"

"تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔ اس نے کچھ کہا ہے تو بتاؤ۔"
انہیں نشاء کے گھبرانے پر غصہ آ گیا۔
"میں نے کہا ناں اس نے کچھ نہیں کہا' بس آپ چلیں۔" نشاء رونے لگی تو انہوں نے ایک نظر اس لڑکے کو دیکھا جو اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا' پھر جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔

"بند کرو رونا......" نشاء خائف ہو کر اپنے آنسو پونچھنے لگی' پھر کنکھیوں سے انہیں دیکھا' ان کے ہونٹ بھنچے ہوئے اور پیشانی پر گہری لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ نشاء مزید خائف ہوئی۔ پھر گاڑی روکتے ہی وہ نشاء کی طرف دیکھے بغیر اس سے پہلے اتر کر اندر آ گئے اور سیدھے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ٹیلی فون کی بیل پر بلاارادہ انہوں نے رک کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو......"

"نشاء سے بات کرا دیں پلیز۔" دوسری طرف غالباً وہی لڑکا تھا' احسن کے اعصاب تن گئے۔ خود پر کنٹرول کرتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا تو نشاء وہیں رک گئی۔

"تمہارا فون ہے۔" انہوں نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا لیکن وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"ریسیو کرو۔" انہوں نے تحکم سے کہا اور ریسیور نیچے رکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ نشاء سہمی ہوئی آگے بڑھی اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔

"ہا...... ہیلو۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"نشاء...... مجھے غلط مت سمجھو میں......" نشاء نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

احسن نے اس کے کانپتے وجود کو نوٹس کیا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے۔

......●❀●......

نشاء خود کو گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ خود کو بیڈ پر گرا کر اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا۔

"اف' یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کون تھا وہ جو میرا نام بھی جانتا ہے اور گھر کا نمبر بھی' پہلے تو میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ اچانک کہاں سے آ گیا۔ اور احسن......" اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"احسن تو شاید یہ سمجھ رہے ہیں جیسے میں پہلے سے...... نہیں میں نہیں جانتی اسے' میں نہیں جانتی۔" وہ آخری جملے کی تکرار کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی احسن کی بدگمانی نہیں۔ اپنی ساری ہمتیں یکجا کر کے وہ احسن کے دروازے پر آئی اور ہلکے سے دروازہ ناک کیا تو چند لمحوں کی تاخیر سے دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی احسن نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ...... آپ کو میری بات کا یقین کیوں نہیں ہے۔" وہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

"کون سی بات کا؟" ان کا انداز ہنوز تھا۔ البتہ اس کے لیے اندر آنے کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔

"وہ...... میں نے کہا ناں میں اسے نہیں جانتی۔ میں نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا۔ مجھے نہیں پتا وہ کون ہے اور مجھ سے کیا کہنا چاہ رہا تھا۔" وہ الجھ الجھ کر بول رہی تھی۔

"میں نے تم سے کچھ کہا ہے' کچھ پوچھا ہے؟" وہ کہتے ہوئے اس کی طرف سے رخ موڑ گئے تو وہ روہانسی ہو گئی۔

"بدگمان تو ہو رہے ہیں ناں اور مجھ سے آپ کی بدگمانی برداشت نہیں ہو رہی۔" احسن کچھ نہیں بولے تو اس نے آنسو پونچھ کر پھر ہمت باندھی۔

"آپ جانتے ہیں' میری زندگی میری سوچیں اسی گھر سے شروع ہو کر اسی گھر پر ختم ہوتی ہیں۔ اس سے آگے کیا ہے میں نے کبھی جاننے کی جستجو بھی نہیں کی' پھر آپ میرا یقین کیوں نہیں کر رہے۔ میں نہیں جانتی اسے۔"

"وہ تو تمہیں جانتا ہے۔" وہ ایک دم اس کی طرف گھومے تھے۔ "تمہارا نام' یہ سب' پورے یقین سے کہہ رہا تھا کہ نشاء سے بات کرا دیں۔ کوئی اتنا کونفیڈینٹ کیسے ہو سکتا ہے؟" ان کے شاکی انداز پر وہ رونے لگی۔

"آپ کا مطلب ہے میں......" احسن اس کے رونے سے پریشان ہو گئے۔

"نہیں نشاء میں تمہیں الزام نہیں دے رہا' مجھے تم پر یقین ہے' بھروسہ ہے لیکن یہ بھی تو پتا چلے کہ وہ کون ہے؟ کیسے جانتا ہے تمہیں اور کیا چاہتا ہے' یا تم چاہتی ہو میں یہ ساری باتیں نظر انداز کر دوں۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ میں تو ایک دو دن میں چلا جاؤں گا پھر کیا تم اسے فیس کر سکو گی۔ بتاؤ؟" وہ نفی میں سر

ہلانے لگی۔
''اسی لیے میں اس معاملے کو فوری حل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ زور دے کر بولے۔ اس نے سر جھکا لیا تو قدرے رک کر کہنے لگے۔
''اپنے اندر کونفیڈنس پیدا کرو نشاء۔ زندگی کوئی کھیل نہیں ہے جسے تم اس چار دیواری کے اندر آرام سے گزار دو گی۔ اگر آگے کی جستجو نہیں ہے تب بھی اپنا دفاع کرنا سیکھو' یا یونہی ہر ایک کے سامنے ہتھیار ڈال کر رونے کھڑی ہو جاؤ گی۔'' نشاء نے سر نہیں اٹھایا پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی تو وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولے۔
''اپنا نہیں تو میرا خیال کرو میں تمہیں ہمیشہ ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔''
''وہ......'' بہت کوشش سے بھی وہ اسی قدر کہہ سکی۔
''وہ نہیں میں...... میں اور تم......'' انہوں نے اس کی آنکھ کے قریب ٹھہرا آنسو اپنی انگلی کی پور پر سمیٹا تو وہ ان کی قربت سے گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی پھر تیزی سے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔
احسن کی باتوں نے اس کے اندر حوصلہ پیدا کیا تھا' پھر بھی وہ اگلے دن کالج نہیں گئی۔ ساجدہ بیگم سے اس نے سر درد کا بہانا کر دیا اور کچھ دیر آرام کے بعد عادت کے مطابق سٹنگ روم کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی کہ احسن آ گئے۔
''تم آج کالج نہیں گئیں۔'' انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
''نہیں اور کبھی جاؤں گی بھی نہیں۔'' وہ جو سوچ رہی تھی بے اختیار کہہ بھی گئی۔
''کیوں' کیوں نہیں جاؤ گی؟'' وہ جارحانہ انداز میں اس کے قریب آئے تھے۔
''بس جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا' مزید میرا دل نہیں چاہتا۔'' وہ کہہ کر دوسری سمت بڑھی تھی کہ احسن نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔
''دل نہیں چاہتا یا اس کے ڈر سے نہ تاؤ۔ میرے سمجھانے کا یہ اثر لیا ہے تم نے۔ بجائے مقابلہ کرنے کے ڈر کے چھپ رہی ہو۔ وہ اگر یہاں آ گیا تو کہاں چھپو گی۔''
''مجھے نہیں پتا......'' وہ خائف ہوئی۔
''خبردار' جو روئیں تو اور سن لو تمہیں ہر صورت اپنی تعلیم جاری رکھنی ہے۔ یہ میری خواہش ہے۔ سمجھی تم۔'' انہوں نے ڈانٹ کر کہا تو وہ روٹھ کر بولی۔
''تو آپ ڈانٹ کیوں رہے ہیں؟''
''پیار سے سمجھتی جو نہیں ہو۔''
''سمجھ تو گئی ہوں۔'' ہنوز روٹھا انداز تھا۔
''کیا سمجھ گئی ہو۔''
''یہی کہ مجھے اپنی تعلیم جاری رکھنی ہے' کیونکہ یہ آپ کی خواہش ہے۔'' اس نے ان کی بات دہرائی تو وہ فوراً بولے۔
''میری ایک اور خواہش بھی ہے۔''
''کیا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو احسن چند لمحے رک کر بولے۔
''وعدہ کرو میرے جانے کے بعد محسن کا خیال رکھو گی۔''
''میں کیا اب خیال نہیں رکھتی۔'' وہ شاکی ہوئی۔
''رکھتی ہو لیکن اب تمہیں میری جگہ بھی لینی ہوگی۔ خاص طور پر دوا کی طرف سے کبھی بے پروائی نہیں ہونی چاہیے۔'' انہوں نے کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔
''کوئی زبردستی نہیں ہے نشاء' میرا مطلب ہے اگر تم یہ ذمے داری اٹھا سکو تب تو وعدہ کرنا ورنہ منع کر دو۔ میں ناراض نہیں ہوں گا۔''
''نہیں میں خیال رکھوں گی۔'' وہ فوراً بول پڑی۔
''وعدہ کرتی ہوں مونی کی طرف سے کبھی بے پروائی نہیں کروں گی۔''
''تھینک یو...... تھینک یو نشاء......'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ نروس ہوئی۔

......☆☆☆......

صبا بنٹی سے ضروری کام کا کہہ کر جلدی وہاں سے نکل آئی تھی۔ پھر اس نے گلشن اقبال جہاں کا ایڈریس اس نے ثریا سے لیا تھا وہاں اپنے پاپا بلال احمد کے بارے میں معلوم کیا اور یہ جان کر بلال احمد پندرہ سال پہلے وہ گھر فروخت کر چکے تھے وہ سخت مایوس گھر لوٹی تھی' اس کے انداز میں عجیب سی تھکن تھی جب ہی ثریا نے ٹوکا تھا۔
''کہاں سے آ رہی ہو؟'' اس نے جواب نہیں دیا' جھک کر اپنے پیروں سے سینڈل اتارنے لگی تو ثریا اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔
''میں کچھ پوچھ رہی ہوں صبا' کہاں گئی تھیں؟''

''اپنے پاپا کا پتا کرنے۔'' وہ چڑ کر بولی پھر ثریا کو دیکھا وہ شاکڈ حالت میں کھڑی تھیں۔
''امی پلیز۔'' وہ تنگ ہو کر بولی۔ ''اب یہ مت پوچھیے گا کیوں کس لیے؟''
''یہ تو پوچھ سکتی ہوں ایسی کیا ضرورت آن پڑی تھی؟'' ثریا اس کی ناگواری پر افسوس سے بولی۔
''ضرورت...... پاپا سے میرا ضرورت کا نہیں خون کا رشتہ ہے امی۔ میں ان کے وجود کا حصہ ہوں۔ خود کو ادھورا محسوس کرتی ہوں ان کے بغیر۔'' ثریا نے اس کی بات سن کر منہ موڑ لیا تو اس نے اٹھ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔
''امی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا رہی' میں صرف اپنی حیثیت کا تعین کرنا چاہتی ہوں' یہاں میری اور آپ کی بھی کوئی حیثیت نہیں' ہی آپ یہاں بیٹھیں۔'' وہ ثریا کو بٹھا کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔
''امی اگر آپ نہیں چاہتیں تو میں پھر ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گی۔ لیکن یہ آپ کو بتا دوں کہ مجھے آپ کی طرح نہیں بننا۔ آپ کی طرح اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر میں نہیں جی سکتی۔ میں اپنی مرضی کروں گی' کوئی نہیں روکے گا مجھے۔'' ثریا نے بے حد پریشان ہو کر اسے دیکھا تب ہی راحیلہ خاتون نے دروازہ دھکیل کر اسے پکارا۔
''ثریا۔''
''جی بھابی۔'' ثریا عادت کے مطابق فوراً متوجہ ہوئی تھیں۔
''ابھی چائے پر ذرا اچھا انتظام کر دو۔ کچھ مہمان آ رہے ہیں۔'' پھر صبا کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔ ''اسے بھی سمجھا دو مہمانوں کے سامنے ڈھنگ سے آئے۔''
''جی۔'' ثریا کا انداز نا سمجھنے والا تھا جس پر راحیلہ خاتون کو آگ لگ گئی۔
''کیا جی' ننھی بچی ہو جو سمجھ نہیں رہیں۔ اسی صبا کے لیے آ رہے ہیں مہمان' ایک جگہ بات چلائی ہے میں نے اس کی' اب سمجھیں۔''
''میں سمجھ گئی مامی جی۔ آپ فکر نہ کریں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ راحیلہ خاتون نخوت سے سر جھٹکتی چلی گئیں تو وہ ثریا سے بولی۔
''دیکھ لیا آپ نے۔''

''بس چپ ہو جاؤ۔ میں چائے بنانے جا رہی ہوں' تم جب تک تیار ہو جاؤ۔'' ثریا نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ تاسف سے بولی۔
''تو آپ بھی یہی چاہتی ہیں۔''
''ہاں' میں چاہتی ہوں تم عزت سے اپنے گھر رخصت ہو جاؤ۔'' ثریا کہہ کر چلی گئیں تو اس نے سلگ کر کچھ سوچا پھر تیزی سے جاذب کے کمرے میں آتے ہی اس پر چڑھ دوڑی۔
''تمہیں پتا ہے جاذی یہاں کیا ہو رہا ہے؟''
''کیا ہو رہا ہے۔'' اس کے آرام سے پوچھنے پر وہ مزید سلگی۔
''انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے تم سب جانتے ہو۔''
''کیا ہو گیا ہے صبا' تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا۔ اپنے آپ جو چاہے سمجھ لیتی ہو' اصل بات بتاؤ۔'' وہ زچ ہوا۔
''ابھی کچھ لوگ مجھے دیکھنے آ رہے ہیں اسپیشل مجھے دیکھنے۔'' اس نے زور دے کر اپنی طرف اشارہ کیا تو جاذب پریشان ہو گیا۔
''کیا...... یہ...... یہ سلسلہ......''
''تمہاری امی چلا رہی ہیں۔'' وہ فوراً بولی۔
''نہیں...... یہ نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔
''تو پھر جاؤ کرواؤ اپنی امی سے بات۔''
''ہاں میں کروں گا۔ امی سے بات کروں گا لیکن وقت آنے پر۔'' جاذب کے گڑبڑانے پر وہ تلملا گئی۔
''اور کون سا وقت آئے گا؟''
''صبا پلیز......'' وہ عاجزی پر اتر آیا۔ ''تم جانتی ہو' امی کیا چاہتی ہیں۔ وہ جب تک نگار کی شادی نہیں کر لیں گی میرا سوچیں گی بھی نہیں۔''
''اور انہوں نے میرا سوچ لیا ہے۔ بہت کھلتی ہوں میں انہیں اور وہ اسی طرح مجھے گھر سے نکال سکتی ہیں۔'' وہ غصے میں چبا چبا کر بول رہی تھی۔
''نہیں' تم میری ہو' صرف میری۔'' جاذب نے کہا تو اس نے سر جھکا لیا۔
''خالی باتیں۔''
''خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔

اچھا ابھی تم ایک کام کرو' کسی طرح ٹالو ان مہمانوں کو' پھر میں امی سے بات کروں گا۔" جاذب نے اسے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس کے کمرے سے نکلی اور اپنے کمرے میں یوں بند ہوئی کہ مہمانوں کے آنے پر بھی نہیں نکلی۔ ثریا عاجزی سے اور راحیلہ خاتون غصے سے پکارتی رہیں لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ پھر کتنی دیر بعد یقیناً مہمان رخصت ہوچکے تھے جب ہی راحیلہ خاتون چلا چلا کر بول رہی تھیں۔ وہ اس کی ماں کو بے نقط سنا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ اسے بھی برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ اس نے خود پر بہت جبر کیا تھا' جب خاموشی چھا گئی اور دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تب اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ ثریا مرے مرے قدموں سے اندر آئی اور دیوار سے لگ کر رونے لگیں تو وہ تڑپ گئی۔

"امی......"

"مت کہو مجھے امی۔ میں نہیں ہوں تمہاری ماں۔" ثریا نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"امی پلیز ایسے مت کریں۔ میری بات سنیں۔"

"نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بات۔ نہیں سننی۔" ثریا نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے' وہ سسک رہی تھیں۔

"خدا کے لیے روئیں نہیں امی۔ میں مر جاؤں گی۔ آپ میری بات تو سنیں۔ میں نے جو کیا جاذب کے کہنے پر کیا۔" اس کی آخری بات پر ثریا ایک دم ہاتھ نیچے گرا کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔

⁂......●❀●......⁂

احسن کل جا رہے تھے اور انہوں نے تو بہت چاہا تھا کہ وہ محسن کو اپنے ساتھ امریکا لے جائیں' جلال احمد بھی اس سے متفق تھے لیکن ساجدہ بیگم کسی طرح مان کے نہیں دیں۔ محسن کو اتنے لمبے سفر پر بھیجنے کو ان کا دل آمادہ ہی نہیں ہوسکا۔ ماں تھیں واہموں میں گھری رہتی تھیں۔ جلال احمد نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ محسن امریکا سے بھلا چنگا ہو کر واپس آئے گا' لیکن ان کی ایک ہی رٹ تھی۔ میرا بچہ کمزور ہے' میں اسے نظروں سے اوجھل نہیں کرسکتی' جو علاج ہونا ہے یہیں ہوگا' آخر جلال احمد اور احسن بھی خاموش ہوگئے تھے اور اب احسن جا رہے تھے تو انہیں یہاں کی فکر بھی تھی۔ اس وقت وہ جانے کیا کچھ سوچتے ہوئے محسن کے کمرے میں آئے تو اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئے۔

محسن چیئر کی بیک پر سر رکھے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مردنی چھائی تھی۔ احسن کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ بمشکل خود پر قابو پا کر وہ آگے بڑھے تو آہٹ پر محسن نے آنکھیں کھول دیں۔

"کس کے خیالوں میں گم تھے؟" احسن قصداً مسکرائے تھے۔

"مذاق مت کریں بھائی' میرے خیالوں میں کون آئے گا۔" جواباً محسن کی مسکراہٹ افسردگی میں لپٹی ہوئی تھی۔

"کیوں...... تم نے کیا نو ویکنسی کا بورڈ لگا رکھا ہے۔" انہوں نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔ "میں اگر مخل ہوا ہوں تو چلا جاتا ہوں۔"

"ارے نہیں بھائی۔" محسن سیدھا ہو بیٹھا۔ "آیئے بیٹھیں' میں خود آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو مایوسی کی باتیں مت کرنا۔" احسن نے وارننگ دی تو وہ دکھ سے کہنے لگا۔

"جسے آپ مایوسی سمجھتے ہیں وہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ آپ نہ میرے لیے ہلکان ہوں بھائی' جتنی میری زندگی ہے مجھے اتنا ہی جینا ہے نہ ایک دن کم نہ ایک دن زیادہ۔"

"سب کے ساتھ ایسا ہی ہے۔" احسن ایک دم سنجیدہ ہوگئے تھے۔ "مجھے دیکھو میں خود کو بہت توانا محسوس کر رہا ہوں' اس کے باوجود یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں کل کا سورج ضرور دیکھوں گا۔ ہوسکتا ہے یہیں کھڑے کھڑے میرا ہارٹ فیل ہوجائے۔"

"فار گاڈ سیک بھائی۔" محسن تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں' درد ہوا ناں۔ مجھے بھی درد ہوتا ہے' جب تم مایوسی کی باتیں کرتے ہو۔" احسن نے اسے کندھوں سے تھام لیا پھر کہنے لگے۔ "امید پر دنیا قائم ہے مونی' تم اپنے اندر جینے کی امنگ پیدا کرو' تمہاری زندگی خواہ ایک دن کی کیوں نہ ہو' میں چاہتا ہوں تم اس ایک دن کو بھرپور انداز میں گزارو۔"

"جو آپ چاہتے ہیں شاید ممکن نہیں ہے۔" محسن بے چارگی سے بولا۔

"کیوں ممکن نہیں۔ مجھے یقین ہے میری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔ تم ایک دن نہیں ایک سال نہیں بلکہ سالہا سال خود پر رشک کرو گے۔" ان کے یقین پر محسن کے ہونٹوں پر زخمی

مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں مونی۔ خود پر سے بے چارگی کا خول اتار پھینکو۔ میرے جانے کے بعد امی ابو کا خیال تمہیں رکھنا ہے۔ اور وہ...... اس گھر میں ایک بے وقوف سی لڑکی ہے نشاء اسے بھی دیکھنا ہے' اب یہ سب تمہاری ذمہ داری ہے۔" انہوں نے کہا تو محسن نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"میں...... میں تو خود...... نہیں بھائی۔"

"کیوں نہیں......" وہ فوراً ٹوک کر بولے۔ "ذمہ داری کا احساس انسان کی زندگی بڑھاتا ہے۔ صرف اپنا سوچنے والے لوگ بہت جلدی مرجاتے ہیں خواہ وہ کتنے خوش باش اور توانا کیوں نہ ہوں۔ سمجھ رہے ہوناں۔" محسن نے محض ان کا دل رکھنے کی خاطر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"گڈ...... اور ہاں تمہیں کیا بات کرنی تھی؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا تو محسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو پھر تم آرام کرو۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر اس کے کمرے سے نکل آئے اور لاؤنج میں نظر ڈالتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے تو ساجدہ بیگم ان کے لیے دودھ کا گلاس لیے بیٹھی تھیں۔

"کہاں تھے تم......" ساجدہ بیگم نے پوچھا تو وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔

"محسن کے پاس تھا۔"

"سویا نہیں محسن؟"

"بس اب سو رہا ہے۔" انہوں نے دودھ کا گلاس لے کر ایک ہی سانس میں پی لیا' پھر گلاس رکھ کر بولے۔ "ایک بات کہنی ہے امی۔"

"کہو......" ساجدہ بیگم ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"یوں تو آپ سب جانتی ہیں پھر بھی میں سمجھتا ہوں مجھے کہہ دینا چاہیے کہ نشاء......" وہ خاموش ہوگئے۔

"کیا نشاء......؟" ساجدہ بیگم نے ٹوکا تب بھی وہ رک کر بولے تھے۔

"میں نشاء کو پسند کرتا ہوں امی۔ پسند سے میری مراد اس سے شادی......"

"سوچا تو میں نے بھی ایسا ہی ہے بیٹا' لیکن مونی......" ساجدہ بیگم جانے کیا سوچنے لگی تھیں۔

"مونی پہلے ہے امی۔" وہ زور دے کر بولے۔

”جب تک مونی ٹھیک نہیں ہو جاتا میں اپنے بارے میں نہیں سوچوں گا۔“

”میرا یہ مطلب نہیں ہے بیٹا۔“

”میں جانتا ہوں لیکن میں آپ کو بتا رہا ہوں‘ نشاء کے لیے میں نے اس لیے کہہ دیا کہ وہ لڑکی ہے‘ اس کے پرپوزل آسکتے ہیں‘ تو ایسی صورت میں آپ کو صرف یہ یاد رکھنا ہے کہ نشاء اسی گھر میں رہے گی۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔“ ان کی وضاحت پر ساجدہ بیگم بے ساختہ مسکرائی تھیں۔

اور پھر اگلے دن جانے سے کچھ دیر پہلے انہیں نشاء سے تنہائی میں ملنے کا موقع مل ہی گیا تھا۔

”میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے کیا مجھے خدا حافظ نہیں کہو گی۔“ انہوں نے کہا تو نشاء نے جھجکتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی سلور کلر کی چین ان کی کلائی میں ڈال دی۔

”اسے میں کیا نام دوں؟“ وہ ایک نظر چین پر ڈال کر اسے دیکھنے لگے۔

”یونہی کچھ مت کہہ دیجیے گا۔ جب ایسا کوئی وقت آئے جب آپ کو لگے کہ یہ آپ کے لیے کتنی اہم ہے تب خود بخود اسے عنوان مل جائے گا۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”تم جانے کس وقت کی بات کر رہی ہو مجھے تو ابھی لگ رہا ہے جیسے میری زندگی میری سانسیں اس کے ساتھ جڑ گئی ہوں۔ میں گھبرا رہا تھا نشاء کہ اتنا لمبا سفر اکیلے کیسے کٹے گا لیکن اب نہیں...... اب تم میرے ساتھ ساتھ رہو گی۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرائے اور اسے اپنی محبتوں کے حصار میں چھوڑ کر رخصت ہو گئے تھے۔

......●❀●......

وہ جاذب کے ساتھ آ تو گئی تھی لیکن اس کا موڈ سخت آف تھا۔ اس کے بار بار کہنے پر بھی کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی تھی آخر وہ زچ ہو گیا۔

”یار اب مان بھی جاؤ‘ دیکھو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

”مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میں صرف ایک بات سننا چاہتی ہوں۔“ اس نے تڑخ کر کہا تو وہ فوراً بولا۔

”ہزار بار کہہ سکتا ہوں‘ میں تم سے محبت کرتا ہوں‘ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔“

”شٹ اپ‘ میں صرف یہ سننا چاہتی ہوں کہ تم آج مامی جی سے میری اور اپنی بات کرو گے‘ بس......“ اس کے ضدی انداز پر وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”کروں گا بابا کروں گا لیکن......“

”کوئی لیکن ویکن نہیں‘ تم آج ہی بات کرو گے سمجھے۔“ اس نے ٹوک کر کہا تو جاذب خاموش ہو گیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا جازی کہ تم اتنا ڈرتے کیوں ہو۔ وہ جو لڑکی ہے نگار وہ تو بڑے آرام سے مامی جی کے ساتھ اپنی شادی کی باتیں کر رہی ہوتی ہے اور تم مرد ہو کر......“

”بس خاموش ہو جاؤ۔“ جاذب نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

”جا رہی ہوں میں اب تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔“

”ارے ارے‘ یہ کھانا۔“ وہ بوکھلا گیا۔

”اپنی اماں کے لیے پیک کروا لو۔“ وہ جل کر بولی اور اسے وہیں چھوڑ کر ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔ جانتی تھی جاذب فوراً اس کے پیچھے نہیں آسکتا۔ کھانا پیک کروانے اور بل کی ادائیگی میں کچھ وقت لگنا تھا اور اس نے اس کا انتظار نہیں کیا رکشہ کر کے گھر آ گئی۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ثریا کا بھی نہیں لیکن آگے کمرے میں ثریا کے ساتھ راحیلہ خاتون بھی موجود تھیں۔ جو خلاف عادت بہت آرام سے بات کر رہی تھیں۔ وہ ٹھٹک کر دروازے میں ہی رک گئی اور انہیں سننے لگی۔

”دیکھو ثریا‘ ہم پر تم اور تمہاری لڑکی بھاری نہیں ہے‘ میں جو کر رہی ہوں صبا کے بھلے کے لیے کر رہی ہوں یا تمہیں میری نیت پر شبہ ہے۔“

”نہیں بھابی‘ اللہ نہ کرے جو میں کبھی آپ کی نیت پر شبہ کروں۔“ یہ اس کی ماں تھی۔

”تو پھر سمجھاؤ صبا کو‘ اچھے رشتے آنے کی یہی عمر ہوتی ہے دو چار سال اور نکل گئے تو پھر کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔“

”جی بھابی‘ بس وہ صبا کو جاب کا شوق......“

”شوق پر پابندی نہیں ہے۔“ راحیلہ خاتون فوراً ثریا کی بات کاٹ کر کہنے لگیں۔ ”شادی کے بعد پورے کر لے گی سارے شوق۔ اس دن میں نے مہمانوں کے سامنے بات بنا دی تھی کہ لڑکی کو اچانک بخار ہو گیا اس لیے وہ سامنے نہیں آنا چاہتی تو یقین کرو انہوں نے بالکل برا نہیں مانا بہت اچھے لوگ ہیں۔“

”آپ نے بھیا سے بات کر لی؟“ ثریا نے جانے کیوں

پوچھا تھا۔

"تو تمہارے بھیا کو کیا اعتراض ہوگا' ان کی بھانجی خیر سے اپنے گھر کی ہوجائے گی تو انہیں خوشی ہوگی۔" راحیلہ خاتون نے کہا تو اب وہ خود کو نہیں روک سکی آگے بڑھ کر بولی تھی۔

"اس سے زیادہ خوشی ماموں جی کو نگار کی شادی کی ہوگی' تو مامی جی اچھا ہوگا جو آپ پہلے نگار کی شادی کا سوچیں۔ یوں بھی وہ بڑی ہے مجھ سے۔"

"ارے دو سال کے فرق سے کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔" راحیلہ خاتون کو اس کی آمد اور پھر مداخلت سخت گراں گزری تھی جبکہ ثریا نہ صرف بوکھلائی بلکہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ بھی کرنے لگی۔

"و چلیں آپ نہ سمجھیں پھر بھی پہلے نگار کی شادی ہوگی۔" وہ کہہ کر واش روم میں بند ہوگئی اور جب منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو راحیلہ خاتون کمرے سے جاچکی تھیں۔ اس نے شکر کیا پھر ثریا کے پاس بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

"امی' جاذب اتنا بزدل کیوں ہے جبکہ اب وہ اس قابل ہوگیا ہے کہ مامی جی سے اپنے بارے میں بات کرسکے۔"

"اصل میں بیٹا تمہاری مامی جی نے شروع سے اسے بہت رعب میں رکھا۔ ہر بات میں روک ٹوک کرتی تھیں۔"

"صرف جاذب پر کیوں' نگار بھی تو تھی۔"

"ہاں لیکن وہ ہر وقت جاذب کے سر پر سوار رہتی تھیں۔" ثریا سادگی سے بتارہی تھیں۔

"تاکہ ساری عمر اسے اپنے اشاروں پر چلاسکیں۔ یہی بات ہے ناں۔ بہت خود غرض ہیں مامی جی' انہیں صرف اپنا خیال رہا یہ نہیں سوچا ان کی بے جا سختی سے جاذب کی شخصیت پر کیا اثر پڑے گا۔" اس کے لہجے میں افسوس کے ساتھ تلخی بھی سمٹ آئی تھی۔

"خیر برے اثرات تو نہیں پڑے۔ ماشاء اللہ پڑھ لکھ گیا ہے۔" ثریا کے لہجے میں بھتیجے کی محبت تھی۔

"بس رہنے دیں امی' پڑھ لکھ کر بھی اس میں کونفیڈنس نہیں آیا۔ من من کرتا ہے مامی جی کے سامنے۔ میرا خیال ہے اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" آخری بات وہ روانی میں کہہ گئی اور ثریا اچھل پڑیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا' تم کیا کرو گی؟"

"یا اللہ' ایک تو آپ پریشان جلدی ہوجاتی ہیں۔ کچھ نہیں کررہی میں۔ بس تماشا دیکھتی رہوں گی۔" وہ چڑ گئی تھی۔

پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ اس نے خان جنید کا آفس بھی جوائن کرلیا تھا۔ صبح نو سے بارہ بجے تک وہ بنٹی کے ساتھ رہتی پھر ڈرائیور اسے آفس پہنچادیتا جہاں سے پانچ چھ بجے اس کی گھر واپسی ہوتی تھی۔ اس وقت وہ اٹھنے کا ارادہ کررہی تھی کہ خان جنید نے اسے روک لیا۔ باہر سے کوئی ڈیلی گیشن آیا تھا جن کے ساتھ میٹنگ میں خان جنید اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ یہ آفیشل میٹنگ تھی جس میں دیر بھی ہوسکتی تھی' اس لیے اس نے پہلے گھر فون کیا تو ادھر سے راحیلہ خاتون نے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو....."

"مامی جی' مجھے آنے میں دیر ہوجائے گی۔ آپ امی کو بتادیں ورنہ وہ پریشان ہوجائیں گی۔" اس نے راحیلہ خاتون کی آواز سنتے ہی کہا تو جواب دیئے بغیر انہوں نے کھٹاک سے فون بند کردیا تھا۔

اس نے افسوس سے اپنے سیل فون کو دیکھا پھر گہری سانس کھینچی تھی۔

......●❀●......

ثریا جلے پیر کی بلی کی طرح اپنے کمرے میں چکرا رہی تھیں۔ نو بج گئے تھے اور صبا ابھی تک نہیں آئی تھی۔ ثریا کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ صبا نے دیر سے آنے کا فون کیا تھا۔ جب ہی ان کی پریشانی فطری تھی اور وہ یہ بھی سمجھ رہی تھیں کہ شاید گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہے کہ صبا ابھی تک نہیں آئی' اس لیے وہ خود سے بتانے کی ہمت نہیں کرپارہی تھیں لیکن اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئیں تو وہاں راحیلہ خاتون کے ساتھ نگار اور جاذب بھی موجود تھا۔

"آیئے پھوپو بیٹھیں۔" جاذب انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تو راحیلہ خاتون فوراً بولیں۔

"ہاں بیٹھو ثریا کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔"

"جی بھابی وہ....." ثریا نے پریشانی سے جاذب کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

"کیا بات ہے پھپو؟"

"وہ بیٹا..... صبا ابھی تک نہیں آئی۔" ثریا نے بمشکل بتایا تو نگار چیخ نما آواز کے ساتھ بولی۔

”کیا.....صبا نہیں آئی ابھی تک۔“

”غضب خدا کا اتنی رات ہوگئی‘ اس وقت کون سا آفس کھلا رہتا ہے۔“ راحیلہ خاتون اسی انتظار میں تو بیٹھی تھیں۔

”میں معلوم کرتا ہوں۔“ جاذب نے فوراً جیب سے سیل فون نکال کر صبا کا نمبر پش کیا تھا لیکن پاور آف سن کر وہ مایوس ہوا تو ثریا نے فوراً پوچھا۔

”کیا ہوا بیٹا؟“

”ارے ہونا کیا ہے۔“ راحیلہ خاتون بول پڑیں۔ ”لڑکی تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کے لیے تم کسی کو الزام نہیں دے سکتیں۔ خود ذمہ دار ہو‘ توبہ توبہ جوان جہان لڑکی اور تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔“ آخر میں جاذب کو گھر کا تو وہ ثریا سے نظریں چرا کر جانے لگا تھا کہ سلیم احمد کو آتے دیکھ کر رک گیا۔

”کیا ہوا؟“ سلیم احمد یقیناً راحیلہ خاتون کی تیز آواز سن کر کمرے سے نکلے تھے۔

”وہ ابو صبا.....“ نگار بتانا چاہتی تھی کہ صبا آ گئی۔

”السلام علیکم!“ صبا نے ایک ساتھ سب کو سلام کیا تو سلیم احمد تعجب سے پوچھنے لگے۔

”تم اس وقت آفس سے آ رہی ہو؟“

”جی ماموں جی دیر ہوگئی۔ اصل میں آج باہر سے ایک ڈیلی گیشن آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ میٹنگ میں باس کے ساتھ مجھے بھی جانا پڑا۔ وہیں دیر ہوگئی۔“ صبا نے سہولت سے جواب دیتے ہوئے ثریا کا دھواں دھواں چہرہ دیکھا تھا۔

”ایسی بات ہوا کرے بیٹا تو پہلے سے بتا دیا کرو یا فون ہی کر دیتیں۔“ سلیم احمد نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”میں نے فون کیا تھا ماموں جی۔“ پھر راحیلہ خاتون کو دیکھ کر بظاہر سادہ انداز میں بولی تھی۔ ”کیوں مامی جی میں نے آپ کو فون کر کے بتایا تھا ناں کہ مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی۔“

”ہاں فون آیا تو تھا تمہارا لیکن دیر سویر کی بات تو تم نے نہیں کی تھی۔“ راحیلہ خاتون صاف مکر گئیں۔

”آپ بھول رہی ہیں مامی جی۔“ صبا نے بہت ضبط سے کہا تو راحیلہ خاتون بگڑ گئیں۔

”ارے اگر بھول گئی تھی تو اس وقت یاد آ جاتا جب ثریا کو پریشان دیکھ رہی تھی‘ کہتی اس سے کہ بی بی پریشان مت ہو‘ تم نے دیر سے آنے کو کہا ہے۔“

”ارے بیگم ناراض کیوں ہو رہی ہو‘ چلو صبا بھول گئی ہوگی۔“ سلیم احمد نے بات ختم کرنا چاہی۔

”ہاں شاید میں ہی بھول جاتی ہوں۔“ صبا دکھ سے کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تو ثریا اس کے پیچھے لپکی تھیں۔

”یہ کیا کر رہی ہو‘ کیوں مامی کا غصہ ادھر نکال رہی ہو۔“ ثریا نے صبا کو الماری سے کپڑے نکال کر پھینکتے دیکھ کر ٹوکا تو وہ غصے سے بولی۔

”تو کیا کروں؟ مامی کے سامنے بولنے کی اجازت نہیں دیتیں ورنہ میں......“

”کیا چاہتی ہو تم‘ یہ جو سر چھپانے کی جگہ ہے یہ بھی چھن جائے۔“ ثریا نے اسے دھکیل کر الماری بند کی تو وہ اور بھر گئی۔

”کیوں چھن جائے‘ یہ گھر مامی جی کا نہیں ہے اور نہ ہی ماموں جی نے بنوایا تھا۔ نانا ابا کا گھر ہے اور اس پر آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا۔“

”حق کی بات مت کرو‘ میرا کوئی حق نہیں۔“ ثریا نظریں چرا کر بولی تھیں۔

”یوں کہیں آپ کو اپنا حق منوانا نہیں آتا۔ دوسروں کی چاکری کرنے کا شوق ہے آپ کو۔“

”پھر وہی دوسرے...... یہاں کوئی دوسرا نہیں‘ سب میرے اپنے ہیں۔“ ثریا نے ٹوک کر کہا تو صبا افسوس سے بولی۔

”ہاں اپنے‘ وہ بھی آپ کو اپنا سمجھیں تب ناں۔“

”بیٹا کیوں بے کار باتوں میں الجھتی ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو۔“ ثریا نے عاجزی سے اسے پچکارا تو وہ زچ ہوگئی۔

”بس امی‘ نہ مجھے اموشنل بلیک میل کیا کریں‘ میں صرف آپ کی وجہ سے کمزور پڑ جاتی ہوں۔“ وہ ثریا کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

”مصلحت کا تقاضا یہی ہے بیٹا کہ ہم خاموش رہیں۔“ ثریا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آزردگی میں گھر گئی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

جس کی جھنکار میں دل کا آرام تھا وہ تیرا نام تھا
میرے ہونٹوں پر رقصاں جو نام تھا وہ تیرا نام تھا
مجھ پر قدرت ہمیشہ رہی مہرباں دے دیا سارا جہاں
جو سب سے بڑا انعام تھا وہ تیرا نام تھا

"بڑی عید کے تیسرے دن ہم نے تمہارا نکاح گوری کے ساتھ طے کردیا ہے۔" فاخرہ بیگم کی آواز کی بازگشت نے اس کا دماغ ماؤف کردیا تھا' کمرے میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے وہ کھڑکی میں آ کھڑا ہوا' کمرے کے دوسری جانب کھڑکی گھر کے پچھلی طرف کھلتی تھی جہاں قربانی کے لیے لائے گئے جانور باندھے جاتے تھے۔

"اُف توبہ۔" گوری ہاتھ میں پائپ اور وائپر تھامے صفائی کررہی تھی۔ "کیسی عجیب لڑکی ہے؟ غلیظ...... میں اس سے شادی کروں؟" لمبی گھیر دار فراک' ڈھیلے پائنچوں کی شلوار اور وہی بڑی سی چادر میں منہ سمیت خود کو لپیٹے ہوئے عجیب حلیہ بنا رکھا تھا۔ کالی چپل میں نرم وملائم سرخ وسفید پیر تھے جو واضح نظر آرہے تھے۔

"کیسی عجیب سی لڑکی ہے' نری جاہل' گنوار......" جائش کھڑکی سے ہٹا اور بیڈ پرآ بیٹھا اسی وقت صندل کی کال آگئی۔

"کیا ہورہا ہے؟" صندل نے سلام کرکے سوال کیا۔

"ابھی ابھی بھنگن کا دیدار کرکے بیٹھا ہوں' جو نہ جانے کہاں سے بلائے ناگہانی کی مانند میری زندگی میں عذاب کی صورت آگئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا سب لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ میری زندگی جان بوجھ کر کیوں عذاب بنائی جارہی ہے۔ میرا بس چلے تو اس مختصر سے فتنے کو گولی ماردوں۔" جائش نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"جائش سب اللہ پر چھوڑ دو اسے شاید یہی منظور ہے۔ ہمارے نصیب میں یہی لکھا تھا جو ہورہا ہے ہونے دو۔" صندل کے جواب پر وہ بُری طرح بھڑکا۔

"واہ جی...... واہ' بہت آسانی سے کہہ دیا جو ہورہا ہے ہونے دو گویا میرے جذبات واحساسات کی کسی کو قدر نہیں دادو کو نہ پاپا کو' مما کو اور نہ تم کو......" اس نے غصے سے کال بند کی اور منہ لپیٹ کر لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

ناصر صاحب چھوٹا سا بزنس کرتے تھے' والدہ' بیوی فاخرہ بیگم اور بیٹے جائش کے ساتھ رہتے تھے۔ کوئی بہن بھائی نہیں تھا ایک سالے برکت احمد تھے جن سے اچھی دوستی تھی۔ فاخرہ بیگم اور ان کی بھاوج بشریٰ میں بھی نند بھاوج والی چپقلش نہ ہوئی تھی' ان کی ایک بیٹی صندل تھی جو سائیکلوجی پڑھ رہی تھی جب کہ جائش ایک فرم میں اچھی جاب پر تھا۔ صندل بہت خوب صورت تھی نازک سادلکش سراپا' سرخ وسفید رنگت' لمبے

سیاہ سلکی بال، گہری براؤن آنکھیں اور بات کرنے کا بے ساختہ اور معصومانہ انداز جسے بچپن سے ہی جائش پسند کرتا تھا۔ صندل کو بھی دراز قد، اسمارٹ سا سانولا پرکشش جائش اچھا لگتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے تھے اور اس بات کا علم فاخرہ اور بشریٰ بیگم کو بھی تھا۔

فاخرہ بیگم کی ساس نفیسہ بیگم پُروقار، دبنگ شخصیت کی مالک خاتون تھیں، جن کے کیے گئے فیصلوں کو آج بھی گھر میں اہمیت دی جاتی تھی۔ نفیسہ بیگم جائش پر جان چھڑکتی تھیں اور جائش کو بھی اپنی دادو بہت عزیز تھیں۔ برکت احمد اور بشریٰ بیگم کو اس سال حج کی ادائیگی کی غرض سے جانا تھا اور اس دوران صندل کو اپنی پھوپو کے گھر چھوڑنے کا ارادہ تھا اور جائش بے حد خوش تھا کہ صندل اتنے عرصے کے لیے رہنے آنے والی تھی اور عید پر بھی ساتھ ہوگی لیکن جب فاخرہ بیگم نے اسے یہ بتایا کہ صندل یہاں آنے کی بجائے اپنے ماموں کے گھر رہے گی تو جائش کا دماغ خراب ہوگیا۔

''یہ کیا سن رہا ہوں میں؟'' وہ دندناتا ہوا ڈائریکٹ صندل کے کمرے میں پہنچا اور جاتے ہی غصے سے سوال کر ڈالا۔ صندل ابھی نہا کر نکلی تھی اس کے اچانک آجانے پر حیرانی سے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوگیا ہے؟'' دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔

''مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے کیا؟'' سوال پر سوال۔

''ارے بھئی کیا ہوگیا ہے، میں نے کچھ کہا کیا؟ ایسا برتاؤ کیوں کر رہے ہو؟'' حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

''تم...... تم...... اپنے ماموں کے گھر رہنے جارہی ہو بجائے ہمارے گھر کے؟'' غصے سے پوچھا۔

''اوہ......'' صندل بات کی تہہ تک پہنچی۔ ''یار مامی کی طبیعت کچھ خراب ہے اور پھر ثمرہ باجی کسی وقت بھی ہسپتال جاسکتی ہیں تو ذرا سی ان کو سپورٹ ہوجائے گی۔ مامی کی طبیعت ٹھیک ہوگی تو آجاؤں گی۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''ہاں تم کو سوائے میرے سارے زمانے کی فکر ہے، مامی کو بی پی ہے، ثمرہ باجی ماں بننے والی ہیں، لڈن کی اماں کا چالیسواں ہے، کلو کے ابا کا نکاح ہے......'' جائش نے لڑاکا عورتوں کے انداز میں ہاتھ لہرا لہرا کر کہا تو صندل بے ساختہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

''گلا دبادوں گا تمہارا، ہنسی بھی آرہی ہے تمہیں، شرم نہیں آتی؟ ہم نے کیسے کیسے پلان بنائے تھے، کتنے مزے کرنے تھے ہم سب نے مل کر، تم نے سارے ارمانوں کو خاک میں ملادیا۔''

''جائش! دراصل ماموں اور مامی نے ہمیشہ ہمارا بہت خیال رکھا ہے اب اس وقت ان کو میری ضرورت ہے۔ مامی کا بخار اتر جائے، بی پی کنٹرول ہوجائے بس......اور عید پر تو یہیں رہوں گی نا میں۔'' صندل نے پیار سے دھیمے لہجے میں تسلی دی۔

''جی نہیں اس مہربانی کی بھی ضرورت نہیں، آپ نبھائیں اپنی رشتہ داریاں، ہم تو کچھ نہیں لگتے ناں۔'' وہ بچوں کے سے انداز میں منہ پھلا کر بولا۔ صندل نے کافی دیر تک ملائمت اور پیار سے اسے سمجھایا تو جائش بجھا بجھا سا لوٹ گیا۔

''کیا ہوا......منہ کیوں اترا ہوا ہے میرے بچے کا؟'' دادو نے اسے مضمحل دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں دادو!'' وہ دادو کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ دادو نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''اوہو کیا سر پر بالوں کا گھونسلا بنا رکھا ہے۔ کیسا روکھا سخت اُف...... لگتا ہے سر پر کانٹے اُگا لیے تم نے۔'' دادو نے اس کے جیل لگے سخت بالوں میں ہاتھ پھیرنے کی ناکام کوشش کی۔ ''سارا دن کام میں دماغ کھپاتا ہے، سر پر ببول اگائے پھرتا ہے۔ ارے پاگل! تیل کی مالش کیا کر، دماغ کا کام کرتا ہے، تر رکھا کر سر کو۔ دماغ کھپا کھپا کر تھک جاتا ہے، دیکھو تو آنکھوں میں، چہرے پر کتنی تھکن ہے۔''

''اماں! یہ کام کی تھکن نہیں ہے۔'' فاخرہ بیگم نے ساس کے پاس سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے مسکرا کر ذومعنی بات کی اور کپ لے کر کمرے سے نکل گئیں۔

''ما! یا آپ کو پتا ہے ناں میں کتنا خوش تھا صندل کی آمد کا سن کر، آپ نے کچھ نہیں کہا؟'' وہ کچن میں فاخرہ بیگم کے پاس موجود تھا۔

''تم پاگل ہوگئے ہو کیا؟ کل کو ہمیں صندل کا رشتہ مانگنا ہے تمہاری دادو کبھی یہ پسند نہیں کریں گی کہ اس گھر کی ہونے والی بہو یہاں آکر رہے۔''

''عجیب منطق ہے آپ لوگوں کی۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے

سے نکل گیا۔

برکت احمد اور بشریٰ بیگم بقرعید سے تقریباً ایک ماہ پہلے حج کے لیے روانہ ہوگئے' جانے سے پہلے وہ لوگ ملنے آئے تھے جائش کا موڈ بدستور خراب ہی تھا۔

''یار کم از کم جاتے وقت تو ہنس کر بات کرلو۔'' صندل نے جانے سے پہلے اس کے کمرے میں آ کر کہا۔

''صندل! ایمان سے بہت غصہ آ رہا ہے مجھے۔'' وہ لاڈ سے بولا۔

''ہم رابطے میں رہیں گے ناں پہلے کی طرح سے اور عید پر تو میں آنے والی ہوں ناں۔'' صندل نے کہا۔

''وعدہ کرو عید سے دو دن پہلے ہی آ جاؤ گی۔'' جائش نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

''وعدہ...... پکا وعدہ۔'' صندل نے اپنا نرم صندلی ہاتھ جائش کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''اسمائیل پلیز......'' جائش مسکرا دیا۔

''اوہ گڈ بوائے۔'' اس کو مسکراتا دیکھ کر صندل بھی ہنس دی۔ جائش نے نظر بھر کر اسے دیکھا' کتنا مکمل حسن تھا وہ دل میں اترتی جا رہی تھی۔

''اوئے نظر مت لگانا۔'' صندل نے اس کو محویت سے دیکھتا پا کر آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو چونکا۔

''اپنا بہت خیال رکھنا۔'' جائش نے اس کے ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''او کے۔'' وہ مسکرائی۔ برکت احمد' بشریٰ بیگم جانے کے لیے تیار تھے وہ دونوں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ آئے۔

☆......☆......☆

برکت احمد اور بشریٰ بیگم حج پر اور صندل اپنے ماموں کے گھر روانہ ہوگئے' صندل اور جائش کا موبائل پر مستقل رابطہ رہتا اس لیے جائش بھی کسی حد تک مطمئن ہوگیا۔ اس روز موسم بہت حسین تھا آفس میں کام بھی زیادہ نہیں تھا جائش نے سارا دن صندل کے ساتھ باتوں میں گزارا اگر انسان کے اندر کا موسم اچھا ہو تو باہر کا تلخ اور تپتا ہوا موسم بھی بھلا لگتا ہے۔ اندر کے موسم کا اثر باہر کے موسم کو تبدیل کر دیتا ہے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ ننھی ننھی بوندیں برس رہی تھیں۔ وہ بہت خوش گوار موڈ میں گنگناتا ہوا گیٹ سے اندر داخل ہوا تو تب ہی کوئی کالی پیلی گٹھڑی نما چیز آ کر بری طرح ٹکرائی۔

''لاحول ولاقوۃ!'' اس نے اچانک افتاد پر بے ساختہ کہا۔

''اوہ خیر......'' جواباً وہ بھی بولی جائش نے غور سے دیکھا عجیب سی آواز تھی اس کی۔ بلیک گھیر کی لمبی فراک جس پر پیلے کلر کے بڑے بڑے پھول بنے تھے اس پر نیچے شلوار کے صرف پائنچے نظر آ رہے تھے' بڑے بڑے پائنچوں کی شلوار اور اس پر بڑی سی کالی چادر میں اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں اس پر بھی بے تکے سے بڑے سے چوکور فریم والی گہرے شیشوں والی عینک لگائے وہ عجیب مشکوک سی دکھائی دے رہی تھی جس تیزی سے وہ ٹکرائی اس تیزی سے واپس پلٹی۔

''اوئے رک......'' وہ چیخا۔ ''کون ہو تم...... اندر کیسے آئیں...... کیا چوری کر کے بھاگ رہی ہو؟'' جائش نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑی' نرم نازک ملائم سفید کلائی جائش کے مضبوط ہاتھوں میں جکڑی تھی۔

''اوئے اوئے...... ام چور مور نہیں ہیں...... ام مہمان ہے مہمان۔'' بھاری آواز میں اس نے جواب دیا۔

یادگار لمحے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تجھ پر افسوس تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں نے قیامت کے لیے صرف یہی تیاری کی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو اس شخص کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ کہ ہم اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اتنا خوش نہیں ہوئے جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات سے خوش ہوئے۔ ''بے شک تو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری ''محبت'' ہے۔''

(رواہ مسلم کتاب البر والصلۃ: 6713)

(نبیلہ خان مون...... عبدالحکیم مجاہد آباد)

"مہمان...... ہنہہ جھوٹ مت بولو تم' پاگل ہو گیا؟"
جائش نے حقارت سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

"اوئے ام کو پاگل ماگل مت بولو...... ام گوری ہے گوری۔" اس بار قدرے برہمی سے کہا۔

"تم گوری ہو یا کالی...... مگر تم اندر آئیں کیوں؟" اسی لمحے نفیسہ بیگم کسی کام سے باہر آئیں۔ "دادو یہ دیکھیں پتا نہیں کون چورنی ہے اندر گھس آئی ہے اس کی تلاشی لیں اس نے چادر میں کچھ چھپایا تو نہیں ہے۔" جائش اسے گھسیٹتا ہوا نفیسہ بیگم کے قریب آ گیا۔ کلائی بدستور جائش کے مضبوط ہاتھوں میں تھی۔

"دادی...... دادی...... ام کو اس آدمی سے چھڑاؤ۔" وہ نفیسہ بیگم کو دیکھ کر فریادی لہجے میں بولی۔

"آ...... آدمی......" جائش نے پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ارے بیٹا! سلام نہ دعا' آتے ہی شروع ہو گئے۔ چھوڑو اس کا ہاتھ یہ چور نہیں' تمہارے دادا کے دوست کی پوتی ہے آج ہی پشاور سے آئی ہے۔ ہمارے گھر مہمان رہے گی کچھ عرصہ۔" نفیسہ بیگم نے کہا تو اس نے جلدی سے گوری کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"یہ کون سی نئی چیز آ گئی۔" آنکھیں پھاڑ کر عجیب وغریب حلیے والی لڑکی کو دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہ آیا۔ چہرہ تو مکمل چھپا ہوا تھا۔

"جاؤ فاخرہ نے سموسے بنائے ہیں تمہارے لیے' انتظار کر رہی ہے۔" دادو نے کہا تو وہ گوری کو گھورتے ہوئے اندر کی سمت چلا گیا۔

موسم کی مناسبت سے فاخرہ بیگم نے اس کی پسند کے سموسے بنائے تھے وہ بھی بہت اچھے موڈ میں گھر آیا تھا مگر آتے ہی اس جاہل لڑکی نے موڈ خراب کر دیا تھا۔

"مما! یہ جو چیز باہر ادھر اُدھر ٹکراتی پھر رہی ہے یہ اچانک کہاں سے آ ٹپکی؟ آج سے پہلے نہ کبھی اس کا نام سنا نہ تذکرہ؟" وہ سیدھا کچن میں چلا آیا۔

"گوری......؟" فاخرہ بیگم نے چائے دم پر رکھتے ہوئے پلٹ کر پوچھا۔

"جی۔"

"ارے بیٹا! تمہارے دادا جی کے گاؤں کی بچی ہے' ایک وقت تھا کہ اس کے دادا نے جو تمہارے دادا کے دوست تھے۔ تمہارے دادا کی بہت مدد کی تھی' اب اس بچی کا دنیا میں کوئی نہیں ہے پچھلے دنوں تمہارے پاپا پشاور گئے تھے نا تب اس کے دادا کا انتقال نہیں ہوا تھا والدین کا ہو چکا تھا مگر اب سنا ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کا کوئی نہیں۔ اس لیے تمہارے پاپا نے اسے یہاں بلوالیا' اب وہ یہیں رہے گی' جب تک کہ کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر اس کی شادی نہ ہو جائے۔" چائے نکالتے نکالتے فاخرہ بیگم نے تفصیل بتائی۔

"اوہ مائی گاڈ! یعنی اس عجیب وغریب تماشے کو نہ جانے کب تک برداشت کرنا پڑے۔ کون کرے گا شادی اس نمونے سے۔"

"ہش...... ایسا نہیں کہتے بیٹا!" فاخرہ بیگم نے کہا تو وہ منہ بناتا کچن سے نکل گیا۔

فریش ہو کر جیسے ہی واش روم سے نکلا تو صندل کی کال آ گئی۔

"ہیلو......" موڈ خوش گوار ہو گیا۔

"مجھے پتا ہے تم پھوپو کے ہاتھ کے سموسے کھا رہے ہو گے ناں اس موسم میں۔" صندل کی بات پر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

"اتنا اچھا موسم ہو رہا ہے تمہیں کیا ہوا؟"

"ارے یار! موسم کی خوب صورتی بھاڑ میں گئی' اتنے اچھے موڈ سے گھر آیا تھا کہ آتے ہی عجیب وغریب سچویشن کا سامنا کرنا پڑا۔" گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے وہ وہیں بیڈ پر ٹک گیا اور تفصیل بتائی۔

"اوہ لڑکی! کیسی ہے' کیا عمر ہو گی' رنگ کیسا ہے' ہائٹ کیا ہے؟" لاتعداد سوال کر ڈالے۔

"ارے یار پاگل ہو گئی ہو کیا' لعنت بھیجو اس پر یہ بتاؤ کب آ رہی ہو؟" صبح سے کئی بار کیا جانے والا سوال ایک بار پھر کر ڈالا۔

"ارے جائش! کیا ہو گیا ہے تمہیں' کتنی بار بولوں عید سے پہلے آ جاؤں گی۔" صندل نے جواب دیا۔

"اُف...... یہ دن کیوں نہیں ختم ہو رہے یار!" جائش کی بے چینی پر صندل ہنس دی۔ باہر سے پاپا کی آواز آ رہی تھی' جائش نے کال بند کی اور بالوں میں برش کر کے کمرے سے

باہر آ گیا۔

شکر ہے کہ وہ رات کے کھانے پر موجود نہیں تھی' بقول فاخرہ بیگم کے وہ پردے کی بہت پابند ہے اور اسی لیے کھانا ساتھ نہیں کھا سکتی کہ اسے منہ سے چادر ہٹانی پڑتی۔

''شکر ہے خدا کا اسے سامنے دیکھ کر کھانا' کھانا بھی مشکل ہو جاتا۔'' جائش نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کھانا کھانے کے بعد جائش کافی دیر تک کمرے میں لیپ ٹاپ پر مصروف رہا اور جب سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو ٹی وی لاؤنج سے شور کی آواز آنے لگی۔ اس کا کمرہ ٹی وی لاؤنج سے قریب تھا اور وہ کھڑکیاں بھی کھول کر سوتا تھا اس لیے آواز سب سے زیادہ اس کے کمرے میں آتی تھی وہ کمرے سے نکلا تو سامنے صوفے پر گوری بیٹھی تھی۔ ٹی وی پر کوئی پشتو چینل لگا تھا اور کوئی پشتو نغمہ چل رہا تھا' دونوں ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے گوری پوری طرح گانے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جائش کا دماغ گھوم گیا بھلا یہ کوئی وقت تھا اس ہنگامے کا۔

''او ہیلو!'' آواز پر وہ پلٹی' چہرہ بدستور چادر میں چھپا ہوا تھا۔ آنکھوں پر گلاسز بھی لگے ہوئے تھے۔ جائش کو قطعی نظر انداز کر کے وہ دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہوئی۔

''اے لڑکی!'' جائش نے آگے بڑھ کر ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے کر ٹی وی کی آواز بند کر دی۔

''تم کو کتنی بار بولا اے کہ ام کو لڑکی مڑکی نہ بولا کرو امارا نام گوری ہے گوری جاناں!'' اس نے جاناں پر زور دیا۔ ''اگر گوری نئی تو جاناں ای بول دو۔ ام مہمان ہے مہمان تم کو ذرا سا بھی امارا خیال نہیں۔ دیکھو چاچا' چاچی اور دادی لوگ کتنا اچھا ہے' کتنا پیار کرتا ہے امے اور تم...... تم تو ایک دم کڑوس او۔''

''چپ......'' جائش اس کی بات پر بُری طرح تپ گیا۔ ''مہمان ایک دو دن کے ہوتے ہیں تمہاری طرح نہیں ہوتے۔''

''ارے بابا ام بھی چلا جائے گا بس کوئی اچھا سا تمہارے جیسا لڑکا مل جائے ام سے شادی بنا لے تو ام بھی چلا جائے گا۔''

''افوہ...... توبہ ہے کیسی بے ہودہ لڑکی ہے۔'' جائش نے اسے بُری طرح گھور کر دیکھا اور دل ہی دل میں کہتا ہوا ریموٹ اس پر پھینک کر اپنے کمرے میں آ گیا اور دھاڑ سے کھڑکی بند کر دی' اسی لمحے صندل کا میسج آ گیا۔

سنو......!

سنو...... تم نے کبھی ساحل پر بکھری ریت دیکھی ہے؟
سمندر ساتھ بہتا ہے مگر اس کے مقدر میں
ہمیشہ پیاس رہتی ہے......
سنو! تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں؟
سبھی کو چھاؤں دیتے ہیں مگر ان کو
صلے میں دھوپ ملتی ہے
سنو! تم نے کبھی شاخوں سے بکھرتے پھول دیکھے ہیں؟
وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں بکھر جانے تلک لیکن
ہوا کا ساتھ دیتے ہیں
سنو! تم نے کبھی میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں؟
عجب ہے المیہ ان کا' بہت ہی شور کرتے ہیں
مگر اندر سے خالی ہیں......
یہ ہی میرا افسانہ ہے
بس اتنی سی پہیلی ہے......
یہ ہی میری کہانی ہے

جازبہ عباسی...... دیول' مری

''کہاں تھیں تم' دو گھنٹے سے کسی میسج کا ریپلائی نہیں کیا۔'' سارا غصہ صندل پر نکالا۔

''یار سوری! دراصل ثمرہ باجی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی' ہم لوگ ہسپتال میں تھے ان کے ہاں بیٹی ہوئی ہے بہت کیوٹ ہے ماشاء اللہ۔''

''اوکے لیکن بتا کر جانا تھا ناں۔''

''ہاں' جلدی میں میسج کر کے دیکھا نہیں وہ میسج تمہیں سینڈ نہیں ہوا تھا' میں نے ابھی دیکھا۔'' صندل کے جواب پر وہ چپ ہو گیا۔ ''تم سوئے نہیں۔'' صندل نے پوچھا۔

''کہاں یار...... عجیب خبطی اور پاگل لڑکی آ گئی ہے گھر میں' اس وقت جب سب سو رہے ہیں محترمہ چادر میں منہ چھپائے پشتو میوزک سے لطف اندوز ہو رہی ہیں' بات کرنے کا سلیقہ نہیں' میوزک میں سمجھ رکھتی ہیں۔'' جائش طنز سے بولا۔

''چلو چھوڑو اپنا موڈ ٹھیک کر کے سو جاؤ' صبح بات ہو گی گڈ نائٹ!''

''تمہارا میسج دیکھ کر موڈ ٹھیک ہو گیا' گڈ نائٹ!'' جواباً کہا

اور چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔

❁......❁......❁......❁
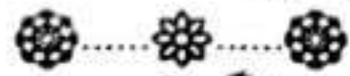
برکت احمد اور بشریٰ بیگم حج سے واپسی پر سیدھے فاخرہ بیگم کے یہاں آنے والے تھے کیونکہ صندل نے بھی عید پر یہیں آنا تھا۔ فاخرہ بیگم کا ارادہ تھا کہ عید کے بعد جب برکت احمد اور بشریٰ بیگم آئیں تو جائش اور صندل کی باقاعدہ بات پکی کردی جائے۔ فاخرہ بیگم دو چار دن بھائی بھاوج کی مہمان نوازی کریں گی پھر وہ لوگ اپنے گھر چلے جائیں گے۔

عیدالاضحیٰ کے آنے میں چھ دن باقی تھے اس روز جائش نے فاخرہ بیگم سے اجازت لی کہ وہ صندل کے لے کر عید کی شاپنگ پر جائے گا پھر صندل کو اس کے ماموں کے گھر اور چھوڑ کر جائش اپنے گھر آجائے گا۔ فاخرہ بیگم نے اجازت دے دی، کافی دن بعد جائش نے صندل کو دیکھا تھا اسے یوں صندل کے ساتھ شاپنگ کرنا اچھا لگ رہا تھا اپنی پسند سے اس نے صندل کو بوتل گرین، سی گرین کومبینیشن کی لانگ امبرائیڈی والی فراک اور پاجامہ دلایا، ساتھ ہی میچنگ سینڈل، جیولری بھی لی۔ جائش نے صندل کی پسند سے اپنے لیے ڈارک گرے کڑھائی والا کرتا اور سفید شلوار خریدے دونوں نے خوب انجوائے کیا۔

تین دن بعد صندل نے عید کرنے آنا تھا، جائش بہت خوش تھا اور بہت اچھے موڈ میں گھر آیا تھا۔ شکر خدا کا کہ گوری سے سامنا نہیں ہوا تھا، پاپا بھی گھر پر نہیں تھے۔ دادو شاید لیٹ گئی تھیں مما کچن میں تھیں وہ فاخرہ بیگم کے پاس آگیا۔

''مما! بہت مزا آیا۔ ہم نے بہت شاپنگ کی اس کی پسند سے میں نے سوٹ بھی لیا۔'' بچوں کی طرح خوشی خوشی بتا رہا تھا۔

''میں تمہارا انتظار کررہی تھی، تم کمرے میں چلو میں آتی ہوں، کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' اس کے والہانہ پن کے جواب میں فاخرہ بیگم نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''اوکے مما۔'' جائش کی سمجھ میں فاخرہ بیگم کا رویہ نہیں آرہا تھا، وہ اتنی سنجیدہ کیوں ہیں، صبح تو بہت خوش تھیں اور خوشی خوشی شاپنگ کی اجازت بھی دی تھی۔ وہ کمرے میں آ کر چینج کرکے بیٹھا تھا کہ فاخرہ بیگم آگئیں آکر بیڈ پر اس کے قریب ٹک گئیں۔

''مما! خیریت تو ہے ناں آپ اتنی پریشان کیوں ہیں، سب ٹھیک تو ہے ناں۔ ماما مامی خیریت سے تو ہیں ناں؟''

''ہاں ہاں سب خیریت ہے۔ جائش بیٹا! تمہاری دادو اور تمہارے پاپا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عید کے تیسرے دن تمہارا اور گوری کا نکاح کردیا جائے۔'' فاخرہ بیگم نے لفظوں کا دھماکہ عین اس کے سر پر کیا۔

''کیا...... کیا......'' وہ بیڈ سے ایسے اچھلا جیسے سانپ نے ڈنک ماردیا ہو۔ ''مما کیا ہوگیا ہے آپ کو؟ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟'' وہ جو صندل اور اپنے رشتے کے پکے ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا اس افتاد پر حواس باختہ ہوگیا۔

''ہاں بیٹا! جو میں نے کہا ہی سچ ہے۔''

''نہیں مما! ہرگز نہیں، یہ کسی صورت نہیں ہوسکتا۔ کیا ہوگیا ہے پاپا اور دادو نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ میرے اور صندل کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے آپ لوگ ایسا بے تکا فیصلہ کیسے کرسکتے ہیں۔ کہاں گوری جاہل، گنوار اور ان منیرڈ لڑکی جسے نہ بات کرنے کی تمیز ہے نہ پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ۔ اس بے جوڑ فیصلے کا کیا مقصد ہے پھر......؟''

''بیٹا! تم جانتے ہو کہ گوری کا اس دنیا میں کوئی نہیں۔''

''تو...... اس کا کیا مطلب ہے، میں قربانی کا بکرا ہوں کہ میرے سر لاوارث اور جاہل لڑکی کا بوجھ ڈال دیا جائے۔'' جائش کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔ ''آپ خود سوچیں مما! کیا وہ آپ کی بہو، میری بیوی بننے کے قابل ہے۔ وہ ان پڑھ جاہل اور میں......؟''

''بیٹا! تم نے اسے دیکھا نہیں ہے، گوری بہت پیاری، میٹرک تک پڑھا ہے اس نے سارے کاموں میں ماہر ہے۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے اور باحیا بھی ہے۔''

''سب کچھ اپنی جگہ مما! ایسا ہے تو ہم اس کے لیے اچھا لڑکا ڈھونڈ سکتے ہیں، ضروری ہے کہ اسے میری بیوی بنایا جائے؟''

''بیٹا! دراصل تم کو پتا نہیں، جب تمہارے دادا جی گاؤں میں رہتے تھے تو ان کے تعلقات اپنے بھائیوں سے خراب ہوگئے، سوتیلے بھائیوں نے انہیں جائیداد سے بے دخل کردیا اور یہی نہیں بلکہ ان کی جان کے دشمن ہوگئے ایسے میں گوری کے دادا نے ان کی ہر ممکن مدد کی، اپنے پاس رکھا، روپیہ پیسہ پناہ اور سب کچھ فراہم کیا۔ تمہارے دادا کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہ تھی، گوری کے دادا نے انہیں کاروبار کروایا یہ سوچ لو کہ اللہ کے

بعد اگر وہ نہ ہوتے تو آج میں ہوتی نہ تم' تمہارے دادا کے سوتیلے بھائی ان کو قتل کرچکے ہوتے۔ اب تمہاری دادو اور پاپا کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ اس وقت کیے گئے احسان کا بدلہ ہم یوں اتار سکتے ہیں جب تمہارے دادا کا کوئی نہیں تھا' آج گوری کا کوئی نہیں ہے۔" فاخرہ بیگم کی آواز رندھ گئی۔

"مما! آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں اور صندل ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور جب کہ ہمارا رشتہ پکا ہونے جارہا تھا تو آپ لوگوں نے نیا شوشہ چھوڑ دیا۔ سوری مما! میں یہ شادی نہیں کرسکتا۔" جائش نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جائش تم جانتے ہو اپنے پاپا کو کہ وہ ہر بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیتے ہیں ان کا فیصلہ اور دادو کا فیصلہ ہمیشہ حتمی ہوتا ہے' تمہیں اس پر عمل تو کرنا ہوگا اور رہی صندل کی بات تو وہ بہت پیاری' پڑھی لکھی اور دولت مند بھی ہے اس کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں۔"

"مما! حد کرتی ہیں آپ بھی کتنی آسانی سے کہہ رہی ہیں' ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب دیکھا ہے ایک دوسرے کو جانتے ہیں' سمجھتے ہیں' پیار کرتے ہیں۔" جائش کا لہجہ نم ہوگیا تھا۔

"آئی ایم سوری بیٹا! ساری باتیں اپنی جگہ لیکن تمہارے پاپا کا فیصلہ اپنی جگہ اور ان کے فیصلے کو ماننا ہی ہوگا یہ میری بھی مجبوری سمجھو۔" آخری جملے پر فاخرہ بیگم کی آواز بھی بھرا گئی اور وہ اٹھ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

"افوہ......" جائش نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا' عجیب وغریب سچوئشن تھی۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تاکہ جاکر دادو سے صاف صاف کہہ دے کہ وہ یہ شادی ہرگز نہیں کرسکتا۔ وہ جیسے ہی کمرے کے پاس پہنچا اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

"جی اماں جی! وہ مان گیا ہے۔" یہ فاخرہ بیگم کی آواز تھی۔

"ہاں مجھے قوی امید تھی کہ وہ مان جائے گا آخر اس کی رگوں میں ہمارا خون گردش کررہا ہے۔ ہم نے ہمیشہ سے اپنے بڑوں کی باتوں کا بھرم رکھا ہے' ان کا سر کسی مقام پر جھکنے نہیں دیا اور پھر گوری صرف گاؤں کے ماحول کی وجہ سے ایسی ہے اسے تھوڑا بہت سمجھانے کی ضرورت ہے۔ خوب صورت ہے' نیک ہے' باحیاء باپردہ ہے۔ تھوڑی سی ٹریننگ دینے پر وہ یہاں کے ماحول میں ڈھل سکتی ہے۔"

تاثیر لفظوں کی

☆ ہم جذبہ محبت کی تخلیق پر قادر نہیں ہیں۔ اسے مدت تو کیا صدیوں میں بھی تخلیق نہیں کیا جاسکتا۔

☆ مصروفیت اپنے اصل سے فرار ہے۔ دنیا نفس ہے اور نفس کے شور میں کھو کر روح کی پکار پر کیوں کر دھیان دیا جاسکتا ہے۔

☆ زخم ہمیشہ اسی سے ٹھیک ہوتے ہیں جو انہیں عنایت کرتا ہے لیکن کبھی کبھی تو یہ اس کے بس کی بھی بات نہیں رہتی۔

☆ یاد کرنے کے لئے تصویر کا ہونا ضروری تو نہیں۔ کچھ صورتیں دل پر بھی نقش ہوجایا کرتی ہیں۔

(صبا سلیم......ٹنڈو جان محمد)

"افوہ......دادو یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ الٹے پاؤں واپس لوٹ آیا۔ کمرے میں آتے ہی صندل کو کال ملائی۔

"بہت مبارک ہو جی۔" صندل کی بات پر وہ گڑبڑا گیا۔

"کیا ہوگیا کس بات کی مبارک باد۔"

"واہ جی مدعی سست' گواہ چست۔" اس بار صندل کے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا۔ "تم کو خبر بھی نہیں کہ مبارک باد کس بات کی دی جارہی ہے؟"

"بکواس بند کرو اپنی تم' بجائے مجھ سے ڈھنگ سے بات کرو پرابلم کا حل نکالو الٹا تم بھی بکواس کرنے لگی ہو۔ تمہیں لگتا ہے کہ مجھے مبارک باد وصول کرنی چاہیے' میں بہت خوش ہوں؟" جواباً وہ غصے سے جھنجلا کر بولا۔

"آہستہ بولو اگر یہی ڈرامہ رچانا تھا تو پھر مجھے کیوں آس میں رکھا؟" اس بار صندل کے لہجے میں دکھ تھا۔

"صندل تم پاگل ہوگئی ہو؟ میں کوئی لڑکی ہوں کہ جہاں دل چاہے میرا رشتہ طے کردیا جائے۔ میں پاپا سے بات کروں گا یار!"

"نہیں جائش! تم گھر والوں سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا' پھوپا اور دادو کی بات مان لینا۔ اب اگر تم احتجاج کرو بھی تو شاید میں نہ مانوں اور پلیز آئندہ مجھ سے بات مت کرنا۔"

"صندل! پلیز یار بات تو سنو کم از کم تم تو میرے ساتھ ایسا برتاؤ مت کرو۔" وہ رو دینے کو تھا۔

''پھر...... پھر کیا کروں میں؟ اب جبکہ سارے فیصلے ہوچکے ہیں بات مجھ تک آ گئی ہے۔'' صندل نے روتے ہوئے بات مکمل کی اور کال کاٹ دی۔

''صندل...... صندل...... میری بات......'' وہ پکارتا رہ گیا مگر دوسری جانب فون آف ہوچکا تھا۔

''اُف میرے خدا یہ سب اچانک کیا ہوگیا۔''

عید میں تین دن باقی تھے کل صندل نے آنا تھا اور آج...... آج یہ سب کچھ اچانک سے رونما ہوگیا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے وہ شدید اضطرابی کیفیت میں تھا' اس کا دل کررہا تھا کہ جا کر گوری کا گلا دبا دے۔ جس نے آ کر بڑا فساد ڈال دیا۔ سب کچھ الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ کتنے لوگوں کو ڈسٹرب کر کے رکھ دیا تھا۔

جائش نے ایک حتمی فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ فی الحال گوری سے نکاح ضرور کرے گا مگر...... دوسری شادی ضرور کرے گا' چاہے اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑے۔ اگر میں اپنے بڑوں کے فیصلے پر اتنی بڑی قربانی دینے جارہا تھا تو دادو اور پاپا کو بھی ہر صورت میں میری یہ بات ماننی ہوگی۔'' اسے رہ رہ کر دادو پر غصہ آرہا تھا جو اس سے اس قدر اٹیچ تھیں اتنا پیار کرتی تھیں زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ بناء اس کی مرضی کے کرگئیں تھیں جہاں اس کی پسند' رائے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی تھی۔ اس کا دل بجھ سا گیا تھا' گوری نام کی وہ بلا ہر وقت دادو کی چاپلوسی میں لگی رہتی۔ سر دبانی' کبھی تیل لگاتی' کبھی چٹیا گوندھتی اور وہ دور سے دیکھ کر واپس مڑ جاتا۔ کہاں کی عید' کیسی تیاریاں...... جائش کے لیے سب کچھ بے معنی اور بدمزہ ہوکر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

چاند رات کو گوری اپنے کمرے میں قید ہوگئی' بقول مما کے۔

''چار دن بعد نکاح ہونا ہے اس لیے اس نے سب سے پردہ کرلیا ہے۔''

''نکاح...... ہنہہ......'' اس کا حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔

''گن گن کر بدلے لوں گا کم بخت سے' کیسی میسنی بن کر دل جیت لیے ہیں سب کے مگر میرا دل مر کر بھی نہ جیت پائے گی جاہل' گنوار۔'' دل ہی دل میں گوری کو صلواتیں سناتا رہتا۔

جب بے کلی حد سے زیادہ بڑھی تو اس نے صندل کو میسج کردیا۔

''صندل پلیز آ جاؤ۔''

''کیوں...... تمہارے نکاح کے چھوارے کھاتے آ جاؤں؟'' جواب پر وہ تڑپ گیا۔

''صندل یار! میں خود کو بہت اکیلا محسوس کررہا ہوں' کیوں میرے زخموں پر نمک پاشی کررہی ہو۔'' بلآخر اس نے کال ملائی' کال ریسو کرتے ہی صندل غصے سے گویا ہوئی۔

''جائش تمہیں صرف اپنا غم' اپنا دکھ اور اپنا زخم نظر آرہا ہے' میں...... میں کسی گنتی میں نہیں ہوں۔ زخم میں نے بھی کھایا ہے پھوپو نے ہمیشہ یہی ظاہر کیا کہ میں ان کی بہو بنوں گی' مجھے اس گھر میں آنا ہے اور اب اچانک سے یہ فیصلہ......؟ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے تمہیں کچھ اندازہ ہے اس بات کا؟'' صندل کی بات پر وہ بے تابی سے بولا۔

''صندل پلیز مجھے بتاؤ میں کیا کرسکتا ہوں؟''

''ایک بات مانو گے؟'' صندل نے قدرے سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں بولو۔''

''ہم گھر سے بھاگ کر شادی کرلیتے ہیں۔'' صندل کی بات پر وہ بری طرح گڑبڑا گیا' اسے صندل سے ایسی بات کی قطعی امید نہ تھی۔

''صندل...... !یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم...... پاگل ہوگئی ہو کیا؟ کیسی فضول بات سوچی ہے تم نے۔ ہم دونوں اپنے والدین کے اکلوتے ہیں' ہمیں لے کر ان لوگوں نے کیسے کیسے خواب دیکھے ہیں۔ کیا ہمارے اس اقدام کے بعد وہ زندہ رہ پائیں گے؟ تمہارے مما پاپا حج جیسی سعادت کے بعد واپس لوٹیں گے تو کیا وہ آتے ہی اتنا بڑا صدمہ برداشت کرپائیں گے؟ بے شک صندل...... تم میری محبت ہو' میری زندگی ہو' میں تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ گوری نام کی لڑکی جو میری زندگی میں تمہاری جگہ لے کر آ رہی ہے ساری زندگی میرے پیار کو ترسے گی' وہ صرف میری بیوی ہوگی۔ صندل ہم اپنے ماں باپ کی غیرتوں کو داؤ پر لگا کر کبھی بھی خوش اور آسودہ نہ رہ سکیں گے' مجھے تم سے ایسی بات کی امید نہ تھی' ہاں میں کچھ عرصہ بعد تم سے شادی کرسکتا ہوں اگر تم چاہو تو......؟ اس وقت پھر میں دادو کی بات مانوں گا نہ پاپا کی۔ اس وقت ان لوگوں کو ہر حال میں میری بات ماننا ہوگی' تم سوچ کر جواب دینا ورنہ پھر جو ہمارے مقدر میں لکھا ہے اس پر شاکر

رہوں گا۔'' کہہ کر جائش نے کال بند کردی۔

''صندل......'' اس کے لبوں سے آہ کی صورت نکلا۔

''صندل میں کیا کروں؟ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی مرد بھی اس طرح مجبور ہوسکتا ہے۔''

چاند رات کی ساری رونقیں بے معنی اور فضول لگ رہی تھیں' صبح بقر عید تھی' قربانی کے جانور پچھلے صحن میں گزشتہ تین دن سے بندھے تھے۔

اسے رمضان کی عید کی چاند رات یاد آئی ابھی تو گزری تھی ساری رات صندل نے اس سے بات کی۔ ابھی صفائی کی' ابھی پردے لگائے' ابھی مہندی لگوائی' کپڑے پریس کیے۔ مما نے بادام پستے کاٹے' چھوٹی چھوٹی ساری باتیں معصومانہ انداز میں شیئر کررہی تھی اور وہ بھی بڑی دلچسپی سے ایک ایک بات سن رہا تھا' پوچھ رہا تھا۔

عید کی صبح ناشتے کے بعد وہ سب سے پہلے ماموں کے گھر ہی گیا تھا' فیروزی اور پنک سوٹ میں بجی سجائی صندل کو دیکھ کر دل مچل گیا تھا۔

عید کی صبح وہ جاگا عجیب سستی اور بے کلی کا عالم تھا' تیار ہو کر حسب معمول نماز پڑھنے' پاپا کے ساتھ مسجد چلا گیا۔ گوری مکمل طور پر پردے میں تھی اسے ابھی کوئی شوق' کوئی جستجو یا دلچسپی نہ تھی۔ اس کا ہونا نہ ہونا کوئی معنی نہ رکھتا تھا بلکہ اذیت اور ٹینشن کا باعث تھی۔

عیدالاضحیٰ کی نماز سے پاپا اور وہ لوٹ کر آئے' دادو اور مما سے ڈھیروں دعائیں لیں۔

''چلو بھئی بیگم جلدی سے ناشتا کرادو۔'' ناصر صاحب نے کہا تو سب لوگ لاؤنج میں آ گئے۔ ابھی ناشتا کرنے بیٹھے ہی تھے کہ ڈور بیل بجی۔

''اوہو شاید قصائی آ گیا۔'' ناصر صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ شروع کریں میں اسے بٹھا کر آتا ہوں۔'' جائش نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر کی جانب چل دیا۔

''اُف......'' باہر نکلا ہی تھا کہ پچھلی طرف والے صحن کے پاس اس نے دیکھا وہی بوتل گرین اور سی گرین کومبنیشن والا سوٹ جو اس نے اور صندل نے مل کر خریدا تھا وہی پہنے سر پر وہی کالی چادر اوڑھے یقیناً گوری کھڑی تھی۔

''یہ سوٹ...... یہ سوٹ اس تک کیسے پہنچا...... کہیں

میری نصیحت

سنو! ابھی تم عشق مت کرنا
ابھی مٹی سے کھیلو تم
تمہاری عمر ہی کیا ہے
ابھی معصوم ہو تم
نہیں معلوم ابھی تم کو
کہ جب یہ عشق ہوتا ہے؟
تو انسان کتنا روتا ہے؟
ستارے ٹوٹ جاتے ہیں
سہارے چھوٹ جاتے ہیں
ابھی تم نے نہیں دیکھا
کہ جب ساتھی بچھڑ جاتے ہیں
تو کتنا دل دہلتا ہے
کہ فرصت کے موسم میں
ہزاروں غم ابھرتے ہیں
ہزاروں زخم ملتے ہیں
سنو! ابھی تم عشق مت کرنا

عقیلہ رضی...... فیصل آباد

صندل نے تو غصے سے اسے بھجوادیا؟'' جائش کی سمجھ میں نہیں آیا یہ سب کیا ہے؟ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور جا کر بے ساختہ اسے کاندھے سے پکڑ کر اپنی طرف پلٹایا۔

''اوئے خیرہ......ام نامحرم اے یہ کیا کرتے اے......؟'' چادر کے اندر سے وہ کسمسائی۔

''بکواس بند کرو یہ بتاؤ یہ کپڑے تم نے کیوں پہنے؟'' غصے سے پوچھا۔

''اس لیے کہ یہ کپڑے تم نے میرے لیے ہی خریدے تھے۔'' چادر پھینک کر وہ قریب آ کر بولی تو جائش کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔

''صن...... صندل...... یہ تم ہو...... تم......'' لمبے گیلے بالوں کے ساتھ وہ سامنے کھڑی تھی۔

''کیوں مجھے نہیں آنا چاہیے تھا کیا؟'' الٹا سوال کر ڈالا۔

''واؤ یار! بڑے حسین لگ رہے ہو۔'' ساتھ ہی جائش کو سر سے پیر تک دیکھا' گرے کرتے وائٹ کلف دار شلوار اور بلیک

سینڈل میں وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔
''یہ...... یہ سب کیا ڈرامہ ہے؟ گوری اور تم...... اوہ......''
جائش جو الجھا الجھا سا تھا' ایک لمحے میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس کا منہ بن گیا۔
''مطلب تم لوگوں نے میرے ساتھ اتنا بڑا اور اتنا گھٹیا مذاق کیا ہے؟ حتیٰ کہ دادو' پاپا' مما سب نے مل کر مجھے پاگل بنایا۔ مجھے ستایا' کیا سوچ کر اور کیوں یہ ڈرامہ رچایا؟'' جائش کا دل کر رہا تھا صندل کے حسین چہرے پر تھپڑوں کی بارش کردے۔
''پلیز پلیز جائش! وی آر سوری...... چاہے تم غصہ مجھ پر نکال لو پلیز ناراض مت ہوجانا' یہ سب میری وجہ سے ہوا اس میں باقی سب کا اتنا قصور نہیں ان لوگوں نے تو میرا ساتھ دیا ہے۔'' صندل ہاتھ جوڑے سامنے کھڑی تھی۔
''مگر اتنا گرا ہوا ڈرامہ تم نے آخر کیا کیوں؟ تم کو اندازہ ہے کتنی اذیت اور تکلیف میں گزرے ہیں میرے گزشتہ چار دن؟''
''ہاں آئی ایم سوری' دراصل تمہیں پتا ہے ناں میں سائیکالوجی کے حوالے سے نئے نئے موضوعات پر ریسرچ کرتی رہتی ہوں اسی وجہ سے ایک بار کلاس میں ٹیچر اور ہم اسٹوڈنٹ کے درمیان اس بات پر بحث ہوگئی کہ لڑکے جذبات میں آکر فیصلہ کرتے ہیں اور لڑکیاں ان کی بہ نسبت سوچ سمجھ کر فیصلے کرتی ہیں بس اسی موضوع کو لے کر میں نے یہ چھوٹا سا ڈرامہ کیا اور آخر میں تمہیں گھر سے بھاگ جانے کے لیے کہا لیکن تم نے انکار کرکے یہ ثابت کردیا کہ لڑکے بھی سمجھداری سے کام لے لیتے ہیں۔'' شرارت سے ''بھی'' پر زور دیتے ہوئے کہا۔
''لیکن آئی ایم سوری مجھے معاف کردو' میں نے واقعی تمہیں بہت تنگ کیا ہے۔'' کان پکڑے معصوم انداز میں اعتراف کرتی ہوئی وہ سیدھا دل میں اتری جارہی تھی۔
''بکواس بند کرو اپنی۔ میں کسی صورت تمہیں معاف نہیں کرسکتا۔'' وہ منہ بنا کر پیٹھ موڑ کر کھڑا ہوگیا۔

لو ہاتھ جوڑے لو کان پکڑے
بتاؤ کیسے مناؤں تم کو......؟

وہ ہاتھ جوڑے معصومیت کی ساری حدیں پار کرتی دل میں اتری جارہی تھی' وہ بدستور منہ پھلائے ناراضگی کا اظہار کررہا تھا۔
''بس اب زیادہ نخرے دکھانے کی ضرورت نہیں' اب کیا بچی کی جان لوگے۔'' لہجہ شرارتی تھا۔
''تم نے جو میری جان عذاب کررکھی تھی چار دن سے؟'' سوال کیا' لہجہ بدستور تیکھا تھا۔
''تو معافی تو مانگ رہی ہوں ناں یار! ٹھیک ہے اگر تم کو نہیں ماننا تو مت مانو۔ اوئے یار آم کسی بھی سمندر خان' بادشاہ خان یا ٹل خان سے شادی بنالے گا۔''
''گلا دبا دوں گا تمہارا بھی اور تمہارے خان کا بھی' آگے بڑھ کر صندل کی نازک گردن پر دونوں ہاتھ جما کر بولا۔
''نکاح تو ہوجانے دو ظالم پھر مار دینا۔'' صندل کی بے ساختگی پر جائش کو ہنسی آگئی۔
''اگر تمہیں ماردیا تو خود کیسے جی پاؤں گا؟'' والہانہ انداز میں جھک کر اس کے کان میں گنگنایا۔
''تم تو جانِ جائش ہو۔'' ساتھ ہی سر پر بوسے کی صورت میں خوب صورت عیدی پیش کردی' صندل بلش ہوگئی۔
''چلو بچو...... اندر آجاؤ ناشتا ٹھنڈا ہورہا ہے اور پھر بیچ بچ والا قصائی آجائے گا۔'' فاخرہ بیگم کی آواز پر دونوں جھینپ گئے۔
آج کی عید کتنی حسین اور مکمل ہوچکی تھی' دونوں کو ساتھ ساتھ آتا دیکھ کر فاخرہ بیگم نے نظروں نظروں میں دونوں کی بلائیں لے ڈالیں۔

میرا نور بصیرت عام کردے

طلعت نظامی

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

یہ عید تیرے واسطے خوشیوں کا نگر ہو
کیا خوب ہو ہر روز تیری دید اگر ہو
ہر رات مسرت کے لیے گیت سنائے
لمحات کے پیڑوں پر بھی شبنم کا ثمر ہو

عیدالاضحیٰ کی آمد میں ابھی پندرہ سولہ دن باقی تھے لیکن گھر گھر جانوروں کی آمد اور بچوں کے شوروغول نے رونق کا سماں باندھ دیا تھا۔ وہ بھی مغرب کی نماز ادا کرکے کچھ دیر ستانے کا سوچ رہی تھی‘ پورا دن سلائی مشین پر جھکے جھکے کمر بھی دہری ہوگئی تھی۔ اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ گلی میں پھر سے شور اٹھا اور ساتھ بچوں کے سرپٹ دوڑنے کی آواز کے ساتھ ہی ’’گائے آئی...... گائے آئی‘‘ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ ایک لمبی سانس کے ساتھ اس نے کمر تکیے سے ٹکائی‘ ساتھ زوہیب اور ہانیہ کو آواز بھی لگائی کہ کہیں وہ بھی تو اسی ہجوم میں نا نکل جائیں۔

اس کا اپنا گھر تو اس عبادت سے ہمیشہ محروم رہا‘ بچوں کی بھی اس خواہش کو ہمیشہ پھیکی مسکراہٹ سے ٹالا کہ کسی سال ایک چھوٹا موٹا سا ہی سہی ایک بکرا ہمارے دروازے پر بھی بندھے۔ یہ تو خیر بچکانہ آرزو تھی پر ان دونوں میاں بیوی کا دل بھی چاہتا کہ وہ بھی راہِ الٰہی میں قربانی کرکے سرخروی کی مسند پر جا بیٹھیں۔ یہ دونوں بچے بھی محلے کے ان بچوں کے آگے اپنے جذبہ شوق کی تسکین کرسکیں جن کے گھروں میں خوب موٹے تازے جانور ایک مہینہ یا پندرہ دن قبل رونق افروز ہوجاتے۔

یہاں تو گھر کے معمولی اخراجات پورے ہوتے نظر نہیں آتے کجا قربانی ویسے بھی یہ سنت ابراہیمی صاحب استطاعت لوگوں پر عائد تھی۔ وہ لوگ تو بس ’’لینے‘‘ والے تھے ’’دینے‘‘ والوں کی صف میں ابھی کھڑے نہیں ہوئے تھے پر بچوں کو کون سمجھائے‘ ننھا منا اصرار اپنے سادہ لوح باپ کے آگے ہر سال ہوتا اور ساتھ اسفر میاں کی تسلی بخش مسکراہٹ ان کے اصرار کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیتی۔

ہانیہ زوہیب سے چھوٹی تھی پر سمجھ داری میں اس سے کہیں آگے۔ زوہیب ضدی تھا زمانے کی دوڑ میں ساتھ دینے والا تقریباً ہر گھر کے دروازوں کے آگے کوئی نہ کوئی جانور بندھا دیکھ کر اسے بھی ہڑک اٹھتی کہ وہ بھی اپنے جانور کی سب کے آگے نمائش کرکے داد وصولے۔ اس کی عمر کے سب بچے اپنی گائے یا بکروں کی باتیں کررہے ہوتے تو اس کا دل بھی چاہتا کاش وہ بھی اس قابل ہوتا کہ

شریک گفتگو بن سکتا یہاں تو یہ حال تھا کہ گھر کا کرایہ جاتا تو دو تین بل منہ چڑانے کو تیار رہتے۔ پانی تو چار سال سے نل میں نہیں آیا تھا پر بل ہر مہینہ باقاعدگی سے آتا۔ شکایت کرے تو کس سے جب حکمران ہی آنکھیں اور کان بند کر کے اپنی سیاست چمکانے میں مصروف ہوں ایسے میں عوام کی تقدیر زنگ آلود ہی رہتی ہے۔

دو بل بمشکل ادا کیے جاتے تو بچوں کی فیس کی آخری تاریخ تک نوبت آجاتی اور آخری تاریخیں تو شیطان کی آنت کی طرح کٹائے نہ کٹتیں۔ تنخواہ تک کی تاریخ آتے آتے گھر میں صرف آٹا اور دال بچ جاتے' بچوں کی آس کی سیرابی نہ ہو پاتی پھر بھی دونوں میاں بیوی شکوہ کناں ہوئے بغیر زندگی کی گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔

ایک گھنٹے بعد دونوں بچے گھر میں اس وقت داخل ہوئے جب وہ روٹیاں پکا رہی تھی حسب معمول زوہیب کا منہ لٹکا ہوا تھا اور چال تھکی تھکی جیسے گائے سوزوکی سے اتارنے میں پیش پیش رہا ہو جب کہ ہانیہ پورے جوش و جذبے سے سوزوکی نظر آنے سے لے کر گائے کے زمین پر تشریف لانے کا احوال سنانے لگی۔

"بہت بدمعاش گائے ہے مما! زمین پر اتر کر ہی نہیں دے رہی تھی۔" اسے ہنسی آگئی اس خطاب پر۔ "گلی کے سب مرد مل کر اتار رہے تھے ایسے میں پپا پہنچ گئے خود تو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ زوردار نعرہ "اللہ اکبر" لگایا اور سب کے سب پوری جان سے اسے اتارنے میں لگ گئے اور گائے پل میں سوزوکی سے نیچے اتر آئی۔ پپا ہنستے ہوئے بھیڑ سے نکل آئے۔" اس کی ہنسی قہقہہ میں تبدیل ہوگئی۔

"تمہارے پپا ایسے ہی مزاحیہ حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔" یہ سچ تھا حالات کی سنگینی نے بھی اسفر کی خوش مزاجی کو تبدیل نہیں کیا تھا۔ پورا محلہ مداح تھا اس کی خوش اخلاقی کا۔

"پپا کو تو کبھی شوق بھی نہیں ہوا ہوگا کہ ایک قربانی کا جانور پورے محلے کے سامنے اپنا بھی اتاریں' سب کے ساتھ ہنس لیے' دوسرے کے جانوروں کو چارہ پانی ڈال دیا اور ان کا شوق پورا ہوگیا۔" حمزہ نے جلے دل کا پھپھولا پھوڑا۔

"ثواب ہے بیٹا قربانی کے جانور کا خیال رکھنا' پپا نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ جمیل صاحب کی بھی دو گائے آکر بندھتی ہیں تو پپا بھی رات جاگ کر ان کی پہرہ داری کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کے گھر والے بھی آرام کر لیتے ہیں۔"

"اور بدلے میں کیا ملتا ہے انہیں۔" پندرہ سالہ بچہ ضرورت سے زیادہ احساس کمتری کا شکار ہوگیا تھا۔

"ثواب......جو سب نعمتوں پر حاوی ہے۔" اس نے رسانیت اور سمجھداری سے سمجھایا۔

"مما! ایک کلو گوشت بھی ہمیں نہیں دیتے' پپا کے یہ نام نہاد دوست اور بھنی ہوئی کلیجی بھی اپنے ہی کارخانہ دار کو بانٹ رہے ہوتے ہیں۔"

"جب تمہارے پپا کو کوئی اعتراض نہیں اس بات پر تو تم کیوں کر رہے ہو' ویسے بھی یہ تمہاری عمر نہیں بڑوں پر تنقید کرنے کی۔ اللہ کا دیا ہوا ثواب چند گوشت کے ٹکڑوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم کسی کو کچھ نہیں دے سکتے بدلے میں سوائے مدد کرنے کے' اس لیے تم بھی اس مسئلے میں مت بولا کرو۔" اس نے سمجھانے کے ساتھ اچھی خاصی سرزنش کر ڈالی۔ وہ پھولے ہوئے منہ سمیت کمرے میں چلا گیا' کھانا بھی نہیں کھایا' خود وہ بھی کچھ ملول سی ہوگئی تھی۔

جمیل صاحب کے گھرانے کو وہ جانتی تھی' دو گائے وہ قربانی کے لیے لائے تھے پر حکم خداوندی کے تحت تین حصے کرنے کے بجائے زیادہ تر حصہ اسٹاک کر لیا جاتا۔ فریج اور ڈیپ فریزر کے دروازے تک بھر جانے کے بعد جو بچ جاتا وہ بڑی بڑی دیگچیوں میں گرم کر کے روزمرہ استعمال کے لیے رکھ لیا جاتا جیسے روز گرم کیا جاتا تاکہ خراب نہ ہو اور اس پر بھی بس نہیں چلتا تو جمیل صاحب کی عمر رسیدہ مگر خوب تندرست والدہ موٹے موٹے دھاگوں میں پرو کر چھت پر خشک

کرتیں اور پورا سال یہ اسٹاک چلتا۔
روز اچھا اور مرغن کھانے کے جنون میں کہیں آگے بڑھ گئے تھے وہ' جمیل صاحب سے اسفر کے والد کے بہت پرانے مراسم تھے جس کے نتیجے میں ان کے بڑے بیٹے سے اسفر کی بہت دوستی تھی لیکن جب سے ان کے حالات بدلے تھے انہوں نے آنکھیں بھی بدل لی تھیں ان کی طرف سے پورا گھرانہ دو کارخانے کی آنے والی نئی نئی آمدنی پر خدا کا شکر بجالانے کے بجائے ایک گھمنڈ میں مبتلا ہوگیا تھا' لہجے میں تکبر اور چال میں رعونت آگئی تھی۔
اب تو ان کا بیٹا بھی اسفر سے کچھ خاص طریقے سے پیش نہیں آتا۔ دوستانہ لب ولہجہ اب متکبرانہ ہوگیا تھا جس کا احساس اسفر کو بخوبی تھا پر اظہار کرکے وہ ماحول کو گمبھیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ حسب معمول اسی بے تکلفانہ انداز میں ان لوگوں سے پیش آتا۔
عید قرباں پر بھی وہ غیریت برتنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے محض چند چربی دار بوٹیاں اور ہڈی ان کا حصہ بنتیں' پر وہ خیال نہ کرتے۔ صاف ستھری سوچ زیادہ بُرا سوچنے پر مجبور نہیں کرتی' اسی طرح وہ بچوں کی تربیت بھی کرنا چاہتے تھے کہ کسی مقام پر بھی کم مائیگی کا شکار ہوکر راہِ بد پر گامزن نہ ہوسکیں۔

❁......❁......❁

دس دن قبل ان کے ہاں حسب توقع دو گائے آئیں اور اس بار ایک خوب صورت سا بکرا بھی۔ انیسہ کی آنکھوں میں اشک امڈ آیا' جمیل صاحب کے شادی شدہ دونوں بیٹوں کو اپنے جانوروں کی نمائش عرشِ معلیٰ پر پہنچا دیتی۔ دونوں اکڑی ہوئی گردن سمیت اپنے کارخانے کے کاریگروں سے ان کی خوب خدمت کرواتے کاریگر بھی کچھ "صلے" کی امید لیے صبح شام جانوروں کو خوب نہلاتے دھلاتے' رات تو ان کی باڑے میں گزرتی اور پورا دن نمائشی اشیاء کی طرح دروازے پر بندھی رہتیں۔
اس بار بھی تینوں جانوروں کو ایک دن کے لیے دروازے پر بندھا چھوڑا گیا تاکہ بچے بھی جی بھر کے لطف اندوز ہولیں' خوب جی بھر کے ستائش وصولی گئی۔ خود ان کا چھوٹا بیٹا دروازے پر اندر بیٹھی بیوی کو آواز بلند سنا رہا تھا۔
"ایمان سے صبا! پورے محلے میں ہماری گائے جیسی خوب صورت کسی کی نہیں ہے' چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔"
سنت پیغمبر' اتباع رسول نہ ہوئی بلکہ ذاتی شوشا ہوگئی۔ جذبۂ ایمانی مفقود ہوگیا جذبہ ستائش بڑھ گیا تھا۔ انیسہ نے بھی اخلاقیات نبھاتے ہوئے کھڑکی سے ہی ان کی بڑی بہو کے سامنے تینوں جانوروں کو سراہا وہ فخر نگاہوں میں سمائے اندر چلی گئی۔
نو ذوالحجہ کو انیسہ اور اسفر نے روزہ رکھا' اس دن کے روزے کی بہت فضیلت اور ثواب بیان کیا گیا ہے اور بہت ساری دعائیں اپنے کامل ایمان اور حالات کے سدھر جانے کی کیں۔
دوسرے روز بقر عید تھی' دونوں باپ بیٹا صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز عید ادا کرنے چلے گئے' واپس آکر سب کی قربانی بھی دیکھنی تھی۔ انیسہ نے شیر خرمہ بنا کر بیٹی کے ساتھ نماز ادا کی۔ واپسی پر زوہیب نے جمیل صاحب کے دروازے پر ہونے والی قربانی پر جانے سے صاف انکار کردیا' اسفر سمجھ گیا اس انکار کے پیچھے کس سوچ کا عمل دخل ہے۔
"چلو یار بہادر بنو جب اللہ نے چاہا ہمارے پاس بھی گائے آئے گی اور بکرا بھی۔ کچھ دیر ہے صبر کرنے والوں کا ساتھ اللہ دیتا ہے' اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" اسفر نے دوستانہ انداز میں اس کا حوصلہ باندھا۔
"پپا...... سب دوست اپنے اپنے جانوروں کی باتیں کرتے ہیں' میں بس خاموش رہتا ہوں' مجھے اچھا نہیں لگتا جب میرے پاس بولنے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔"
"آج بولنے کا نہیں دیکھنے کا دن ہے' کتنے ہی ایسے غریب گھرانے ہیں بیٹا جنہیں یہ سعادت نصیب نہیں

ہے تو کیا ان کے لیے عید الاضحیٰ نہیں یا تمہاری طرح گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے ہوں گے۔ کتنے ہی گھرانوں میں آج کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہوگا' ہم توان سے بہتر ہیں کہ پیٹ بھرنے کو اللہ کی نعمت ہے ہمارے پاس' چلو شاباش خوشی دلی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرو۔" آخر کسی نہ کسی طرح وہ اسے منانے میں کامیاب ہوگیا۔ اسفر نے بھی قصائی کے ساتھ مل کر بھرپور مدد کی تھی' ایک گائے ایک بکرا کی قربانی آج ہونی تھی' دوسری گائے کی کل ہونی تھی۔ انیسہ نے پیاز کاٹ کر مصالحہ بھی تیار کرلیا تھا تاکہ کہیں سے گوشت آئے تو ساتھ ساتھ سالن چڑھادے جب تک روٹی' دال اور شیر خرمہ سے کام چل گیا۔

آدھے دن کے بعد کہیں سے بوٹیاں' چربی کے ڈلے' چھیچھڑے اور ہڈی پر مشتمل گوشت کی آمد ہوئی۔ دو تین گھروں سے گوشت آنے کے بعد ہانڈی چڑھائی' کہیں کہیں سے کلیجی بھننے کی انتہا انگیز خوشبو بھی ناک سے ٹکرا جاتی۔

آخر شام ڈھلے جمیل صاحب کے گھر سے بھی تبرک آیا' ایک چھوٹی سی ٹرے میں ایک طرف آدھ کلو کے برابر گوشت اور چربی ہڈیاں تھیں' دوسری سائیڈ پر ایک پاؤ سے بھی کم بکرے کا تبرک تھا۔ یہ تھا غریب کا حصہ جن سے پرانے تعلقات کے ساتھ بہت مضبوط بھی تھا۔ ہر مشکل گھڑی میں اسفر ان لوگوں کے ساتھ رہا تھا اور اب بھی رہتا کیونکہ خدا نے بے حس دل سے نہیں نوازا تھا۔

"مما انہوں نے کلیجی بھی نہیں بھیجی۔" اس بار ہانیہ شاید کچھ زیادہ توقع لگائے بیٹھی تھی۔

"تم زوہیب کی زبان مت بولو ہانیہ! میں تو سمجھی تھی میری بیٹی بہت صابر و شاکر ہے لیکن تمہیں بھی احساس ہونے لگا لوگوں کی ناروائی کا۔"

"سوری مما!" وہ نگاہیں جھکا گئی۔

"ہمارے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ ان کی خوشی میں خوش ہولیں' اللہ بھی ہمیں خوش کرے گا۔ انہی لوگوں کی بدولت زیادہ نہ سہی کم مقدار میں ہی اس تحفے سے لطف اندوز ہولیتے ہیں۔" وہ فریج میں رکھنے کے لیے شاپر نکالنے لگی' بکرے کا گوشت جلدی سے ساس کے لیے چڑھادیا کیونکہ وہ پرہیزی کھانا کھاتی تھیں۔

کم و بیش ہر گھر سے ہی تبرک آئی' بقر عید کا ایثار و قربانی سے مزین دن بھی گزر گیا۔

تیسرے دن جمیل صاحب کی چھت پر سیخ کباب اور تکوں کا پروگرام تھا جو اُن کے پوتے نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ترتیب دیا تھا ساتھ میوزیکل پروگرام بھی تھا۔ رات گئے چہل پہل کے ساتھ کوئلے کے سلگنے پر کبابوں کی خوش بو بھی پھیل گئی تھی ان کی چھت سے چھت ملی ہوئی تھی اس لیے خوش بو ڈائریکٹ ان کے آنگن میں اتر رہی تھی۔ ساتھ کچوریوں کی سوندھی سوندھی خوش بو من کو للچا رہی تھی۔

زوہیب بہت پُرجوش انداز میں گھر میں داخل ہوا تھا' خوشی سے چہرہ تمتما رہا تھا۔

"مما! وکی نے مجھے بھی انوائٹ کیا ہے' میں بھی جاؤں ان کی چھت پر' بہت مزا آئے گا۔" وہ بچہ جس نے حالات بدلتے ہی بڑی حیثیت کے بچوں سے دوستی کرلی تھی اور زوہیب کو دیکھ کر راہ بدل لیتا تھا اب پتا نہیں اس کی آنکھوں میں کیا دیکھ کر آنے کو کہہ رہا تھا۔

"تم ہر وقت اور ہر لحہ میرے آگے امتحان بن کر کیوں کھڑے ہوجاتے ہو زوہیب! اللہ نے جس طرح کی زندگی تمہیں بخشی ہے اس سے سمجھوتہ کیوں نہیں کرلیتے صبر و شکر کے ساتھ' ہم اس کی مصلحت سے آگے کی نہیں سوچ سکتے۔ آج تمہیں ان صاحب حیثیت بچوں کے آگے شرم محسوس نہیں ہوگی جب وہ لیپ ٹاپ' ایل ای ڈی' انٹرنیٹ اور ڈھیروں جانوروں کی قربانی کے قصے سنائیں گے۔" وہ حقیقتاً زچ ہوگئی تھی اس کی وقت بے وقت کی راگنی سے اُس کا سر جھک گیا۔

"تمہیں پتا ہے ساتھ ساتھ گھر ملے ہونے پر آنے والی خوش بو ہمیں پریشان نہیں کرتی' ہمارے منہ میں بھی پانی آتا ہے ہمارا دل بھی للچاتا ہے بھی اپنے لیے' بھی

اپنے بچوں کے لیے کہ یہ بھی پریشان ہوتے ہوں گے ان اشیائے خورونوش کے لیے پر سب سے بڑھ کر عزت نفس ہے جو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے پر مجبور نہیں کرتی۔ ہم بہت سی آسائشات سے نگاہ چرا کر اور نفس کے دامن کو بچا کر سو جاتے ہیں' کیونکہ اسی میں عافیت ہے۔ اپنے باپ کو دیکھو جو بے لوث خدمت کرتا ہے' اخلاق و تمیز میں اس کی مثال نہیں ملتی پر ان کے کارخانہ داروں کے آگے جا کر کھڑا نہیں ہوتا اپنا حصہ طلب کرنے۔ روکھی سوکھی کھا کر بھی اس کے لبوں سے مسکراہٹ کبھی جدا نہیں ہوتی' تم کبھی بھی اپنے باپ کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہو سکتے۔" اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"جب لوگوں کو احساس نہیں کہ جذبہ قربانی' اللہ کی خوشنودی یا ہمسائے کے حقوق کیا ہیں تو کیا ہم ڈنکا بجا کر احساس دلائیں کہ آ دیکھو ہم غریب ہیں' ہمارے بچے ان لوازمات کو ترس رہے ہیں جن کی خوشبو تمہارے آنگن کو لپیٹے میں لیے ہوئے ہے۔" بڑے اضطراب سے وہ نچلا ہونٹ کچل رہا تھا' صبر اور ایثار کیا ہوتا ہے یہ واقعی وہ اپنے صابر و شاکر ماں باپ سے نہیں سمجھ سکا تھا۔

☆......☆......☆

قربانی کی اصل غرض و غائیت سے لوگوں کو مطلب نہیں کہ قربانی جانور کی نہیں بلکہ نفسِ امارہ کی ہوتی ہے رضائے الٰہی کے لیے جانور تو محض تشبیہ ہے اصل مقصد اپنے نفس کو قربان کر کے خدا کے آگے جھک جانے کا ہے کیونکہ اللہ نے خود کہا ہے۔

"نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کا خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تمہارا تقویٰ تمہاری طرف سے یوں اس نے فرماں بردار بنایا تا کہ تم بڑائی بیان کرو۔" (سورۂ حج ۲۲۔ پارہ اقترب ۱۷)

یہ عید ایثار اسماعیل اور سنت ابراہیم کی عظیم الشان یادگار ہے جس نے اس کی روح کو نہ سمجھا اس کے گوشت اور خون سے اللہ کو کیا مطلب؟

ان کے آنگن میں دو خوب صورت بکرے دو بخت

سے بندھے تھے وجیہہ سازوہیب انہیں چارہ وغیرہ دے رہا تھا ہانیہ بھی اپنے سسرال سے آئی ہوئی تھی میکے میں عید منانے۔ وہ اللہ ہی ہے جو ذرّے کو آفتاب کا درجہ دیتا ہے اس کی لاٹھی بے آواز ہے اور حقوق العباد کی حق تلفی کی تو ویسے بھی معافی نہیں۔

قربانی کے گوشت کے حوالے سے دینی ہی نہیں دنیاوی احکامات بھی ہیں۔ زیادہ مقدار میں اور زیادہ دنوں تک گوشت فریز میں رکھنے سے مضر صحت اجزا پیدا ہوجاتے ہیں۔ جمیل صاحب اور ان کی فیملی اب بھی وہیں مقیم تھی پر طرح طرح کی بیماریوں نے ان لوگوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ بڑے بیٹے کو ذیابیطس اور دل کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔ وکی کو خارش کی ایسی بیماری لگی تھی جو دوائی کے زیر اثر تو ٹھیک رہتی پر چھوڑتے ہی پورے جسم میں الرجی کی طرح پھیل جاتی گویا اب یہ زندگی بھر کا سودا تھا۔ ایک بہو کے گردے میں پتھری بننے کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری کے معدے میں ورم۔ نعمتیں سامنے رہتیں پر وہ کھا نہیں سکتے تھے۔ زیادتی تو ہر چیز کی ویسے بھی نقصان دہ ہوتی ہے یہ لوگ تو ویسے بھی حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ عاقبت خراب کرنے کے ساتھ اپنی صحت کے بھی دشمن بن گئے تھے۔

ہمسائیوں کے صبر کو الگ آزمایا تھا غریبوں کا حق مارا تھا اللہ نے رسی کھینچ لی تھی کہ اب وہ پانی تک پھونک کر پیتے۔ آج بھی ان کے ہاں قربانی ہوتی پر سارے کا سارا گوشت بانٹ دیا جاتا ہے' خود تو ایک لقمہ بھی سوچ کر اٹھاتے تھے آج بھی وہ جذبہ ایمانی اور رضائے الٰہی کی خاطر سارا گوشت ہمسائیوں اور غریبوں میں نہیں بانٹتے تھے بلکہ مجبوری انہیں یہ قدم اٹھانے پر مجبور کرتی کیونکہ خمیر میں حرص وطمع تھا آج وہ کیسے بدل سکتے تھے۔

"اس بار تو میں اپنے بیٹے کو گوشت کی ہر وہ ڈش بنا کر دوں گی جس کی وہ فرمائش کرے گا۔" دبلی پتلی سی فریش چہرے والی انیسہ نے محبت پاش نظروں سے زوہیب کو دیکھا جو سی ایس ایس کا امتحان پاس کرکے نئی جاب پر ان دنوں فائز ہوا تھا۔

"کیوں مما؟ سارا سال ہم گوشت نہیں کھاتے جو عید قرباں پر ہی ساری حسرتیں مٹائیں گے' وہ بکروں کے آگے پانی رکھ کر ہاتھ دھوتا ان کے پاس آبیٹھا۔

"ارے...... تم تو گوشت کے رسیا ہو اور اس کی نت نئی ڈشز کے سارا سال انتظار کرتے تھے نا اس عید کا' تاکہ تم لطف اندوز ہوسکو تو اب جب اللہ نے کرم کیا ہے تو اپنی تمام خواہشات کی تکمیل کرسکتے ہیں نا......" اس نے بیٹے کے دل کو اندر تک ٹٹولا وہ ہنس پڑا۔

"بچپن میں ہی آپ اور پپا نے بہترین تربیت کے ساتھ ہر عبادت کی مقصدیت کو بھی اجاگر کردیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ایک روز بھی ہمارے چند بوٹیاں پک جاتی تھیں تو وہ ہمارے لیے عید کا دن ہوتا تھا۔ اس وقت نماز' زکوٰۃ' حج وقربانی کا فلسفہ آپ نے باور کرادیا تو کیا اب میں اسی خواہشِ طفلانہ کی پیروی کروں گا جب اللہ نے روز ان لوازمات سے لطف اندوز ہونے کے اسباب پیدا کردیے ہیں۔ اپنی فیملی اور ہمسائے کی فیملی کی چھت کو دیکھ کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی زندگیوں میں کیا عمل داخل ہے۔ ہم سب روکھی سوکھی کھا کر بھی اللہ کی رحمت کے حصار میں ہیں۔ آپ اور پپا جوان بچوں کے والدین لگتے ہی نہیں ویسے ہی خوش باش اور سرشار ہیں۔ ہم ان دونوں بکروں کے تین حصے کرنے کے باوجود اپنے حصے میں سے بھی مستحق لوگوں کو بانٹیں گے مما! جن کے دلوں کو پُرلطف کھانوں کی خوشبوئیں پریشان کرتی ہیں اور وہ اپنے نفس کو تھپکی دے کر سو جاتے ہیں۔" ایسی ہی کئی ترسی ہوئی راتیں زوہیب کی خوب صورت آنکھوں میں در آئی تھیں انیسہ جی اٹھی۔

"آج تو اپنی تربیت پر مان کرنے کا دن تھا۔ شکر تھا کہ غربت نے غریب دلوں کی آرزوؤں کو پرکھنے کی بینائی عطا کی تھی "بھوک" سے اندھا نہیں کیا تھا۔" زوہیب کو سینے سے لگا کر دو آنسو دوپٹے میں جذب کرلیے تھے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
ٹوٹا ہوا تارا
سمیرا شریف طور
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

قسط نمبر 35

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

وہ خواب تھا بکھر گیا' خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا' یہ کیوں بجھا پتا نہیں
ہر اک دن اداس دن' تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے' جیسے کچھ بچا نہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حیات علی اپنے والد کو دوسری شادی سے آگاہ کرتے زیب النساء کو بہو تسلیم کرنے کا کہتے ہیں جس پر چوہدری سراج علی اشتعال کا شکار ہو کر حیات علی کو جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ولید انا کے سیل فون پر آنے والی تمام کال کی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ماموں اور سہیل ابوبکر سے بات کرنے کے بعد ہادیہ کے والد کو ابوبکر کا رشتہ دیتے انہیں ہادیہ کی پسند سے بھی آگاہ کردیتے ہیں۔ رابعہ ہادیہ کو ابوبکر کا نمبر دے کر اس سے بات کرنے کو کہتی ہے۔ شہوار ماں جی کے اصرار پر دریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے آجاتی ہے۔ ایاز جو کافی دنوں سے موقع کی تلاش میں تھا۔ اب شہوار کو شاپنگ مال میں دیکھ کر اس کے اندر کی شیطانیت ایک بار پھر جوش مارتی ہے اور اسے دریہ اور شہوار کے رویے سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ شہوار مجبوراً اس کے ساتھ آئی ہے۔ صبوحی بیگم بوتیک سے جلدی فارغ ہونے کے بعد احسن کو فون کرتی ہیں تاکہ وہ انہیں پک کرتا ہوا گھر ڈراپ کردے مگر آفس میں ضروری کام کے باعث احسن معذرت کرلیتا ہے اور ولید کو کال کرکے صبوحی بیگم کو گھر لے جانے کے لیے کہتا ہے ولید ذہنی الجھن کا شکار تھا۔ شہوار کو شاپنگ مال میں اپنا کلاس فیلو ہاشم مل جاتا ہے۔ ایاز کے شیطانی دماغ میں ایک خیال آتا ہے اور وہ اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے دریہ کو اپنے اعتماد میں لے کر دریہ کو اہنا کارڈ دیتا ہے۔ دریہ شہوار کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے ایاز کے منصوبہ پر عمل کرتی ہے وہ اس بات پر خوش ہوتی ہے کہ شہوار کو جلد راستے سے ہٹا کر وہ مصطفیٰ کو حاصل کرلے گی۔ چوہدری حیات علی باپ کی دھمکیوں کی پروا کیے بغیر اپنی حویلی چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے زیبن کے پاس آجاتے ہیں۔ دوسری طرف ولید کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے صبوحی بیگم بھی ہمراہ تھیں مگر انہیں زیادہ چوٹیں نہیں آتیں جب کہ ولید زندگی اور موت کی درمیان جنگ لڑ رہا ہوتا ہے اور انا پتھرائی نظروں سے یہ سب دیکھ رہی ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کو موبائل پر ایک تصویر موصول ہوتی ہے جس کو دیکھ کر وہ ششدر رہ جاتا ہے وہ شہوار سے ناراض ہو کر گھر سے نکل جاتا ہے اور دریہ یہ منظر دیکھ کر شہوار کا تمسخر اڑاتی ہے اور شہوار پریشان ہو کر بار بار مصطفیٰ کو کال کرتی رہتی ہے۔ چوہدری سراج علی اپنے اکلوتے بیٹے چوہدری حیات علی کو حویلی لے جانے کے لیے آتے ہیں۔ حیات علی کا چھوٹا بیٹا باپ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے بیمار ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے حیات علی حویلی جانے پر راضی ہوجاتے ہیں۔ چوہدری سراج علی اپنی بچھائی ہوئی بساط کے حساب سے حیات علی کو استعمال کرتے ہیں اور انہیں زیب النساء کو قبول کرنے کی خوش خبری کے ساتھ کینیڈا جانے کی ہدایت دیتے ہیں۔ کینیڈا جانے سے پہلے حیات علی بخشو کو ایک خطیر رقم زیب النساء کو پہنچانے کی ہدایت دیتے ہیں حیات علی نے سوچا کہ ایک ماہ جیسے تیسے گزار لوں گا لیکن اب قسمت ان کے ساتھ ایک نیا کھیل کھیلنے والی تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

مہر النساء کے گھر پر مامور چوکیدار سے زیب النساء کو حیات علی کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ فوراً واپس آئی تھی لیکن حیات علی جاچکے تھے۔ وہ واپس بہن کے ہاں جانے کی بجائے وہیں رک گئی تھی۔

دو دن گزرے تو بخش دین چلا آیا تھا' پیسوں کا ایک لفافہ دے کر اس نے جو پیغام دیا اسے سن کر تو زیب النساء کے حواس گم ہونے لگے تھے۔
''چوہدری صاحب اپنے بیوی بچوں سمیت بیرون ملک چلے گئے ہیں' یہ رقم آپ تک پہنچانے کا کہا تھا۔''
''کب گئے؟'' گم حواسوں کو بمشکل یکجا کرتے اس نے پوچھا۔
''ایک دن پہلے' انہوں نے پیغام بھی دیا تھا کہ وہ جلد از جلد واپس پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ایک عدد چوکیدار رکھنے کا کہہ کر گئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اپنے باپ سے ہوشیار رہیے گا۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کریں تو اپنی بہن کے ہاں چلی جایئے گا۔''
زیب النساء کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سن کر اس کے قدموں تلے سے جان نکلتی جارہی ہے۔
''وہ واپس کب آئیں گے؟''
''ایک ماہ کا قیام ہے وہاں' اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔'' زیب النساء جیسے بالکل ڈھے گئی تھی۔ نجانے کیوں دل کو عجیب وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔
وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی' ملازمہ موجود تھی۔ شام تک بخش دین وہاں رہا تھا' اس نے باہر کے کاموں کے لیے ایک نوعمر لڑکے کا انتظام کردیا تھا۔ بخش دین چلا گیا تو زیب النساء کا پریشانی سے بُرا حال ہونے لگا۔ ملازمہ نے بتایا تھا اس کی غیر موجودگی میں صفدر کئی بار اس کے گھر آیا تھا اور بُرا بھلا کہتے دھمکیاں دیتے چلا گیا تھا۔ اگلی صبح سویرے صفدر پھر آٹپکا تھا۔
''سامان سمیٹ اور چل میرے ساتھ' دھوکے سے نکاح کرلیا اس چوہدری سے تو میں نمٹ لوں گا۔'' وہ پھر شور مچا رہا تھا۔
''ابا! اماں نے اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا کوئی دھوکہ نہیں دیا' آپ اس قابل ہوتے تو رونا ہی کیا تھا۔ آپ نے تو مجھے اپنے جوئے کی خاطر بیچ ڈالا تھا' اب کیا لینے آئے ہیں۔''
''زیادہ زبان نہ چلا' اگر وہ چوہدری کسی قابل ہوتا تو واپس پلٹتا' ساری خبر ہے مجھے مہینوں وہ تیری خبر نہیں لیتا۔'' وہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔
''وہ ایک بڑے خاندانی زمیندار ہیں' ہزار کام ہوتے ہیں ان کے' ہر وقت ادھر نہیں رہ سکتے۔'' زیبن نے چوہدری حیات علی کا دفاع کیا۔
''تو تجھے اپنے ساتھ رکھ تو سکتا ہے نا؟'' صفدر نے جرح کی' زیب النساء کے دل پر گویا آری سی چلی تھی اس نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹنے کو تھی۔
''یہ گھر کس کے نام ہے؟'' گھر کو تاڑتے صفدر نے پوچھا تو وہ رک گئی۔
''مجھے نہیں پتا۔'' وہ چڑ گئی' وہ باپ کی لالچی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔
آج کل اس کی جو حالت تھی اس کے سبب وہ ویسے ہی بہت چڑچڑی ہو رہی تھی لیکن بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ باپ کو جھیل رہی تھی۔
''تو پھر تجھے پتا کیا ہے؟ کچھ خرچہ ورچہ بھی دیتا دلاتا ہے یا پھر خالی خولی نکاح کے نام پر بٹھا رکھا ہے۔'' زیبن نے بڑے ضبط سے دیکھا اور پھر بغیر کوئی جواب دیئے وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ صفدر بڑی سوچتی نگاہوں سے گھر کو دیکھتے ارد گرد چکر لگانے لگا تھا۔

❁......❁......❁
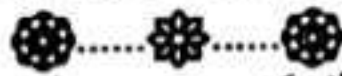
شہوار اسپتال ماں جی کے ساتھ آئی تھی' مصطفیٰ ڈاکٹرز کے پاس تھا۔ صبوحی بیگم کو ہوش آچکا تھا جبکہ ولید ابھی بھی انڈر آبزرویشن تھا۔ انا شہوار کے گلے لگ کر شدت سے رو رہی تھی۔
''اگر ولی کو کچھ ہوگیا تو میں بھی مرجاؤں گی۔'' اس کے الفاظ پر شہوار ساکت ہوئی' اتنی شدت' اتنی جذباتیت۔ سبھی ویٹنگ روم میں تھے جبکہ وہ انا کے ساتھ صبوحی بیگم کے کمرے میں تھیں۔
''ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا' بس تم دعا کرو۔'' شہوار تسلی دے رہی تھی' جبکہ اس کا دل خود بھی بہت غم زدہ تھا۔
کچھ دیر بعد روشی اور احسن آگئے تھے' ساتھ ضیاء صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹرز کی طرف سے ولید کے لیے ابھی بھی وہی جواب تھا'

مصطفیٰ بہت پریشان تھا۔ مصطفیٰ وقار صاحب کے ہمراہ صبوحی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں مہر النساء اور شہوار کو موجود پا کر رک گیا تھا' انا کا کندھا تھپتھپاتے شہوار نے بھی مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔
''آپ دونوں کس کے ساتھ آئیں؟'' قریب آ کر اس نے ماں جی سے پوچھا۔
''شہوار آنا چاہ رہی تھی تو ڈرائیور چھوڑ گیا تھا۔''
''آپ ساری رات کی تھکی ہوئی تھیں آرام کر لیتیں کسی اور کو ہمراہ لے کر شہوار آ جاتی۔'' مصطفیٰ نے کہا' شہوار انا سے جدا ہو کر قریب آئی۔
''میں رات سے کالز کر رہی ہوں آپ پک ہی نہیں کر رہے۔'' انداز میں خفگی تھی۔
''ادھر اتنی ٹینشن تھی' بزی تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھتے کہا۔
''لیکن میسج کا ریپلائی تو کر سکتے تھے نا؟''
''میں نے ابھی تک کوئی بھی میسج نہیں دیکھا۔'' مصطفیٰ نے کہا اور پھر احسن کے پکارنے پر پلٹ گیا تھا۔ رات کی طرح مصطفیٰ کا انداز خفا نہیں تھا تاہم سنجیدگی برقرار تھی۔
شہوار کے اندر کچھ سکون سا اترا تھا' صبح ہوتے ہی ڈاکٹر کے ڈیوٹی آورز شروع ہو چکے تھے۔ صبوحی بیگم ہوش میں تھیں بات بھی کر رہی تھیں۔ ان کی طرف سے دل کو کچھ تسلی ہوئی تو توجہ اور پریشانی کا مرکز ولید کی ذات بن گئی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کو لگ رہا تھا کہ گویا زندگی روٹھتی جا رہی ہے۔
''شہوار آپ ایسا کریں انا کو سمجھا بجھا کر گھر لے جائیں' روشی ماما کے پاس رک جاتی ہے۔ پاپا کو بھی آرام کی ضرورت ہے' جیسے ہی ڈاکٹرز کی طرف سے کوئی اچھی خبر ملتی ہے ہم آپ کو اطلاع کر دیں گے۔'' احسن نے کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا تھا۔
انا گھر جانے پر آمادہ نہ تھی لیکن سب کے اصرار پر وقار صاحب اور شہوار کے ساتھ آ گئی تھی۔ مہر النساء ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ انا کو شہوار کے سہارے کی ضرورت تھی' سو اسے اس کے ساتھ جانے دیا گیا تھا۔ گھر آ کر صغراں سے چائے بنوا کر شہوار نے زبردستی انا کو پلائی۔ وقار صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ناشتا کرنے سے انہوں نے بھی منع کر دیا تھا' عجیب افسردہ سا ماحول تھا۔ شہوار واپس انا کے پاس اس کے کمرے میں آ گئی تو وہ قالین پر بیٹھی شدت سے رو رہی تھی۔
''انا......؟'' شہوار نے اس کا کندھا تھامنا چاہا تو وہ اس کے ساتھ لپٹ کر شدت سے رو دی تھی۔
''محبت پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا' اگر ہوتا تو شاید میں ولید ضیاء سے کبھی محبت نہ کرتی۔'' انا نے روتے ہوئے کہا اور شہوار ایک دم گم صم سی ہو گئی تھی۔
''میں نے ولی کو دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہا تھا' پاگل پن کی حد تک۔ ولی کی طرف نگاہ اٹھتی تھی تو اپنا آپ بھول جاتی تھی میں۔'' وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی' شہوار نے دھیرے سے اسے خود سے جدا کیا۔
''اگر یہ سب تھا تو تم نے یہ منگنی کیوں ختم کی' یہ جماد کہاں سے آ گیا تھا تم دونوں کے درمیان۔'' شہوار کی حیرت سوا ہوئی تھی۔
''بالکل اسی طرح جس طرح کاشفہ میرے اور ولی کے درمیان آ گئی تھی۔'' شہوار کاشفہ کے نام پر ایک دم چونکی تھی۔
''کون کاشفہ؟''
''ایک بار ولی کی کار سے اس لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا پھر دونوں ملنے لگے وہ لڑکی ولید کو پسند کرنے لگی اور میں سمجھتی رہی کہ ولید میرے ساتھ ساتھ اس لڑکی کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔'' اپنی ہچکیوں پر قابو پاتے سر جھکائے اس نے مزید بتایا۔
''اس لڑکی نے ولید کی خاطر خودکشی کی کوشش کی تھی......'' شہوار الجھ گئی تھی۔
''وہ مجھے کالز کرتی اور بہت کچھ کہتی رہتی' میں سمجھتی رہی کہ ولید بھی اس لڑکی میں انوالو ہے۔ میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں ولید سے پاگل پن کی حد تک محبت کرتی تھی اور محبت کے ساتھ اس کی پرچھائی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں بداعتمادی کا شکار ہوئی اور میرا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ میں نے ولید ضیاء سے محبت تو کر لی تھی لیکن کبھی اعتبار نہ کر سکی۔'' وہ کہہ کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھر شدت سے رو دی۔

''میں سمجھتی رہی کہ ولید مجھے دھوکہ دے رہا ہے' میں ولید سے الجھتی تھی لڑتی تھی۔ میرے جذبات نے مجھے عجیب پاگل سا بنادیا تھا' میں نے اپنے ہاتھوں سے ولید کو خود سے بدظن کردیا۔''
''جب یہ سب کچھ تھا تو پھر یہ فاصلے کیسے آ گئے تم دونوں میں' جہاں تک میں جان پائی ہوں ولی بھائی ایک بہت ہی ڈیسنٹ اور مخلص انسان ہیں' تم نے اتنی بڑی زیادتی کردی ان کے ساتھ۔'' شہوار کو یہ سب سن کر اور انا کی حالت دیکھ کر ازحد تاسف ہو رہا تھا۔
''میری بیوقوفی' کم عقلی اور میرا جنون مجھے لے ڈوبا۔ میں ولید کی محبت' اس کے رویوں کو شک کی نگاہ سے تولتی رہی' کبھی کاشفہ اور کبھی کیتھی کو لے کر بدظن ہوتی رہی۔'' وقت انا کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اب پچھتاوے اس کے ساتھ تھے' صرف پچھتاوے۔ وہ پچھتاوؤں کے سمندر میں غرق خوداحتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔
''لیکن میں نے بس یہی چاہا تھا کہ ولی کو کچھ بھی نہ ہو' کسی کو بھی کچھ نہ ہو۔ کاشفہ مجھے دھمکیاں دیتی رہی اور میں سب سمجھتے بوجھتے اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتی گئی۔'' شہوار نے اسے حیرت سے دیکھا' نجانے یہ کاشفہ کون تھی اور اس کی کیا کہانی تھی؟
انا اسے بہت عزیز تھی لیکن اسے گمان تک نہ تھا کہ انا کی زندگی میں اتنا کچھ ہوگیا وہ بھی محض کسی اور لڑکی اور ایک شک کی وجہ سے۔ شہوار نے اسے اپنے ساتھ لگالیا اور انا اس کے دل پر منوں کے حساب سے بوجھ لدا ہوا تھا وہ ایک ایک کرکے سب کچھ بتاتی چلی گئی اور شہوار حیرت سے گنگ انا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سنتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

صفدر سانپ کی طرح اس کے گھر میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا' زیبن ایک طرح سے گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ بخش دین جس لڑکے کا بندوبست کر کے گیا تھا وہ اسے فارغ کر چکا تھا' ملازمہ پر اس کی کڑی نظر تھی۔ کئی بار وہ زیبن کے کمرے اور پورے گھر کی تلاشی لے چکا تھا' پیسے کی ہوس نے اسے اندھا بنا رکھا تھا' زیبن گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی۔
اس کی ڈلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جارہے تھے ویسے ویسے ہی وہ زندگی سے بےزار حالات میں جکڑی بالکل بےبس ہوتی جارہی تھی۔ ایسے میں بابا صاحب کی آمد کسی صدمے سے کم نہ تھی۔
''حیات علی کو ہم نے باہر بھجوادیا ہے اور ہم ایسے حالات پیدا کررہے ہیں کہ وہ اب اگلے تین سال تک پاکستان نہیں آسکے گا۔ تم جیسی لڑکیوں سے اپنے بچوں کی جان کیسے چھڑوائی جاتی ہے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔'' وہ دولت و جاگیر کے نشے میں چور کہہ رہے تھے اور زیبن حیرت میں گم ان کو سن رہی تھی۔
''جاگیرداروں کے بیٹے جوانی کے جوش میں ایسی غلطیاں کرتے رہتے ہیں' تمہاری حیثیت ہمارے نزدیک اس بازاری لڑکی سے زیادہ نہیں جو پیسے کی خاطر اپنا آپ کو بیچ دیتی ہے۔'' وہ اسے ذلیل کررہے تھے اور زیبن کے اندر گویا پل پل زندگی کی رمق ختم ہوتی جارہی تھی۔
''ایک دو دن کے اندر یہ گھر خالی کرکے نکل جاؤ تم یہاں سے ورنہ میرے ملازم خود آکر تمہیں یہاں سے ذلیل کرکے باہر نکال پھینکیں گے۔'' زیبن کا دل ایک دم کانپا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے خاموش تماشا دیکھتے باپ کو دیکھا۔
''ایسے کیسے نکل جائیں تمہارا بیٹا نکاح کر کے لایا تھا اسے۔'' صفدر درمیان میں کودا تو پہلی بار باپ کی موجودگی سے زیبن کے اندر کچھ تسلی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔
''کون ہو تم؟''
''باپ ہوں اس کا۔''
''اوہ......'' بابا صاحب نے بغور دیکھا۔ ایک چالاک اور عیار شخص جیسی چمک آنکھوں میں لیے وہ بغور دیکھ رہا تھا۔
''تو پھر ٹھیک ہے میرے بندے تم لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔'' بابا صاحب نے ڈرانا چاہا تھا۔
''میں پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گا' کورٹ میں مقدمہ کردوں گا۔'' صفدر چیخ کر بولا' تبھی بابا صاحب نے اپنے ملازمین کو آواز دی' وہ اندر آگئے تھے۔
''دو دن تم لوگ اس گھر کے سامنے پہرہ دو گے اگر ان لوگوں نے گھر خالی کردیا تو ٹھیک ورنہ اٹھا کر سامان سمیت باہر پھینک دینا۔''

وہ کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔ پیچھے صفدر چیختا چلاتا رہا لیکن کوئی اثر نہ تھا۔ باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو صفدر باہر بھاگا ابھی گاڑی روانہ نہیں ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے سنجیدگی سے صفدر کو کھڑکی کے پاس آ کر ہاتھ جوڑ کر کچھ کہتے دیکھا تو تلخی سے مسکرائے۔

❁......❁......❁
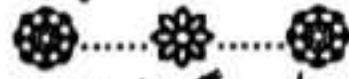
ایک ماہ گزرنے میں ابھی کچھ دن باقی تھے' حیات علی نے گھر فون کیا۔ بابا صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے انہیں دو ماہ مزید رکنے کو کہا۔ حیات علی پہلے ہی بڑی مشکل سے ایک ماہ گزار پائے تھے' بابا صاحب کا یہ حکم بہت گراں گزرا تھا۔ انہوں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن بابا صاحب کے دوٹوک انداز کے سامنے بالکل بے بس ہوگئے تھے۔

بابا صاحب سے بات کرنے کے بعد حیات علی ازحد فکرمند تھے۔ زیبن جس حالت میں تھی ایسے میں اس کے پاس ایک ہمدرد ایک خیال رکھنے والے ساتھی کی ضرورت تھی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اس سے مل بھی نہیں سکے تھے' ملازمہ کی زبانی اس کے باپ کی آمد پھر بہن کے ہاں زیبن کے چلے جانے کا سن کر دل اور بھی پریشان تھا۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ جو بہن کے ہاں چلی گئی تھی۔ وہ تو دن گن گن کر یہ وقت گزار رہے تھے لیکن اب بابا صاحب کا یہ حکم انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ زبیدہ کا بھائی ان کے قیام کی مدت بڑھا دے گا وہ آرام وسکون سے بیوی بچوں سمیت وہاں رہ لیں۔

دو ماہ اور رکنا ایک عذاب لگ رہا تھا' انہوں نے زبیدہ سے بات کی تو زبیدہ نے بھی انکار کردیا تھا۔

''میں ابھی رکنا چاہتی ہوں' بھائی صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم یہاں کچھ عرصہ مزید قیام کریں۔''

''تم اور بچے رکنا چاہتے ہو تو ضرور رکو مگر میں نہیں رکوں گا' میں اب جلد ہی واپس جاؤں گا۔'' وہ سختی سے کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے دل میں عجیب عجیب سے وسوسے پیدا ہورہے تھے۔

زیبن کو اس حالت میں چھوڑ کر آنے پر ان کا دل مسلسل ملامت کررہا تھا۔ زبیدہ ابھی واپس آنے پر راضی نہ تھی' وہ اپنی واپسی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ اس دن بھی وہ ایمبیسی میں گئے تھے' واپسی پر ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے تھے جب مخالف سمت سے آتی تیز رفتار گاڑی ان کو کچل کر بھاگ گئی تھی۔

❁......❁......❁
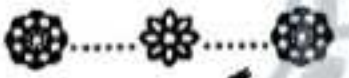
وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھی وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آ گئی تھیں' انا کو رہ رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہورہا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں آنا چاہیے تھا۔

ولید کی طرف سے بدگمانی اور شکوک نے گویا اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کردی تھیں لیکن یہاں آنے کے بعد اسے ان دونوں لڑکیوں کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ جیسے ہی ایک کمرے میں داخل ہوئی' کاشفہ اور اس کے ساتھ موجود دوسری لڑکی نے اس کے ہاتھ سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔

''یہ تم کیا کررہی ہو؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''تم ہماری مہمان ہو' آرام وسکون سے بیٹھ جاؤ۔ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔'' کاشفہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر بستر کے کنارے دھکا دے کر بٹھا دیا تھا۔ اس نے اس کا بیگ لے لیا وہ اس کی تلاشی لے رہی تھی اور پھر ایک کونے سے موبائل نکال کر اس نے اس کے سامنے سوئچ آف کیا تھا۔ انا نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ تم کیا کررہی ہو؟'' کاشفہ مسکرائی تھی۔

اس کا دماغ اب تیزی سے سوچ رہا تھا اور جو حقیقت سامنے آرہی تھی وہ یہ تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکا کھا چکی ہے اور اب نجانے کاشفہ کیا کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا' وہ ایک دم اپنا چکراتا سر تھام کر بے یقینی سے انہیں دیکھتی بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''ارے ہم نے تو ابھی کچھ کہا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئیں۔'' کاشفہ نے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو پہلے ہی نڈھال سی تھی ایک دم بے دم سی ہوگئی تھی۔ اس کی ذہنی سطح پر لگنے والا یہ صدمہ اسے بالکل مفلوج کرچکا تھا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' انا کی آواز لرز رہی تھی۔

"ولید کو؟" وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔ انا کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔
"تو مجھے یہاں کیوں لائی ہو تم؟" وہ اذیت سے چیخی تھی۔
"اپنی تصحیح کرلو میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔" انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے ہوں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"تم دونوں مجھے دھوکے سے ساتھ لائی ہو تم بات کرنا چاہتی تھی میں تمہاری بات سننے کے لیے ساتھ آئی تھی۔" کاشفہ ہنسنے لگی تھی۔
"ہاں تو بات ہی کریں گے۔" ہنسی روک کر اس نے کہا تھا۔
"لیکن اب مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی' جارہی ہوں میں۔" انا کاشفہ کے تیور دیکھ کر سمجھ چکی تھی۔ وہ بے یقینی کے سحر سے نکلی تو ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔
کاشفہ نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا رستہ روکا تھا اور کاشفہ کی دوست نے دروازہ لاک کردیا تھا۔ انا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔
"اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نہیں نکل سکتیں جب تک میں نہیں چاہوں گی۔" کاشفہ کا لب ولہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا' انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پہ آ گری ہے۔
"یو بلڈی......" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"تم لوگوں نے مجھے چیٹ کیا' دھوکے سے یہاں لائیں۔" وہ ایک دم تمام تر لحاظ ومروت بھلا کر پھٹ پڑی تھی۔
"یو شٹ اپ......" کاشفہ نے انگلی اٹھا کر ایک دم چپ کروایا تھا۔
"تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی' مکمل طور پر ہمارے اختیار میں ہو ذرا سی بھی بکواس کی تو جان سے ماردوں گی۔" کاشفہ نے اپنے بیگ سے چاقو نکال کر انا کے سامنے لہرایا تھا۔ انا کا سانس ایک دم رکنے لگا تھا۔
"آرام سے بیٹھ جاؤ۔" چاقو کے اشارے سے اس نے اسے بستر کی طرف دھکیلا تھا' انا بستر کے کنارے گر گئی تھی۔
"میں ولید سے محبت کرتی ہوں اور تم اس بات سے اچھی طرح واقف بھی ہو۔" اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کاشفہ نے کہنا شروع کیا تھا۔
"لیکن تم یہ نہیں جانتیں کہ ولید مجھ سے محبت کرتا ہے۔" دونوں کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔
"مجھے ولید پہلی نگاہ سے ہی اچھا لگا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو مجھے اس شخص کو حاصل کرنا ہے اور پھر میں نے اس کے لیے کوشش شروع کردی۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
"ولید جتنا شاندار تھا میرے لیے اتنا ہی مشکل مرد ثابت ہوا' میں کاشفہ جو لڑکوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی وہ ولید ضیاء کو نہ اپنے حسن کے جال میں جکڑ سکی اور نہ ہی اپنی اداؤں سے۔ ولید سے دوستی میں زیادہ تر ہاتھ میرا تھا اور وہ مروت میں میری طرف بڑھتا رہا۔ میں سمجھتی رہی کہ ایک دن ضرور میں اسے حاصل کرلوں گی لیکن پھر تم درمیان میں آ گئیں۔" اس نے کہتے کہتے نفرت سے انا کو دیکھا تھا۔
"تم نے مجھے بتایا کہ تم اس کی فیانسی ہو میں یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ میں نے ولید کے لیے کیا کچھ جتن کیا حتی کہ اسے قائل کرنے کے لیے خودکشی تک کی کوشش کی لیکن وہ اب مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں لیکن میں اب اسے بتاؤں گی اگر کاشفہ کو اس کی من پسند چیز نہ ملے تو وہ کیا کچھ کرسکتی ہے۔"
"اور وہ سب جو تم اپنے اور ولید کے تعلق کے بارے میں بتاتی رہیں وہ سب کیا تھا؟" کاشفہ کے الفاظ سن کر انا کا غم سے بُرا حال تھا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا تو کاشفہ مسکرائی تھی۔
"وہ سب جھوٹ تھا' میرا اور ولید کا ایسا کوئی بھی تعلق نہ تھا میرا مقصد تمہیں ولید سے بدظن کرکے دور کرنے کا تھا۔" انا کا جی چاہا اپنے آپ کو شوٹ کرلے۔ وہ ایک کم عقل' احمق اور بے وقوف لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اپنی بداعتمادی اور شکی طبیعت کے باعث

نہ صرف خود عذاب میں مبتلا رہی تھی بلکہ ولید کی زندگی بھی اجیرن کر چکی تھی۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

"تو اب کیوں بتا رہی ہو تم؟" انا کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی سمیت وہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔

"میں ولید کے سامنے ہر طرح کا حربہ آزما چکی ہوں وہ اب میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا لیکن اب مجھے اسے حاصل کرنا ہے یہ اب میری ضد ہے اور تم مجھے ولید تک پہنچاؤ گی میرے اور اس کے درمیان راہ ہموار کرو گی۔" کاشفہ نے سفاکیت کی انتہا کر دی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے تمہاری یہ ساری بکواس سننے کے بعد میں تمہارا ساتھ دوں گی؟" انا کے لہجے میں نفرت تھی، کاشفہ مسکرائی تھی۔

"بالکل...... تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہوگا تم ہمارے ساتھ آ کر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار چکی ہو اور جب تک ہمارے درمیان معاملات طے نہیں ہوں گے تم یہاں سے نہیں نکل سکتیں۔" ہاتھ میں تھاما چاقو انا کے سامنے کرتے اس نے کہا تو انا کے اندر ایک دم غم و غصے کا شدید طوفان اٹھا تھا۔ اس نے کھینچ کر اپنا ہاتھ کاشفہ کے چاقو والے ہاتھ پر مارا تھا، چاقو دور جا گرا تھا۔ کاشفہ کو دھکا دے کر اپنا بیگ جھپٹ کر انا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اسے اب ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا لیکن دروازہ لاک تھا تب تک کاشفہ اور اس کی دوست دونوں سنبھل چکی تھیں۔ کاشفہ نے دوبارہ چاقو تھام لیا تھا انا زور زور سے لاک گھما رہی تھی۔

"یو بلڈی...... تم یہاں سے بھاگو گی میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔" کاشفہ پاگلوں کی طرح غراتے انا کی طرف بڑھی تھی۔

❀......❀......❀

صفدر کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی چڑھی ہوئی تھی وہ بابا صاحب سے ملا تھا۔ نجانے کیا معاملات طے کیے تھے کہ زیب النساء کے چیخنے چلانے کے باوجود اس نے ملازمہ کو فارغ کر دیا تھا اور پھر زہین کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔

"ابا یہ ظلم مت کرو میری حالت دیکھو میں کہاں خوار ہوتی رہوں گی وہ میرے شوہر کا گھر تھا۔ میرا شوہر مجھے یہاں لایا تھا کیوں ظلم کر رہے ہو۔" باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتی زہین صفدر کا دل نہیں پگھلا سکی تھی۔

"تیری ماں مرتے مرتے میرے ساتھ تو نیکی کر گئی ہے بڑا پیسہ ہے اس چوہدری کے پاس اب دیکھو میں کیسے پیسہ نکلواتا ہوں۔" بیٹی کے رونے دھونے کا کوئی اثر ہی نہ تھا، زہین نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

وہ اسے تھوڑا بہت کھانے کا سامان دے کر گھر میں بند کر کے چلا گیا تھا، زندگی میں پہلی بار زیب النساء اس رات خوف زدہ ہوئی تھی اور پھر آنے والے لگاتار تین چار دن تک صفدر نے گھر کی راہ نہ دیکھی تو زہین کو اپنے ساتھ ساتھ اپنے اندر پلتی جان کی فکر بھی ستانے لگی۔

گھر میں صفدر کھانے پینے کو جو چھوڑ کر گیا تھا وہ سب ختم ہو چکا تھا۔ کل سے وہ بس پانی پر گزارہ کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اسی طرح وہ بھوک سے نڈھال لڑتی رہی تو وہ مر جائے گی وہ بس ہر وقت رو رو کر اللہ سے صفدر کے آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اور پھر پانچویں دن صفدر چلا آیا تھا۔ برآمدے کے ننگے فرش پر بے ہوش زیب النساء کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔

اسے بابا صاحب کے ساتھ کی گئی ساز باز پانی میں ڈوبتی محسوس ہونے لگی۔ وہ بابا صاحب کو بلیک میل کر کے بہت سارا پیسہ نکلوانا چاہتا تھا ایسے عالم میں زہین کا زندہ رہنا لازمی تھا۔ جیسے تیسے کر کے اس نے زہین کو چارپائی پر لٹایا تھا اور خود ڈاکٹر کو بلانے چل دیا تھا بھوک نقاہت، خوف اور صدمے نے زیب النساء کو نیم جان کر دیا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ بس اللہ کا ہی کرم تھا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا، دوائیاں لکھیں، مناسب خوراک اور دیکھ بھال کی تلقین کرتا چلا گیا تو صفدر زیب النساء کی تیمارداری میں لگ گیا تھا۔ کچھ دنوں میں اس کی حالت بہتر ہوئی وہ اب اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گئی تھی۔

"ابا کیوں کر رہے ہو یہ سب؟" اگلے دن صفدر کھانے پینے کا کافی سارا سامان رکھ کر پھر کہیں جانے لگا تو خوف سے لرزتی زیب النساء سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"تو تیرا کیا خیال ہے میں ہر وقت تیرے گھٹنے سے ہی لگا رہوں۔" کھا جانے والی نظروں سے زیب النساء کو گھورا تھا، وہ سہم گئی تھی۔

ماں کے پلو سے لگ کر جوان ہونے والی لڑکی چوہدری حیات علی کی بیوی بن کر اور بھی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ صفدر چلا گیا تو وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ دن بہ دن اس کے اندر کی مقابلے کی قوت ختم ہوگئی تھی۔

چوہدری حیات علی کو ملک سے باہر ایک ماہ ہو چکا تھا' وہ گھر چھوڑ چکے تھے کوئی جان پہچان والا نہ تھا کہ جس سے وہ رابطہ کر کے کوئی خیر خبر حاصل کر لیتی۔ زندگی ایک دم تاریک اور بھیانک ہوگئی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ صفدر صرف تب تک اس کا خیال رکھنے والا تھا جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے لیتی۔ اس کے بعد اس جیسا لالچی آدمی نجانے اسے کس کے ہاتھ جوئے کے نام پر بیچ دیتا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے وہ دن رات حیات علی کے لوٹ آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اس کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔

بس اپنے بچے کے آنے کا انتظار تھا' زیب النساء کا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ تھا اور پھر ایک شام اس کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی' خوش قسمتی سے اس شام صفدر گھر پر ہی تھا۔ دو دن بعد وہ گھر لوٹا تھا' بیٹی کی چیخیں سن کر کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر نجانے اسے اس کی حالت پر ترس آ گیا تھا یا کیا تھا وہ ایک عورت کو لے آیا تھا اور پھر اس شام اس نے اللہ کو یاد کرتے درد سہتے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ ایک خوب صورت لیکن بہت کمزور سے بیٹا زیب النساء کو لگا اس کے اندر جیسے زندگی نے پھر نئی کروٹ لی ہو۔ اسے تمام تکلیفیں اور تمام درد بھولنے لگے تھے۔ صفدر خلاف توقع اس کا خیال رکھ رہا تھا' کھانے پینے کا سامان لا دیتا تھا۔ بچہ بہت خوب صورت تھا لیکن بہت کمزور' زیب النساء کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی لیکن اب اس کے اندر اپنے بیٹے کے لیے زندہ رہنے کی خواہش ابھری تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی صرف اور صرف اپنے بیٹے کے لیے۔ حیات علی کا انتظار کرتے کرتے وہ اب مایوس ہو چکی تھی اب اس کی سوچوں کا محور صرف اس کا بیٹا تھا۔

بیٹے کی پیدائش کو آٹھ دن گزر چکے تھے' نہ کوئی رسم ہوئی اور نہ ہی کوئی خوشی۔ غم سے نڈھال زیب النساء نے خود ہی اپنے بیٹے کا نام رکھ لیا۔

''فیضان حیات علی......'' وہ دن میں کئی کئی بار یہ نام دہراتی اور سسکنے لگتی' اسے حیات علی کی بہت یاد آتی تھی۔ صفدر کی طرف سے ابھی تک سکون تھا' وہ اس کے کھانے پینے علاج معالجے کا خیال رکھ رہا تھا' اسے لالچ تھا یا کیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اس دن فیضان کو سلا کر کمرے سے نکلی تو صفدر نے روک لیا۔

''اپنے بیٹے کو تیار کر دے مجھے اسے کہیں لے کر جانا ہے۔'' وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

''کہ......کہاں جانا ہے......؟''

''حیات علی کے باپ کے پاس جاؤں گا۔''

''کیوں؟''

''اس کے باپ کی خیر خبر لوں گا' ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ نکاح ہوا تھا تمہارا' اس کے باپ نے اس گھر سے نکلوا دیا اور اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔'' صفدر نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تو تم خود جا کر پتا کر آؤ نا' فیضان کو کیوں ساتھ لے کر جاتے ہو۔''

''زیادہ بک بک نہ کر' تجھ سے مشورہ نہیں مانگا۔ اپنے بیٹے کو کپڑے بدل کر دے مجھے۔'' صفدر نے تلخی سے کہا۔

وہ ایک لمبی پلاننگ کر چکا تھا وہ اب فیضان کو آلہ بنا کر بابا صاحب کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے بھی وہ گھر چھوڑنے پر معاملہ طے کرتے ان سے رقم نکلوا چکا تھا۔ زندگی اس کی جیسے تیسے گزر چکی تھی لیکن وہ اب اپنے بڑھاپے کا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔

''میں نہیں دوں گی' تمہارا کوئی بھروسہ نہیں تم اسے لے کر بھاگ گئے تو......''

''زیادہ زبان نہ چلا' بھاگنا ہوتا تو ان دو ماہ کا انتظار نہ کرتا۔ اس کے باپ کا پتا کرنے جا رہا ہوں' تیرا ہی بھلا ہے اس میں۔'' غصے سے بیٹی کو گھورا تھا' وہ اس کی بات سن کر چونکی تھی۔

''لیکن فیضان بہت چھوٹا ہے وہ میرے بغیر نہیں رہ سکے گا۔''

''تو ٹھیک ہے چل تو بھی ساتھ چل۔'' اسے کسی بھی طرح آمادہ نہ دیکھ صفدر نے پینترا بدلا تھا۔ زیب مان گئی' حیات علی کے

گاؤں کا انہیں بس نام کا پتا تھا صفدر کے ساتھ انہیں وہاں آتے آتے چار گھنٹے لگ گئے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے ایک بہت بڑے جاگیردار تھے حیات علی کی حویلی تک پہنچنے میں دقت نہ ہوئی تھی۔ بخش دین نے فوراً پہچان کر انہیں گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' وہ دیکھتے ہی پریشان ہوگیا تھا۔

''حیات علی میری بیٹی کا شوہر ہے اس کے باپ نے ہمیں وہاں سے نکال دیا' کہتا تھا خاموشی سے نکل جاؤ ورنہ پولیس کے حوالے کردوں گا۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی کی خاطر نکل آیا لیکن اب اس کا ایک بیٹا ہے چوہدری حیات علی کا کوئی اتا پتا نہیں۔'' صفدر اونچی آواز میں بولنے لگا تھا' بخش دین ارد گرد دیکھتے کسی کو علم نہ ہوجانے کے خوف سے ان دونوں کو لے کر ایک طرف کونے میں آرکا تھا۔

''دیکھو تم نے ان کو اور بچے کو ساتھ لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے' تم نہیں جانتے یہ لوگ کیسے ہیں۔ چوہدری حیات علی کی وجہ سے بابا صاحب نے تم لوگوں کو زندہ چھوڑ رکھا ہے ورنہ وہ کچھ بھی کرسکتے تھے۔''

''لیکن چوہدری صاحب کہاں ہیں' تم نے کہا تھا ایک ماہ بعد وہ پاکستان آجائیں گے لیکن ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں ملی۔'' زیبن نے خود پوچھا تو بخش دین کچھ دھیما ہوا۔

''باہر کے ملک میں چوہدری صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔''

''ہائے میں مرگئی۔'' زیبن تو سن کر تڑپ اٹھی تھی۔

''بڑی نازک حالت تھی' کئی ماہ سے وہاں اسپتال میں ہیں۔ سنا ہے دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی اور بھی چوٹیں لگی آئیں ہیں' مہینوں لگ جانے ہیں بالکل ٹھیک ہونے میں۔'' بخش دین نے بتایا تو زیب النساء ایک دم رونے لگی۔ وہ سمجھتی رہی تھی کہ حیات علی اسے چھوڑ کر چلے گئے اور اب کبھی پلٹ کر نہیں آئیں گے لیکن ایسا بھی ہوسکتا ہے اس کے گمان میں نہ تھا۔

''اب کیا ہوگا؟'' وہ رو رہی تھی۔

''آپ فکر نہ کرو' چھوٹے چوہدری صاحب سے میرا رابطہ نہیں ہو رہا جب بھی کوئی اطلاع ملی تو میں ان تک پیغام پہنچادوں گا۔'' بخش دین نے خلوص سے کہا۔

''چھوڑو تمہارے پیغام پہنچانے تک کیا ہم ایسے ہی لٹکے رہیں گے۔ میں آج بڑے چوہدری سے مل کر ہی جاؤں گا' نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے۔ یہ بچہ اب چھوٹے چوہدری کا بیٹا ہے' دیکھتا ہوں چوہدری ہمیں کیسے یہاں سے نکالتا ہے۔'' صفدر جو پلاننگ کرچکا تھا اس سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

''چوہدری صاحب تم کو جان سے ماردیں گے اگر تم ایسا کرو گے۔ میری مانو تو تم دونوں چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ اگر بڑے چوہدری صاحب کو خبر بھی مل گئی تو وہ حشر نشر کردیں گے تم لوگوں کا۔'' بخش دین نے ڈرانا چاہا۔

''میں نہیں ڈرنے والا' تم مجھے چوہدری سے ملوادو بس' پھر دیکھتا ہوں کیا کرتا ہے وہ۔'' وہ کسی بھی طور ٹلنے والا نہ تھا۔

''جیسے تمہاری مرضی لیکن ایک بات مانو بی بی کو ساتھ مت لے جاؤ ان کو میں ادھر کمرے میں بٹھادیتا ہوں اور تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' زیب النساء جو پہلے ہی حیات علی کا سن کر رو رہی تھی ایک دم ڈر گئی تھی۔

بخش دین اسے چوکیدار کے بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا کر خود صفدر کو لے کر چلا گیا تھا' چوہدری سراج بخش دین کے ساتھ صفدر کو دیکھ کر چونکے تھے۔

''تم یہاں......''

''تم تو چوہدری اس گھر سے نکلنے پر کچھ ہزار دے کر رفو چکر ہوگئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی جلدی تمہاری جان چھوڑ دوں گا۔ نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے' حیات علی کا بیٹا پیدا ہوا ہے میں چاہوں تو مقدمہ کرسکتا ہوں۔'' صفدر علی آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔

''تم جیسے نیچ خاندان کے لوگ ایسے ہی پیچھا پکڑ لیتے ہیں۔ تم نے معاملہ طے کیا تھا کہ تم اپنی بیٹی کو لے کر بالکل غائب ہوجاؤ گے اور کبھی نظر نہیں آؤ گے۔ پیسے لیے تھے تم نے مجھ سے اس کام کے لیے' اب تم دھمکیاں دے رہے ہو وہ بھی چوہدری سراج علی

کو۔ جانتے ہو کیا انجام ہوسکتا ہے تمہارا یہاں آنے پر۔" نہایت غیض و غضب سے صفدر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بہو اور اس کے بیٹے پر وہ ساری رقم خرچ کی ہے میں نے یا تو مجھے میری منہ مانگی رقم دو یا پھر میری بیٹی کو اس حویلی میں جگہ......" اس نے دھمکایا۔ چوہدری سراج نے چند پل بغور مغدر کو دیکھا۔

وہ ایک لالچی شخص تھا اس کا منہ بند کیا جاسکتا تھا لیکن یہ مسئلے کا حل نہ تھا وہ پھر کسی بھی وقت انہیں دھمکانے دوبارہ آسکتا تھا اور پھر اگر کسی اور سے ملاقات ہو جائے تو ان کی عمر بھر کی عزت مٹی میں مل سکتی تھی۔ انہوں نے کچھ سوچا اور بخش دین کو کچھ لوگوں کو بلوانے کا کہا وہ لوگ آگئے تو چوہدری سراج علی نے ان کو حکم دیا۔

"اس شخص کو لے جاؤ اس کا وہ حشر کرو کہ دوبارہ مجھے نظر نہ آئے۔"

"تم ایسا نہیں کرسکتے چوہدری میں پولیس میں جاؤں گا مقدمہ کروں گا تم پر۔" وہ چیخنے چلانے لگا تھا جبکہ تین چار طاقتور مرد زبردستی دھکیلتے اسے لے گئے تھے۔ بخش دین خاموشی سے محو انتظار زیبن کے پاس آیا تھا۔

"بی بی تمہارے باپ کو چوہدری کے بندے لے گئے ہیں اب وہ زندہ بچتا ہے یا نہیں تم فوراً یہاں سے نکلو۔ اگر چوہدری صاحب کو پتا چل گیا کہ تم بھی ساتھ تھیں تو وہ تمہیں اور تمہارے بچے کو بھی جان سے مروا دے گا۔"

"کیا......؟" زیب النساء ڈر گئی تھی۔ بخش دین اسے چوری چھپے وہاں سے نکال کر اڈے تک پہنچا گیا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار سفر کر رہی تھی نجانے وہ کیسے ٹھوکریں کھاتی واپس پہنچی تھی۔ صفدر کے ساتھ نجانے کیا سلوک ہوا تھا وہ غم سے نڈھال تھی۔ رات گئے وہ شہر پہنچی تھی اکیلی تنہا ایک دو ماہ بچے کے ساتھ ڈری سہی لڑکی وہ بہت کچھ برداشت کرتی گھر پہنچی تو آگے تالا لگا ہوا تھا۔

اسے یاد آیا چابی تو صفدر کے پاس تھی۔ بخش دین نے اسے کرائے کے لیے کچھ پیسے دیئے تھے ان میں کچھ بچ گئے تھے وہ تھکی ہاری جب مہر النساء کے گھر پہنچی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر پر نہیں تھا چوکیدار کو ترس آ گیا تھا اس کی حالت اس قدر ابتر ہو رہی تھی کہ اسے اندر جانے دیا تھا۔ مہر النساء اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ بخش دین کی زبانی زیب النساء کو جو معلوم ہوا تھا وہ سب اس نے مہر النساء کو کہہ دیا تھا۔

مہر النساء نے بظاہر تسلی دی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ خود بھی پریشان ہو چکی تھی جیسے تیسے کچھ دن گزرے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر آچکا تھا زیب النساء کو دیکھ کر اس نے ناک منہ چڑھایا تھا لیکن کہا کچھ نہ تھا۔ زیب النساء دو تین بار جا کر پتا کر آئی تھی گھر پر ابھی بھی تالا تھا۔

اس رات وہ بہت غم زدہ تھی اس کی طبیعت خراب تھی۔ صفدر کی کوئی خبر نہ تھی مہر النساء کے شوہر کے تیور دن بہ دن بدلتے جارہے تھے۔ آتے جاتے وہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتا تھا کہ زیب النساء ڈر جاتی تھی۔ وہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ رات کو لیٹی تھی فیضان کو سلاتے سلاتے ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا تھا اس نے اٹھ کر کھولا تو نشے میں دھت مہر النساء کا شوہر کمرے میں داخل ہوا تھا زیب النساء چیخ مار کر ایک طرف ہوگئی تھی وہ بپھرا ہوا شخص اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ فیضان کو اٹھا کر اپنا بچاؤ کرتی بڑی مشکل سے کمرے سے نکلی تھی اس کی چیخوں اور شور کی آواز سن کر مہر النساء بھی آگئی تھی۔

"آپا...... مجھے بچالو......" روتی بلکتی زیب النساء اس سے لپٹ گئی تھی۔ نجانے مہر النساء کے اندر اتنی ہمت کیسے آگئی تھی روتی بلکتی بہن اور اس کے بیٹے کو سہارا دیتی وہ اپنے کمرے میں لے آئی تھی اندر سے دروازہ بند کرلیا تھا۔ وہ رات بڑی بھیانک تھی۔ وہ شخص مغلظات بکتا گالیاں دیتا شور مچاتا برے نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا تھا۔

صبح ہوئی تو اس شخص نے صاف کہہ دیا تھا کہ زیب النساء اپنا کہیں اور بندوبست کرلے وہ اسے اپنے گھر میں نہیں رکھے گا۔ زیب النساء کے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کہاں جائے کیا کرے؟

مہر النساء نے بہت منتیں کی تھیں لیکن اس کے شوہر کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ مجبوراً مہر النساء نے اسے اپنی ایک نند کا ایڈریس لکھ کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔ آپا صفیہ مہر النساء کے شوہر کی بہن تھیں اولاد سے محروم تھیں شوہر وفات پا چکا تھا وہ اکیلی گھر میں رہتی تھیں کافی نیک صفت خاتون تھیں۔

مہر النساء کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بہت اچھا تھا زیب النساء کو انہوں نے کھلے دل سے خوش آمدید کہا لیکن آپا صفیہ کے ہاں

جا کر دکھوں اور غموں سے نڈھال زیب النساء کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ حیات علی کی غفلت' باپ کی گمشدگی اور اب اس نئے دھچکے نے اس کے اندر سے زندگی کی امید چھین لی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی جارہی تھی' غموں نے اس کے وجود کو کھوکھلا کرنا شروع کردیا تھا' آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں لیکن لگتا تھا کہ جیسے زہن کے اندر زندہ رہنے کی لگن بالکل ختم ہوگئی تھی وہ اپنا علاج کروانے سے بھی کترانے لگی تھی۔

فیضان چھ ماہ کا ہونے کو آ رہا تھا' لیکن حیات علی کا کوئی پتانہ تھا اور صفدر بھی تاحال گم شدہ تھا' وہ بالکل مایوس ہوچکی تھی۔ اسے سانس کا مسئلہ رہنے لگا تھا اور پھر ایک رات اسے دمہ کا دورہ پڑا تھا' آپا صفیہ اسے ہسپتال لے گئی تھیں لیکن زیب النسا نے رستے میں ہی دم توڑ دیا تھا۔ روتا بلکتا فیضان باپ کے بعد ماں کی ممتا سے بھی محروم ہوگیا تھا۔ مہر النساء کا صدمے سے بُرا حال تھا' دنیا داری کو وہ آ گئی تھی باپ کی ابھی تک کوئی خبر نہ ملی تھی کہ زندہ بھی ہے یا......

فیضان کو اولاد کے لیے ترسی ہوئی آپا صفیہ نے اپنے سینے سے لگالیا تھا۔ زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہوا تو چوہدری حیات علی سے متعلق ہر خبر نے گویا دم توڑ دیا تھا اور پھر زندگی ایک نئے ڈھنگ میں گزرنے لگی تھی۔

❀......❀......❀
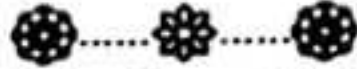
فیضان ماموں اور سہیل بھائی دوبارہ ہادیہ کے والد کے پاس گئے تھے' انہوں نے مثبت جواب دیا تھا۔ ہادیہ اور رابعہ کا خوشی سے بُرا حال تھا' ابوبکر بھی خوش تھا۔ بس یہی طے ہوا تھا کہ ایک دن بعد نکاح ہوگا اور رخصتی چند ماہ بعد...... ہادیہ کا باپ ایک محنتی انسان تھا اپنی زندگی کو انہوں نے خود بنایا' سنوارا تھا اور زندگی میں ایک مقام بنایا تھا۔ ابوبکر سے متعلق انہوں نے بہت غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ ابوبکر میں انہیں اپنا ماضی دکھائی دیا تھا سو وہ فیصلہ کرکے مطمئن تھے۔

رابعہ جوش و خروش سے نکاح کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ ثریا بیگم بھی سب کے سمجھانے بجھانے پر صدمے کی کیفیت سے نکل کر ابوبکر کے نکاح کے بندوبست میں لگ گئی تھیں۔

ابوبکر کا فلیٹ تیار تھا لیکن یہی فائنل ہوا تھا کہ ابوبکر کے نکاح کی ساری تیاریاں سہیل کے گھر سے ہی ہوں گی۔ وہ بھابی کے ساتھ اسی سلسلے میں ہی لگی ہوئی تھیں جب اس کے نمبر پر عباس کی کال آ گئی تھی۔

"السلام علیکم! سر کیسے ہیں؟" اس کی آواز میں کھنک سی تھی۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔" عباس نے پوچھا۔

"آپ کی شادی کی ٹائمنگ کا پوچھنا تھا میں نے؟" عباس نے فون کرنے کی وجہ بتائی تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"سر میری شادی نہیں ہورہی۔"

"کیا......کیا مطلب؟" عباس الجھا۔

"سر! میری شادی کینسل ہوگئی ہے وہ اب نہیں ہورہی۔ میں نے کال کرکے اسٹاف کے باقی ممبرز کو اطلاع کردی تھی آپ کو شاید کسی نے نہیں بتایا ہوگا۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ دوسری طرف موجود عباس کو لگا کہ جیسے یہ الفاظ سن کر وہ بہت پرسکون ہوگیا ہو۔

"کیسے کینسل ہوگئی شادی؟" اب کے لہجے میں فکرمندی اور تشویش تھی۔

"شاید ابھی قسمت میں نہیں تھی۔" وہ پُرسکون تھی۔

"لیکن کوئی ریزن تو ہوگی نا۔"

"اصل میں کل ابوبکر اور ہادیہ کا نکاح ہورہا ہے۔"

"ہادیہ کا نکاح......میں سمجھا نہیں؟"

"اصل میں سر......" ہادیہ نے بتانا شروع کیا تھا اور مختصراً ہادیہ اور ابوبکر کے متعلق سب سنادیا۔

"ویری گڈ......یعنی آپ ہادیہ کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہی ہیں' ویل ڈن۔" عباس رابعہ کے اس ظرف اور عمل سے بہت متاثر ہوا تھا۔

"سر! قربانی کیسی..... وہ میری دوست ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔ ساری بات کھل چکی تھی اور میں جان بوجھ کر شادی کر بھی لیتی تو شاید میں کبھی خوش نہ رہ پاتی اور سب کچھ جاننے کے بعد میں ابوبکر سے شادی کر لیتی یہ ناممکن سی بات تھی۔"

"ویری نائس۔" عباس نے ایک دم سراہا۔

"ماشاء اللہ ذہنی اپروچ بہت اچھی ہے آپ کی ورنہ آج کل کے دور میں لوگ حقیقی رشتوں کے متعلق غاصبانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں دوستی وغیرہ تو بہت دور کی بات ہوتی ہے۔"

"شکریہ سر! میرے لیے اپنی ذات اور بعد کے کرائسز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا آسان نہ تھا لیکن میرے سامنے میری ساری زندگی کی خوشیاں اور دوسری طرف ہادیہ کی خوشی اور ابوبکر کی ذات تھی۔ فیصلہ مشکل تھا لیکن مجھے ابھی قدم پیچھے ہٹا لینا بہتر لگا بانسبت اس امر کے کہ میں ابوبکر سے شادی کر کے ساری عمر پچھتاتی۔"

"بہت ہی اچھا فیصلہ کیا آپ نے میں کچھ بزی تھا آفس بھی کم چکر لگ رہا تھا اس لیے مجھے آپ کی شادی کینسل ہو جانے کی خبر نہیں مل پائی۔"

"بس جو اللہ کو منظور ہو نا تو وہی ہوتا ہے۔" رابعہ نے بردباری سے کہا۔

"بالکل بے شک......" عباس مسکرایا۔ عباس کو لگا آج بہت دن بعد اس کے اندر ڈھیر سارا سکون اترا ہو جیسے اپنی ذات ایک دم ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی تھی خوشبوؤں میں بسی۔ معطر معطر سی......

"اوکے سر یہاں کچھ بزی ہوں پھر بات ہوگی۔" رابعہ کو باہر سے بھابی نے آواز لگائی تو اس نے فوراً کہا۔

"ایک منٹ رابعہ......" عباس ایک دم بولا۔

"جی سر......"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" عباس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"خیریت سر......؟"

"ایک ضروری کام ہے کیا آپ آج مل سکتی ہیں مجھ سے۔" عباس نے پوچھا تو وہ الجھی۔

"کیسا کام؟"

"کام کی نوعیت ملنے پر ہی بتا سکتا ہوں۔" عباس پرسکون تھا۔

"آج تو ممکن نہیں......"

"تو ٹھیک ہے کل ابوبکر کے نکاح کے سلسلے میں میں ہادیہ کی طرف سے شامل ہوں۔ وہاں بات کریں گے۔" عباس نے پروگرام ترتیب دیا تھا۔

"لیکن ہادیہ نے تو آفس کے کسی بھی ممبر کو اپنے نکاح کا نہیں بتایا۔" رابعہ نے کہا تو عباس مسکرایا۔

"ہادیہ کے گھر والوں سے بابا جان کے اچھے فیملی ٹرمز ہیں وہ یقیناً نکاح میں انوائٹ کریں گے۔ ہادیہ سے میں خود بھی بات کر لوں گا اس بات کی آپ ٹینشن نہ لیں۔" عباس نے ایک دم جیسے ہر چیز پلان کر لی تھی۔ رابعہ محض مسکرا دی۔

"اوکے جیسے آپ کی مرضی سر۔"

❀......❀......❀
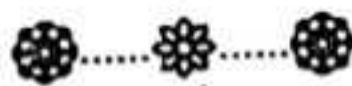
کاشفہ تیزی سے انا کی طرف بڑھی تھی اس کی دوست نے بھی اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا تھا۔ انا شدید مزاحمت کر رہی تھی کاشفہ نے مشتعل ہو کر ایک زوردار تھپڑ انا کے چہرے پر مارا تو وہ زمین پر جا گری تھی۔

"اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔" نہایت بے خوفی سے چاقو لہراتے اس نے انا کو خبردار کیا تھا۔

"تم اس قدر گھٹیا لڑکی ہو سکتی ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔" جواباً انا نے کہا تو کاشفہ نے سختی سے گھورا۔

"بکواس بند کرو جتنی زبان چلاؤ گی اتنا ہی اپنے حق میں برا کرو گی۔ میں تمہیں یہاں محض بات چیت کے لیے لائی تھی اب اپنے حق میں تم خود برا کر رہی ہو۔" کاشفہ نے چلا کر کہا تھا۔

"اس وقت تم ہمارے انڈر ہو' کچھ بھی کہو گی تو نقصان تمہارا ہی ہوگا۔" کاشفہ کی الفاظ پر انا نے بہت تلخی سے اسے دیکھا تھا۔
"جیدی کو بلاؤ۔" کاشفہ نے اپنی دوست کو کہا تھا۔ اس نے فوراً کسی لڑکے کو کال کی تھی دو منٹ بعد وہ لڑکا کمرے میں موجود تھا۔ اونچا لمبا بگڑے خاندان کا سپوت وہ بھی شاید کاشفہ کا کوئی لگتا تھا۔
"یہ لڑکی قابو میں نہیں آ رہی اس کو اچھی طرح سبق سکھاؤ' ہم تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔" لڑکے کے آنے پر کاشفہ نے کہا تو انا کو لگا اس کا حلق خشک ہونے لگا ہے۔ اس نے بہت سہم کر اس لڑکے کو دیکھا جو بڑی بے باکی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انا کو ایک دم اپنا آپ کسی گہرے کھنڈر میں گرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

❀......❀......❀
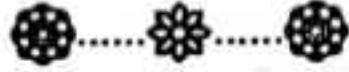
زیب النساء کی وفات کو مزید پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ فیضان کو آپا صفیہ نے بہت آسانی سے سنبھال لیا تھا' چند دن اس نے ماں کی کمی محسوس کی' بیمار بھی ہوا تھا لیکن پھر آپا صفیہ کے ساتھ پلنے لگا تھا وہ اب بڑا ہو رہا تھا اس کی صحت بھی بہتر ہو چکی تھی۔ آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس سارے عرصے میں مہر النساء صرف دو تین بار بھانجے سے مل سکی تھی۔ مہر النساء کی اپنی بیٹی افشاں بھی اب بڑی ہو رہی تھی' لیکن مہر النساء کے اندر باپ کی غلط حرکتوں اور بہن کی جدائی نے ایک گہرا شگاف ڈالا تھا۔
اس کی معصوم بھولی بھالی کم عمری بہن دنیا سے کیسے خوار ہو کر گئی تھی' یہ دکھ مہر النساء کو اندر ہی اندر چاٹنے لگا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی تھی کہ بھانجے کو اپنے پاس لے جائے لیکن شوہر کی سختی نے ایسا نہ کرنے دیا تھا۔
چوہدری حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی اور صفدر وہ نجانے کہا تھا۔ پھر ایک دن انتہائی خراب حالت میں مہر النساء کے گھر کے سامنے صفدر آ کر رکا تھا وہ بار بار مہر النساء سے ملنے کا کہتا تھا۔ چوکیدار کو کسی کو بھی اندر بھیجنے کی اجازت نہ تھی' اس نے مہر النساء کو اطلاع کر دی تھی وہ خود گیٹ تک آئی اور صفدر کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ بڑھی ہوئی داڑھی' بکھرے لمبے بال' پھٹے پرانے کپڑے ہڈیوں کا ڈھانچہ وہ تو کہیں سے بھی صفدر نہیں لگ رہا تھا۔
"ابا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تو نے اپنی۔" وہ حیران تھی جواباً صفدر مغلظات بکنے لگا۔
مہر النساء کے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا' مہر النساء اسے اندر لے آئی تھی۔ صفدر اسے اپنی بدحالی کی کہانی سنانے لگا تھا۔ چوہدری سراج علی کے آدمی اسے لے گئے تھے بہت مار پیٹنے کے بعد انہوں نے اسے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ صرف ایک وقت کا کھانا ملتا تھا' زندگی ایک دم صفدر پر عذاب بن کر اتری تھی۔ وہ اس وقت کو پچھتانے لگا جب اس نے گاؤں آنے کا سوچا تھا' نجانے زیب النساء کا کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ وہاں کئی ماہ قید رہا تھا۔
جسمانی طور پر اس کے اندر اتنی کمزوری غالب آ چکی تھی کہ اس کی ساری اکڑ سارا کر و فر اور لالچ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ وہ دن رات کھانا لانے والے سے منتیں کرتا تھا کہ کوئی اسے یہاں سے نکال دے ورنہ وہ مر جائے گا' قید تنہائی نے اسے بالکل مفلوج کر دیا تھا اور پھر شاید چوہدری کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس نے اس سے کچھ کاغذوں پر انگوٹھے لگوائے تھے وہ پڑھا لکھا نہیں تھا' علم بھی نہ تھا کہ وہ کیسے کاغذات ہیں۔ بس رہائی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھا اور پھر چوہدری کے کارندوں نے اسے وہاں سے نکال کر ایک سنسان اور ویران جگہ پر پھینک دیا تھا۔
اس وقت وہ جسمانی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا' کچھ لوگوں کو اس پر ترس آیا وہ اسے اٹھا کر ایک اسپتال لے گئے تھے کچھ عرصہ اس کا علاج چلتا رہا تھا۔ کچھ کھانے کو ملا تو جسم میں قوت پیدا ہونے لگی اور پھر ایک دن اسپتال والوں نے اسے فارغ کر دیا تو وہ اپنے کرائے کے گھر میں گیا تھا وہاں کوئی اور لوگ آباد تھے۔ مکان کا مالک گھر کا تالا توڑ کر وہاں کچھ اور لوگوں کو بسا چکا تھا وہ وہاں سے نامراد ہو کر مہر النساء کی طرف آیا تھا۔ مہر النساء ساری کہانی سنتے کئی بار روئی تھی۔
"ابا تمہارے لالچ اور تمہاری بری عادتوں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔" وہ شدت سے رو دی۔
"زیبن کہاں ہے؟" صفدر نے پوچھا تو مہر النساء نے تلخی سے باپ کو دیکھا۔
"وہ تمہارے لالچ کی بھینٹ چڑھ گئی۔" صفدر نے ناسمجھی سے دیکھا۔ "پانچ ماہ پہلے وہ مر گئی' دکھوں اور غموں نے اس کو نگل لیا۔ شوہر کی بے وفائی اور تمہارے لالچ نے اسے جیتے جی مار دیا تھا۔"

"زرمینہ مرگئی......" وہ بڑبڑایا۔
"وہ مری نہیں تھی تم نے اسے مار ڈالا تھا' اماں نے چوہدری کی شرافت دیکھ کر اس کا نکاح کیا تھا لیکن اس کے باپ کے ظلم نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔" وہ روتی رہی۔
"اور اس کا بچہ کہاں ہے؟" صفدر کا ذہن کہیں اور تھا' مہر النساء رو رہی تھی جبکہ صفدر کی آنکھوں میں نمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مہر النساء نے بہت کرب سے باپ کو دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔

❁......❁......❁
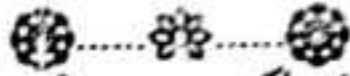
"تم جس کام کے لیے لائی ہو وہ کرو جو کہنا ہے وہ کرو لیکن میں یہاں نہیں رکوں گی۔" انا کا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا' وہ جتنی بھی بہادر اور باہمت ہوتی لیکن جیدی جیسے لڑکے کو دیکھتے ہی اس کا خون خشک ہونے لگا تھا' کاشفہ مسکرائی تھی۔
"جیدی تو محض ایک ڈراوا ہے تمہارے لیے' تمہارے لیے تمہاری عزت تمہارا کردار تو بہت اہم ہوگا اور یقیناً تم اس پر کوئی حرف بھی نہیں آنے دینا چاہو گی' ہے نا۔" انا نے لب بھینچ کر بہت ضبط سے ان تینوں کو دیکھا تھا۔
"کیا چاہتی ہو؟"
"ولید کو؟" وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔
"تو اس کے پاس جاؤ' مجھے کیوں لائی ہو یہاں۔"
"وہ تم سے محبت کرتا ہے اور میں جان چکی ہوں جب تک تم درمیان میں موجود ہو وہ میری طرف مائل نہیں ہوگا۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔
"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" وہ پھٹ پڑی تھی۔
"سارا قصور ہی تمہارا ہے تم اگر چاہو تو ولید میری طرف آسکتا ہے۔" انا کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔
"کیا تم پاگل ہو؟ میں بھلا کیسے کسی کو کسی دوسرے کے ہونے پر مجبور کر سکتی ہوں۔"
"تم کیسے کرتی ہو یہ تمہارا ہیڈک ہے۔" وہ غصے سے بولی تھی۔
"مجھے ہر حال میں ولید چاہیے۔" وہ تنفر سے کہہ رہی تھی۔
"ولید بازار میں بکتی کوئی چیز نہیں ہے' جو تمہیں پسند آجائے تو تمہیں دے دوں۔"
"شٹ اپ۔" انا کے الفاظ پر وہ پھنکاری تھی۔
"اگر تم میری بات مانتی ہو تو ٹھیک ورنہ جیدی کو تم جیسی لڑکیوں کو ہینڈل کرنا خوب آتا ہے۔" کاشفہ نے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھ کر اسے ڈرانا چاہا تھا' انا کے اندر ایک دم شدید طوفان اٹھنے لگے تھے۔
وہ ڈرنے اور ہارنے والی لڑکی نہ تھی اور اب جبکہ سب کچھ کلیئر ہو چکا تھا۔ ولید کی ذات' اس کا کردار اس کی پوزیشن سب کچھ صاف ہو چکا تھا تو وہ بھلا کیوں ڈرتی لیکن کاشفہ کے ساتھ کھڑا لڑکا جن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا انا کے اندر شدید لہر سی اٹھی تھی۔
"کیا چاہتی ہو تم؟" انا کاشفہ کے ساتھ یہاں تک آنے کی ایک سنگین غلطی کر چکی تھی۔ اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے اندر کے طوفانوں کو دبائے خاموشی سے کاشفہ کا موقف سن لے۔
"یہاں میرے ساتھ ایگری منٹ پر سائن کرو کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اور اسے خود سے متنفر کرنے کی کوشش کرو گی۔" کاشفہ کی بات سن کر وہ ایک دم حیران ہوئی تھی۔
"میں کیوں سائن کروں؟ ولید کوئی بے جان چیز نہیں ہے۔ جس کے لیے تم مجھے دھمکاؤ' تمہیں ولید چاہیے تو خود کوششیں کرو۔"
"وہ کبھی نہیں آئے گا جب تک تم کوشش نہیں کرو گی۔" انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
"ایم سوری میں سائن نہیں کروں گی۔" اس نے بہت غصے سے کہا تھا۔
"او کے اب پھر جیدی تمہیں ہینڈل کرے گا' تمہارا دماغ ٹھکانے آجائے تو بتا دینا میں آجاؤں گی۔" جیدی کو کہہ کر وہ جانے لگی تھی انا ایک دم خوف زدہ ہوئی تھی۔

"تم پاگل ہو وہ شخص تم سے اگر محبت نہیں کرتا تو میں بھلا اسے زبردستی کیسے تمہاری زندگی میں داخل کرسکتی ہوں۔" وہ خوف سے چلائی تھی۔

"تمہارے پاس دو آپشن ہیں بالکل اسی حالت میں جس میں تم آئی ہو واپس جاتی ہو یا میرے ساتھ ایگری منٹ کرتی ہو۔" انا کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

"میں ایگری منٹ نہیں کروں گی۔" انا نے سختی سے کہا تھا۔

"اوکے جیسے تمہاری مرضی جیدی کیری آن۔" کاشفہ لڑکے کو اشارہ کرتے اپنی دوست کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی تھی انا کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

"سنو کاشفہ! تم اچھا نہیں کررہیں تم کیوں کررہی ہو ایسا ولید کو بھلا میں کیسے خود سے دور کرسکتی ہوں۔" وہ اس کے پیچھے لپکی تھی لیکن کاشفہ اور اس کی دوست دروازہ کھول کر باہر نکلی تھیں۔

"کاشفہ...... کاشفہ......" انا بھی پیچھے بھاگی تھی لیکن جیدی نامی لڑکے نے فوراً درمیان میں آکر اس کا رستہ روک لیا تھا۔ جیدی کو دیکھتے انا کو پہلی بار صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا اس نے اس لڑکے کو دھتکارتے باہر کی طرف دوڑ لگائی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی کاشفہ باہر سے دروازہ بند کرچکی تھی۔ انا دروازے کو زور زور سے پیٹنے لگی تھی لیکن دروازہ بند ہوچکا تھا اور اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔

❀ ❀ ❀

حیات علی کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا کچھ دنوں تک زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کی بعد زندگی نے موت کو شکست دی تو علم ہوا کہ جسمانی توڑ پھوڑ نے ان کو بالکل مفلوج بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اڑ کر پاکستان پہنچنا چاہتے تھے ڈاکٹروں کے ہاتھوں خود کو بے بس دیکھ کر نڈھال سے ہونے لگے تھے۔ نہ پیسے کی کمی تھی اور نہ ہی کسی اور چیز کی بابا صاحب حادثے کی خبر سن کر فوراً آپہنچے تھے۔ زبیدہ کا بھائی ان سب کے مزید قیام کا بندوبست کرنے لگ گیا تھا۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنے لگے تھے۔ جسم کے ٹوٹے حصے جڑنے میں مہینوں لگ جانے تھے بابا صاحب ایک ماہ رہنے کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ زبیدہ اور بچے وہیں تھے بچوں کی تعلیمی مصروفیات کا حرج ہورہا تھا۔ زبیدہ کے بھائی نے ان کے اسکول کا بندوبست کردیا تھا دو ماہ بعد وہ گھر شفٹ ہوگئے تھے ابھی بھی بستر پر تھے۔ زبیدہ خوب خدمت کررہی تھی کبھی کبھار ان کے اندر زبیدہ کے ساتھ کی گئی زیادتی پر شدید ندامت ہونے لگتی تھی۔ انہیں زیبن بہت یاد آتی تھی نجانے وہ کس حال میں تھی اب تو اس کی گود میں ان کی اولاد بھی موجود ہوگی۔ پتا نہیں بیٹا تھا یا بیٹی بابا صاحب زیبن کی خبر گیری کرتے ہوں گے یہ ناممکن سی بات تھی۔

اور پھر وہ سنبھلنے لگے تھے ان کے بچے اسکولز میں پڑھ رہے تھے وہ بھی بتدریج بہتر ہورہے تھے۔ پورا ایک سال ان کا ٹریٹمنٹ چلا اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہوگئے تھے بغیر کسی لڑکھڑاہٹ کے چل پھر سکتے تھے۔ بچوں کی تعلیم کا حرج ہونے کا خدشہ تھا لیکن وہ پاکستان بھی جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کئی بار بابا صاحب سے واپس پاکستان آنے کی بات کی تھی پہلے تو وہ ٹالتے رہتے تھے اور پھر ایک دن انہوں نے اجازت دے دی تھی۔ زبیدہ بچوں کا تعلیمی حرج نہ ہوجانے کا کہہ کر جانے سے انکاری تھی سو سب کو وہیں چھوڑ کر وہ واپس آگئے تھے۔

آتے ہی انہوں نے بخش دین کا پوچھا تو علم ہوا کہ وہ تو چند ماہ پہلے حویلی چھوڑ کر اپنا خاندان لے کر چلا گیا تھا کہاں؟ کسی کو کوئی خبر نہ تھی۔ وہ شہر گئے تھے زیب النساء کا کوئی پتا نہ تھا اور پھر وہ مہر النساء کی طرف بھی گئے وہ بھی ملنے پر آمادہ نہ ہوئی تھی اور اس کا چوکیدار بھی لاہور میں تھا ورنہ شاید اس سے ہی کوئی خبر مل جاتی۔ وہ چند دن پاگلوں کی طرح نڈھال گھومتے رہے اور پھر تھک ہار کر حویلی واپس لوٹ آئے تھے۔ اس رات وہ اپنے بستر پر دراز تھے زیبن نجانے کہاں گم ہوچکی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ وہ پھر مہر النساء کے پاس جائیں گے اور زیب النساء کا پوچھیں گے پاکستان سے باہر جانے سے پہلے وہ جب زیب النساء سے ملنے آئے تھے تو زیب النساء مہر النساء کے گھر میں تھی یقیناً اب بھی ادھر ہی ہوگی ان کے دل کو یقین سا تھا۔

اگلی صبح وہ پھر تیار ہوکر شہر کے لیے روانہ ہونے والے تھے جب بابا صاحب نے ان کو بلوا لیا تھا۔ وہ ان کے پاس آئے تو

انہوں نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات ان کی طرف بڑھائے تھے۔

''یہ کیا ہے؟''

''دیکھ لو۔'' حیات علی نے ان کو گھورا اور اس پر لکھی تحریر دیکھی تو چونک گئے۔

''یہ...... یہ'' حیات علی نے حیرانی سے باپ کو دیکھا تھا۔

''چند ماہ پہلے صفدر خود تمہارا پتا کرنے ادھر آیا تھا' صفدر کو تو تم جانتے ہوگے' تمہاری وہ نام نہاد شہرن بیوی کا باپ۔'' بابا صاحب کے لہجے میں اب بھی وہی تنفر اور نفرت کا ریلا تھا۔

''جب علم ہوا کہ تم یہاں نہیں ہو تو تمہاری حالت کا سن کر کہنے لگا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس گھر سے لے کر جانا چاہتا تھا۔ مجھے بھلا کیا فرق پڑتا تھا لیکن مجھے تمہارا خیال تھا کہ تم باپ کو غلط نہ سمجھنے لگو۔ ثبوت کے طور پر یہ تحریر لکھوالی تھی یہ اس کے انگوٹھے بھی موجود ہیں اس پر۔'' حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔

''کچھ بتایا کہ وہ کہاں لے کر جا رہا تھا زیبن کو۔'' یہ سب سن کر حیات علی کے دل کو مزید پتنگے لگ گئے تھے۔

''مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔'' انہوں نے کندھے اچکائے تھے۔ حیات علی نے نہایت بے بسی سے انہیں دیکھا تھا' آنکھوں میں شکایت' گلہ اور اذیت نجانے کیا کچھ تھا۔

صفدر ایک جواری' بدقماش اور نشہ باز انسان تھا' نجانے وہ زیبن کو لے کر کہاں گیا تھا۔ وہ نڈھال سے پلٹ آئے تھے۔ وہ اس دن شہر کے لیے روانہ نہیں ہوئے تھے چند دن گزرے تو پھر دل میں خیال آیا کہ ضرور مہر النساء کو تو بہن کا علم ہوگا۔ ان کے اندر ہمت بڑھی تھی وہ اسی وقت شہر کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ وہ کچھ گھنٹوں کے بعد پھر مہر النساء کے گھر کے سامنے تھے انہوں نے چوکیدار سے مہر النساء سے ملنے کا کہا تھا۔ چوکیدار کا دل تو مانا ہی نہ تھا لیکن پھر کچھ پیسے دینے پر اندر چلا گیا تھا۔

''بیگم صاحبہ کہتی ہیں وہ کسی حیات علی کو نہیں جانتیں' آئندہ یہاں مت آئیے گا ورنہ پولیس کو بلوالیں گی۔'' حیات علی کچھ دیر کھڑا رہا تھا' وہ چوکیدار کی منتیں کرتا رہا تھا کہ وہ ایک بار مہر النساء سے ملوا دے لیکن چوکیدار بھی مجبور تھا' نہیں مانا تھا۔ مجبوراً ناامید ہی وہاں سے پلٹنا پڑا تھا اس نے سوچا کہ وہ کل پھر آئے گا شاید مہر النساء کو اس پر ترس آ ہی جائے۔

❀......❀......❀

جیدی انا کی طرف بڑھا تو وہ مارے خوف کے کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''ڈونٹ ٹچ می۔'' وہ چیخی تھی۔

''آپشنز تو تمہیں کاشفہ نے دیئے تھے اگر قبول کرلیتیں تو مجھے برداشت نہ کرنا پڑتا۔'' وہ خباثت سے مسکراتا انا کی طرف بڑھا تھا' انا کا مارے خوف کے بُرا حال تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ اس شخص نے ہاتھ بڑھا کہ انا کا بازو پکڑنا چاہا تھا انا ایک دم ہاتھ جھٹک کر دوسری طرف بھاگی تھی۔

''دروازہ بند' کھڑکیاں بند...... کہاں تک بھاگو گی۔'' وہ مکروہ ہنسی ہنسا تھا۔ انا نے اضطرابی کیفیت میں اردگرد دیکھا تھا شاید اپنے بچاؤ کے لیے اسے کمرے میں کوئی چیز مل جائے لیکن وہاں ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں شاید بہت سوچ سمجھ کر اس کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا۔

''دیکھو میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز چھوڑ دو مجھے۔'' وہ کسی کے سامنے بھی نہ ہارنے والی لڑکی اس بدفطرت انسان کے سامنے ایک دم ہاتھ جوڑ کر سسک اٹھی تھی۔

''میں کاشفہ سے پیسے لے چکا ہوں' تمہارا اور اس کا معاملہ سیٹ ہو جاتا تو ٹھیک لیکن اب میں کچھ بھی نہیں کرسکتا۔'' وہ پھر اس کی طرف بڑھا تھا' انا کو اپنا آپ ایک گہری دلدل میں گرتا محسوس ہو رہا تھا' آنسو شدت سے بہنے لگے تھے۔

کاشفہ نے انتہائی گھٹیا چال چلتے اسے زیر کرنا چاہا تھا اور اپنی شکی فطرت کے سبب وہ کتنی آسانی سے اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی موت آجائے یا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے اسے ایک دم اپنے آپ سے کراہیت اور شدید نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی بداعتمادی کے سبب آج اپنے لیے جہنم خرید چکی تھی۔

”پلیز مجھے چھوڑ دو پلیز......“ وہ اس کے سامنے سسکنے لگی تھی۔
”اس کمرے میں کیمرے لگے ہوئے ہیں میں تمہیں چھوڑتا ہوں تو خود پھنستا ہوں ویسے بھی تم جیسی لڑکی کو کون کافر چھوڑ سکتا ہے بھلا۔“ وہ خباثت سے مسکرایا انا نے ایک دم گھبرا کر در و دیوار کو دیکھا۔
”دیکھو ہونا تو وہی ہے جو ہم طے کر چکے ہیں اس لیے بھاگنے کی بجائے میرے ساتھ تعاون کرو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔“ وہ اس کے قریب آ کر پھر کہہ رہا تھا انا وحشت سے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ اس کمرے کی حدود میں اپنا بچاؤ کرنا ناممکن سی بات تھی۔
”میں کاشفہ کے ساتھ ہر طرح کی ڈیل کرنے کو تیار ہوں، تم اسے بلوا دو پلیز۔“ ایک دم سسکتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔
وہ شدت سے رو رہی تھی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا وہ شخص بے اختیار مسکرایا تو انا ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک طرف کھسکی تھی۔
”بڑی جلدی لائن پر آ گئی ہو تم یہی بات جب تم سے کاشفہ نے کہی تھی تب تو تم مانی ہی نہ تھی۔“ وہ روتی رہی تھی۔ اس شخص نے ایک بھرپور نظر انا پر ڈالی تھی۔ اس بھاگ دوڑ میں اس کے وجود سے چادر سرک کر صرف ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔ بغیر کسی بناوٹ کے بالکل بے ریا چہرہ خوب صورتی میں وہ بہت کمال تھی لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اس نے موبائل نکال کر نمبر ملایا تھا۔
”ہاں مان گئی ہے وہ۔“ نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ ایک دم ہنسا تھا۔
”لڑکی ہے تو بہت خوب صورت چھوڑنے کو دل تو نہیں کر رہا۔“ انا سمٹ سی گئی تھی۔
”او کے......او کے......“ ”تم آ جاؤ پھر اب خود دیکھ لو۔“ اس نے کہہ کر پھر انا کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنے وجود پر دوبارہ چادر درست کی تھی۔
”لگتا ہے کافی اونچے گھرانے سے ہو ورنہ کاشفہ اور ایسے معاملات سے گھبرا جائے۔“ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔
”تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کاشفہ نے محض تمہیں ڈرانے دھمکانے کو میرا استعمال کیا ہے ورنہ تم چھوڑ دینے والی لڑکی تو نہیں ہو۔“ اس نے قریب آ کر پھر انا کے چہرے کو چھونا چاہا تھا وہ فوراً سائیڈ پر سرک گئی تھی، کچھ دیر میں کاشفہ اور اس کی دوست واپس آ گئی تھیں۔
”تم جاؤ۔“ جیدی کو کہہ کر وہ ایک طرف کھڑی سسکتی ہوئی انا کی طرف بڑھی تھی۔
”خوش قسمت ہو جو مجھے تم پر ترس آ گیا ورنہ تو میں نے طے کر رکھا تھا تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتیں۔ تمہاری ویڈیو دیکھ کر نہ صرف ولید تم سے نفرت کرنے لگتا بلکہ ساری دنیا میں تم بدنام ہو جاتیں۔“ جیدی کے جانے کے بعد اس نے ہنس کر کہا تھا۔ انا کا جی چاہا کہ اس کے پاس کاش کوئی چیز ہو اور وہ اس لڑکی کو قتل کر ڈالے۔
وہ اس وقت اپنی زندگی کے بھیانک ترین لمحوں کو گزار رہی تھی اور کسی طرح ان لڑکیوں کے چنگل سے نکلنا چاہتی تھی۔ اسے ان کے ساتھ آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور اگر وہ شام تک گھر نہ پہنچتی تو...... نئی سوچوں اور نئے تفکرات نے اسے گھیر لیا تھا۔
”تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی کیا؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ انا کو لگا اس کے دل پر ہی نہیں سارے وجود پر آری چل گئی ہو۔
”تم کو ہمارے ساتھ دو ایگری منٹ سائن کرنا ہوں گے۔“ کاشفہ نے اپنے پرس کی جیب سے دو کاغذ نکال کر اس کے سامنے لہرائے تھے۔ ”یہ ایگری منٹ میرے لیے ہوگا۔“ اس نے ایک ایگری منٹ انا کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا۔ ”اس میں درج ہے کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اسے اپنی طرف سے بدظن کر کے میری طرف راغب کرو گی۔ ولید اور اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں کہو گی اگر کسی کو کچھ بھی بتانے کی کوشش کی تو تمہاری یہ ویڈیو ساری دنیا میں پھیلا دوں گی اور اگر زیادہ ہوشیاری کرنے کی کوشش کی اور ہمیں دھوکہ دیا تو اس بار ٹارگٹ تمہاری فیملی اور ولید بنے گا۔ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ انا نے انتہائی بے بسی سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔
”تمہارا باپ اور بھائی سارا دن آفس ہوتے ہیں، ولید کا باپ بیمار رہتا ہے۔ تمہاری بھاوج گھر میں اکیلی ہوتی ہے، تمہاری ماما مغرب کے بعد بوتیک سے لوٹتی ہیں۔ ہمیں سب کی روٹین کی خبر ہے، سمجھ لو تم نے کسی سے کچھ کہا یا واپس جا کر کوئی ہوشیاری کی

توان سب میں سے کسی نہ کسی کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔‘‘ کاشفہ اسے دھمکا رہی تھی۔
’’ویسے بھی تمہیں اپنی فیملی بہت پیاری ہے ان پر حرف تو کبھی نہیں آنے دو گی اور سب سے بڑھ کر ولید ضیاء اس کی زندگی کی خاطر تو تمہیں یہ سب کرنا ہی ہوگا۔‘‘ وہ مسکرائی تھی۔ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اسی لمحے کھڑے کھڑے مر جائے۔ وہ اپنی بداعتمادی اور شکی فطرت کے سبب آج کس دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی جہاں صرف موت ہی موت تھی۔
’’اور اس پر تم خود لکھو گی۔‘‘ اس نے دوسرا کاغذ اس کے سامنے لہرایا تھا۔ اس نے ایک قلم نکال کر اسے بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا‘ انا بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔
’’لو اس پر لکھو۔‘‘ اس نے اسے لکھنے کے لیے ایک پیڈ دیا تھا جس پر کاغذ رکھ کر لکھنے کا اشارہ کیا تھا۔
’’کیا لکھوں؟‘‘ وہ بالکل ان کے شکنجے میں پھنس چکی تھی اس وقت ذہن بالکل مفلوج ہو رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس قید سے نکلنا چاہتی تھی‘ اپنی زندگی سے زیادہ اسے اب اپنی عزت کی پروا تھی اور وہ چاہے اب اس آزادی کے لیے کچھ بھی کرتی اس نے اپنے ذہن کو اس ایگری منٹ کے لیے ایک دم تیار کرلیا تھا۔
’’میں انا وقار خود کاشفہ کے ساتھ آئی ہوں‘ میرے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔‘‘ انا نے بہت دکھ سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔
’’یہ کیوں لکھوا رہی ہو جبکہ دوسرے پر سائن کرواؤ گی تو؟‘‘
’’میری بھولی بھالی چندا‘ یہ اس لیے لکھوا رہی ہوں کہ اگر تم ڈیل کراس کرنے کا سوچو بھی تو تمہیں یاد رہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہمارے حوالے کرچکی ہو۔‘‘ وہ طنز سے گویا ہوئی تھی۔
’’تم اگر ہمیں پھنسانے کی کوشش کرو گی تو پھر ہمارے پاس بھی کچھ پروف تو ہوگا نا۔‘‘ انا نے لب بھینچ لیے تھے۔ اس نے چند اور لائنز بھی لکھوائی تھیں اور پھر دونوں کاغذات پر دستخط کروالیے تھے‘ دستخط ہوتے ہی انا ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔
’’تمہارا کام ہوچکا ہے مجھے اب جانا ہے۔‘‘
’’اتنی جلدی کیا ہے چھوڑ آئیں گے تمہیں‘ ابھی کچھ دیر بیٹھو اور بھی بہت کچھ سمجھانا ہے تمہیں۔‘‘ اسے دوبارہ کندھے سے پکڑ کر بٹھاتے کاشفہ نے کہا تو انا ایک دم پھر اٹھی تھی۔
’’میں سب کچھ لکھ کر دے چکی ہوں‘ سب کچھ..... میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے‘ مجھے شام سے پہلے ہر حال میں اپنے گھر پہنچنا ہوگا۔‘‘ وہ پھٹ پڑی تھی۔
’’کول ڈاؤن‘ جذباتی مت ہو‘ زیادہ بولنے کی کوشش کی تو یہاں سے نکلنے والی بات کو خواب سمجھ کر پھر بھول جانا‘ جب مجھے مناسب لگا میں چھوڑ دوں گی۔‘‘
’’یو بلڈی..... تم میرے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو۔‘‘ وہ چیخنے لگی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے شدت سے گھر اور سب لوگ یاد آ رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ چند پل اور ادھر رہی تو پاگل ہو جائے گی۔
’’شٹ اپ۔ آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ جب میرا دل چاہے گا میں چھوڑ دوں گی۔‘‘ وہ تنفر سے کہہ کر جانے لگی تھی۔
’’تم ایسا نہیں کرسکتیں کاشفہ!‘‘ انا نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا جواباً کاشفہ نے کھینچ کر اسے تھپڑ مارا تھا‘ انا لہرا کر بستر پر گری تھی۔
’’اب زیادہ بک بک کی تو جیدی کو بلوا کر تمہارا دماغ سیدھا کروادوں گی۔‘‘ وہ بے رحمی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔
دروازہ لاک ہوگیا تو انا ایک دم سسک اٹھی تھی۔ نجانے اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔
’’کاشفہ اسے یہاں سے جانے بھی دے گی یا نہیں۔‘‘

❁.....❁.....❁

صفدر دو تین بار صفیہ آپا کے ہاں آیا تھا‘ فیضان کو د... ...ں کے اندر عجیب عجیب سے خیالات گردش کرنے لگے تھے لیکن ہر بار اپنے دل و دماغ کو پرسکون کیا تھا وہ پہلے ہی اپنی لالچی فطرت کے ہاتھوں بہت اذیت بھری زندگی گزار چکا تھا۔ اسے واپس آئے دو ماہ ہوچکے تھے‘ وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔

اس دن وہ مہر النساء سے ملنے آیا تھا اب مہر النساء پر اس کے شوہر کی طرف سے اتنی سختی نہ رہی تھی چوکیدار مہر النساء کے کہنے پر صفدر کو آنے جانے دیتا تھا۔ وہ مہر النساء کے پاس دو تین گھنٹے گزار کر باہر نکلا تو ٹھٹک گیا' حیات علی اپنی گاڑی سے نکل رہا تھا' وہ بھی صفدر کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔

"تم......"

"کہاں ہے میری زیب النساء؟" وہ صفدر پر چیل کی طرح جھپٹا تھا جیسے ایک لمحے کی بھی تاخیر کی تو وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

"مجھے نہیں پتا۔" صفدر ایک پل میں جان چکا تھا کہ حیات علی زیب النساء کی وفات کی خبر سے لاعلم ہے۔

"اس کو اندر بٹھاؤ بات کرتا ہوں اس سے اچھی طرح۔" ڈرائیور ساتھ تھا' اس نے کمزور سے صفدر کو منٹوں میں قابو کر لیا تھا۔ مہر النساء کا چوکیدار خاموشی سے بس دیکھ رہا تھا۔ حیات علی صفدر کو لے کر اسی گھر میں چلا آیا تھا جس میں وہ شادی کے بعد زیبن کے ساتھ رہتا تھا۔

"مجھے کچھ خبر نہیں۔" صفدر کا وہی بیان تھا۔

"تم نے اگر مجھے سچ نہ بتایا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ باقی ساری زندگی تم بھیک مانگتے گزار دو گے۔"

"زیب النساء میرے ساتھ ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے ایک۔" حیات علی کی حالت دیکھ کر وہ جان چکا تھا کہ وہ زیبن کے متعلق کس قدر پریشان ہے۔ سو صفدر نے بھی سوچا کہ اچھا موقع ہے' زندگی ایک بار پھر مہربان ہو سکتی تھی اگر وہ تھوڑی سی عقل استعمال کر لے تو۔

"میرا بیٹا بھی ہے۔" صفدر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ "کہاں ہیں وہ دونوں؟" حیات علی دونوں کے بارے میں جاننے کے لیے ایک دم بے قرار ہو گیا تھا۔

"ایسے نہیں بتاؤں گا چاہے جان سے بھی مار دو۔"

"تو......؟"

"خرچہ کرنا پڑتا ہے چوہدری صاحب! آپ تو چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کے بعد اب تک زیبن اور اس کے بچے پر اتنا خرچہ کرتا رہا ہوں۔"

"میں نے بخش دین کے ہاتھ زیبن کو ایک بڑی رقم بھجوائی تھی۔"

"آپ کا باپ آپ کے جانے کے بعد آیا تھا' گھر سے نکال دیا تھا اس نے' گھر سے ایک چیز بھی لینے نہیں دی تھی۔" صفدر بھرا بیٹھا تھا۔

"تم خود بابا کی اجازت سے لے کر گئے تھے زیبن کو۔" صفدر ہنسنے لگا تھا۔

"بڑا سیاسی باپ ہے تمہارا' ایک تیر سے دو شکار' سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔"

"بکواس بند کرو صاف بتاؤ زیبن کہاں ہے؟"

"کم از کم کچھ لیے دیئے بغیر تو نہیں بتاؤں گا۔" وہ ہنسا تھا۔

"ٹھیک ہے سب کچھ دوں گا جو مانگو گے پہلے زیب النساء کا بتاؤ۔"

"نہ صاحب' نشئی ہوں' جواری ہوں لیکن کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو والا معاملہ ہوگا۔" اس نے صاف رکھائی سے کہا تھا۔ حیات علی اندر گیا تھا اور پھر ایک پیسوں سے بھرا لفافہ لا کر صفدر کے منہ پر مارا تھا' صفدر اتنی بڑی رقم دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا' یہ تو اس کی توقع سے بہت زیادہ تھی۔

"اب بتاؤ کہاں ہے زیب النساء؟" اتنی ساری رقم دیکھ کر صفدر کا دماغ تیزی سے چلنے لگا تھا۔

"میرے ساتھ چلو گے اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے۔" رقم کو جیب میں منتقل کرتے وہ پر سکون تھا۔

"ہاں ابھی چلو۔" صفدر مسکرا دیا۔ وہ گاڑی میں آ بیٹھا تھا کافی لمبا چوڑا سفر طے کرتے وہ جس علاقے میں پہنچے تھے وہ ایک

انتہائی گندی خستہ حال نئی آبادبستی تھی۔

"تم نے اس علاقے میں زہن کو رکھا ہوا تھا۔" مجکیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حیات علی کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"چوہدری صاحب غریب بندہ آپ جیسی حویلی نہیں بنواسکتا' مجبوری تھی۔" حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ انہیں ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کے سامنے لے کر آیا تھا۔

"یہاں کسی کے ساتھ رہتا ہوں صاحب! تم رکو میں زیب النساء اور اس کے بیٹے کو لاتا ہوں۔" وہ کہہ کر ٹاٹ کا پردہ کھسکا کر اندر چلا گیا تھا۔ حیات علی شدت سے ان لوگوں کا منتظر تھا لیکن جوں جوں وقت گزرنے لگا تو وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے آواز لگائی اندر سے ایک ادھیڑ عمر برآمد ہوئی تھی۔

"صفدر کو کہیں جلدی آئے۔"

"صفدر تو کب کا جا چکا ہے۔" عورت نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔

"کیا مطلب؟"

"اس نے ہمارے کچھ پیسے دینے تھے وہ دیئے اور چلا گیا۔"

"کیسے' ہم تو ادھر کھڑے تھے۔"

"گھر کا دوسرا دروازہ دوسری طرف کھلتا ہے ادھر سے نکلا تھا۔" حیات علی کا شدت سے جی چاہا کہ صفدر ایک پل میں اس کے سامنے آجائے تو وہ اسے شوٹ کر دیں۔

وہ بڑے نامراد واپس لوٹے تھے' پیسہ جانے کی انہیں فکر نہ تھی لیکن زیب النساء اور اپنے بیٹے کی گمشدگی نے انہیں بالکل نڈھال کر ڈالا تھا۔

❁......❁......❁

رات کے آٹھ بجے تو کاشفہ کو اس پر جیسے ترس آ گیا تھا۔ وہ اسے نجانے کیا کیا دھمکیاں دیتی رہی تھی اور انابالکل بے حس ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ایک جذباتی' جنونی اور اعتماد کی کمی سے محروم لڑکی تھی لیکن اس کے کردار کا فخر ہمیشہ اس کے ساتھ رہا تھا۔ جو اَب مٹی میں مل گیا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے گھر والے اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے اور اب تک کیا کچھ سوچ چکے ہوں گے۔ وہ بہت خوف زدہ ہو چکی تھی' بظاہر وہ باعزت واپس جا رہی تھی لیکن ایگری منٹ کی صورت وہ اپنے ہاتھ کاٹ کر کاشفہ کے حوالے کر چکی تھی۔ کاشفہ کا پاگل پن دیکھ کر وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ کاشفہ کے ساتھ کوئی بھی غلط بیانی یا دھوکہ دہی تو وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔

کاشفہ اور اس کی دوست اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اپنے گھر تک کا رستہ اس نے عالم بے ہوشی میں طے کیا تھا اور پھر اس کے بعد کے حالات نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اسے اپنے گھر والوں اور ولید کی زندگی بہت عزیز تھی۔ کاشفہ کی دھمکیاں بدستور اس کے ساتھ تھیں اور وہ واقعی اس کی دھمکیوں سے ڈر گئی تھی۔ کئی بار جی چاہا کہ گھر والوں کو سچ بتا دے کم از کم صبوحی کو تو بتا دے لیکن ہر بار کاشفہ کی وہ ویڈیو والی دھمکی یاد آتی تو وہ خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ ولید کو دیکھتی تھی تو دل پھٹنے لگتا تھا اور پھر اس نے وہ سب کرنا شروع کر دیا تھا جو کاشفہ چاہتی تھی۔

حماد اتفاقاً اس کی زندگی میں آیا تھا' انا کو لگا اسے سانس لینے اور بچ نکلنے کے لیے کوئی رستہ مل گیا ہے اور پھر اس نے سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ وہ ولید' پاپا' ماما سب کی نظروں میں بُری بن گئی تھی۔ پاپا اسے حماد کے ساتھ رخصت کرنے پر تیار ہو چکے تھے لیکن ولید کو دیکھتی تھی تو دل کرتا تھا سب کچھ چھوڑ کر کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جائے۔ روشی اور ولید اس کے بارے میں مشکوک ہو رہے تھے اور وہ خوف زدہ تھی کہ اگر کسی کو علم ہو گیا تو نجانے وہ سب کیا سمجھیں؟ وہ بدکردار نہیں تھی لیکن کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں میں آ کر وہ اپنا سب کچھ برباد کر چکی تھی۔

وہ اب خود کو ولید کے قابل نہیں سمجھتی تھی اس نے ہمیشہ اسے شک کی نظر سے دیکھا تھا۔ کبھی کیتھی اور کبھی کاشفہ وہ تو اس کو نجانے کیا کیا سمجھتی رہی تھی اور اب ہر بات کھل جانے پر اس کے واپسی اس کا منہ چڑاتے تھے تو وہ شرم سے پانی پانی ہونے لگتی تھی۔

اس نے ولید اور وقار صاحب کو خود سے بدظن کر دیا تھا۔ اس کا کھیل بالکل ٹھیک جا رہا تھا لیکن اب یہ اچانک ولید کا ایکسیڈنٹ ہو جانا اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید کو کچھ ہوا تو وہ بھی زندہ نہیں رہ پائے گی۔ وہ جو اس کے بغیر جینے کی کوشش کر رہی تھی اسے اب زندگی سے دور ہوتے دیکھ کر خود بھی حوصلہ ہار چکی تھی۔ وہ جو کبھی کسی کے سامنے نہ کہتی حرف بحرف شہوار کے سامنے دل کا درد کہتی چلی گئی تھی اور شہوار بے یقینی سے سب سنتی حیرت سے گنگ بالکل پتھر بن چکی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور کسی کو خبر تک نہ تھی وہ بے یقین تھی۔

❀......❀......❀
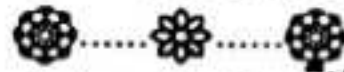
صفدر چھپتا پھر رہا تھا اسے حیات علی سے جو رقم ملی تھی وہ آنے والے دنوں میں اس کے بہت کام آنے والی تھی۔ وہ ایک دن صفیہ آپا کو گھر آیا تھا فیضان سو رہا تھا۔ صفیہ آپا تو بازار سے کچھ سودا لانا تھا وہ اسے فیضان کے پاس چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ صفدر کے دل میں نجانے کیا سمائی تھی اس نے خاموشی سے سوتے ہوئے فیضان کو اٹھایا اور گھر سے نکل گیا تھا۔

صفیہ آپا گھر آئیں تو کھلے دروازے کو دیکھ کر چونکی تھیں۔ صفدر اور فیضان دونوں غائب تھے وہ تو دونوں کو نہ پا کر ایک دم ڈھے گئی تھیں مہر النساء کو خبر کی تھی وہ فوراً آ گئی تھی۔ وہ باپ کی اس حرکت پر شرمسار ہو رہی تھی۔ بہن کے بعد اب اس کے بیٹے کے چھن جانے پر وہ غم زدہ تھیں شوہر کا خوف تھا وہ چند گھنٹے تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

صفیہ آپا کا دل غم سے پھٹ رہا تھا فیضان کے وجود نے ان کی سونی گود کو آباد کیا تھا۔ انہوں نے اسے بالکل بیٹوں کی طرح چاہا تھا۔ ان کی ممتا فیضان کے وجود سے سیراب ہوئی تھی۔ بہت دن تک ان کی آنکھیں نم اور دل غم زدہ رہا تھا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے دل کو قرار آنے لگا تھا لیکن فیضان کی بھولی بھالی معصوم صورت یاد آتی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔

صفدر فیضان کو لے کر اپنے نشئی دوستوں کے پاس چلا آیا تھا جن کے ساتھ وہ کچھ عرصے سے رہ رہا تھا۔ بچے کو سنبھالنے کا اسے کوئی خاص تجربہ نہ تھا نتیجتاً فیضان بیمار رہنے لگا تھا صفدر صرف حیات علی کو بلیک میل کرنے کے لالچ میں فیضان کو اٹھا لایا تھا لیکن اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ فیضان اور اس کی بیماریوں سے اکتانے لگا تھا۔

دوسری طرف حیات علی نے کچھ عرصہ صفدر کو تلاش کیا تھا مہر النساء کے گھر کے بھی چکر لگاتا رہا کئی بار اس کے شوہر سے ملاقات ہوئی تھی کوئی بھی اسے کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھا۔ مہر النساء تو حیات علی کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی اور پھر بابا صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ وہ اسے پاگلوں کی طرح زیبن کے لیے خوار ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ زبیدہ اور بچے ابھی بھی باہر تھے بچے وہیں زیر تعلیم تھے۔ بابا صاحب کو اس سارے مسئلے کا بس یہی حل دکھائی دیا کہ بچوں اور زبیدہ کو مستقل وہیں سیٹل کروا دیں شاید اس طرح حیات علی بھی سنبھلنے لگے اور زیبن اور اس کے بچوں کو بھول بھال جائے اور پھر دل کے مجبور کرنے پر وہ ایک بار پھر مہر النساء کے پاس آئے تھے اور شاید قدرت کو منظور تھا اس بار مہر النساء اس سے ملنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

مہر النساء سے ملنے کے بعد انہیں جو کچھ سننے کو ملا وہ حیرت سے گنگ رہ گئے تھے۔ مہر النساء نے ان کے بابا صاحب اور صفدر کی سازشوں کی تمام کہانی سنا ڈالی تھی۔ زیب النساء کی موت اور پھر بچے کی گمشدگی۔ حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی بالکل ختم ہو چکی ہے ان کے بابا صاحب اس قدر ظلم بھی کر سکتے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے مہر النساء نے انہیں کچھ رقم لا کر دی تھی۔

"آپ کے باہر جانے کے بعد آپ کا ملازم زیبن کو دے کر گیا تھا اتنی بڑی رقم گم ہو جانے کے ڈر سے زیبن نے مجھے امانتاً دے دی تھی تب سے میرے پاس تھی۔ فیضان بڑا ہوتا تو اسے دے دیتی اب وہ ہے نہیں میرے بھلا کس کام کی۔" حیات علی کا دل بھر آیا زیبن واقعی ایک باکردار نیک دل لڑکی تھی ان کا دل زخم زخم تھا۔ وہ غم سے نڈھال تھے۔

وہ کتنے بدنصیب تھے اتنی وسیع اراضی کے مالک لیکن ان کی محبوب بیوی ترستے سسکتے دنیا سے چلی گئی تھی۔ انہوں نے مہر النساء کو باہر کا ایڈریس لکھوایا تھا اور فون نمبر بھی لے لیا تھا۔ مہر النساء بھی جیسے ہر طرح سے تعاون کرنے پر آمادہ تھی اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جیسے ہی فیضان کی کوئی خبر ملے گی وہ انہیں اطلاع کر دے گی اور پھر وہ واپس حویلی پہنچے تھے۔ بابا صاحب سے اس کی شدید لڑائی ہوئی تھی اور وہ ان سے ہر طرح کا تعلق ختم کرتے باہر چلے آئے تھے۔

اپنے سالے کے ساتھ رہنے کی بجائے انہوں نے علیحدہ گھر لے لیا تھا مہر النساء کو نیا ایڈریس بھی دے دیا اور پھر زندگی

گزرنے لگی تھی اپنی رفتار اور جون میں۔
وقت کب کسی کے روکے رکتا ہے چار سال پلک جھپکنے میں گزرے تھے لیکن حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی جیسے رک سی گئی تھی ان کے اندر ہمیشہ کیلئے خزاں کا موسم ٹھہر گیا تھا۔ اکثر راتوں کو سوتے انہیں کفن میں لپٹی زیبن دکھائی دیتی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتے تھے۔ یہ ان کے اندر کا احساس ندامت تھا جو انہیں سونے نہیں دیتا تھا اور پھر ان کی راتیں جاگتے گزرنے لگی۔
زبیدہ ان کی حالت دیکھ کر کبھی الجھنے لگتی اور کبھی رو پڑتی۔ زیب النساء کی موت کی خبر حیات علی کی زبانی اسے بھی مل چکی تھی دل میں سکون سا جیسے اتر گیا تھا لیکن حیات علی کا رویہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ سال بعد ایک روز ان کو ایک کال موصول ہوئی تھی۔ پاکستان سے آنے والی مہر النساء کی یہ کال انہیں جیسے کسی جمود کے حصار سے باہر کھینچ لائی تھی وہ فوراً پاکستان جانے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔
بچے اور زبیدہ بھی ساتھ جانے پر بضد تھے لیکن وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر فوراً پاکستان پہنچے تھے۔ وہ مہر النساء کے گھر پہنچے تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی مہر النساء جیسے انہی کا انتظار کر رہی تھی۔ مہر النساء کی بیٹی افشاں بہت پیاری بچی تھی مہر النساء کو شوہر کی سختی اور حالات کے غموں نے کھالیا تھا۔
کچھ دن پہلے دو آدمی آئے تھے وہ اسپتال کے کارندے تھے کب وہ صفدر کی خبر لے کر آئے تھے ایک رات نشے میں دھت صفدر کسی گاڑی تلے آ کر کچلا گیا تھا۔ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی بیماریوں سے نڈھال مہر النساء شوہر کی پروا کیے بغیر اسپتال گئی تھی جہاں باپ کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔ موت کی دہلیز پر کھڑے صفدر سے مہر النساء نے جب فیضان کا پوچھا تو صفدر نے جو انکشاف کیا تھا مہر النساء کو لگا کہ جیسے اس کے وجود سے کسی نے جان کھینچ لی ہو۔
صفدر فیضان کو لالچ کی خاطر لے تو گیا تھا لیکن آئے دن فیضان کی بیماری نے اسے اس سے بدظن کر دیا تھا۔ وہ اس سے بے زار ہو چکا تھا صفدر کی ساری زندگی جیسے فیضان کی وجہ سے پابند ہو گئی تھی وہ اب فیضان کو اپنے ساتھ لانے پر پچھتانے لگا تھا۔ وہ حیات علی کے گاؤں نہیں جا سکتا تھا اور حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی ورنہ اسے بلیک میل کر کے اس کا بیٹا اس کے حوالے کر دیتا۔ وقت گزرنے لگا تو فیضان کی بیماری بھی بڑھنے لگی۔ صفدر اس پر پیسہ لگانے سے بھی کترانے لگا تھا وہ واپس آ یا صفیہ کے پاس جا کر اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا کہ کہیں وہ پولیس کو بلوا کر اسے پولیس کے حوالے نہ کر دے اور پھر ایک رات حیات علی اور اس کے باپ سے انتقام لینے کے لیے فیضان کے وجود سے تنگ آ کر فیضان کو ایک یتیم خانے کے دروازے پر پھینک کر بھاگ لیا تھا۔“
حیات علی مہر النساء کے منہ سے یہ سب سن کر ایک دم کانپ گیا تھا۔
باپ کے زندہ ہونے کے باوجود ان کا بیٹا ایک یتیم کے طور پر پل رہا تھا۔ وہ سسک اٹھے تھے کیسی بے رحم زندگی تھی کیا محبت کرنے کی اتنی کڑوی سزا ہوتی ہے۔
”صفدر نے کچھ بتایا کہ وہ فیضان کو کس یتیم خانے میں چھوڑ کر آیا تھا؟“
”نہیں ابا کی طبیعت بگڑنے لگی تھی اور ڈاکٹروں نے مجھے ڈانٹ کر وہاں سے ہٹا دیا تھا اور پھر جب دوبارہ ابا سے سامنا ہوا تو وہ مر چکا تھا اب اسے مرے پندرہ دن گزر چکے ہیں۔“ حیات علی کو لگا وہ جیسے پاگل ہو جائے گا۔
مہر النساء کا شکریہ ادا کرتے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ وہ شہر کے مختلف یتیم خانوں میں جا چکا تھا لیکن کوئی خبر نہ ملی۔ یتیم خانے والوں نے ان کی فراہم کردہ معلومات نوٹ کر لی تھیں اور انہیں کچھ دن بعد آنے کا کہا تھا۔ اس دن وہ پھر یتیم خانے آئے تھے وہ آفس میں آئے تو وہاں سامنے بیٹھے جوڑے کو دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔
”سبحان اور حاجرہ۔“ ان کے لب ہلے تھے انہوں نے بھی حیات علی کو فوراً پہچان لیا تھا۔
”تم دونوں یہاں کیسے اور پاکستان کب آئے؟“
”ایک لمبی کہانی ہے تم سناؤ یہاں کیا کر رہے ہو؟“ گلے ملنے اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد دونوں نے یہاں موجودگی کا سبب جاننے کی کوشش کی تھی۔
”میں.....“ حیات علی افسردہ ہو گیا تھا۔ ”مجھے میری قسمت یہاں لے آئی ہے بس تم کیسے آئے یہاں؟“

"شادی کو اتنے سال گزرنے کے باوجود ابھی تک ہم دونوں اولاد کی نعمت سے محروم ہیں، بہت علاج کروا دیکھے گھر والے دوسری شادی پر زور دیتے ہیں جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا، ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم کوئی بچہ اڈاپٹ کریں گے یہیں اپنے پاکستان سے بچہ ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"چلو بڑی نیکی کا کام ہے یہ تو اللہ تمہیں اجر دے اس نیکی کا۔" حیات علی نے افسردگی سے کہا تھا۔

"حیات علی صاحب آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں اس کے مطابق ہم نے کچھ بچوں کو نکالا ہے آپ دیکھ لیں۔" آفیسر نے کہا تو سبحان نے چونک کر دیکھا۔

"ایک لمبی کہانی ہے پھر بتاؤں گا آؤ بچوں کو دیکھتے ہیں۔" وہ سبحان کو ساتھ لیے بچوں کو دیکھنے چل دیئے تھے وہاں کچھ بچے تھے ایک بچے کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے تھے۔

"یہ جاوید ہے یہ جب ہمیں ملا تھا دو سال کا تھا اسے بھی باہر کوئی ڈال گیا تھا۔" آفیسر انہیں ساتھ ساتھ بچوں کے بارے میں معلومات بھی دے رہا تھا۔

"یہ فیضی ہے یہ جب ہمیں ملا تھا اس کی عمر تقریباً تین سال تھی۔ انتہائی بیمار اور ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا اس کی حالت بہت خطرناک تھی یہ بھی گیٹ پر پڑا ملا تھا۔ ہم نے اس کا علاج کروایا تھا اس کے کپڑوں میں سے ایک کاغذ بھی نکلا تھا جس پر فیضی لکھا ہوا تھا یہ کسی ڈاکٹر کی دکان کی پرچی تھی ہم نے وہاں سے پتا کروایا تو پتا چلا تھا کہ یہ بیمار تھا اور ایک آدمی اس کو لے کر اس ڈاکٹر کے پاس آیا تھا انہوں نے ایک نسخہ لکھ دیا تھا دوبارہ وہ شخص نہیں آیا تھا۔ اس کے کپڑوں میں سے اس نسخے کے علاوہ دوائیاں بھی ملی تھیں جیسے کوئی ڈاکٹر کی دکان سے دوا لے کر سیدھا ادھر ہی ڈال گیا ہو۔" یہ وہی بچہ تھا جسے دیکھ کر حیات علی چونکے تھے۔

نجانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ ہی ان کا فیضان ہے بالکل زبین کی طرح سنہری چمکتی آنکھیں اونچی لمبی کھڑی ناک پتلے ہونٹ اور متناسب پیشانی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی ان کا فیضان ہے۔

"وہ نسخہ جس ڈاکٹر نے لکھ کر دیا تھا وہ کس علاقے میں ہے۔" حیات علی نے بچے کو ساتھ لگا کر پیار کرتے آفیسر سے پوچھا تھا۔

"آپ دفتر میں چلیں ہم معلومات دے دیتے ہیں۔" حیات علی نے اس بچے کو پھر پیار کیا تھا۔ دفتر کے عملے نے ایڈریس دے دیا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے سبحان کو ساری کہانی سنا ڈالی تھی سبحان بہت دکھی ہوا تھا سب سن کر۔ وہ اسی وقت سبحان اور اس کی بیگم کے ہمراہ اس علاقے میں گئے تھے ان کو ڈاکٹر کا کلینک مل گیا تھا انہوں نے یتیم خانے کا وہ سابقہ ریکارڈ اس ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔

"اس بچے کے بارے میں کچھ لوگ پہلے بھی کچھ معلومات کرنے آئے تھے۔" ڈاکٹر نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔

"ہمیں بس اس آدمی کا پتا کرنا ہے جو اس بچے کو لے کر آیا تھا۔"

"وہ آدمی اس کے کافی عرصے بعد پھر دو تین دفعہ میرے کلینک آیا تھا کوئی نشئی تھا اپنا نام صفدر لکھوایا تھا۔ شکل سے غنڈہ ٹائپ لگتا تھا۔ یتیم خانے والوں نے مجھے جب بھی وہ آدمی آئے اطلاع کرنے کو کہا تھا لیکن میں ایک غریب سا آدمی ہوں کلینک ہی سب کچھ ہے۔ میں ڈر گیا تھا کہ کہیں کوئی جھگڑا نہ ہو میں نے اطلاع نہیں کی تھی۔ اب سے ایک ماہ پہلے بھی میرے کلینک آیا تھا بے تحاشا سگریٹ نوشی نے اس کے گردوں اور پھیپھڑوں کو فیل کر دیا تھا اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔" ڈاکٹر نے جو بھی بتایا تھا حیات علی کو لگا جیسے دل میں سکون سا اترتا چلا گیا ہے وہ فیضی ہی ان کا فیضان تھا۔ ان کا بیٹا ان کا لخت جگر۔

"اگر آپ کو صفدر کی تصویر دکھائی جائے تو کیا آپ پہچان لیں گے؟" حیات علی نے پوچھا تو ڈاکٹر نے سر ہلا دیا تھا۔

زبین شادی کے بعد اپنے گھر سے کچھ پرانی تصاویر لے کر آئی تھی جو چند سال قبل کی تھیں وہ ابھی بھی وہیں تھیں باہر جاتے وقت وہ صرف زبین کی تصویریں لے کر گئے تھے صفدر کی تصویریں وہیں الماری میں پھینک دی تھیں وہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے اٹھے تھے۔ وہ گھر گئے الماری میں اب بھی وہ چھوٹی پرانی تصاویر موجود تھیں وہ لے کر دوبارہ ڈاکٹر کے پاس آئے تھے ڈاکٹر تصویر دیکھ کر الجھا تھا۔

"انیس بیس کا فرق لگ رہا ہے جو شخص میرے پاس آیا تھا اس کے منہ پر داڑھی بھی تھی صاحب! اور وہ بوڑھا بوڑھا سا تھا جبکہ یہ جوان لگ رہا ہے۔" حیات علی نے پینسل لے کر تصویر کے منہ پر داڑھی بنا دی تھی۔

"ہاں کچھ کچھ وہی لگ رہا ہے بس یہاں آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ ہیں جبکہ وہ جب بھی میرے پاس آیا تھا اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔" ڈاکٹر کے بیان کے بعد اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

میں درد کا بیکراں
سمندر رہوں کنارا ابھی نہیں ملتا
بہت مارے گرداب میں ہاتھ پاؤں
پر سہارا ابھی نہیں ملتا
بہت اندھیرا ہے ہر سمت ہے، بہت تاریکیاں
ڈھونڈنے سے بھی کوئی جگنو
کوئی تارا ابھی نہیں ملتا
بہت ڈھونڈیں ہم نے اس میں وفا لیکن
یاد رکھنا محبت میں تو بس
کبھی گزارہ بھی نہیں ملتا

شاعرہ: عزیزہ حنا عباسی

نازیہ عباسی

ٹھٹھہ

"شکریہ ڈاکٹر صاحب آپ نے بہت تعاون کیا۔" حیات علی اٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ حیات علی کے گھر آ گئے تھے حاجرہ ساتھ ہی تھی۔

"بہت ہی بُرا ہوا تمہارے ساتھ بھی بھابی اور بچے کے ساتھ بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"کل جب ہم کل یتیم خانے جاتے ہیں تو بھابی کی بہن کو بھی ساتھ لے لینا ہو سکتا ہے وہ بچے کو پہچان لیں۔"

"بچے کو تو میں بھی پہچان چکا ہوں بس کنفرم کرنا باقی ہے۔" حاجرہ جو اتنے عرصے سے بالکل خاموش تھیں دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر قریب آ بیٹھی تھی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ ہم کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے آئے تھے لیکن بھائی صاحب کی کہانی سن کر ادھر چلے آئے کیوں نہ ہم اپنے فیضان کو ہی اڈاپٹ کر لیں۔" حاجرہ کی بات پر دونوں چونکے تھے۔

"نہیں میں اپنے بیٹے کو خود سے جدا نہیں کروں گا۔" حیات علی نے قطعیت سے کہا تھا۔

"آپ کو شاید بُرا لگے لیکن ایک بات کہوں گی اگر آپ بچے کو ساتھ لے جاتے ہیں تو آپ کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ کے بابا صاحب اور بیوی کے علاوہ کوئی بھی یہ حقیقت نہیں جانتا کہ آپ نے دوسری شادی بھی کر رکھی تھی اور آپ کا بیٹا بھی ہے بعد میں نجانے کیا حالات ہوں سارا اثر بچے پر پڑے گا۔ بچے کی شخصیت متاثر ہو گی اگر آپ بچے کو بہترین ماحول دینا چاہتے ہیں تو آپ ہم پر بھروسہ کر سکتے ہیں ہم بالکل اسے اپنے بیٹے کی طرح پالیں گے۔" حاجرہ کے الفاظ پر سبحان بھی متفق ہو گیا تھا۔

"حاجرہ ٹھیک کہہ رہی ہے تم لکھنا اپنا بیٹا ہمیں دے دو اور بے شک وہ تمہاری اولاد ہی نا۔ ہم صرف اسے پالیں گے پڑھائیں گے بڑا کریں گے ہم صرف اسے اڈاپٹ کریں گے اس سے کچھ نہیں چھپائیں گے تم اچھی طرح سوچ لو فیصلہ مشکل ہو گا لیکن تمہارے لیے اس میں بہت سی آسانیاں ہوں گی۔" سبحان کے الفاظ پر حیات علی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"ہم اس کو اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں گے تم اس کے فیوچر سے متعلق بالکل بے فکر ہو کر فیصلہ کر سکتے ہو۔" حیات علی کے سامنے سوچ کا ایک اور در وا ہوا تھا۔

اگلے دن وہ مہر النساء کو لے کر دوبارہ یتیم خانے گئے تھے فیضی کو بلوایا گیا تھا۔ فیضی کو دیکھتے ہی مہر النساء ایک دم رو دی تھی۔

"یہ ہی ہمارا فیضان ہے ہمارے فیضان کے کندھے کے پچھلی طرف چاند گرہن کا سرخ نشان تھا۔ بھائی صاحب آپ دیکھیں اس کے جسم پر بھی ہو گا۔" مہر النساء کے الفاظ نے گویا حیات علی کو زندگی بخش دی تھی۔ مہر النساء نے خود ہی شرٹ اتار کر دیکھا تو ایک دم رو دی تھی۔ بالکل ویسا ہی نشان اس فیضی کے کندھے پر بھی تھا اب تو جیسے ہر بات کی تصدیق ہو چکی تھی حیات علی کو اپنا بیٹا مل گیا تھا۔

اب دنیا کی کوئی بھی طاقت ان سے ان کا بیٹا نہیں چھین سکتی تھی تاہم اس کے بہتر مستقبل کے لیے ابھی انہیں بہت کچھ سوچنا تھا۔ مہر النساء کو واپس اس کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ مہر النساء نے جاتے وقت ان سے ایک بات کہی تھی۔

"زیب النساء چاہتی تھی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو وہ اس کی شادی میری افشاں سے کرے گی کہنے والی تو مر گئی لیکن بھائی صاحب زندگی نے وفا کی تو یہ میری زیب کی امانت ہے آپ کے پاس میں ایک بار زیب کی بات پوری کرنے ضرور آؤں گی اگر آپ کی رضامندی ہوئی تو......" مہر النساء چلی گئی تھی لیکن ان کے لیے بہت ساری سوچوں کے در کھل گئے تھے وہ فیضان کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

اگلا پورا ہفتہ انہوں نے پانچ سالہ فیضان کے ساتھ گھوم کر گزارا تھا ہر وہ جگہ جہاں وہ زیب کے ساتھ گئے تھے وہ فیضان کو لے کر

گھومے تھے اور ہر وہ مقام جہاں زیبن ان کے ہم قدم تھی انہوں نے فیضان کو دکھایا تھا۔ اس کی ماں کی تصویریں دکھائی تھیں ایک تصویر تو ہر وقت ان کے بٹوے میں موجود رہتی تھی۔ وہ اس کو رشتوں سے آشنا کروا رہے تھے اس کے لیے دنیا جہاں کی چیزیں خرید رہے تھے کہ سبحان اور حاجرہ سوالی بن کر ایک بار پھر ان کے پاس آئے تھے۔

"ہم جانتے ہیں آپ کے لیے اپنے بیٹے کو خود سے دور کرنا بہت مشکل ہے لیکن ہماری محرومی اور بچے کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچ لیں۔ آپ کے بیٹے کو آپ کا یہ خاندان کبھی قبول نہیں کرے گا لیکن اگر وہ ہمارے ساتھ رہا تو ہم ضرور اسے کسی قابل بنادیں گے۔" حاجرہ کہہ رہی تھی۔

حیات علی نے صحن میں اپنے کھلونوں سے کھیلتے فیضان کو دیکھا اور پھر سبحان اور حاجرہ کو جو بڑی امید بھری نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

"چلو ٹھیک ہے اپنے بیٹے کے مستقبل کے لیے میں یہ جوا کھیلنے کو بھی تیار ہوں بس مجھ سے وعدہ کرو میرے بیٹے کو کبھی کوئی کمی کوئی تکلیف نہیں ہونے دو گے۔" کہتے کہتے ان کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ سبحان اور حاجرہ بھی نم آنکھیں لیے اسے امید دلاتے نئے وعدے کرتے ہمیشہ فیضان کا خیال رکھنے کی باتیں کرنے لگے تھے۔

❁......❁......❁

شہوار گھر چلی آئی تھی انا اسپتال آئی تو ابھی بھی وہی ماحول تھا۔ مسلسل گریہ وزاری سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں چہرے کے نازک حصوں پر سرخی غالب تھی۔ وہ وقار صاحب کے ساتھ اسپتال آئی تھی بڑی سی چادر اوڑھے وہ بالکل ساکت سی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر وقار صاحب کئی بار چونکے تھے تاہم بولے کچھ نہ تھے۔

وہ صبوحی بیگم سے ملی وہ اب بہتر تھیں انہوں نے اس سے بات چیت بھی کی تھی۔ ان کے آنے کے بعد روشی اور ضیاء ماموں کو پاپا نے زبردستی گھر بھجوادیا تھا۔ مصطفیٰ ابھی بھی اسپتال میں تھا احسن تو خود پریشان اور بکھرا ہوا تھا اس لیے مصطفیٰ کے وجود سے بہت ڈھارس مل رہی تھی سب کو۔

"بیٹا! تم بھی تھک گئے ہوگے گھر جا کر آرام کرو۔ ہم ادھر ہی ہیں دیکھ لیتے ہیں۔" مصطفیٰ ڈاکٹر سے ساری رپورٹ لے کر لوٹا تو وقار صاحب نے کہا۔

"انکل ٹینشن مت لیں میں ادھر ہی ہوں جب تک ولید کو ہوش نہیں آجاتا میں ادھر سے نہیں ٹلنے والا۔" ان کا کندھا سہلا کر وہ احسن کی طرف بڑھ گیا تھا جو نڈھال سا بیٹھا ہوا تھا انا ان کے قریب آرکی تھی۔

"تم باہر کیوں آ گئیں ماما ٹھیک ہیں نا؟" احسن نے کھڑے ہوکر پریشان سے پوچھا تو اس نے سر ہلادیا۔

"وہ سو رہی ہیں۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ فوراً کمرے کی طرف چلا گیا تھا مصطفیٰ نے انا کو دیکھا۔ عجیب سی غم زدہ اور نڈھال سی دکھائی دے رہی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے۔" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے بس سر ہلایا تھا جبکہ آنکھوں میں ایک دم آنسوؤں کا سیلاب آ ٹھہرا تھا۔

"میں ولی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔

"تو کے آئیں۔" مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھتے قدم آگے بڑھادیئے تھے۔ اسے آئی سی یو میں جاتے دیکھ کر وقار صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عجیب سرد سا ماحول تھا وہاں ہر طرف موت کی سی خاموشی تھی انا کا دل لرزنے لگا تھا۔

وہ مصطفیٰ کے ساتھ بیڈ تک آئی ولید ابھی تک اسی کیفیت میں تھا اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر نرس کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتے خود بھی باہر نکل گیا تھا۔

انا ان دونوں کے جانے کے بعد ولید کے ڈرپ لگے ہاتھ کو احتیاط سے اپنے ہاتھ میں لے کر اس پر جھکی تھی پاس پڑی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے اندر پشیمانی اور پچھتاوؤں کے ایسے ناگ تھے جو ہر لحہ ڈس رہے تھے جن کے حصار میں جکڑے وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی۔

"آئیم سوری ولی۔" وہ اپنے آپ سے سخت شرمندہ تھی۔ ولید کے ہاتھ کو چہرے سے لگاتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے ہمیشہ بدگمانی کا اظہار کیا اپنے خود ساختہ واہموں اور بدگمانیوں میں جکڑی آپ کی محبت اور توجہ کو شک کی نظروں سے دیکھتی رہی۔ ہر لمحہ آپ کو تنگ کیا میں بہت بُری ہوں لیکن پلیز مجھے ایسی سزا مت دیں۔ آپ کو کچھ ہوا تو میری سانسیں بھی رک جائیں گے آپ پلیز واپس آ جائیں میں ہر سزا جھیلنے کو تیار ہوں پلیز ایسا مت کریں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں نے کئی بار ولید کے سرد ہاتھ کو چھوا تھا اس کی گریہ وزاری کا اور ہی عالم تھا۔

وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی اس کے دل نے اسے بالکل مات دے دی تھی وہ جو کچھ کر رہی تھی بالکل غیر ارادی ہو رہا تھا۔ اسے نہ اپنی حالت کی خبر تھی اور نہ ہی اپنی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کی۔

"کاشفہ کہتی تھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔ کاشفہ نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں خود کو آپ سے دور کرلوں۔ وہ دھمکیاں دیتی تھی کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ میں اگر ایسا نہ کرتی تو وہ آپ کو تکلیف دیتی نقصان پہنچاتی میں بھلا کیسے برداشت کرلیتی۔" اس کی سرگوشیاں اور سسکیاں عجیب دل دکھانے والی تھیں وہ سسکتی رہی تھی۔

ولید سے اپنے تمام کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی طلب کرتی رہی تھی۔ مصطفیٰ اندر داخل ہوا تو وہ ولید کے ہاتھ کو جکڑے ابھی بھی سسک رہی تھی۔ مصطفیٰ قریب آیا تو وہ ابھی بھی اسی طرح سر جھکائے سسک رہی تھی۔

"انا......" مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

"چلیں اب۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہاتھ چھوڑ کر چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتی کھڑے ہوگئی تھی نرس بھی کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ عجیب ترحم آمیز نگاہوں سے انا کو دیکھ رہی تھی وہ مصطفیٰ کے ساتھ باہر نکلی تو وقار صاحب نے پھر دیکھا تھا نڈھال وجود سرخ شدت گریہ کا ترجمان چہرہ۔

"کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں ہارنے والوں جیسے؟" اک سوال وقار صاحب کے سینے کی دیواروں میں شدت سے پھڑپھڑایا تھا انہوں نے نگاہیں پھیر لی تھیں آنکھوں میں شدت غم سے لہو ٹپکنے کو تھا۔

"ہم نیچے جارہے ہیں ذرا آپ جائیں تو ولید کے پاس چکر لگالیں۔" مصطفیٰ کی بدولت باقی افراد کو بھی آئی سی یو میں جانے کی اجازت مل چکی تھی مصطفیٰ ان کو کہہ کر انا کو لیے سیڑھیاں اترنے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے نیچے آ کر ویٹنگ روم میں انا کو بٹھا کر خود ایک ڈسپوزل گلاس میں پانی ڈال کر پلایا تھا۔

"ایک بات بتائیں انا؟" دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتی انا نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

"جب اس قدر محبت تھی تو یہ فاصلے کیسے درمیان میں حائل ہوگئے تھے؟" انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

"حماد آپ دونوں کے درمیان میں کیسے آ گیا تھا؟" وہ مزید پوچھ رہا تھا اور انا کو لگا جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے والا ہے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ایک دم شدت سے رودی اور مصطفیٰ نے بہت ترحم آمیز نگاہوں سے اس کو یوں اس طرح بلکتے دیکھا۔

❁......❁......❁
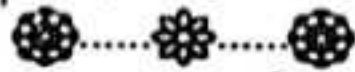
سبحان احمد نے قانونی کارروائی کے بعد فیضان کو اڈاپٹ کرلیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتے تھے اس طرح فیضان حیات علی سے سکندر سبحان احمد نام کے کاغذات تیار ہوگئے تھے۔ سبحان احمد کے خاندان والوں نے کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے پر خوب واویلا مچایا تھا لیکن دونوں میاں بیوی نے کوئی کان نہ دھرے تھے اس طرح فیضان حیات علی سکندر سبحان احمد بن کر سبحان اور حاجرہ کے ساتھ امریکہ روانہ ہوا تو حیات علی بھی واپس کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔

سبحان پر انہیں بہت اعتبار تھا وہ سکندر کے مستقبل سے مکمل طور پر مطمئن ہوگئے تھے انہیں یقین تھا کہ اب ان کے بیٹے کو زندگی میں صرف سکھ ہی سکھ ملے گا۔ انہوں نے جانے سے پہلے مہر النساء کی طرف چکر لگایا تھا مہر النساء فیضان کے سبحان کے ساتھ چلے جانے کا سن کر بہت افسردہ ہوئی تھی تاہم اس نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی تھی۔

مہر النساء نے سبحان کے گھر کا ایڈریس ضرور لے لیا تھا کبھی وہ لوگ پاکستان لوٹیں گے تو ان سے ملنے جائے گی۔ حیات علی پچھلے چار سالوں سے بابا صاحب سے ناراض تھے پاکستان لوٹنے پر بھی وہ ان سے ملنے نہیں گئے تھے بلکہ حویلی فون کر کے گاڑی اور ڈرائیور منگوالیا تھا۔

وہ مہر النساء سے ملنے کے بعد اپنا سامان لے کر ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو بھی گاؤں جا کر باپ سے ملنے کا نہ سوچا تھا۔ وہ بابا

صاحب کو بیٹے کی جدائی کی سزا دینا چاہتے تھی بالکل ویسے ہی جیسے وہ پچھلے پانچ سالوں سے بیٹے کی جدائی کی آگ میں جلتے رہے تھے۔ زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی وقت کا کام تھا گزرنا اسے بھلا کون روک سکا تھا۔ بہت تیز رفتاری سے گزر رہا تھا کم عمر بچے اب جوان ہو چکے تھے حیات علی مزید پانچ سال کینیڈا رہے اور پھر بابا صاحب کی شدید بیماری کی اطلاع پر انہیں واپس آنا ہی پڑا۔ بابا صاحب از حد کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔

حیات علی دل سے تمام کدورتیں اور بدگمانیاں مٹا کر ان کی خدمت میں لگ گئے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بابا صاحب کی بیماری بڑھتی رہی تھی اور پھر ایک شب زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی تو حیات علی پر اتنی بڑی جاگیر زمینوں اور حویلی کی ذمہ داریاں آ پڑی تھیں۔

نواز تعلیم کے سلسلے میں ابھی بھی کینیڈا میں تھا باقی حسن علی شاہ زیب اور دونوں بچوں سمیت وہ لوگ دوبارہ مستقل پاکستان حویلی میں شفٹ ہو چکے تھے۔ حیات علی مہر النساء سے ملنے گئے تھے لیکن وہاں سے ملنے والی خبر نے ایک دم دکھی کر دیا تھا۔

مہر النساء کا ایک سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اس کا شوہر باہر کسی ملک میں شفٹ ہو چکا تھا اس کی بیٹی اپنی پھوپی صفیہ کے پاس تھی۔ مہر النساء نے ان سے ایک بار ایک بات کہی تھی وہ بات ابھی بھی ان کے دل میں اٹکی ہوئی تھی۔

سکندر سے متعلق سبحان ہر طرح کی معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ سکندر ایک بہت ہی ذہین اور لائق بچہ تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار تھا' سبحان اور حاجرہ نے اس سے اس کے والدین سے متعلق کچھ بھی نہیں چھپایا تھا اس کے باوجود وہ سبحان اور حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ بہت سے غموں اور بہت سی خوشیوں کے درمیان زندگی گزرنے لگی تھی۔ کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے وقت نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ نواز کی تعلیم مکمل ہوئی تو اس کی پسند پر حیات علی نے اس کی شادی وہیں کینیڈا میں ہی ماموں کی بیٹی سے کر دی تھی۔ اس طرح کچھ سال بعد حسن کے لیے بھی زبیدہ بھتیجی لائی تھی' زینت اور زہرہ بھی رشتہ داروں میں بیاہی گئیں تو شاہزیب کے لیے بھی حیات علی نے زبیدہ کے سب سے چھوٹے بھائی کی بیٹی مہر النساء کو پسند کیا تھا۔

انہیں مہر النساء میں زیب النساء کی سی عادات دکھائی دیتی تھیں' کچھ اور وقت سرکا تو بھی لوگ اپنی اپنی زندگی میں سیٹل ہونے لگے تھے۔ نواز کینیڈا میں ہی سیٹل ہو گیا تھا۔ حسن علی کراچی جا بسا تھا۔ شاہزیب نے پولیس فورس جوائن کر لی تھی' بھی خوش تھے ایسے میں حیات علی کے دل میں گزرے لمحوں کی بے دردی کا ملال شدت سے اجاگر ہونے لگتا تھا۔

ان کا بیٹا ان سے دور غیر لوگوں میں پل رہا تھا ان کے پاس کیا نہیں تھا دولت' جائیداد' جاگیر اور معاشرے میں اونچا مقام لیکن وہ کتنے بے بس تھے کہ اس اولاد کو اس کا جائز مقام نہ دلا سکے تھے۔ وہ معاشرے اور لوگوں کے ڈر سے اپنی اولاد کو دوسروں کی جھولی میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سبحان کی وکالت امریکہ میں خوب چمکی ہوئی تھی' باہر اور پاکستان دونوں معاملات پر اس نے اچھی پراپرٹی بنا رکھی تھی۔ کچھ پراپرٹی سکندر کے نام بھی کر رکھی تھی۔

سکندر احمد اب بڑا ہو چکا تھا دو سال بعد اس کی تعلیم مکمل ہو جانی تھی' سبحان اور حاجرہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ وہ مردانہ وجاہت اور خوب صورتی کا شاہکار تھا۔ ماں اور باپ دونوں کا حسن لے کر پیدا ہونے والا یہ سکندر احمد اپنی ذات میں بے مثل تھا۔ حاجرہ اور سبحان امریکہ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹے تھے۔ مزید دو سال پر لگا کر گزر گئے تھے۔ سکندر کی ایجوکیشن مکمل ہوئی تو سبحان اور حاجرہ کا پاکستان چکر لگانے کا پروگرام بنا تھا۔ سکندر بھی ان کے ساتھ پاکستان آ رہا تھا۔ ان کا ارادہ کچھ ماہ پاکستان میں رکنے اور پھر واپس پلٹ جانے کا تھا۔ سکندر نے سبحان احمد اور حاجرہ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین میں پہلی بار مکمل ہوش و حواس میں قدم رکھا تھا۔ وہ بہت جذباتی تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ قسمت اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔ پاکستان آنے کے بعد اس کی زندگی میں بالکل مختلف اور ایک نیا موڑ شروع ہوا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ)

میرا وڈھا صنم
نادیہ فاطمہ رضوی
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

وہ انکار کرتے ہیں اقرار کے لیے
نفرت بھی کرتے ہیں پیار کے لیے
الٹی چالیں چلتے ہیں یہ دیوان گان عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

شہزین حیرت و بے یقینی کی کیفیت میں گھری ڈائس کے پیچھے کھڑے اس گریس فل شخص کو ناچاہتے ہوئے بھی دیکھے جارہی تھی۔ کشادہ پیشانی ذہانت سے بھرپور آنکھوں میں فریم لیس چشمہ لگائے اپنی ناک کے نیچے عنابی لبوں کو مخصوص انداز میں پیوست کیے وہ اسٹوڈنٹس کے حاضری رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔

"مس شہزین رضا!" جب تیسری بار اس کا نام پکارا گیا تو اپنی نوٹ بک پر جھکی ہادیہ کو شہزین کی غائب دماغی کا خیال آیا تو اس نے اپنی کہنی مار کر اسے جاگتی آنکھوں مگر سوتی ہوئی شہزین کو جگایا تو بے اختیار وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"یہ کیا پاگل پن ہے شہزین! مانا کہ یہ موصوف کافی ہینڈسم اور ڈشنگ ہیں مگر اپنے نام پر تم "یس سر" تو بولو پھر بعد میں چاہے گھور لینا۔" ہادیہ شہزین کو گم صم بیٹھا دیکھ کر دانت پیستے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی تو پہلے شہزین نے ہادیہ کو پھر سامنے والے کو دیکھا جو اس کام سے فارغ ہو کر اب وائٹ بورڈ کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

"اُف شہزین! خدا کے واسطے اپنی بدحواسی پر قابو رکھو سر نوفل کافی اسٹرک ہیں وہ لڑکیوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔" ہادیہ کی بات شہزین سن ہی کہاں رہی تھی وہ ابھی تک ایک ٹرانس کی کیفیت میں نوفل حسن کو دیکھے جارہی تھی جو اس پل پوری توجہ سے شہزین کو نظر انداز کیے اسٹوڈنٹس کو لیکچر دے رہا تھا۔

شہزین کو ہنوز بیٹھا دیکھ کر ہادیہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنی توجہ نوفل حسن کی طرف مرکوز کردی جبکہ یک دم شہزین اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنا بیگ اٹھا کر بنا نوفل حسن سے اجازت لیے کلاس روم سے باہر چلی گئی۔ شہزین کے اس قدر عجیب برتاؤ پر پوری کلاس نے انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھا پل بھر کے لیے نوفل حسن نے بھی اسے باہر جاتے دیکھا پھر سر جھٹک کر دوبارہ لیکچر دینے میں مصروف ہو گیا۔

"اُف خدایا یہ...... یہ نوفل حسن یہاں کیسے؟ اور وہ بھی اس روپ میں؟ یہ...... یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ نوفل حسن یہاں کیسے آسکتا ہے؟"

"کیوں نہیں آسکتا؟" شہزین رضا کلاس سے باہر آکر گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے خود سے سوال و جواب کررہی تھی۔

"کہیں وہ مجھ سے بدلہ لینے تو نہیں آیا۔ اوہ مائی فٹ...... اس کی اتنی جرأت نہیں کہ وہ مجھے یعنی شہزین رضا خان کو ہراساں کرنے کی کوشش کرسکے۔" خود سے بولتے ہوئے یک دم اس کی ازلی خودسری اور تنک مزاجی عود کر آئی۔ وہ انتہائی خوداعتمادی سے کہہ اٹھی اچانک نوفل کو دیکھ کر اس پر جو بدحواسی کی کیفیت طاری ہوئی تھی وہ ختم ہو چکی تھی اب اس کی جگہ الجھن نے لے لی تھی۔

"اوہائے شہزین ڈیئر! مجھے معلوم ہے کہ تم نے میری وجہ سے کلاس مس کی ہے ناں......" اچانک نجانے کہاں سے جہانگیر آٹپکا تو شہزین نے اسے بے زاری سے دیکھا۔

"جہانگیر تم اپنے بارے میں اتنے خوش فہم کیوں ہو؟" اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے جہانگیر کو اس پل دیکھ کر نجانے کیوں وہ انتہائی بدمزہ ہوگئی ورنہ آج کل ان دنوں کے درمیان بہت اچھی دوستی چل رہی تھی جس کے چرچے کافی دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ نوفل کی یہاں موجودگی اسے اندر سے نجانے کیوں بے تحاشا ڈسٹرب کرگئی تھی مگر وہ یہ بات ماننا نہیں چاہ رہی تھی کہ نوفل نے اسے ازحد پریشان کردیا تھا۔

"اینی پرابلم ہنی! تم کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہو؟" جہانگیر

کے اس جملے نے نجانے کیوں اسے مشتعل سا کردیا۔

"میں کیوں اپ سیٹ ہونے لگی' تم جانتے نہیں ہو مجھے۔ آئی ایم شہرین رضا! اس شہر کے کامیاب بزنس مین رضا احمد خان کی بیٹی جس کے دو گھڑی ساتھ کے لیے تم جیسے کتنے اور مرے جاتے ہیں سمجھے۔" نجانے کیا اول فول بول کر شہرین وہاں سے چلی گئی جب کہ جہانگیر ہکا بکا وہیں کھڑا اس کی کیفیت پر غور کرتا رہ گیا۔

❁......❁......❁
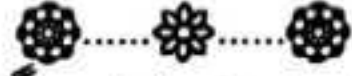
گھر آ کر شہرین اور زیادہ ڈسٹرب ہوگئی اپنے کمرے کی تمام چیزیں الٹ پلٹ کر ڈالیں۔

"کیا سمجھتا ہے وہ خود کو' نوفل حسن مجھے ہرا دے گا نہیں...... ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا' میں اسے ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ ساری زندگی یاد کرے گا۔" شہرین ایک ہفتے سے یونیورسٹی نہیں گئی تھی وہ اپنے بھائی کے بیٹے کی ولادت کی وجہ سے اسلام آباد چلی گئی تھی جو اپنی جاب کی وجہ سے اپنی بیوی کے ہمراہ وہاں سیٹل تھا اسے اپنے والد کے بزنس سے کوئی لگاؤ نہیں تھا لہٰذا سی ایس ایس کا امتحان پاس کرکے وہ کسٹم افسر کے طور پر اسلام آباد میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ہادیہ نے فون پر اس سے کسی نئے سر کی آمد کا تذکرہ کیا تھا مگر اس نے دھیان سے سنا بھی نہیں تھا جو سر عنایت اللہ کی جگہ آئے تھے۔

سر عنایت اللہ اپنی ناسازی طبع کی بناء پر پڑھانے سے قاصر تھے لہٰذا ان کی جگہ نوفل حسن کو تعینات کیا گیا تھا آج شہرین نے جب نوفل حسن کو اپنے سر کے روپ میں دیکھا تو وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ وہ گزری باتیں یاد نہیں کرنا چاہتی تھی مگر خیالات پر بھی کسی کا زور چلا ہے وہ کب کسی کی مانتے یا سنتے ہیں۔ نوفل حسن کا خیال بار بار اس کے دماغ میں سما کر اسے پریشان کررہا تھا۔ بھولی بسری یادیں اس پل ایک قہقہہ لگا کر چھپاک سے کسی آسیب کی طرح اس کے آگے پیچھے ناچنے لگی تھیں۔ شہرین تھک کر کاؤچ پر ڈھے گئی' یادوں کے سامنے اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ اس کا ذہن چار سال پیچھے چلا گیا جب اس نے انٹر بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا تھا اور بڑے جوش و اشتیاق سے وہ اپنی خالہ کے گھر لاہور ان کی بیٹی لیلیٰ کی شادی میں آئی تھی۔

شہرین کی خوب صورتی و ذہانت پورے خاندان میں مشہور تھی اور اسے اپنی ان خوبیوں کا احساس بھی بخوبی تھا پھر رہی سہی کسر اس کے والد رضا احمد خان نے پوری کردی تھی اسے خود پسند اور خود سر بنانے میں ان کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ شہرین ہمیشہ ہی صنف مخالف کے لیے کافی توجہ کا مرکز بنی رہی تھی' لڑکے اس سے دوستی کرنے کے خواہاں رہتے تھے اور شہرین ان لوگوں کو تڑپتے اور اپنے پیچھے آہیں بھرتے دیکھ کر فخر و انبساط میں مبتلا ہوجاتی تھی۔ لیلیٰ کی شادی میں بہت سے ایسے لڑکے تھے جو شہرین کے گرد پروانے کی مانند منڈلا رہے تھے مگر نوفل حسن ان سب سے الگ منفرد اور خاص تھا وہ شہرین کے پیچھے آنا تو دور اس پر ایک نگاہ بھی نہیں ڈال رہا تھا اور یہی بات شہرین کی نسوانیت پر کوڑا بن کر لگ رہی تھی۔ نوفل حسن کی بے نیازی اس کا مغرورانہ انداز شہرین کو بہت زیادہ کھل رہا تھا جب کہ عاتکہ کے رویے نے اسے اور بھی مشتعل کردیا تھا۔ عاتکہ اس کی ماموں زادی ان دونوں میں کبھی نہیں بنی تھی' عاتکہ بھی شہرین کی طرح خوب صورت و دلکش تھی۔ دونوں میں ہمیشہ ہی مقابلہ کی فضا قائم رہتی تھی' نوفل حسن نے دو تین بار عاتکہ سے بات چیت کیا کرلی عاتکہ نے شہرین پر یوں ظاہر کیا جیسے اس نے نوفل حسن کو جیت ہی لیا ہو۔ نوفل حسن جو لیلیٰ کے ہونے والے شوہر کا بہت قریبی دوست تھا جس کا تعلق گاؤں سے تھا وہ عاتکہ اور شہرین کے درمیان ایک چیلنج بن گیا تھا اور اس چیلنج کو شہرین نے جیت لیا تھا۔ شہرین نے اپنی معصوم اداؤں کا جال نوفل حسن پر پھینکا جس میں وہ پھنس گیا۔

لیلیٰ اور عاشر (نوفل کے دوست) کی شادی کی تقریب اختتام پذیر ہوگئی مگر شہرین اور نوفل کی پریم کہانی شروع ہوگئی۔ شہرین صرف نوفل کی خاطر لاہور میں دو ماہ رہی' بہرحال ایک نہ ایک دن اسے کراچی تو جانا ہی تھا لہٰذا جانے سے ایک دن پہلے عاشر اور لیلیٰ نے اپنی تمام کزنز کو ڈنر پر انوائٹ کیا تھا' شالیمار باغ کی سیر کرنے کے بعد ان سب کا پروگرام فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کرنے کا تھا جبکہ شالیمار باغ کے ایک جانب چہل قدمی کرتے ہوئے نوفل حسن نے اسے پرپوز کر ڈالا تھا۔

"مگ...... مگر نوفل! اتنی جلدی شادی میں کیسے کرسکتی ہوں اور ویسے بھی میرے گھر والے بھی بالکل راضی نہیں ہوں گے۔ مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔" شہرین اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی' نجانے کیوں اس پل ہمت ہی نہیں ہوئی

کہ وہ نوفل حسن کی بات پر قہقہہ لگا کر کہے کہ ”تم پاگل تو نہیں ہوگئے نوفل! محض چار دن کے ساتھ کو تم محبت سمجھ بیٹھے ہاں...... کہاں تم اور کہاں میں......!“ شہزرین کی بات پر نوفل حسن قہقہہ لگا کر ہنس پڑا شہزرین کہیں گم سی ہونے لگی۔

”میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ ہم ابھی شادی کرلیں گے بس میری اماں تمہاری انگلی میں میرے نام کی انگوٹھی پہنادیں گی اور بس۔“ اچانک تالیوں کی آواز پر دونوں نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو عاتکہ کھڑے مسکراتے ہوئے تالیاں بجا رہی تھی۔

”مبارک ہو شہزرین! تم تو واقعی جیت گئیں اور میں ہار گئی مان گئی میں ڈیئر کزن! تم مجھ سے زیادہ ذہین ہو۔“ عاتکہ خوش گواری سے بولتے ہوئے ان کے قریب آ کررکی تو نوفل نے انتہائی نا سمجھنے والے انداز سے عاتکہ کو دیکھا کہ اس پل شہزرین کی کیفیت بے پناہ عجیب سی ہوگئی۔

”یہ چیلنج میں ہار گئی اور اپنی ہار میں نے کھلے دل سے تسلیم کی۔“ عاتکہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے بولی اور نوفل کے استفسار پر اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی مارے ندامت اور شرمندگی کے شہزرین اپنا سر جھکاتی چلی گئی۔ نوفل ششدر سا عاتکہ کی زبانی اپنے بے وقوف بننے کی واردات سن رہا تھا جب عاتکہ خاموش ہوئی تو نوفل بے ساختہ ہنسنے لگا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔ شہزرین نے انتہائی حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھا' عاتکہ بھی متعجب سی ہوگئی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

”اوہ مائی گاڈ...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ بمشکل اس نے اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا۔ ”اس کا مطلب ہے ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو الو بنانے کی کوشش کررہے تھے۔“

”کیا مطلب؟“ بے اختیار شہزرین و عاتکہ بیک وقت بولیں۔

”مطلب یہ گائز کہ میں شہزرین کو بے وقوف بنا رہا تھا جس طرح وہ مجھے بنانے کی کوشش کررہی تھی۔“ نوفل حسن کے منہ سے نکلے لفظ شہزرین کو آسمان سے منہ کے بل زمین پر گرا گئے تھے مگر اس پل جوش سے نہیں ہوش سے کام لینے کا وقت تھا۔

”اونہہ شٹ اپ نوفل! تم مجھے کیا بے وقوف بنا رہے تھے' دھوکہ تو میں تمہیں دے رہی تھی۔ میں شہزرین رضا ہوں' ایک زمانہ میرا دیوانہ ہے۔ تم جیسے چھوٹی اوقات کے لڑکوں سے تو میں بات بھی کرنا پسند نہ کروں وہ تو میرے اور عاتکہ کے درمیان تمہیں لے کر چیلنج ہوگیا تھا۔“ شہزرین نخوت سے اپنی ناک سکیڑ کر بولی تو نوفل ہنستے ہوئے بولا۔

”اور تم کیا سمجھی تھیں کہ زمانے کو دیوانہ بنانے والی لڑکی میری بیوی بنے گی؟ نو وے شہزرین رضا! تم جیسی شو پیس کی مانند لڑکیوں سے دوستی تو کی جاسکتی ہے مگر انہیں اپنے گھر کی زینت قطعاً نہیں بنایا جاسکتا بھلا مصنوعی پھول بھی خوش بو دے سکتا ہے۔“ نوفل بھی انتہائی حقارت آمیز لہجے میں گویا ہوا تھا۔

”وہ یو ایڈیٹ...... گیٹ لاسٹ فرام ہیئر......“ شہزرین غصے صدمے سے بے حال ہوکر بولی۔

”ایم سوری شہزرین! تمہاری جیت تو مشکوک ہوگئی۔“ عاتکہ مزے لیتے انداز میں بولی تو شہزرین تلملا کر وہاں سے چلی گئی۔ عاتکہ بھی اس کے پیچھے ہولی جب کہ نوفل نے اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹے سے کانچ کے دل نما ڈیکوریشن پیس کو جو ابھی کچھ دیر پہلے شہزرین نے اسے گفٹ کیا تھا اسے اتنی زور سے بھینچا کہ ٹوٹ کر اس کی کرچیاں نوفل کے ہاتھ میں پیوست ہوگئیں وہ ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر وہاں سے پلٹ گیا۔

❀......❀......❀

اس واقعہ کو چار سال کا عرصہ بیت گیا تھا نوفل حسن ایک یاد بن کر رہ گیا تھا' ایسی یاد جو ہمہ وقت اسے ستاتی تھی اسے جلاتی تھی' اسے رلاتی تھی۔ یہ سچ تھا کہ محض عاتکہ کو نیچا دکھانے کی غرض سے وہ نوفل کی جانب بڑھی تھی پھر اسے نوفل کے بے نیاز انداز نے بھی کافی متوجہ کیا تھا' اپنا نظر انداز کیے جانا اسے ہرگز اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ نوفل کا زعم توڑنے کی غرض سے اس کے قریب آئی تھی مگر جب اس نے نوفل کو جانا تو وہ اسے بے حد شفاف دل اور ذہن شخص محسوس ہوا۔ ایک ایسا انسان جس کا دل شیشے کی طرف صاف تھا جس کی شخصیت بالکل سادہ اور معصوم تھی' وہ اپنے اندر کی بدلتی کیفیت سے پریشان تھی جسے فی الحال وہ سمجھنے سے قاصر تھی مگر جب عاتکہ کی سچائی بتانے پر نوفل نے اپنا اتنا سفاک اور بھیانک روپ اسے دکھایا تھا وہ اس کی ذات کی ہستی کو کچل گیا تھا اس کے دل کو بڑی بے دردی سے توڑ گیا تھا پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پر یہ راز منکشف ہوتا گیا کہ وہ نوفل حسن سے محض چاہت و عشق کا جو ڈرامہ کررہی تھی درحقیقت وہ ڈرامہ نہیں بلکہ سچ میں اس سے محبت کرنے لگی تھی۔

نوفل حسن کے وہ الفاظ اسے آج بھی آری کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے تھے وہ جس لڑکے سے دوستی کرتی تھی بے اختیار لاشعوری طور پر نوفل کی اس میں شبیہ تلاش کرنے لگتی تھی مگر ہر بار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا اور آج...... آج وہ ستم گر پورے طمطراق سے اس کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ تو پہلے سے بھی زیادہ گریس فل اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔

"کیوں نوفل...... کیوں آ گئے تم ایک بار پھر مجھے میری ہی نظروں سے گرانے کے لیے یا پھر مجھے کوئی نیا زخم لگانے کے لیے۔" بے اختیار خود سے بول کر وہ پوری شدت سے رو دی۔

❁......❁......❁
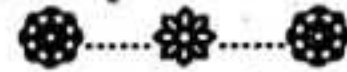
"میں نے پوری معلومات کرلی ہے' سر نوفل لاہور کے رہنے والے ہیں' ویسے تو وہ کسی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں مگر اب اپنی والدہ اور چھوٹی بہن کے ساتھ لاہور میں رہتے ہیں اور یہاں لاہور کی یونیورسٹی سے ٹرانسفر ہوکر آئے ہیں۔"

شہرین کیمپس کے لان میں بیٹھی نوٹ بک پر لیکچر اتار رہی تھی جب ہی ہادیہ دھپ سے اس کی قریب بیٹھتے ہوئے بولی مگر شہرین ہنوز اپنے کام میں مصروف رہی ہفتہ بھر غیر حاضر رہ کر اس کا کافی نقصان ہوگیا تھا جب ہی وہ ہادیہ سے مختلف لیکچرز لے کر اسے نقل کر رہی تھی حالانکہ ہادیہ نے اسے فوٹو اسٹیٹ کروانے کا مشورہ دیا تھا مگر بقول شہرین کے کہ اس طرح سارا لیکچر اس کی سمجھ میں آنے کے ساتھ ساتھ ذہن نشین بھی اچھی طرح سے ہوجاتا ہے۔

"ویسے یہ اپنی آفرین' سر نوفل کے لیے آج کل ٹھنڈی آہیں بھرتی نظر آرہی ہے اور وہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کی امبر وہ تو نوفل سر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ہر وقت ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں چک پھیریاں لگا رہی ہوتی ہے۔" ہادیہ اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولی تو شہرین اپنے مخصوص انداز میں کندھے اچکا کر بولی۔

"ان لڑکیوں کو تو بہانہ چاہیے اس طرح کی فضول ایکٹی ویٹیز کا۔"

"خیر نوفل سر چیز ہی ایسی ہیں کہ نا چاہتے ہوئے بھی لڑکیاں ان کے لیے مرنے مارنے کو تیار ہوجائیں' پتا ہے آفرین اور روبین کے درمیان تو شرط لگ گئی کہ کون نوفل سر کو اپنے دام الفت میں پھنساتا ہے۔" ہادیہ کے جملوں نے یک لخت شہرین کے اندر اتھل پتھل سی مچا دی' بہت سی تکلیف دہ اور اذیت انگیز باتیں اس کے ذہن میں آتی چلی گئیں۔ ہادیہ نجانے اور کیا کیا بول رہی تھی مگر شہرین کے اندر بڑھتا ہوا شور اس کے دماغ کو ماؤف کیے دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے شہرین! تمہیں اپنے حسن اور ذہانت میں جب اتنا ہی گھمنڈ ہے تو نوفل حسن کو جھکا کر دکھاؤ تب میں مانوں۔"

"اوہ کم آن عاتکہ! یہ اتنی بڑی ڈیل نہیں ہے نوفل حسن صرف میری توجہ حاصل کرنے کے لیے بے نیازی دکھا رہا ہے ورنہ شہرین رضا کو آج تک کوئی نظر انداز نہیں کرسکا۔"

"تو پھر چیلنج تم نوفل کو اپنا دیوانہ بنا کر دکھاؤ۔" عاتکہ کی آواز کی بازگشت ماضی کے کنوئیں سے ابھری تھی اور اس کی سماعت میں گونجتی چلی گئی تھی۔

"نہیں مجھے تمہارا چیلنج ہرگز قبول نہیں ہے عاتکہ۔" اچانک شہرین وحشت زدہ لہجے میں گھٹے گھٹے انداز میں چلا کر بولی تو ہادیہ نے اچھل کر حیرت و پریشانی سے اسے دیکھا اس پل شہرین کے چہرے پر اس قدر وحشت تھی کہ ہادیہ بُری طرح گھبرا گئی۔

"تم ٹھیک ہو شہرین! کون سا چیلنج اور یہ عاتکہ کون ہے؟" ہادیہ کی متفکرانہ آواز پر وہ چونکی پھر چند ثانیے ہادیہ کو خالی خالی نگاہوں سے وہ گھورتی رہ گئی۔

"شہرین کیا ہوا تم ٹھیک تو ہونا۔" ہادیہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی تو شہرین نے ایک گہری سانس کھینچی پھر خود کو ریلیکس کرنے کے انداز میں آنکھیں موند کر چند ثانیے بعد کھولیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور پلیز اب کینٹین چلو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ ہادیہ کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بنا جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ کر بولی تھی جب کہ ہادیہ محض اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁

وہ جہانگیر کی برتھ ڈے پارٹی سے گھر واپس آئی تو اس کے والد رضا احمد نے اسے اپنے کمرے میں بلالیا۔

"شہرین تمہارے ماسٹرز کا یہ فائنل ائیر ہے بیٹا' میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی کردوں۔ تمہاری ماں تم تینوں کی ذمہ داری مجھ پر سونپ کر گئی تھی' تمہارا بڑا بھائی ارتضیٰ تو اسلام آباد میں سیٹل ہوگیا ہے جبکہ مرتضیٰ نے لندن میں ہی شادی کرکے

گھر بسالیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارا مستقبل بھی کسی ذمہ دار اور محفوظ ہاتھوں میں سونپ دوں۔" شہزین کی والدہ دس سال پہلے جگر کے عارضے میں مبتلا ہو کر داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ ماں کی تربیت کی کمی اور ان کی ممتا کی محرومی نے شہزین کی شخصیت میں کافی جھول پیدا کر دیے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک ماں اپنی اولاد کو زمانے کے چال چلن اور اونچ نیچ کی بابت جو تربیت دیتی ہے وہ ایک باپ دینے سے قاصر رہتا ہے خصوصاً بیٹیاں ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ کچی عمر کی نادانیوں اور کم سن ذہن کی ناپختگیوں نے اس کے قدموں کو ڈگمگا سا دیا تھا صنف مخالف سے دوستی ان کے ساتھ گھومنے پھرنے وقت گزارنے کو وہ غلط نہیں سمجھتی تھی جب کہ رضا احمد نے بھی اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی وہ خود کو لبرل مائنڈڈ کہلوانا پسند کرتے تھے اور اسی بدولت انہوں نے تینوں بچوں کو آزادی دے رکھی تھی پھر اس کی اسکولنگ بھی وہاں سے ہوئی تھی جہاں لڑکے لڑکی کی دوستی انتہائی عام بات تھی مگر پھر بھی شہزین نے کبھی بھی اپنی حدود کراس کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے کسی بھی لڑکے سے پیار و محبت کا کھیل نہیں کھیلا تھا سوائے نوفل حسن کے کسی سے بھی محبت و رومانوی باتیں نہیں کی تھیں اگر کوئی دوست دوستی کے رشتے سے نکل کر دوسرا رشتہ بنانے کی کوشش کرتا تو وہ اس سے فوراً معذرت کر کے سائیڈ پر ہو جاتی تھی یونیورسٹی میں جہانگیر اور شہزین کے متعلق جو الٹی سیدھی خبریں تھیں وہ جہانگیر نے ہی پھیلائی ہوئی تھیں جب کہ شہزین کو لوگوں کی مطلق پروا نہیں تھی۔

"ڈیڈی میں فی الحال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں۔" شہزین کے منہ بنا کر بولنے پر رضا احمد بے اختیار ہنس دیے۔

"اچھا تو پھر ہماری پرنسس کا موڈ کب بنے گا؟" وہ اس کے بال بگاڑتے ہوئے بولے۔

"جب موڈ بن جائے گا تب میں آپ کو بتا دوں گی تب آپ اپنا موڈ مت بنا لیجیے گا۔" شہزین مسکراتے ہوئے بولی۔

ایک دو دفعہ جب احمد رضا کے دوستوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا تھا تو شہزین بہت پریشان ہوئی تھی مگر انہوں نے اسے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ کبھی بھی دوسری شادی نہیں کریں گے۔

"اوہ یو نوٹی گرل! ایسی کوئی بات نہیں ہے او کے۔"

"مجھے معلوم ہے ڈیڈی!" شہزین تیقن آمیز لہجے میں بولی۔

❀....❀....❀

کلاس روم میں اس وقت بالکل خاموشی تھی صرف نوفل حسن کی دلکش آواز گونج رہی تھی، وہ انتہائی انہماک سے لیکچر دینے میں مصروف تھا، تمام اسٹوڈنٹس بہت غور سے اس کا لیکچر سن رہے تھے جبکہ شہزین کا ذہن بار بار بھٹک رہا تھا وہ ہر تھوڑی دیر بعد اپنے ذہن کو جھٹک کر نوفل حسن کے لیکچر کی جانب اپنا دھیان لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ معاً زور و شور سے اس کے سیل فون کی بیل گونج اٹھی۔ نوفل حسن نے انتہائی ناگواری سے شہزین کی جانب دیکھا جو اس پل بدحواسی میں اپنا بیگ الٹ پلٹ کر رہی تھی جب کہ پوری کلاس ہونٹوں میں دبی دبی ہنسی لیے اسے کافی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جب کہ پیچھے بیٹھے اسٹوڈنٹس بھی آگے بیٹھی شہزین کو دیکھنے کے چکر میں پہلو بدل کر اچک کر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے جونہی شہزین نے اپنے سیل فون کی آواز کا گلا گھونٹا نوفل حسن زور سے گرجا۔

"مس شہزین! آپ کو کلاس روم میں بیٹھنے کے مینرز نہیں آتے" آپ نے اپنا سیل سائلنٹ پر کیوں نہیں رکھا؟ مجھے دیجیے فون۔" نوفل کے کہنے پر شہزین خاموشی سے اٹھی اور ڈائس پر جا کر موبائل فون رکھ کر اپنی جگہ پر آ گئی اپنی توہین و ہتک کے احساس سے اس کی آنکھوں میں پانی سا بھر آیا اس پل اس کا دل چاہا کہ سامنے رکھی موٹی سی کتاب اس کے سر پر دے مارے اور اچھی طرح اس کی طبیعت صاف کر دے جیسے تیسے اس نے کلاس میں وقت گزارا اور نوفل کے جاتے ہی وہ انتہائی طیش کے عالم میں کلاس سے نکلی ہی تھی کہ اسی پل نوفل بھی پوری اسپیڈ سے اندر داخل ہوا تصادم شدید تھا شہزین کا سر پوری قوت سے نوفل کے کشادہ سینے سے ٹکرایا بمشکل نوفل نے خود کو گرنے سے بچایا جب کہ اس کے وجود سے اٹھتی کلون اور پرفیوم کی خوش بو شہزین کے دماغ میں سما گئی نجانے کیوں وہ سرعت سے اپنا سر اس کی سینے سے اٹھا نہیں سکی۔ کسی نامانوس احساس نے اسے سن کر دیا۔ نوفل نے انتہائی جارحانہ انداز میں اس کے بازوؤں کو تھام کر خود سے الگ کیا تو یک لخت وہ ہوش میں آئی۔

"مس شہزین! آپ کو دکھائی کم دیتا ہے یا خود اپنی آنکھوں کا استعمال بہت کم کرتی ہیں آپ؟" نوفل انتہائی ناگواری سے اسے ڈپٹ کر بولا۔ ایک لڑکے نے نوفل کے

ہاتھ سے گری کتاب اور حاضری رجسٹر اسے تھمایا تو وہ ”تھینک یو“ کہہ کر واپس ڈائس کی طرف آیا اور اپنے روم کی چابی جس کی وجہ سے وہ دوبارہ آیا تھا لے کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر چلا گیا جبکہ اس بار بھی شہرین پیر پٹخ کر خود بھی وہاں سے نکلی تو ہادیہ بھی اس کا سیل فون جو نوفل نے ڈائس پر ہی چھوڑ دیا تھا اسے اٹھا کر شہرین کے پیچھے بھاگ گئی تھی۔

❁.........❁.........❁
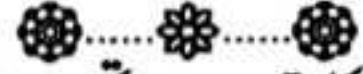
شہرین پر آج کل قنوطیت سوار تھی اس کا دل کسی بھی کام میں نہیں لگ رہا تھا' ایک عجیب سی اداسی و یاسیت اس کے رگ و پے میں سما گئی تھی۔ دو دن سے وہ کیمپس بھی نہیں جا رہی تھی ہادیہ کا بھی کئی بار فون آیا مگر مختصر بات کر کے وہ اسے بھی نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی کے چینل سرچ کر رہی تھی کہ اسی پل جہانگیر کی کال اس کے سیل پر آئی۔ پہلے تو شہرین نے سوچا کہ وہ کال نہ اٹینڈ کرے پھر اس خیال سے کہ جہانگیر فون کر کر کے اسے زچ کر دے گا یہ سوچ کر یس کا بٹن دبا دیا۔

”شہرین کیا ہے یار تم تو مجھے بہت بور کر رہی ہو' دو دن سے کیمپس نہیں آ رہیں نہ تمہارا کوئی میسج آتا ہے اور نہ کوئی فون کال...... کیا مسئلہ ہے ڈیئر!“ جہانگیر کی جھنجلائی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

”میں تھوڑی بزی تھی' تم سناؤ اور کیا چل رہا ہے؟“

”کچھ خاص تو نہیں مگر آج شام میں تمہیں پک کرنے آ رہا ہوں' تیار رہنا' اوکے۔“ وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔

”نہیں جہانگیر! میرا کہیں بھی جانے کا موڈ نہیں ہے۔“ شہرین بے زاری سے گویا ہوئی مگر جہانگیر نے اس کی رتی برابر بھی پروا نہیں کی۔

”تمہارے موڈ کی ایسی کی تیسی' میں تمہیں سات بجے پک کرنے آ رہا ہوں' بائے۔“ جہانگیر اسے کچھ بھی بولنے کا موقع دیئے بنا فون بند کر گیا تو وہ محض بے بسی سے سیل فون کو دیکھتی رہ گئی۔

❁.........❁.........❁

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے چھونے کی' میں تمہیں کیا سمجھی تھی اور تم کیا نکلے۔ ہٹو میرے راستے سے اور آئندہ اپنی منحوس صورت مجھے کبھی مت دکھانا۔“ شہرین غصے میں پھنکارتے ہوئے بولی' وہ اپنے خیالوں میں گم جہانگیر کے ہمراہ کافی دور نکل آئی تھی۔ مغرب کی اذان بھی ہو چکی تھی جس جگہ وہ کھڑے تھے وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

”تم' تو ایسے مجھ پر بگڑ رہی ہو جیسے مجھ سے پہلے تمہیں کسی نے چھوا ہی نہیں ہے' اوہ کم آن ہنی! یہ شرافت کا ڈرامہ بند کرو اور میرے سنگ اس وقت کو خوب صورت بنا دو۔“

”شٹ اپ...... تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟“

”کیا...... کیا سمجھوں تمہیں ہنی! تم جیسی لڑکیاں ہم جیسے لڑکوں کے دل بہلانے کا کھلونا ہوتی ہیں سمجھیں۔“ جہانگیر کے لفظوں نے اس کو چند ثانیے کے لیے پتھر بنا دیا تھا پھر اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر وہ غصے و حقارت سے بل کھا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی تھی۔

”میرے قریب مت آنا' ذلیل انسان ورنہ میں شور مچاؤں گی۔“ جہانگیر پر شہرین کی بات کا رتی برابر بھی اثر نہیں ہوا وہ مزید کوئی پیش قدمی کرتا کہ اسی دم ایک فیملی ہاں چلی آئی' شہرین نے جیسے کب کی رکی سانس بحال کی پھر یک دم بے تحاشا سمندر اس کی آنکھوں میں آ سمایا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر رو دے مگر اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اور ٹیکسی لینے کے خیال سے وہاں سے ڈگمگاتے قدموں سے چلی آئی۔ واقعی زمانہ سب سے بڑا استاد ہوتا ہے جہانگیر کے اس طرز عمل نے اسے بہت کچھ سکھا...... سمجھا دیا تھا۔

❁.........❁.........❁

نوفل اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا لیکچر کی تیاری کر رہا تھا مگر بار بار اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔ وہ پوری توجہ اپنے لیکچر کی تیاری میں لگانے کے جتن کر رہا تھا مگر ہر بار ناکام ہو جاتا۔ آخر کار تھک ہار کر اس نے پین نوٹ بک پر پٹخا اور اپنی پشت کرسی کی بیک سے لگا لی۔ شہرین کا چہرہ ایک پل کے لیے بھی اس کے دھیان و گیان کے پردے سے نہیں ہٹا تھا' اسے وہ دن آج بھی پوری جزئیات سمیت یاد تھا جب عاتکہ نے آ کر شہرین کی سچائی اسے بتائی تھی اپنی محبت کی بے قدری اور تذلیل سے زیادہ اسے اپنی مردانگی پر لگی چوٹ نے بلبلا کر رکھ دیا تھا ان دونوں لڑکیوں کے سامنے اپنی ہتک و توہین کے خوف نے اسے وہ رویہ اپنانے پر مجبور کر دیا تھا جو اس کی سرشت میں شامل تھا۔ وہ صنف نازک کا بے حد احترام کرتا تھا کیوں کہ یہی صنف اس کی ماں اور بہن بھی تھی جب شہرین اس کی جانب بڑھی تو ابتداء میں اس نے کترانا چاہا مگر شہرین

کی معصومیت اور اداؤں کے آگے وہ سرنگوں ہوگیا مگر وہ یہ بات ہرگز نہیں جانتا تھا کہ بظاہر بھولے بھالے معصوم چہرے والی شہرین اندر سے کتنی چھل فریب رکھنے والی لڑکی ہے۔ جو خود پسند اور مغرور ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے جذبات سے کھیلنے اور دل توڑنے کی بھی خصلت رکھتی ہے۔

''شہرین میں نے تو تم سے تمام تر سچائی اور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ محبت کی تھی مگر تم نے......'' خود سے بولتے بولتے یک دم نوفل نے ایک اذیت ناک انداز میں آہ بھری۔

''تم نے محض مجھے اپنے سامنے جھکانے' نیچا دکھانے کی خاطر محبت کرنے کا ناٹک کیا حالانکہ میرا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا' بے قصور بے خطا ہوتے ہوئے بھی تم نے مجھے وہ سزا دی ہے جو مجھے تاحیات جھلساتی رہے گی' مجھے تڑپاتی رہے گی۔ تم اچھی نہیں ہو شہرین! بالکل اچھی نہیں ہو آئی ہیٹ یو جان نوفل...... آئی ہیٹ یو...... کیسے نفرت کروں تم سے شہرین کیسے......؟'' بے خودی کے عالم میں بولتے بولتے نوفل نے اپنا سر ٹیبل پر ٹکا دیا۔

❀......❀......❀

شہرین جیسے تیسے گھر پہنچ گئی آج جہانگیر نے اس کے پندار پہ بڑی کاری ضرب لگائی تھی' اسے نوفل حسن کے ادا کیے گئے تمام الفاظ بڑی شدت سے یاد آ رہے تھے۔

''ت...... تم ٹھیک کہہ رہے تھے نوفل! میری جیسی لڑکیاں شوپیس ہی تو ہوتی ہیں جنہیں رک کر لوگ پسند کرتے ہیں' سراہتے ہیں ان سے دوستی تو کی جاسکتی ہے مگر اپنے گھر کی زینت نہیں بنایا جاسکتا۔ تم نے بھی تو میرے ساتھ ایسے ہی کیا ناں اور میں کتنی بے وقوف اور احمق تھی کہ خود کو ستا کھلونا بنا کر تم جیسے کمینوں کے سامنے پیش ہوتی رہی' آئی ہیٹ یو نوفل...... آئی جسٹ ہیٹ یو...... تم بہت بُرے ہو نوفل بہت بُرے......'' بولتے بولتے شہرین ہوش و خرد سے بے گانہ ہوگئی۔

❀......❀......❀

آج پورے پانچ دن ہوگئے تھے شہرین کلاس سے غیر حاضر تھی' بے ارادی طور پر نوفل حسن کی نگاہیں لیکچر دیتے ہوئے بار بار اسی بینچ کی جانب اٹھ رہی تھیں جو شہرین نے اپنے لیے مخصوص کرلی تھی جب کہ اس کی دوست ہادیہ بینچ کے دوسرے کونے پر بیٹھی پورے انہماک سے لیکچر کے پوائنٹس نوٹ بک میں اتار رہی تھی یک دم نوفل کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا اس کا دل چاہا کہ وہ ہادیہ سے پوچھے کہ شہرین کیوں یونیورسٹی نہیں آرہی' کلاس سے باہر نکل کر بھی اس نے یونہی نگاہیں دوڑائیں کہ کہیں وہ دکھائی دے جائے مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

''مجھے تکلیف دینے کا کوئی موقع تم کیوں گنواؤ گی شہرین!'' وہ دل ہی دل میں بولا پھر مضمحل قدموں سے اپنے روم کی جانب چلا آیا۔ وہ اپنی کرسی پر گاؤن اتار کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ آفرین ایک ادا سے اجازت طلب کرکے اندر چلی آئی۔

''سر مجھے آج آپ کے لیکچر کے کچھ پوائنٹس سمجھ میں نہیں آئے۔'' بلیک ٹائٹ جینز پر ریڈ کرتی پہنے گلے میں اسکارف ڈالے وہ خوشبوؤں میں بسی نوفل کے کہنے پر اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''جی بتایئے کیا سمجھ میں نہیں آیا آپ کو؟'' نوفل گمبھیر سنجیدگی سے گویا ہوا تو آفرین اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بتانے لگی۔ نوفل اسے سمجھانے میں مگن تھا جب ہی اچانک آفرین بولی۔

''سر آپ نے کبھی محبت کی ہے؟'' آفرین کی بات پر نوفل نے انتہائی ناگواری سے اسے دیکھا۔ ''میرا مطلب کوئی آپ کو اچھا لگا' بہت اچھا...... بہت اپنا اپنا سا جسے دیکھ کر آپ کو اس سے چاہت کا احساس ہوا ہو۔''

''کیا بکواس ہے مس آفرین! یہ کس قسم کی چیپ باتیں کررہی ہیں آپ...... آپ ہوش میں تو ہیں؟''

''نہیں سر! میں سب بھلا چکی ہوں' اپنے ہوش و حواس اپنا چین و سکون جب سے آپ کو دیکھا میری نیند......''

''شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ اور آئندہ میرے کمرے میں آنے کی جرأت مت کرنا۔'' نوفل انتہائی طیش کے عالم میں اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کرسی سے کھڑا ہوکر بولا' آفرین بھی گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

''سر میں آپ سے......''

''آپ نے سنا نہیں آئی سیڈ گیٹ لاسٹ...... آپ خود جائیں گی یا پیون کو بلاؤں؟'' نوفل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آفرین کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کردے جب کہ دروازے پر کھڑی ہادیہ ہکا بکا سی اندر کا منظر دیکھتی رہ گئی۔ نوفل اپنی ڈائری ڈائس پر بھول آیا تھا' ہادیہ کی نگاہ پڑی تو سوچا کہ ڈائری نوفل کو

ان کے روم میں دے دی جائے وہ ان کے کمرے کی جانب آئی تو آفرین کی باتیں سن کر بے ساختہ وہیں جم گئی' نوفل کا غصہ دیکھ کر ہادیہ بُری طرح سہم گئی جب کہ آفرین بھی اندر ہی اندر بُری طرح خائف ہوگئی اس سے پہلے کہ آفرین باہر آتی ہادیہ سرعت سے وہاں سے رفو چکر ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁
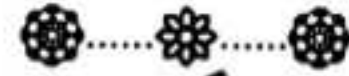
شہرین کا بخار اتر چکا تھا مگر نقاہت بے پناہ تھی' اس رات جب ملازمہ شہرین کو رات کے کھانے پر بلانے کی غرض سے اس کے کمرے میں آئی تو قالین پر اسے بے سدھ پڑا دیکھ کر بے تحاشا گھبرا گئی اس نے بھاگ کر رضا احمد کو اطلاع دی۔ وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اس کے کمرے میں پہنچے اور ملازمہ کی مدد سے بے ہوش شہرین کو بستر پر لٹایا اور فوراً ڈاکٹر کو فون کیا جس نے گھر پر ہی ٹریٹمنٹ دے دی تھی۔ شہرین کو دو دن سے ہلکی ہلکی حرارت تھی مگر وہ خود ہی کوئی دوا لے رہی تھی جب کہ جہانگیر کی اس حرکت نے اسے سخت ذہنی دھچکا پہنچایا تھا۔ نوفل کے یہاں آجانے سے بھی وہ مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار تھی' ان سب عوامل کا نتیجہ اس کی بے ہوشی اور بخار کی صورت میں نکلا تھا۔ ہادیہ اس سے ملنے اس کے گھر آئی تو شہرین یونہی گم صم سی بیٹھی رہی۔ کسی خوشی وولولے کا اظہار نہیں کیا' ہادیہ کو شہرین کی یہ کیفیت پریشان کرگئی۔

''شہرین میری جان! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنالی ہے' مجھے بتاؤ تمہیں کیا اسٹریس ہے' انکل بتارہے تھے کہ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ تم ذہنی دباؤ کا شکار ہو۔'' ہادیہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے انتہائی محبت سے اسے مخاطب کرکے بولی تو یک دم ٹپ ٹپ ڈھیروں آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے۔ ہادیہ نے انہیں پونچھا نہیں بلکہ شہرین کا سر اپنے شانے سے ہولے سے ٹکا لیا اور پھر جیسے سیلاب کا بندھ ہی ٹوٹ گیا۔ شہرین زاروقطار بلک بلک کر رودی' شہرین کو ہادیہ نے کھل کر رونے دیا تاکہ وہ اپنے اندر کی گھٹن جو نجانے کتنے دنوں سے اس کے اندر بھری اسے دیمک کی طرح کھوکھلا کررہی تھی' وہ آنسو کے سہارے باہر نکل آئے جب وہ بہت سارا رو چکی خود ہی خاموش ہوگئی۔

''ہوں' اب بتاؤ کیا بات ہے' ایسا کون سا مسئلہ ہے جسے لے کر تم اتنی اپ سیٹ اور ڈسٹرب ہو۔'' ہادیہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی تو اسی پل شہرین نے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کرلیا' اسے کسی رازدار اور مخلص انسان کی ضرورت تھی جس کے آگے وہ اپنے دل کا حال کھل کر بیان کرسکے۔

''میں جس سے محبت کرتی ہوں اس کے ساتھ میں نے محبت کرنے کا ڈرامہ کیا اور اس نے بھی مجھ سے فریب کا کھیل کھیلا۔'' شہرین گردن جھکا کر کھوئے ہوئے لہجے میں بولی تو ہادیہ نا سمجھی والے انداز میں بولی۔

''کیا مطلب؟ جس سے تمہیں محبت ہے تم نے اس کے ساتھ محبت کا ڈرامہ کیا اور اس نے بھی تمہیں فریب دیا' بھئی شہرین میری تو کچھ بھی پلے نہیں پڑا' تم کھل کر بتاؤ۔'' شہرین نے ہادیہ کو لحظہ بھر دیکھا پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''بس چار سال پہلے اپنی کزن لیلیٰ کی شادی میں لاہور گئی تو وہاں میری ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی۔'' پھر وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی' سب کچھ بتانے کے بعد وہ ایک تھکن زدہ سانس بھر کر خاموش ہوئی تو ہادیہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے استفسار کیا۔

''اس لڑکے کا نام کیا تھا؟''

''نوفل حسن۔''

''کیا......؟'' شہرین کے منہ سے یہ نام سن کر اسے تو گویا ہزار والٹ کا کرنٹ ہی لگ گیا' وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اچھلی پھر انتہائی بے یقین نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی بولی۔

''تمہارا مطلب ہے سر نوفل......اپنے سر نوفل!''

''ہاں وہی......وہ ہی نوفل ہے جس سے میری ملاقات لاہور میں ہوئی تھی اور محض عاتکہ کو نیچا دکھانے اور اپنی ناک اونچی رکھنے کی خاطر میں نے نوفل کی توجہ اور محبت حاصل کرنے کا چیلنج عاتکہ سے کیا تھا اور یہی ٹاسک میں نے اسے بھی دیا تھا مگر ہادیہ......میں اتنی بُری طرح ہاری ہوں کہ یہ شکست کا احساس مجھے دن ورات کچوکے لگاتا ہے۔ میرے اندر اضطراب و بے قراری کا طوفان اُمڈ آتا ہے کیونکہ میں سچ میں نوفل سے محبت کرنے لگی تھی اور اب بھی اسے بہت شدتوں سے چاہتی ہوں۔ میں اس سے نفرت کرنا چاہتی ہوں اپنے دل کے نہاں خانوں سے اس کی شبیہہ کو کھرچ کر پھینکنا چاہتی ہوں مگر میں ہر بار ہار جاتی ہوں' شکست کھا جاتی ہوں اس کی محبت کے آگے۔'' آخر میں وہ بے بسی ولاچاری والے انداز میں بولی تو ہادیہ کچھ سوچ کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے

گویا ہوئی۔

''مگر شہرین مجھے نہیں لگتا کہ سر نوفل اس طرح کی نیچر کے مالک ہیں وہ تو بہت ڈیسنٹ اور باکردار انسان ہیں۔'' پھر اس نے آفرین والا تمام قصہ من وعن سنایا تو شہرین چپ سی ہوگئی جبکہ ہادیہ ایک بار پھر گہری سوچ میں چلی گئی پھر انتہائی گہرائی سے بولی۔

''سر نوفل! نے اب تک شادی نہیں کی ہوسکتا ہے کہ جس طرح محبت ہوتے ہوئے تم نے ان سے جھوٹ بولا ہو اسی طرح انہوں نے بھی تم سے جھوٹ کہہ دیا ہو۔'' ہادیہ کی بات پر شہرین نے تیزی سے سر اٹھا کر اسے انتہائی اچنبھے سے دیکھا پھر زور زور سے نفی میں سر ہلا کر وہ گویا ہوئی۔

''نہیں نہیں...... ایسا نہیں ہوسکتا' ناممکن! یہ بالکل نہیں ہوسکتا۔'' شہرین کے انکار پر ہادیہ محض اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁ ❁ ❁

شہرین کا بخار اب اتر چکا تھا مگر وہ خود کو کافی کمزور فیل کررہی تھی جس کی وجہ سے اس نے فی الحال کیمپس جانا شروع نہیں کیا تھا وہ سیٹنگ روم کے آرام دہ صوفے پر نیم دراز چینل سرچنگ میں مصروف تھی۔ شہرین اس وقت خود کو بہت تنہا محسوس کررہی تھی پاپا بھی آفس میں تھے اور اپنی بھابی سے بھی اس کے دوستانہ روابط قائم نہیں ہوسکے تھے۔ وہ شادی ہوکر جب آئی تب ہی سے فریال (بھابی) نے شہرین سے بہت ریزرو رویہ رکھا تھا پھر شہرین بھی فریال کا روکھا پھیکا مزاج دیکھ کر اس کے قریب نہیں آئی تھی جب کہ دونوں بھائی بھی اپنی اپنی زندگی میں مصروف ومگن تھے۔ اس پل اچانک شہرین کو اپنی ماں یاد آگئی بے ساختہ اس کی خوب صورت آنکھوں سے شفاف پانی بہنے لگا وہ تقریباً تیرہ چودہ سال کی ہوئی تھی جب اس کی والدہ اس دنیا فانی سے کوچ کرگئی تھیں جب کہ چار سال ان کی اذیت ناک بیماری میں کٹے تھے ماں کی آغوش اس کی حدت اس کی پیار بھری سرزنش ان سب سے وہ بہت پہلے محروم ہوچکی تھی اگر آج وہ زندہ ہوتیں تو ان تینوں بہن بھائیوں میں بھی اتفاق و یگانگت ہوتی اور شاید......! شہرین بھی اتنی خودسر اور ناداں نہ ہوتی۔

لاتعداد منتشر سوچوں میں گھری شہرین نجانے کتنے پل یونہی بیٹھی رہی کہ یک دم ڈور بیل کی آواز نے اسے حال کی دنیا میں لوٹایا بے ساختہ اس نے اپنی ہتھیلی سے آنکھوں اور گالوں میں موجود نمی کو صاف کیا کچھ ہی دیر میں ملازمہ کی معیت میں کسی خاتون کی آواز آئی۔

''اس وقت کون آسکتا ہے؟'' شہرین فوراً آواز کو پہچان نہیں سکی وہ قدرے متعجب ہوکر خود سے بولی پھر جب تھوڑی ہی دیر میں لیلیٰ کو اپنے بیٹے کے ہمراہ سامنے پایا تو خوشی و حیرت سے اس کی چیخ ہی نکل گئی۔

''او مائی گاڈ...... لیلیٰ باجی آپ...... مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا' واٹ آ سرپرائز!'' یہ کہہ کر شہرین لیلیٰ سے انتہائی جوش و خوشی سے لپٹ گئی تو لیلیٰ بھی ہنس کر گویا ہوئی۔

''بس میں نے سوچا کہ تمہیں آج سرپرائز دوں بے وفا لڑکی! اگر تمہیں باجی کی اتنی یاد آتی تو مجھ سے ملنے لاہور آجاتیں۔'' لیلیٰ کے شکوے بھرے انداز پر شہرین مسکرا کر رہ گئی پھر لیلیٰ نے بتایا کہ اس کے شوہر کی کراچی میں کوئی خاص میٹنگ تھی وہ دو دن کے لیے یہاں آرہے تھے تو لیلیٰ نے بھی فوراً شہرین کے گھر جانے کا پروگرام بنا ڈالا تھا اس واقعہ کے بعد سے شہرین نے لاہور کا رخ بھی نہیں کیا تھا۔

دن کے کھانے سے فارغ ہوکر لیلیٰ اپنے بیٹے حمزہ کو سلا کر فارغ ہوئی تو دونوں آرام سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔ باتیں کرتے کرتے اچانک لیلیٰ کو کچھ یاد آیا تو اس نے فوراً شہرین سے استفسار کیا۔

''شہرین عاشر کا دوست نوفل یہاں ٹرانسفر ہوکر یونیورسٹی میں آیا ہے نا' تمہاری ملاقات ہوئی؟'' شہرین پل بھر کو گڑبڑائی تھی مگر پھر سنبھل کر بے پروا انداز میں کندھے اچکا کر بولی۔

''جی لیلیٰ باجی وہ ہمارے ہی ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔''

''ہائے اللہ سچ یہ تو بہت اچھی بات ہے' بہت نائس اور اچھا لڑکا ہے نوفل! میں تو سوچ رہی تھی کہ اس کی شادی اپنی کزنز سے کراروں اور سچ پوچھو تو تم مجھے نوفل کے لیے پرفیکٹ دکھائی دیں مگر......'' لیلیٰ کی بات پر شہرین کی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہوگئیں جب کہ ذہن ''مگر'' لفظ پر اٹک سا گیا۔ شہرین نے استفہامیہ نظروں سے لیلیٰ کو دیکھا تو لیلیٰ گویا ہوئی۔ ''مگر وہ کسی اور لڑکی میں انوالو ہے۔''

''کسی اور لڑکی میں انوالو ہے۔'' شہرین کے منہ سے بے ساختہ پھسلا۔

''ہاں عاشر بتا رہے تھے کہ ہماری شادی میں ہی اسے وہ لڑکی وہاں ملی تھی مگر غالباً وہ لڑکی نوفل میں انٹرسٹڈ نہیں تھی میں تو

سوچتی ہوں کہ وہ لڑکی کتنی بدنصیب ہوگی جس نے نوفل جیسے ہیرے کو ٹھکرادیا۔" وہ ہونقوں کی طرح لیلیٰ کو دیکھے گئی جس کے موبائل پر اس پل عاشر کی کال آ گئی تھی جو شہزین کو شاکڈ کرکے خود عاشر سے باتوں میں مصروف تھی اس وقت شہزین کے اندر جیسے دھماکے سے ہورہے تھے۔

"یہ...... یہ کیسے ہوسکتا ہے نوفل نے تو مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ بھی میری طرح مجھ سے محبت کا ڈرامہ کررہا تھا۔" وہ انتہائی متوحش سی ہوکر خود سے بولی۔

"یا اللہ یہ کیا چکر ہے لیلیٰ باجی کیا کہہ رہی تھیں کیا یہ سب سچ ہے...... کیا ہادیہ کی بات ٹھیک تھی کیا واقعی نوفل......" شہزین انتہائی الجھ کر خود سے سوال و جواب میں مصروف تھی جب ہی لیلیٰ فون بند کرکے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"عاشر بتارہے تھے کہ ہماری کل شام کی فلائٹ ہے اب بتاؤ کیا پروگرام ہے۔" لیلیٰ کی بات پر شہزین نے انتہائی دقتوں سے خود کو سنبھالا اور بمشکل سر جھٹک کر ان کی جانب دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

"آپ بنائیں پروگرام اگر کہیں چلنے کا موڈ ہو تو بتائیں۔" پھر کل شام تک وہ لیلیٰ کے ساتھ بے حد مصروف رہی۔ رات میں عاشر بھائی بھی آ گئے تھے۔ شہزین کا وقت بہت اچھا گزرا جبکہ ذہن میں لیلیٰ کی بات کانٹے کی طرح چبھتی رہی۔ لیلیٰ اور عاشر کے جانے کے بعد جب اس نے انتہائی فرصت سے اس نہج پر سوچا تو یہ خیال ذہن میں در آتے ہی وہ مایوس سی ہوگئی۔

"ہوسکتا ہے کوئی اور بھی لڑکی ہو جو نوفل کو شادی میں ملی ہو مگر مجھے کوئی لڑکی اس کے آس پاس دکھائی تو نہیں دی۔ اُف میرے خدا...... مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ بے تحاشا تھک کر خود سے بولی اس کا ذہن واقعی کچھ سوچنے سمجھنے کو آمادہ نہیں تھا مگر وہ اپنے دل کو خوش فہمی میں بھی مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

❀......❀......❀
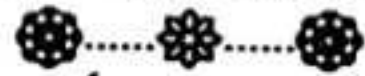
نوفل حسن کے کہنے پر ہادیہ انتہائی مودبانہ انداز سے اس کے مقابل کی کرسی پر بیٹھی تو نوفل حسن سہولت سے بولا۔

"فرمائیے مس ہادیہ! کیا پوچھنا ہے آپ کو؟" نوفل سمجھ رہا تھا کہ وہ لیکچر کی بابت کچھ معلوم کرنے آئی ہے کیوں کہ اکثر اسٹوڈنٹس بعد میں بھی اس سے آ کر پوچھ لیتے تھے۔ ہادیہ اپنی سہیلی کی خاطر یہاں آ تو گئی تھی مگر اب اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے بات کرے نوفل کی رعب دار پرسنلٹی اسے اندر سے خائف کیے دے رہی تھی جب کہ اس کا غصہ بھی وہ اچھی طرح دیکھ چکی تھی۔

"سر! میں لیکچر کے متعلق نہیں بلکہ شہزین رضا کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔" ہادیہ بمشکل تھوک نگلتے ہوئے قدرے جھجک کر بولی تو نوفل نے انتہائی چونک کر اسے دیکھا۔

"شہزین کے متعلق...... میرا مطلب ہے شہزین رضا کے بارے میں مجھ سے آپ کو کیا بات کرنی ہے؟" نوفل کے متعجب مگر نرم خو لہجے نے اس کا حوصلہ بڑھایا تو وہ قدرے ریلیکس ہوئی پھر سہولت سے بولی۔

"سر! میری شہزین سے دوستی زیادہ پرانی نہیں مگر میں نے اسے جتنا سمجھا جتنا جانا وہ مجھے خودسر ہونے کے ساتھ ساتھ کافی نادان اور معصوم لگی۔ مجھے اس کی شخصیت میں کچھ کمزوریاں بھی نظر آئیں مگر جب اسے قریب سے پرکھا تو معلوم ہوا کہ کم عمری میں ماں کا سایہ اٹھ جانے بھائیوں کی بے توجہی اور باپ کی بے جا آزادی نے اس کی شخصیت کو گدلا سا کردیا ہے۔ ایک لڑکی ہونے کے ناطے اس کے انداز و اطوار اور عادات میں جو خامیاں اور کمیاں ہیں وہ اپنی ماں اور اس کی تربیت کی محرومی کا نتیجہ ہیں۔ سر میں نے تو یہی اندازہ لگایا ورنہ وہ بہت اچھی اور معصوم لڑکی ہے۔" ہادیہ کی باتوں کو نوفل بہت غور سے سن رہا تھا وہ مزید گویا ہوئی۔ "سر! اپنی حماقت اور اپنی کم عمری کی نادانی میں اس نے آج سے چار سال پہلے اپنی کزن کے اکسانے پر ایک لڑکے سے محبت کا کھیل کھیلا تھا۔" اس بات پر نوفل اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ "یہ حقیقت تھی کہ وہ محض ایک چیلنج جیتنے کی غرض سے اس کی جانب بڑھی تھی مگر پھر......" وہ تھوڑا رکی تو نوفل بُری طرح بے چینی میں مبتلا ہوگیا وہ بے ساختہ عجلت سے بولا۔

"مگر پھر کیا؟"

"مگر پھر اسے سچ مچ اس لڑکے سے محبت ہوگئی۔" نوفل حسن کو لگا کہ جو آگ پچھلے چار سالوں سے اس کی اطراف میں لگی ہوئی تھی وہ یک لخت چاند کی ٹھنڈی چاندنی میں بدل گئی ہو...... واقعی لفظوں میں بھی کتنی تاثر ہوتی ہے یہ الفاظ ہی ہوتے ہیں جو ہمیں پاتال میں دھکیل دیتے ہیں اور یہ لفظ ہی ہوتے ہیں جو اچانک ہمیں آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ نوفل کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا ہادیہ

کے لفظوں نے اسے ساتویں آسمان پر بٹھا دیا تھا وہ دم بخود سا ہادیہ کو دیکھتا رہا۔ ہادیہ اس کی کیفیت محسوس کرکے مسکرانے لگی تو نوفل خفیف سا ہوگیا۔

"جی سر! وہ پاگل لڑکی آپ سے بے حد محبت کرتی ہے دن ورات آپ کی چاہت کی آگ میں جلتی رہتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ صرف اور صرف آپ کی محبت میں روز جیتی ہے اور روز مرتی ہے مگر آپ سے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں رکھتی کیوں کہ وہ سمجھتی ہے کہ آپ بھی اس کے ساتھ......"

"وہ سب جھوٹ تھا مس ہادیہ! میرے ان لفظوں میں کوئی سچائی نہیں تھی' اپنی بے عزتی کے خوف سے میں نے بھی ڈرامہ کیا تھا۔" نوفل ہادیہ کی بات درمیان میں ہی اچک کر صفائی دینے کے انداز میں بولا تو ہادیہ بے اختیار ہنس دی۔

"مجھے معلوم تھا سر کہ آپ کی نیچر میں ایسی بات ہو ہی نہیں سکتی۔" ہادیہ کے تیقین آمیز لہجے پر نوفل نے اسے ممنون نگاہوں سے دیکھا۔

"ہادیہ آپ جیسی دوست واقعی بہت بڑی نعمت ہے۔ شہزین بہت خوش نصیب ہے جسے آپ جیسی مخلص اور سمجھ دار دوست ملی ہے۔" نوفل حسن تشکر آمیز لہجے میں بولا تو وہ محض مسکرا کر رہ گئی پھر معاً نوفل کو کوئی خیال آیا تو وہ ہادیہ سے گویا ہوا۔ "آپ اسے کچھ نہیں بتایئے گا میں خود اس سے بات کروں گا۔"

"ٹھیک ہے سر جیسے آپ کی مرضی۔" یہ کہہ کر ہادیہ وہاں سے اٹھ آئی جب کہ نوفل وہاں سرشار سا بیٹھا رہا۔

❁......❁......❁
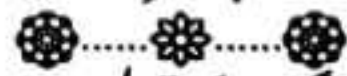
"مس شہزین! اگر آپ کو اتنی لمبی چھٹیاں کرنی تھیں تو کم از کم ایک درخواست ہی آپ یہاں پہنچا سکتی تھیں' یہ کیا طریقہ ہوا کہ بنا کوئی اطلاع دیئے آپ دس دن گھر پر بیٹھ گئیں۔ پڑھائی کو آپ لوگوں نے جیسے مذاق سمجھ رکھا ہے' مجھے ایسے غیر ذمہ دار اور لاپروا اسٹوڈنٹس بالکل پسند نہیں۔" نوفل حسن شہزین پر پوری طرح گرج برس رہا تھا' جب کہ تمام اسٹوڈنٹس تمسخرانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس تماشے کا لطف لے رہے تھے اور شہزین کا تو غصے سے برا حال تھا وہ بھی نوفل کو کوئی کرارا جواب دینے ہی والی تھی کہ ہادیہ نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے زور سے دبا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تو وہ ایک جلتی نگاہ نوفل پر ڈال کر خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی جب کلاس آف ہوئی اور نوفل اپنے روم میں آیا تو تھوڑی ہی دیر میں وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے کمرے میں پہنچی تھی۔

"آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں وہاں کلاس روم میں اگر آپ کی ڈانٹ پر خاموش رہی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں آپ سے ڈر گئی' یا پھر فضول سے رعب میں آ گئی سمجھے آپ۔" شہزین کی لن ترانیوں کے جواب میں نوفل محض سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھا اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت اچھی باتیں کررہی ہو۔ شہزین پل بھر کو ٹپٹائی مگر پھر خود کو سنبھال کر دوبارہ اسٹارٹ ہوئی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں آپ کا مقصد صرف مجھے نیچا دکھانا میری بے عزتی کرنا ہے مگر کان کھول کر سن لیں آپ...... اس مقصد میں آپ ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے۔"

"شہزین اتنی بدگمانیاں اچھی نہیں ہوتیں تم تو پہلے ہی جذباتی اور بے وقوف سی...... خیر مس شہزین! میں آپ کا ٹیچر ہوں اور آپ کی غیر ذمہ داریوں پر آپ کو سرزنش کرنے کا پورا استحقاق رکھتا ہوں اور اپنے پیشہ وارانہ معاملات سے نجی معاملات کو دور رکھتا ہوں' اب آپ جاسکتی ہیں۔" نوفل جو پہلے اتنی حلاوت سے بولا تھا بعد میں انتہائی روڈ انداز اپناتے ہوئے اسے تجل کر گیا' شہزین نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا جو اپنی ٹیبل کی دراز کھول رہا تھا پھر انتہائی ناگواری سے پلٹ کر کمرے سے باہر کا رخ کیا اس کے جاتے ہی نوفل گم صم سا ہوگیا تھوڑی ہی دیر میں ہادیہ اجازت لے کر اندر آئی تو نوفل نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

❁......❁......❁

عید قرباں کی رونقیں عروج پر تھیں لوگوں کے گھر جانوروں کی آمد جاری تھی' شہزین کو اب پہلی بار عید قرباں کا اصل مفہوم معلوم ہوا تھا۔ یہ عید کا دن منانے کی اپنے رب سے اس کی رضا اس کی مرضی پر سر تسلیم خم کرنے کے عہد کو تجدید کرنے کا تھا' خدا پاک ذات کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کے عزم و وعدے کو تازہ کرنے کا دن تھا نا کہ صرف گوشت کے مزے مزے کے تکے بنا کر پارٹیاں کرنے کا شہزین اپنے رب کے حضور اپنی سابقہ کوتاہیوں اور بے وقوفیوں پر معافی مانگ چکی تھی اور بے شک وہ غفور و رحیم ہے جو بندے کے بڑے سے بڑے گناہ محض چند ندامت کے آنسو کے عوض معاف فرما دیتا ہے۔

موسم صبح سے خطرناک تیور دیکھا رہا تھا مگر وہ صرف نوفل حسن کی ڈانٹ کے خیال سے یونیورسٹی آ گئی تھی مگر یہاں آ کر پتا چلا کہ چند ایک اسٹوڈنٹس کے علاوہ پوری کلاس غیر حاضر تھی ہادیہ بھی غائب تھی۔ وہ آ کر شدید کوفت زدہ ہوئی' نوفل حسن نے بھی کم حاضری کی بناء پر کلاس نہیں لی۔ شہزین نے سوچا جب وہ آ ہی گئی ہے تو لائبریری میں جا کر کچھ نوٹس بنا لیے جائیں' وہ اس جانب چل دی تقریباً دو گھنٹے بعد جب وہ وہاں سے نکلی تو بارش اپنے جوبن پر تھی' وہ پانی سے بڑی مشکل سے بچتی بچاتی اپنی ڈیپارٹمنٹ میں پہنچی تو اس پل وہاں بالکل سناٹا تھا۔ شہزین کو تھوڑا خوف محسوس ہوا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے باہر نکلی اس کا رخ پارکنگ کی جانب تھا تا کہ وہ جلد سے جلد اپنی گاڑی میں بیٹھ سکے مگر اچانک ہی جہانگیر اپنے دو دوستوں کے ہمراہ اس کے راستے میں آ گیا وہ جو تقریباً بھاگتے ہوئے راستہ عبور کر رہی تھی تیزی سے رکی تھی ورنہ جہانگیر سے زور سے ٹکرا جاتی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے جہانگیر! چھوڑو میرا راستہ۔" اس پل جہانگیر کی موجودگی شہزین کی ریڑھ کی ہڈی میں پھریری سی دوڑا گئی تھی۔

"جانِ من تمہارا راستہ روکنے کے لیے ہی تو ہم یہاں بیٹھے تھے۔" یہ کہتے ہوئے جہانگیر اس کے قریب آیا تو انتہائی بدحواس ہو کر شہزین نے اپنا بیگ اس کو مارنے کی غرض سے اچھالا مگر جہانگیر نے اسے کیچ کر لیا شہزین اس لمحے بے تحاشہ گھبرائی گئی' تمام چیزیں بیگ سے نکل کر زمین پر بکھر گئی تھیں' وہ سرپٹ دوڑی اور پھر بھاگتی چلی گئی تیز بارش اور کہر کی وجہ سے کچھ بھی دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شہزین کا سر بُری طرح سے چکرا گیا' آنکھوں کے سامنے یکسر اندھیرا چھا گیا۔

"یا وحشت شہزین! اس طرح اچانک کہاں سے ٹپک جاتی ہو اور اتنی بارش میں ریس لگانے کی کیا تُک بنتی ہے۔" نوفل کی آواز اس کے آس پاس بکھری تو شہزین کو لگا جیسے وہ کسی مضبوط پناہ میں آ گئی ہو وہ بے ساختہ نوفل سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' نوفل ایک دم گھبرا گیا۔

"کیا ہوا شہزین! آر یو اوکے' کیا ہوا ہے پلیز مجھے بتاؤ۔" وہ انتہائی نرمی پیار و حلاوت سے پوچھ رہا تھا۔ شہزین اور شدت سے رونے لگی' نوفل نے ادھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں تو تھوڑی ہی دور اسے ایک شیڈ نظر آ گیا۔

"آؤ اس طرف چلو میرے ساتھ۔" وہ اسے زبردستی خود سے الگ کر کے تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں پہنچا تو دونوں نے شیڈ کے نیچے آ کر بے پناہ عافیت محسوس کی شہزین کی آنکھیں اس پل سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ بلیک شلوار قمیص پر ریڈ اینڈ بلیک کنٹراسٹ کے دوپٹے میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی جو بالکل گیلے ہو چکے تھے۔

"اب بتاؤ کیا ہوا تھا؟" وہ استفہامیہ انداز میں بولا تو شہزین ایک سسکی بھر کر گویا ہوئی۔

"وہ کمینہ جہانگیر میرے ساتھ......" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی جب کہ یہ سن کر نوفل کی کنپٹیاں جھنجھنا اٹھیں۔

"اس کتے کی اتنی ہمت' میں چھوڑوں گا نہیں اسے۔"

"چھوڑیں نوفل! میری ہی غلطی تھی جو اس جیسے شخص سے میں نے دوستی کی۔" شہزین اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے ندامت و شرمندگی سے بولی تو نوفل محض اسے دیکھتا رہ گیا پھر دونوں کے درمیان گمبھیر خاموشی چھا گئی اچانک نوفل کو کچھ یاد آیا تو انتہائی چڑ کر بولا۔

"تمہیں اتنے خراب موسم میں کیمپس آنے کی کیا ضرورت تھی' کبھی تو اپنی عقل کو استعمال کر لیا کرو۔"

"آپ کی وجہ سے......صرف آپ کی وجہ سے میں اتنے خوفناک موسم میں آئی ورنہ آپ کو مجھے ذلیل کرنے کا موقع جو ہاتھ آ جاتا۔" شہزین بھی بے پناہ تنک کر بولی تو نوفل نے چند ثانیے اسے بغور دیکھا پھر بے ساختہ مسکراتا چلا گیا۔

”میری شکل پہ کون سا ایسا لطیفہ پڑھ لیا جو اتنی ہنسی آ رہی ہے آپ کو ایک تو میرا بیگ وہیں گر گیا گاڑی کی چابیاں اور موبائل بھی اسی میں رہ گیا۔“ آخر میں وہ متفکرانہ انداز میں بولی تو نوفل ہنوز انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

”کیا مسئلہ ہے کیوں گھورے جا رہے ہیں مجھے آپ؟“

”تمہیں کیا مسئلہ ہے میری آنکھیں ہیں میں جسے بھی چاہوں گھوروں۔“ نوفل ڈھٹائی سے بولا تو وہ محض اسے دیکھتی رہ گئی پھر غور کیا کہ بارش اب بالکل مدھم ہو چکی ہے اس نے اطمینان کا سانس لیا‘ بوائز ہوسٹل بالکل قریب ہی اسے نظر آیا تو شہرین آہستہ سے بولی۔

”آپ کی منزل آ گئی ہے‘ میں چلتی ہوں۔“

”میری منزل تو نجانے کہاں بھٹک گئی ہے‘ کافی عرصے سے اس کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا ہوں مگر وہ مجھے مل کر ہی نہیں دے رہی۔“ عقب سے نوفل کی کھوئی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو شہرین پتھر کی ہو گئی۔

”تم بہت بُری ہو شہرین...... بہت بُری!“ شہرین نے تڑپ کر نوفل کی جانب دیکھا اس پل وہ اسے بے پناہ بکھرا بکھرا لگا اس کا دل چاہا کہ دوڑ کر نوفل کے پاس جائے اور اس کے سینے سے لگ کر اپنی بےقراریوں کا اقرار کرے مگر دوسرے ہی لمحے اسے نوفل کے سفاکانہ الفاظ یاد آ گئے۔

”آپ بھی بہت بُرے ہیں نوفل! بہت زیادہ بُرے۔“ بولتے بولتے اچانک وہ پھر رونے لگی تو نوفل اس کے پاس آیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھے تھام کر بولا۔

”آئی ہیٹ یو شہرین...... آئی ہیٹ یو۔“

”آئی ہیٹ یو ٹو......“ وہ تقریباً چلاتے ہوئے بولی تو بے اختیار نوفل نے اس کے ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ دی۔ اس کی آنکھوں سے بھی موتی گرنے لگے۔

”ہر پل تمہاری یاد میں تڑپا ہوں‘ ہمہ وقت سلگا ہوں......
ہجر کے کالے پانی کی سزا کیوں دی تم نے مجھے۔“

”تم نے بھی مجھے بہت رُلایا ہے نوفل! بہت ستایا ہے۔ میرا دل میرا چین وسکون سب کچھ مجھ سے چھین لیا۔“ دونوں اس پل دنیا ومافیہا سے بےخبر اقرار محبت کر رہے تھے۔

”آئی لو یو شہرین! بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔“ شہرین یہ جملہ سن کر اور بھی شدت سے رو دی‘ چند ثانیے بعد شہرین فکر مندی سے گویا ہوئی۔

”ہمیں اس طرح کسی نے دیکھ نہ لیا ہو۔“ نوفل اس کی بات پر مسکرا کر بولا۔

”یہ جگہ عام دنوں میں بھی بہت سنسان رہتی ہے پھر ایسے موسم میں دور دور تک کوئی نہیں ہے‘ تم فکر مت کرو۔“ نوفل کی بات پر اچانک اسے حجاب آ گیا۔

”مجھے جانا ہے کافی دیر ہو گئی ہے‘ مجھے روڈ سے ٹیکسی بھی لینی ہوگی۔“ شہرین نوفل کی جانب دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے ادھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔

”جب مجھ سے محبت ہو ہی گئی تھی تو مجھے بتایا کیوں نہیں تھا۔“

”آپ نے بھی تو مجھے لاعلم رکھا۔“

”اپنی نیکی کے خیال سے جھوٹ بول گیا تھا‘ مگر اب میں اپنے روٹھے صنم کو منا لوں گا۔“ وہ تیقن آمیز لہجے میں بولا۔

”آئی ایم سوری نوفل!“

”آئی ایم سوری ٹو شہرین!“ معاً شہرین کو کوئی خیال آیا تو اس نے انتہائی اچنبھے سے دیکھا۔

”یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“ شہرین کے ہونق چہرے کو دیکھ کر نوفل ہنس کر بولا۔

”ہادیہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا اس کے جملوں نے مجھے گویا میری زندگی لوٹا دی تھی شہرین!“

”نوفل کوتاہی میری تھی مجھے سزا تو ملنی چاہیے تھی ناں۔“ وہ سر جھکاتے ہوئے بولی تو نوفل اس کے قریب آتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر ایک جذب کے عالم میں گویا ہوا۔

”بیتی باتیں بھول جاؤ آؤ ہم دونوں مل کر اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہیں۔“ شہرین اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے‘ دئے اثبات میں سر ہلا کر نوفل کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی جب کہ بارش کے بعد شفاف نیلگوں آسمان انہیں دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔ بارش کے پانی نے تمام بدگمانیوں اور خفگی کو دھو ڈالا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
اور سفر کتنا باقی ہے
سیدہ ضوباریہ
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

لفظوں سے ان کو پیار ہے مفہوم سے مجھے
وہ گل کہیں جسے میں تیرا نقش پا کہوں
اب جستجو ہے تیری جفا کے جواز کی
جی چاہتا ہے تجھ کو وفا آشنا کہوں

کمرہ پھولوں کا گلستان لگ رہا تھا...... دوپٹے کی اوٹ سے جہاں تک اس کی نگاہ جاسکی اسے گلاب اور موتیا کی بے تحاشا لڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اتنا مہکتا ہوا استقبال...... مسکراہٹ نے اس کے تراشیدہ لبوں کو چھولیا۔ آنکھیں حیاء سے جھک گئیں۔ ذرا سا سیدھی ہو بیٹھی تو کان کے جھمکوں نے گالوں کو چوم لیا۔ چوڑیاں اور کنگن جیسے کلائیوں سے اٹھکیلیاں کرنے لگے۔ شرمگیں مسکراہٹ تھی کہ لبوں سے جدا ہی نہ ہورہی تھی۔ زندگی نے آج ایک نیا موڑ لیا تھا۔

اتنی چاہ اتنی محبت سے کوئی کسی کو اپنے دامن میں سمیٹے تو خود پر ناز سا ہونے لگتا ہے۔ دل کے آنگن میں وفا کی پھوار سی برسنے لگتی ہے۔ سوچیں جیسے ایک ہی دھارے پر بہنے لگتی ہیں۔ انتظار ایک نقطے پر سسٹ آتا ہے۔ بابل کے آنگن کے پرندوں کی چہچہاہٹیں، پھولوں کی خوش بو، جھولوں کے ہنڈولے سب کچھ کہیں بہت دور رہ گیا تھا۔ محبتوں کی ان چھپر چھاؤں کو چھوڑ دینے پر بہنے والے آنسو بھی سوکھ گئے تھے۔ کیسی جادوئی ڈور تھی جس سے بندھ کر وہ یہاں آ پہنچی تھی۔ جہاں خوابوں کا ایک انوکھا جہاں تھا۔ وہ تھی اُس کا من میت تھا...... بہار کا موسم تھا اور ہنسی کی پھوار......!

کھٹکا سا ہوا اور وہ قدرے سیدھی ہو بیٹھی۔ سپنوں کے بوجھ تلے دبی لرزتی پلکوں کو ذرا سا اوپر اٹھایا۔ اس کا زندگی کا ساتھی اس سے چند قدم کے فاصلے پر آن ٹھہرا تھا۔ چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔ پھر وہ اس کے قریب ہو بیٹھا...... دو مضبوط ہاتھوں نے اس کے کومل مخملیں ہاتھوں کو تھاما اور بے انتہا خوب صورت کنگن اس کی کلائی کی زینت بن گئے۔ اس کے دل کی حالت غیر ہونے لگی۔ شرم جھجک آنے والے لمحوں کا محبت آمیز خوف اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کر گیا۔ شاہزل نے بہت دلچسپی سے اس مخملیں سی گڑیا کو نظر بھر کر دیکھا تھا۔

"ایرج......" محبت بھری سرگوشی پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

"یار آنکھیں تو کھولو...... تمہاری ساری سج دھج تو میں نے دیکھ لی ہے، مجھے کون دیکھے گا بھلا......" شاہزل کی شرارت آمیز جھنجلاہٹ پر اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور نگاہیں جیسے اس پر ٹک سی گئیں۔

"بہت پیارا لگ رہا ہوں ناں......" اس نے مخمور سے لہجے میں کہا تو وہ اس میں سمٹ گئی۔ محبت میں بکھرنے اور سمٹنے کی بھی عجیب سی داستان ہوتی ہے۔ لمحوں کی آنکھ مچولی میں رات کب بیت گئی خبر ہی نہ ہوئی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

ولیمہ فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا۔ مہمانوں کی تعداد کم ہی تھی کیونکہ شاہزل اس شہر میں نووارد تھا اور بہت شارٹ نوٹس پر ہونے والی اس شادی میں دوسرے شہروں اور ملک سے باہر مقیم اس کے قریبی عزیز شرکت نہیں کر پائے تھے۔ اس کی طرف سے صرف اس کے والدین اور دو تین دوستوں نے شرکت کی تھی۔ بلکہ ایرج کی فیملی بھی مختصر ہی تھی۔ امی بابا اور نیرج اس کی چھوٹی بہن۔ ایک پھپو اور ان کی فیملی...... مختصر سے مہمانوں کی موجودگی میں ولیمہ کی تقریب شاندار اور باوقار طریقے سے انجام پائی۔ ایرج کی آنکھوں میں چمکتے جگنو اور دمکتے رنگ میں کھلی محبت کی گلابیاں بہت حد تک امی بابا اور اس کی فیملی کو مطمئن کر گئیں۔ گولڈن بھاری کام کے گاؤن میں نفیس سے زیورات نے اس کی سجاوٹ کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ تقریب کے اختتام پر زبردست سے فوٹو سیشن کے بعد نیرج نے شاہزل کو جا پکڑا۔

"شازی بھیا! اب ہمیں روانہ کرنے کی تیاری کیجیے، ہم اپنی پیاری سی آپی کو واپس لے جانے آئے ہیں۔"

"بھئی یہ تو سراسر ظلم ہے مجھ غریب پر۔ اکیس سال آپ کی آپی آپ کے گھر میں رہی کیا میں نے کوئی اعتراض کیا اور ایک ہی دن کے بعد آپ ہمارے گھر کی ساری رونق سمیٹ کر لے جانا چاہتی ہیں۔" شاہزل نے شرارت سے ہونٹ کا کنارا دانتوں میں دبا کر اپنے پہلو میں بیٹھی اریج کی طرف نگاہ بھر کر دیکھا۔

"اوفوہ بھیا جی! ایک ہی دن کی تو بات ہے، ہم کون سا ان کو ہمیشہ کے لیے لے جارہے ہیں۔"

"نصف بہتر جی! آپ ہی کچھ مدد کیجیے ناں۔" شاہزل نے اسے مخاطب کیا جو اس کی باتوں سے کچھ شرمائی، ہچکچائی، خود سے الجھتی ہوئی سی دل میں اتر جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

"میں..... میں..... کیا کہوں.....؟"

"یعنی اپنی فیملی کو دیکھ کر آپ بھی بدل گئیں..... اب کچھ نہیں کیا جاسکتا بھئی نیرج جی..... ہماری نصف بہتر نے بھی ہری جھنڈی دکھا دی ہے۔ ہمارا سب سے مضبوط ووٹ آپ کی طرف ہے تو آپ جیتیں ہم ہارے۔" شاہزل نے بڑے دلربا سے انداز میں ہتھیار ڈال لیے تھے۔

"چلیں آپی جی....." نیرج نے کسی قدر کھوئی ہوئی اریج کا بازو تھام کر گویا اس کی محویت توڑی۔ شاہزل اور اس کے ممی، پاپا انہیں سی آف کرنے پارکنگ لاٹ تک آئے اور بہت محبت سے انہیں رخصت کیا تھا۔

❀ ..... ❀ ..... ❀
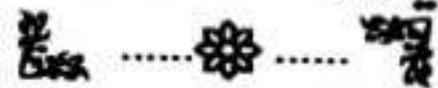
رات گیارہ بجے کے قریب امی سب کاموں سے فارغ ہوکر اس کے پاس آبیٹھیں۔ جب سے اسے لے کر آئے تھے اس کی دوستوں اور پھپو کی بیٹیوں نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ پھر کچھ دیر اپنے کمرے کی مانوس فضا مل جانے پر جیسے وہ سب کچھ بھول بھال کر اپنے بستر پر جالیٹی اور لمحوں میں گہری نیند میں چلی گئی۔ رات کے آٹھ بجے نیرج نے اس کے کمرے میں جھانکا تو اسے یوں بے سدھ سوتا پا کر جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ بعد خود ہی اس کی آنکھ کھلی تو جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر بال سمیٹ کر سب کے درمیان آبیٹھی۔ گیارہ بجے جاکر کہیں امی کو اس سے بات کرنے کا موقع ملا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی جب امی اس کے پاس آبیٹھیں۔

"کیسی ہے میری بیٹی۔" بہت دھیرے سے اس کی پیشانی پر آئے بالوں کی لٹ کو محبت سے سمیٹتے ہوئے انہوں نے اس سے سوال کیا۔

"بالکل ٹھیک امی! آپ..... آپ کیسی ہیں؟" وہ ماں کے سوال میں چھپی فکرمندی کا تکلف جان گئی تھی خود بھی کچھ جھجک رہی تھی۔ ایک ہی رات میں کتنا نامانوس اور پرایا بنادیا تھا چند بولوں نے اسے۔

"شاہزل کیسا ہے؟ اس کے گھر والے.....؟ میرا مطلب ہے وہ ....." امی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"سب بہت اچھے ہیں امی، بہت خیال رکھنے والے..... شاہزل بھی اور ان کے ممی پاپا بھی۔"

"شکر اس پاک پروردگار کا....." امی نے اطمینان بھری سانس لی۔

"امی آپ سے ایک بات کہنی تھی۔" وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"کہو امی کی جان..... ایک کیا سو باتیں کہو میرا بچہ....."

"وہ شاہزل کہہ رہے تھے کہ انہوں نے پہلے سے ہی سیٹیں ریزرو کروائی ہوئی ہیں پرسوں ناردرن ایریاز کے لیے ہم دونوں نے نکلنا ہے اور کل شام کی فلائٹ سے ممی پاپا عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہورہے ہیں۔ اس لیے کل دن میں ہی مجھے واپس جانا ہوگا۔" اسے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کچھ دقت ہوئی تھی۔ شاید یہ احساس کہ امی کیا سوچیں گی۔ مگر امی کے لبوں پر پھیلتی مسکراہٹ اسے مطمئن کرگئی۔

"تو ٹھیک ہے میرا بچہ..... کل صبح فون کرکے شاہزل اور اس کے ممی پاپا کو لنچ پر انوائیٹ کرلو، میں نے تو ڈنر کا سوچ رکھا تھا۔ تمہارے پروگرام کے پیش نظر تبدیلی کی جاسکتی ہے اور یوں بھی میری پیاری سی بیٹی تو اب اسی گھر کی بیٹی ہے نا۔ بہت اچھا ہے، جس طرح وہ سب چاہیں اسی طرح کرو۔ اسی رنگ میں ڈھل جاؤ۔ یہی تمہاری کامیابی ہوگی اور یہی میری تربیت۔" انہوں نے پیار سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تو اس کی پلکیں بھیگ سی گئیں۔ کیا خوب صورت اور مان بھرا رشتہ ہے یہ دل کا ہر بوجھ بانٹ لینے والا، ہر درد اپنی ممتا میں سمو لینے والی یہ ماں دنیا کی سب سے اہم ہستی..... جس کا صحیح معنوں میں ادراک اس وقت ہوتا ہے جب ماں کے گھر سے رخصت ہوکر بیٹی ایک نئے گھر، نئے ماحول میں جاتی ہے۔ جہاں پیار بھی ہوتا ہے

عزت بھی، ملکیت کا احساس بھی اور ذمہ داریاں بھی...... نہیں ہوتی تو ماں کی ممتا نہیں ہوتی...... اس ممتا کی چھاؤں میں گزارے گئے بے فکری کے دن نہیں ہوتے۔ ایک امتحان گاہ ہوتی ہے جہاں اس کے پل پل کا حساب لیا جاتا ہے۔ اس کی ہنسی کا، اس کے رونے کا، اس کے چلنے پھرنے، سونے جاگنے کا اور اس امتحان گاہ سے گزرنا ہر لڑکی کا مقدر ہے۔ اب یہ اس کا نصیب کہ اسے پیار، عزت، ملکیت و محبت کا احساس ملتا ہے یا ٹھوکریں اک جھرجھری سی آگئی۔

"رب تعالیٰ! مجھے امتحانوں سے محفوظ رکھنا، اس نئے سفر کو میرے لیے آسان بنانا۔" وہ امی کی بہت لاڈلی تھی۔ آج تک کبھی انہوں نے اسے ڈانٹا تک نہ تھا۔ پڑھائی میں بہت اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ گھر کے سب کاموں کی بھی بے حد شوقین تھی، نہ صرف اچھا کھانا پکالیتی تھی بلکہ گھر کی سیٹنگ، پینٹنگ، نیٹنگ اور ایسے ہی کئی شارٹ کورسز بھی کر رکھے تھے اور اس کی امی کہا کرتی تھیں۔

"یہ نیرج کو تو خدا عقل عطا کرے سب کچھ بنا کر دینا پڑے گا پھر بھی جانے کیا حال کرے گی اور یہ میری ایرج تو ایسی ہے کہ مانو جھونپڑی میں بھی چلی جائے تو سویرا کردے۔" ایک ماں کی ساری محبت ان الفاظ میں سمٹ آتی تھی۔

اور اب رب پاک نے اس کے لیے شاہزل جیسے پیارے بندے کو چنا تھا۔ ممی، پاپا جیسے مہربان ساس سسر کی موجودگی نے اسے بہت تقویت دی تھی۔ صرف ایک دن ہی ان کے درمیان گزار کر اسے یوں لگا تھا جیسے وہ کافی عرصے سے ان کے ہمراہ ہی رہتی آئی ہو۔ ایک پل کو کسی نے اسے اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ان محبتوں کے امر ہوجانے کی دعا مانگتی نیند کی مہربان وادی میں کھوگئی۔

......❀......

اگلا دن خاصا ہنگامہ اپنے جلو میں لیے طلوع ہوا تھا۔ صبح ہی صبح اس نے اپنے سرگیں لہجے میں شاہزل اور ممی، پاپا کو لنچ کے لیے انوائیٹ کیا تھا جسے انہوں نے خوش دلی سے قبول کرلیا تھا۔ دس بجے تک کچن میں امی کا ہاتھ بٹانے کے بعد ان کے زبردستی بھیجنے پر وہ تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ گہرے پرپل رنگ کے انگرکھے میں ہلکا میک اپ اور بھاری زیورات کے ہمراہ وہ آج بھی پہلے دن کی دلہن ہی دکھائی دے رہی تھی۔ بارہ بجے کے قریب شاہزل اور ممی پاپا آگئے۔ کھانا بے حد خوش گوار ماحول میں کھایا گیا۔ تمام وقت اپنے صبیح چہرے پر پھسلتی دو بے باک آنکھیں اسے خود میں سمٹنے پر مجبور کرتی رہیں۔

"یہ شاہزل بھی...... بس حد کرتے ہیں۔" دل کی بے چین دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ اس کے تصور سے شکوہ کناں تھی۔ اندر کہیں چاہے جانے کے احساس نے ڈھیروں گلاب کھلادیئے تھے یہ احساس ہی کتنا جاں فزا تھا کہ جس ہستی کی خاطر وہ سب تیاگ کر اس نئے سفر پر نکلی ہے اس ہستی کی بھرپور محبت اور ساتھ کا غرور بھی اسے حاصل ہے۔ وہ خوب صورت ہے۔ یہ ایک حقیقت سہی مگر اس حقیقت کا اصل رنگ تو تب ہی دکھائی دے گا، جب اس کے من میت کی آنکھیں اسے سراہیں گی اور یہ فخر اسے نصیب ہوگیا وہ کیوں نہ کھلکھلاتی...... اس کی آنکھیں کیوں نہ دمکتی دکھائی دیتیں، چہرہ کیوں نہ روشن ہوتا وہ جیسے ہوا پہ قدم دھرتی کسی تتلی کی مانند ادھر سے ادھر ڈولتی پھری۔ اس کے وجود کی قوس قزاح نے امی کے دل کو دھڑکا دیا۔ انہوں نے چپکے ہی چپکے ہزاروں دعائیں مانگ ڈالیں۔ شاہزل اور اس کے ممی پاپا کے ساتھ جاتے سمے ایک پل کو پلکیں گیلی ہوئیں مگر دوسرے ہی پل کسی کی محبت کے احساس کی شدت نے ہر درد کو خود میں سمیٹ لیا۔ وہ بہت ہلکی پھلکی سی شاہزل کے ہمراہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ائرپورٹ کی طرف رواں دواں تھی جہاں سے آج شاہزل کے والدین عمرہ کے فرض کی ادائیگی کے لیے جارہے تھے۔

ممی پاپا کو رخصت کرکے وہ جب گھر لوٹے تو دس بج رہے تھے۔ مارے تھکن کے برا حال تھا، پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بے انتہا کام اور مصروفیات نے جیسے ہڈیوں کے اندر تھکن اتار دی تھی۔ پور پور بوجھل تھا۔ چینج کرکے جب وہ بیڈ روم میں آئی تو شاہزل بازو آنکھوں پر دھرے لیٹا ہوا تھا۔ یقیناً وہ بھی بے حد تھکا ہوا تھا۔ اس نے بہت دھیرے سے زیورات بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور جانے کو پلٹی ہی تھی کہ ہاتھ شاہزل کی مضبوط گرفت میں آگیا۔

"آہم...... کیا ہورہا تھا چپکے چپکے۔" شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے اسے اپنی جانب کھینچا تو وہ اس پر گر سی گئی۔ اس شرارت پر نگاہیں جھک گئیں۔

"وہ...... میں سمجھی آپ...... سوگئے۔"

"کمال ہے بیگم صاحبہ! کل شام سے آپ کی واپسی کی گھڑیاں گن رہے ہیں اور آپ نے ہمیں سوتا بنادیا۔" محبت کا حصار اس کے گرد تنگ ہونے لگا۔ وہ محجوب سی ہونے لگی۔ روم

روم محبت کے احساس سے لبریز ان لمحوں کے امر ہوجانے کے لیے دعا گو ہوگیا۔

''آپ کو پتہ ہے کل ہم ہنی مون کے لیے روانہ ہورہے ہیں اور جناب نے کوئی تیاری بھی نہیں کی ابھی تک۔'' اس کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے اس نے جیسے ایرج کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

''صبح اٹھ کر کرلوں گی جناب......''

اور پھر محبت کے خوب صورت پل پر فسوں اور جادوئی رات کے سائے میں گزرنے لگے۔ ہر درد ہر دکھ کہیں بہت دور جا سویا۔ احساس رہا تو اتنا کہ اسے محبت کے دیوتا نے اپنے نرم پروں میں سمیٹ کر اس کے وجود و روح کی تھکن کو دور کردیا۔ شاہزل نے گہری نگاہوں سے اس کی نیند سے بوجھل لرزتی پلکوں کو دیکھا تھا۔ ہونٹ بھینچ گئے تھے اور چہرے پر عجیب سا تناؤ آگیا تھا۔ اس کا سر اپنے بازو پر سے تکیے پر منتقل کرکے اس نے اس کی طرف سے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

......❀......

ہر رات کی ایک سحر ہوتی ہے جو رات کے اندھیرے کو دور کرکے ہر سمت روشنی پھیلا دیتی ہے۔ ہر سمت زندگی جاگ اٹھتی ہے۔ آرام کے بعد جاگ جانے والے پھر سے کاروبار حیات میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اس محبت بھری رات کی بھی سحر ہوگئی تھی۔ صبح صبح ہی اپنے نم بالوں کا جوڑا سا بنائے وہ بہت پھرتی سے پیکنگ میں مصروف تھی۔ شاہزل کے جاگنے سے پہلے ہی اس نے گھر کے سب ہی کام نمٹا لیے تھے۔ جانے ان کی واپسی کب ہونی تھی اور گھر میں کوئی بھی نہیں تھا اس لیے بہت سی چیزیں اور سامان سمیٹنے والا تھا۔ فریج میں موجود تقریباً سب ہی چیزیں سوائے اپنے ناشتے کے اس نے برتن دھونے والی ماسی کو دے دیں اور جب وہ ناشتہ تیار کرچکی تو شاہزل بھی اٹھ گیا۔

''ارے بیگم! آپ نے سب کام اکیلے ہی نمٹا لیے۔'' شاہزل کی نگاہوں میں ستائش اور تعریف تھی۔

''آپ نے رات ہی تو کہا تھا کہ بارہ بجے کی فلائٹ سے روانگی ہے۔ اسی لیے میں نے جلدی جلدی......'' وہ کچھ جھینپ کر بتانے لگی۔

''نصف بہتر سخت دوڑ جاری ہے پیٹ میں چوہوں کی......بس جلدی سے کچھ کھانے کو دے دیجیے۔'' وہ وہیں کچن میں ہی اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''یہیں......؟'' اس نے کچھ حیران ہوکر پوچھا۔

''جی بالکل یہیں......نو تکلفات ایٹ آل......'' کچن کاؤنٹر پر رکھی آملیٹ کی پلیٹ اٹھا کر کانٹے سے اسے ادھیڑتے ہوئے شاہزل معروف انداز میں بولا۔ ناشتے کے بعد شاہزل تیاری میں مصروف ہوگیا اور ایرج نے فون پر امی بابا سے اور نیرج سے کچھ دیر بات کی۔ انہیں اپنی روانگی کا بتا کر وہ بھی تیار ہونے لگی۔ عام روٹین میں گاڑی شاہزل خود ڈرائیو کرتا تھا لیکن ابھی ڈرائیور ان کے ساتھ تھا کیونکہ انہیں ائرپورٹ پر ڈراپ کرکے گاڑی واپس لانی تھی۔

''نصف بہتر......اسلام آباد جانے والی فلائٹس خراب موسم کی وجہ سے ملتوی ہوگئی ہیں......میں نے کراچی کے دو ٹکٹ لے لیے ہیں۔ دو چار دن رک کر وہاں سے اسلام آباد کی سیٹیں لے لیں گے کیا خیال ہے۔'' شاہزل نے اسے مخاطب کیا۔

''تو کوئی بات نہیں۔ گھر واپس چلے چلتے ہیں ناں۔'' ایرج نے آسان حل نکالا۔

''ارے نہیں......اب جب نکل کھڑے ہوئے ہیں تو بس پھر گھومتے پھرتے ٹائم گزاریں گے کیوں گھر بیٹھ کر اتنا خوب صورت وقت ضائع کریں۔'' شاہزل شرارتی ہوا۔ ہنستے مسکراتے تھوڑی ہی دیر میں وہ کراچی ائرپورٹ پر اتر رہے تھے۔ شاہزل کے ساتھ گزرا مختصر سفر بے حد خوب صورت اور یادگار تھا۔ ائرپورٹ سے کیب لے کر وہ ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے کراچی کے مناظر سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ جب اچانک گاڑی ایک بلند و بالا عمارت کے قریب آن رکی۔ اس نے کچھ حیرت سے شاہزل کی طرف دیکھا یہ تو کوئی رہائشی بلڈنگ دکھائی دے رہی تھی۔ ہوٹل تو نہیں تھا۔ شاہزل نے اس کی سوالیہ نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرنے کے باوجود یوں ظاہر کیا جیسے اسے کچھ محسوس ہی نہیں ہوا۔ اس نے بھی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنا سفری بیگ سنبھالے وہ شاہزل کے ہمراہ گاڑی سے نکل آئی اور اس کی معیت میں اس عمارت کے اندر داخل ہوگئی۔ لفٹ کے ذریعے وہ شاید پانچویں یا چھٹی منزل تک آئے تھے۔ طویل کوریڈور تاریک اور سنسان پڑا تھا۔ عمارت کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ ابھی نئی تعمیر کی گئی ہو۔ زیادہ تر فلیٹ شاید خالی پڑے تھے۔ شاہزل اس سے کچھ قدم آگے چل رہا تھا۔ عجیب ناقابل فہم سا رویہ تھا اس کا۔ ایرج کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ کچھ آگے چل کر وہ ایک فلیٹ کے قریب رکا اور جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔اس کے کسی عمل سے بھی یہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ یہاں پہلی بار آیا ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ طویل عرصے سے یہیں رہتا ہو۔ وہ حیران سی اس کے پیچھے اس کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔

"دروازہ بند کرو۔" تحکمانہ انداز میں کہتے ہوئے شاہزل نے بیگ صوفے پر دھر دیا...... ایرج دروازہ بند کرکے کنڈی چڑھا کر آگے بڑھ آئی۔

درمیانے درجے کے اس فلیٹ میں بہت سادہ سا فرنیچر اور سامان دکھائی دے رہا تھا۔ چھوٹا سا لاؤنج جس میں ایک پرانا صوفہ سیٹ رکھا تھا جس پر شاہزل نے ابھی بیگ رکھا تھا اور اب خود بھی براجمان تھا۔

"کچن کا دروازہ وہ سامنے ہے۔ دیکھ بھال لو...... دو کپ چائے بنالاؤ۔ خشک دودھ کا پیکٹ، چینی پتی وہیں کیبنٹ کے اندر ہیں۔"

"شاہزل یہ کس کا گھر ہے اور آپ نے تو کہا تھا کراچی کسی ہوٹل میں رہیں گے۔" وہ زیادہ دیر تک اپنے تجسس کو نہیں دبا سکی تھی۔

"صبر نصف بہتر...... تھوڑا حوصلہ...... آہستہ آہستہ ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ پہلے جو کہا ہے وہ کیجیے۔" یونہی صوفے پر نیم دراز خاصے سرد لہجے میں کہا تو وہ خاموشی سے کچن کی طرف چلی آئی۔ کچن کو دیکھ کر تو گویا اس پر منوں برف گرگئی۔ مختصر سا کچن جس میں ایک طرف شیلف اور کیبنٹ بنے ہوئے تھے اور ایک سائیڈ پر سنک لگا ہوا تھا جو شاید کبھی اسٹیل کا تھا مگر اب اپنی رنگت اور چمک کھوچکا تھا۔ گندا سا کالا چولہا جس پر گرنے والی چائے کی پتی اب تک لگی ہوئی تھی۔ کیبنٹ میں مصالحوں کے ڈبوں کے بجائے پیکٹس جن میں ہر مصالحہ، چینی پتی، تھوڑی تھوڑی مقدار میں رکھی ہوئی تھی اور نیڈو کا ایک آدھا استعمال شدہ پیکٹ رکھا تھا۔ برتنوں کے نام پر دو چار گلاس، کپ، کچھ پلیٹیں اور دو دیگچیاں۔ یہ کچن کا کل ساز وسامان تھا۔ اسے اپنے جہیز کی کراکری اور شاندار کچن ہوم اپلائنسز یاد آگئے۔ اس کی امی نے دنیا جہان کی ہر چیز اسے جہیز میں دی تھی۔ ایک ہینڈسم رقم اس کے نام پر فکس ڈپازٹ ہونے کے باوجود بہت خوب صورت زیورات بنوائے تھے۔ دو ہی تو بیٹیاں تھیں ایک اچھی گورنمنٹ پوسٹ پر ہونے کی وجہ سے بابا نے نہ صرف گھر میں انہیں ہر سہولت مہیا کی تھی اچھی تعلیم دلائی تھی بلکہ ان کے اچھے مستقبل کے لیے بھی ایک طویل عرصے سے پس انداز کررہے تھے۔

"یہ میں کیا سوچ رہی ہوں...... ممکن ہے شاہزل کے کسی دوست کا فلیٹ ہو اور شاہزل چاہتے ہوں کہ فضول میں یہاں خرچہ کرنے کی بجائے ہم زیادہ سے زیادہ ناردرن ایریاز میں انجوائے کرسکیں۔ کراچی کا تو ہماری پلاننگ میں تھا ہی نہیں۔" دیگچی کو اچھی طرح دھو کر چائے بنانے کے دوران وہ سوچتی رہی۔

چائے بنا کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو شاہزل اسی پوزیشن میں صوفے پر ٹانگیں پسارے نیم دراز تھا۔

"چائے لے لیجیے شاہزل......" وہ اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں، سرخ انگارہ آنکھوں میں تھکاوٹ کے ساتھ ساتھ کچھ ناقابل فہم تاثرات بھی جیسے ہلکورے لے رہے تھے۔ اس نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے کپ لیا اور سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ بھی مقابل بیٹھ گئی۔ چائے پیتے ہوئے وہ بہت گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ یوں جیسے جو کچھ ہو رہا تھا اس حوالے سے اس کا ردعمل جاننا چاہتا ہو۔ ایرج نے پہلو بدلا۔

"یقیناً بہت سے سوال تنگ کررہے ہوں گے تمہیں...... ہیں ناں۔"

"نن...... نہیں...... تو۔"

"میں جانتا ہوں انسان کے ساتھ گزرے چند لمحوں میں ہی ہم بہت آسانی سے جان لیتے ہیں کہ وہ کیسا ہے اور ہم نے تو اس حساب سے خاصا وقت ساتھ گزار لیا ہے یقیناً اتنا وقت بہت ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے۔" ایرج کو اس کی تمہید غیر ضروری سی محسوس ہورہی تھی وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد شاہزل وہ کہہ دے جو اس کے اندر کھدبدا رہا ہے۔ ساتھ ہی اندر کہیں کچھ جھماکے سے بھی ہوئے تھے۔ شاہزل کیا کہنے جارہا تھا اس کے لہجے کا بر فیلا پن بہت دیر سے ایرج کو دہلا رہا تھا۔

"آپ کہیں...... میں سن رہی ہوں۔" ایرج نے بمشکل بات مکمل کی۔

"بت توجہ اور دھیان سے سننا نصف بہتر کیونکہ مجھے بے حد کوفت ہوتی ہے جب مجھے کوئی بات دوسری مرتبہ سمجھانی پڑے اور عورتوں کی ایک خاصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ بار بار کہی جانے والی بات کو بھی پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کیے جاتی ہیں نتیجتاً بہت تکلیف اٹھاتی ہیں۔ میرا خیال ہے تم ایسا نہیں کروگی۔" سرد

لہجے کی انی ایرج کے دماغ میں جیسے چبھ گئی۔ اس نے بے حد حیران ہوکر شاہزل کے بے تاثر چہرے کی سمت دیکھا کیا یہ وہ دن پہلے والا شخص ہی ہے؟ جو محبتوں کے جذبات سے لبریز تھا اور جس کے لہجے سے پھول جھڑتے تھے۔ جو اسے کانچ کا پیکر سمجھ کر سینت سینت کر چھوتا تھا۔ اور سونے کو بانہوں کا تکیہ دیتا تھا کہ سرہانہ بھی سخت ہے تمہاری نیند میں خلل نہ ہو۔

آج..... آج وہ یکسر بے نیاز اور بے مہر بنا بیٹھا تھا۔

"جج..... جی......" اس نے تھوک نگل کر خشک لکڑی جیسے حلق کو تر کرنا چاہا۔

"کچھ چیزیں میں تم پر واضح کردوں...... میں کوئی بزنس مین نہیں ہوں...... ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہوں۔ ہینڈ ٹو ماؤتھ کماتا ہوں‘ سو بہت سی فرمائشیں کرنے سے ذرا احتراز ہی برتنا۔ گھر بار جائیداد کے نام پر یہ دو کمروں کا فلیٹ ہے اور اسی میں ہی میں نے اپنی زندگی کا بیشتر وقت گزارا۔ اپنی ماں کے مرجانے کے بعد میں نے اس فلیٹ میں کوئی نیا سامان یا فرنیچر خرید کر نہیں رکھا۔ کچھ ناگزیر چیزیں خرید لاؤں گا زیادہ کی امید مت رکھنا۔" شاہزل کے ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے مگر آواز...... آواز اس کے وجود میں برپا زلزلوں کے جھٹکوں میں کہیں دب گئی تھی۔ "ماں کے مرجانے کے بعد" شاہزل کیا کہہ رہا تھا۔ اللہ یہ سب کیا ہورہا ہے۔ وہ جیسے چکرا کر رہ گئی تھی کمرے کی ہر چیز اسے اپنے اردگرد گھومتی محسوس ہورہی تھی۔ شاہزل نے بہت توجہ سے اس کی حالت کو ملاحظہ کیا۔

"تم شاید ممی‘ پاپا کے بارے میں سوچ رہی ہوگی...... تو نصف بہتر جس طرح اسٹیج پر بہت سے آرٹسٹ اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور پھر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں کیونکہ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا بالکل اسی طرح ممی پاپا بھی کچھ مدت کے لیے اپنا کردار ادا کرنے آئے تھے اور اب اپنے گھروں کو لوٹ چکے ہیں۔ ظاہری بات ہے کوئی مجھ جیسے چھڑے چھانٹ کو کیسے اپنی پیاری بیٹی دے سکتا تھا۔ مجبوری تھی۔ نصف بہتر مجھے تمہیں پانے کے لیے ایسا کرنا پڑا۔"

"آپ..... آپ یہ سب کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہی...... پلیز شاہزل کہہ دیجیے ناں یہ سب مذاق ہے۔ آپ یہ سب مجھے تنگ کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں ناں۔" ایرج کی آواز مارے گھبراہٹ‘ خوف اور دکھ کے کپکپا رہی تھی۔ ایسا کیسے ہوسکتا تھا اس کے ساتھ زندگی کیونکر اتنا بھیانک مذاق کرسکتی تھی۔ آج تک وہ بہت پیاری بیٹی رہی تھی کسی جگہ اس نے اپنے کردار میں کمی نہیں آنے دی تھی۔ کبھی کوئی ایسا غلط قدم نہیں اٹھایا تھا جس پر اسے یا اس کے والدین کو شرمندہ ہونا پڑا ہو۔ پھر اس کے ساتھ یہ سب کیسے ہوسکتا ہے۔ کیسے اس کے جہاندیدہ امی‘ بابا اتنا بڑا دھوکا کھا سکتے ہیں...... کس طرح؟ سوال نہیں تھے...... ناگ تھے جو رہ رہ کر اس کے ذہن کو ڈس رہے تھے۔ مگر بظاہر وہ کسی جھیل کی طرح بالکل ساکت سی بیٹھی تھی۔

"مجھے مذاق کرنے کی عادت ہے نہ پسند کرتا ہوں اور اب سے تم بھی اسی ماحول کو اپنانے کی کوشش کرو۔"

"یہاں...... یہاں پر تو کچھ بھی نہیں ہے...... اگر یہیں رہنا ہے تو وہاں سے جہیز کا سامان منگوا لیجیے پھر یہاں سیٹنگ کرلیں گے۔" دل پر جبر کرکے اس نے لہجے کو قدرے بشاش بنانے کی کوشش کی۔

"ہوں...... دیکھتے ہیں......" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میرا خیال ہے تم بھی تھک چکی ہوگی سوجانا چاہیے۔" وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ تو ناچار وہ بھی اس کے پیچھے چل آئی۔ بیڈ روم بھی کسی صورت کچن سے مختلف نہ تھا۔ پرانا سا بیڈ جس پر پرانی سی بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی۔ دو کرسیاں اور ایک کپڑوں کی الماری‘ اس کمرے کی کل متاع یہی تھی۔ شاہزل تو بڑی سہولت سے پسر کر سوگیا تھا مگر اس کی تمام رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ ایک پل کو نیند آنکھوں میں نہیں آئی تھی۔ بار بار آنسو پلکوں کی منڈیروں کو توڑ کر باہر آنے کی ضد کرتے اور وہ آنکھیں میچ میچ کر انہیں اندر گرا لیتی۔ وہ حوصلے والی تھی جو ابھی تک جی رہی تھی ورنہ چند گھنٹوں کے اندر ہی جس طرح اس کے خوابوں کا محل زمین بوس ہوا تھا اور جس طرح اس کی زندگی کا ساتھی اچانک اجنبی بن گیا تھا۔ وہ تو چھاجوں چھاج بھی روتی تو کم تھا۔

کل تک امی بابا کے چھپر چھاؤں سے وجود نے زندگی کی ہر تمازت کو اس سے یکسر دور رکھا تھا۔ کبھی کسی دکھ و اذیت کو اس تک پہنچنے نہ دیا تھا اور آج ان سے کوسوں دور وہ درد سے بے حال تھی لیکن وہ سب اس کی حالت سے بے خبر تھے۔ ان کی معلومات کے مطابق تو وہ اس وقت ناردرن ایریاز میں اپنے محبت کرنے والے زندگی کے ساتھی کے ساتھ اپنی شادی شدہ زندگی کے ابتدائی دنوں سے محبت کشید کررہی تھی وہ کیا جانتے کہ زندگی اس کے لیے ایک بھیانک خواب بن گئی ہے ایک ایسا نائٹ میئر جس کے اختتام کی امید بھی نہیں۔

اس زندگی کی تو بنیاد ہی دھوکے سے رکھی گئی تھی..... ایک بھی سچ نہیں تھا جو اس کے ڈولتے دل کو تسلی دے پاتا۔ بزنس مین، شان دار بنگلہ، طرح دار ممی اور نفیس سے پاپا..... شان دار ولیمے کی تقریب اور بیش قیمت شادی کے ملبوسات..... سب ہی کچھ جھوٹا تھا۔ وہ کیا کرے..... کہاں جائے، کسی سے کیسے کہہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے..... کس کو دل سے لٹ جانے کی خبر دے..... اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔

..... ❀ .....

فجر کی اذان کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وضو کرکے نماز ادا کرتے ہوئے بے آواز آنسو اس کے گالوں کو بھگوتے رہے۔ بہت دیر تک اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے کرتے اسے جیسے صبر سا آ گیا۔ جائے نماز تہہ کرکے اس نے ایک نظر سوئے ہوئے شاہزل کو دیکھا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

وہ جان گئی تھی کہ اس گھٹن زدہ ماحول میں رہنا خالق حقیقی نے اس کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ اس کی آزمائش کا وقت آ گیا ہے اس کی امی کہا کرتی تھیں۔

"اریج جھونپڑی میں بھی سویرا کرسکتی ہے۔" جانے کون سا وقت تھا قبولیت کا..... کہ ان کے منہ سے نکلے الفاظ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبولیت پاگئے تھے۔ اسے سویرا کرنے کے لیے جھونپڑی دے دی گئی تھی۔ سب خواب، ساری آرزوئیں حیات کے سب رنگ اس سے دور کردیئے گئے تھے اور امتحان اس کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو اس امتحان کے لیے تیار کرنا شروع کردیا۔ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر اس نے بہت تفصیلی نگاہ سے گھر کا جائزہ لیا اور ناگزیر ضروری اشیاء کی لسٹ ذہن میں بنالی۔

"ٹھیک ہے جب یہاں رہنا ہے..... تو اسی کو بہتر بنانے کی کوشش کروں گی۔" وہ کسی سپاہی کی طرح کمر کس کر میدان میں اتری تھی۔ دوسرا کمرہ مکمل کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو ابکائی سی آنے لگی۔ دیواریں جالوں سے بھری ہوئی، کچرا دودھ کے خالی ڈبے، سبزیوں کے چھلکے، گتوں کے کارٹن، پورا کمرہ الم غلم اشیاء سے بھرا پڑا تھا۔ پورا ایک گھنٹہ لگا اسے دیواروں کی جھاڑ پونچھ کرتے اور چیزوں کو ٹھکانے لگاتے۔ کمرہ تو ٹھیک ہوگیا مگر وہ خود بھوت دکھائی دے رہی تھی۔ تمام کچرا بڑے بڑے دو کارٹن میں ڈال کر اس نے گھر کے دروازے سے باہر رکھا، دروازہ بند کرکے پلٹی تو سامنے شاہزل کو کھڑے پایا۔

"کیا کررہی تھی باہر....." عجیب کرخت سے انداز میں اس نے پوچھا۔

"کک..... کچھ نہیں..... وہ کمرہ صاف کیا تھا..... تو کچرا باہر رکھ رہی تھی۔" اس نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"خیال رہے دوبارہ ایسی حرکت مت کرنا۔ مجھے دروازے کھڑکیوں سے جھانکنے والی عورتوں سے سخت نفرت ہے۔ میں بازار جارہا ہوں، ضروری چیزوں کی لسٹ بنادو۔ لیتا آؤں گا۔" کہتے ہوئے وہ باتھ روم میں گھس گیا۔

صرف تین دن کے اندر کتنے روپ دکھادیئے اس شخص نے اسے..... کہاں حیران ہوتی اور کہاں پریشان..... اس کی عقل چکرا کر رہ گئی تھی۔ ہر بار اس کی کوئی نہ کوئی بات اسے اذیت کے ایک نئے معانی سے روشناس کررہی تھی۔ دل پر بھاری بوجھ لیے وہ کمرے میں آ گئی۔ ضروری سامان کی لسٹ بناتے ہوئے اس نے بہت خیال رکھا تھا کہ کچھ بھی فالتو نہ لکھے..... کہ پھر ایک ہزار ایک باتیں سننی پڑیں گی۔

بھیگے بالوں میں ہاتھ پھیرتا..... وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"بنالی ہے لسٹ۔"

"ہاں جی.....!" اس نے کاغذ شاہزل کو تھمایا۔

"یہ کیا ہے.....؟" اس نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ سب بے حد ضروری اشیاء ہیں۔ اس لیے لکھی ہیں....." اریج نے وضاحت کی۔

"اوکے....." اسے جیسے اس پر ترس آ گیا۔ خاموشی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سامنے ہک پر لگا تالا اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا پھر تالا لگانے کی آواز آئی اور وہ جیسے کسی پاتال میں جاگری۔

"شاہزل یہ سب کیوں کررہا ہے..... کس لیے..... کیا وہ شکی آدمی ہے۔ اسے اپنی بیوی اپنی زندگی کی ساتھی پر بھروسہ نہیں..... یہ رشتہ تو اعتبار اور اعتماد کا متقاضی ہے۔ اعتبار نہیں، یقین نہیں تو پھر رشتہ کیسا..... اس نے کہیں پڑھا تھا۔ "انسان دوسروں کو اپنے آئینے میں دیکھتا ہے۔" اور آج یہ بات سچ ثابت ہوگئی تھی۔ اس نے خود دھوکا دیا تھا اس کے دل میں چور تھا اور یہی چور اس کے اندر شک کے بیج بورہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

اریج بھی اسی کی طرح کہیں دھوکے باز نہ ہو۔

اس کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''غلط اندازہ ہے تمہارا شاہزل حسن...... اریج علی اتنی بھی کمزور نہیں......''

باتھ روم اور بیڈروم کی حالت زار درست کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں کڑھ بھی رہی تھی اور خود کلامی بھی کیے جارہی تھی۔ آخر میں کچن کی باری آئی۔ سارے کیبنٹس خالی کرکے اس نے کچن کے شیلفس اور فرش کو خوب رگڑ رگڑ کر دھویا تھا چولہے کو اچھی طرح دھو کر چمکالیا تھا۔ کمر جیسے تختہ ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر بیڈ پر سیدھی لیٹی اور پتہ نہیں ساری رات کی طویل بے آرامی اور بے خوابی تھی یا صبح سے اب تک کی جانے والی مشقت کی تھکاوٹ تھی کہ وہ لیٹتے ہی بے سدھ سوگئی۔ بہت دیر بعد کمرے میں ہونے والی کھٹ پٹ سے اس کی آنکھ کھلی۔ شاہزل آچکا تھا۔ سامنے ہی اس کی لسٹ کے مطابق لائے گئے سامان کا ڈھیر رکھا تھا۔ کچھ انجانی سی خوشی سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کچھ برتن تھے باتھ روم کی بالٹی ٹب دونوں کمروں کے پردے ایک نئی بیڈ شیٹ اور کمبل' مصالحوں کے ڈبے اور راشن کے دو بڑے شاپر ایک شاپر سے چکن اور کچھ سبزیاں بھی جھانکتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''اٹھ گئی ہو تو ذرا جلدی سے کھانے کو کچھ پکالو۔ صبح کے دو سلائس پر اتنی دیر سے خوار ہو رہا ہوں۔'' شاہزل بیڈ پر پاؤں پسارتے ہوئے بہت عام سے انداز میں گویا ہوا تو وہ جلدی سے دوپٹہ سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پتہ نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔ بہرحال میں جلدی سے یہ سب سمیٹتی ہوں اور کھانا پکاتی ہوں۔'' وہ جانے لگی۔

''آئندہ سے کوڑا کرکٹ ایک شاپر میں ڈال کر دروازے کے پاس رکھ دیا کرنا صبح جاتے ہوئے میں باہر ڈسٹ بن میں ڈال جایا کروں گا۔'' وہ جیسے اسے ایک بار پھر یاددہانی کروا رہا تھا کہ اس کی حد دروازے سے اس طرف تک ہے۔

''جی بہتر......'' اس نے سر جھکائے جھکائے کہا اور خاموشی سے سامان سمیٹنے لگی۔ ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنے کے بعد جب اس نے تفصیلی نگاہ سے جائزہ لیا تو گھر کل کے مقابلے میں آج خاصا بدلا ہوا بہتر اور پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ کچن میں آکر تمام راشن ڈبوں میں رکھے تو کچن بھی خاصا ڈھنگ کا دکھائی دینے لگا۔ اس نے جلدی جلدی چکن پلاؤ تیار کیا اور رائتہ بنا کر جب کھانا اس کے سامنے سرو کیا تو اس کی نگاہوں میں مخصوص نرمی کا تاثر ابھر کر معدوم ہوگیا۔

''تمہارا دل پتھر ہے شاہزل حسن...... اس سے کوئی توقع نہیں رکھوں گی' ہاں مگر میرا یقین کرلو یہ پتھر ایک دن ضرور پگھلے گا...... بس دعا ہے کہ وہ دن اتنی دیر سے نہ آئے کہ جب امیدیں ختم ہوچکی ہوں۔ توقعات گرد آلود ہوچکی ہوں اور دلوں پر کائی جم چکی ہو۔''

دو ماہ گزر گئے ان دو ماہ میں شاہزل ایک بار بھی اسے کہیں نہیں لے کر گیا۔ انہی دنوں ایک اور قیامت اس پر ٹوٹی تھی۔ اس کا تمام جہیز کا سامان بک چکا تھا اور رقم شاہزل کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوچکی تھی۔ سیل فون شاہزل نے الماری میں رکھ کر لاک لگادیا تھا۔ صرف پندرہ دن بعد ایک بار امی' بابا سے اس کی بات کروائی تھی اس نے...... اور اس میں بھی ساتھ ہی بیٹھا رہا تھا۔ دل کی تو کوئی بات بھی نہیں کرپائی تھی' وہاں کھوکھلی ہنسی کے دوران اپنے فرضی ہنی مون ٹرپ کی داستان ضرور سنائی تھی سب کو کہ بہت خوش ہے وہ...... شاہزل کی ہمراہی میں زندگی کے تمام خوب صورت رنگوں سے متعارف ہورہی تھی وہ...... اور ایسی ہی کچھ باتیں کرکے اس نے کال اینڈ کردی تھی۔ شاہزل ایک بے انتہا خود غرض اور مادیت پرست انسان تھا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ بدنصیبی سے ایسی جگہ پھنس گئی ہے جہاں سے نکلنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ غربت میں اپنی زندگی گزارنے والے شاہزل کے لیے وہ سونے کی چڑیا ثابت ہوئی تھی۔ لاکھوں کا جہیز اور زیورات کس بے دردی سے اس نے فروخت کردیے تھے۔ اس کی اجازت یا مرضی تک معلوم کرنے کی زحمت نہ کی تھی۔ شاید اریج سے شادی کے پیچھے واحد مقصد بھی یہی تھا۔ اب یہ اریج کی بدقسمتی تھی کہ اس کی نظر انتخاب اس پر ٹھہری تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے لیے ایک ایسی لڑکی کا انتخاب کیا تھا جو مالی لحاظ سے تو مستحکم تھی مگر عدم تحفظ کا شکار بھی تھی۔ بھائی اس کا نہیں تھا' والد بزرگ آدمی تھے۔ کون اس کی خبر گیری کرسکتا تھا اور اب اسے ہر طرح کی من مانی کرنے سے روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا اور یہ فلیٹ...... کہنے کو گھر...... گھر جو سکون اور آرام کی آماجگاہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے لیے کسی کھٹن زدہ زندان سے کم نہیں تھا۔ اس گھر کے دونوں کمروں میں کھڑکیاں تو تھیں مگر پوری طرح سیل تھیں۔ کھڑکیوں کے پٹ بند کرکے ان پر لوہے کی چوڑی پتریاں اس طرح فٹ کردی گئی تھیں کہ کھڑکیوں کے پٹ نہیں کھلتے تھے۔ صرف بیڈروم کی ایک

کھڑکی کا پٹ کھلتا تھا جسے شاہزل باہر جانے سے پہلے لاک کرنا نہیں بھولتا تھا۔ پورے فلیٹ میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں تھی جو تنہائی میں اس کا دل بہلا سکتی۔ شاہزل صبح آٹھ بجے کا گیا رات گیارہ بجے واپس لوٹتا تھا۔ جانے سے پہلے صرف سبزی وغیرہ خرید کر دے جاتا تھا۔ ایک دو گھنٹے کے اندر وہ گھر کا سارا کام ختم کر کے پھر سارا دن خاموش دیواروں کو دیکھتی رہتی۔ کبھی کبھی جب بہت دل بھر جاتا تو خوب دل کھول کر اونچا اونچا روتی تھی...... مگر ان گونگی دیواروں کے سوا کوئی نہیں تھا جو اس کی فریاد سنتا کوئی نہیں تھا جو تسلی کے دو بول بولتا آنسو بہانے کی درد بھلانے کو اپنا کندھا پیش کرتا۔ خود ہی روتی اور جب رو رو کر آنسو سوکھ جاتے تو خاموش ہو بیٹھتی۔ دن بدن اس کی ذہنی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔

ان حالات میں مزید ابتری اس وقت ہوئی جب شاہزل نے چھوٹی چھوٹی بات پر مار پیٹ شروع کردی۔ یقیناً اب اریج کا وجود اس کے لیے کچھ خاص اہم نہیں رہا تھا۔ اس سے جس قدر حظ اٹھا سکتا تھا...... وہ اٹھا چکا تھا۔ مالی اعتبار سے بھی وہ اسے جس قدر فائدہ پہنچا سکتی تھی وہ...... وہ فائدہ پا چکا تھا۔ سو اب معمولی معمولی بات پر مارنا پیٹنا اور گالم گلوچ کرنا اس نے معمول بنا لیا تھا۔ اریج جیسی تعلیم یافتہ لڑکی جو صابر اور قانع بھی تھی...... صبر وضبط کھونے لگی تھی۔

نماز پڑھتے پڑھتے کتنی ہی بار بھول جاتی کہ کہاں تھی۔ کیا پڑھ رہی تھی۔

اب تک اپنی اتنی بے قدری اور بے وقعتی نے اس کے حواسوں پر کاری ضرب لگائی تھی۔ شادی کو تیسرا مہینہ شروع ہوگیا۔ اس نے امی ابا نیرج کی آواز تک نہیں سنی تھی۔ درد کی شدت سے اندر ہی اندر دل جل کر راکھ ہو جاتا تھا...... مگر کوئی سبیل نہ تھی اپنے پیاروں تک پہنچنے کی اپنی آہ کو ان تک پہنچانے کی...... شہر کا شہر ہی جیسے دشمن تھا۔ کتنا پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی وہ مگر...... کوئی نہ تھا جو اس کی مدد کو آتا۔ یوں جیسے یہاں سب مردے بستے تھے بے حس بے حمیت بے جان لاشے......

اس دن تو حد ہی ہوگئی...... شاہزل کو چائے پکڑاتے ہوئے تھوڑی سی چائے چھلک کر اس کے ہاتھ پر کیا گر گئی ایک قیامت ہی آگئی۔ اس نے وہی کپ اس کے چہرے کی جانب اچھال دیا۔ گرم گرم چائے اریج کے چہرے کے کافی حصے کو جھلسا گیا تھا۔ اس کے حلق سے دل خراش چیخ بلند ہوئی اور وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ شاہزل نے اسی پر بس نہیں کیا تھا۔ میز پر رکھا ایش ٹرے پیپر ویٹ جانے کیا کیا کچھ اٹھا اٹھا کر اس کی جانب پٹختا رہا۔ مغلظات کا ایک طوفان تھا جو اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔ کافی دیر بکتا جھکتا اسے ٹھوکر مارتا وہ باہر نکل گیا۔ اور اریج...... وہ بے جان بھربھری دیوار کی مانند وہیں ڈھیر ہوگئی تھی۔

"اختیار کس طرح ایک انسان کے اندر فرعونیت پیدا کر دیتا ہے۔ کیسے وہ بھول جاتا ہے وہ خدا نہیں ایک انسان ہے...... رب تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق جسے اس نے احسن تقویم تو کیا ہے مگر جس کی حیثیت ایک چیونٹی اور رینگنے والے کیڑے سے زیادہ نہیں...... اس کی طاقت کے سامنے وہ بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنی ایک عورت...... ایک کمزور عورت جس پر مرد کو ہر رشتے میں بالادست بنایا گیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس کی تحقیر کرے...... اس لیے کہ وہ اس کمزور مخلوق کا آسرا بن جائے چھپر چھایا بن کر اس کے سر پر سائبان کی طرح تن جائے احساس تحفظ دے اس کے درد بانٹے اسے تنہائی کا احساس نہ ہونے دے اسے تنہائی کے درد سے بچائے...... پل پل اس کی خبر گیری اور حفاظت کرے۔ کسی خزانے کی طرح سینت سینت کر رکھے...... مگر کیا ہوتا ہے یہ بالادستی کسی سریے کی طرح اس کی گردن میں فٹ ہو جاتی ہے وہ اس قدر تن جاتا ہے کہ نظر جھکا کر دیکھ نہیں پاتا کہ آخر کوئی ایسا بھی ہے جو اس کی توجہ کا طالب ہے کوئی ہے جسے اس کے دو محبت بھرے بولوں کی حاجت ہے۔ اسی خدائی دعوے میں وہ بنت حوا کی توہین پر توہین کیے جاتا ہے۔"

آج اریج کے صبر کی طنابیں چھوٹ گئی تھیں۔ روتے روتے وہ جیسے حواس بھی کھونے لگی تھی۔ ماتھے پر چپچپاہٹ محسوس ہوئی ہاتھ لگا کر دیکھا تو خون بہہ رہا تھا۔ شاید کوئی چیز زیادہ وزنی تھی جس سے ماتھے پر گہری چوٹ آگئی۔ کئی ساعتوں تک اسی حالت میں رہنے کے باوجود وہ بہت ہمت کر کے اٹھی درد سے چور چور وجود اور جلتے ہوئے چہرے کے ساتھ باتھ روم جانے کے لیے مڑی تو نگاہ سیدھا کھڑکی کے پٹ پر جا پڑی۔ پٹ کھلا ہوا تھا۔ شاہزل اسے بند کرنا بھول گیا تھا۔ زندان میں روزن کھل گیا تھا۔ وہ بے تابی سے آگے بڑھی۔ مگر وہ جگہ اتنی تنگ تھی کہ وہ اس سے باہر بالکونی میں نہیں جا سکتی تھی۔ پانچویں منزل سے نیچے کا منظر واضح نظر آ رہا تھا۔ کچھ بچے نیچے کرکٹ کھیل رہے تھے...... اس نے آواز دی۔

''دیکھو...... میری بات سنو......'' مگر اس کی زخمی آواز ان کی سماعتوں تک نہیں پہنچ پائی۔
''میری مدد کرو...... اللہ کے لیے۔'' اس نے جلدی سے ایک کاغذ پر لکھا اور ٹوٹے ہوئے ایش ٹرے کے ایک ٹکڑے کے ساتھ اسے باندھ کر پوری طاقت سے باہر کی طرف اچھال دیا۔ وہ ٹکڑا ایک بچے کے پاؤں کے پاس جا گرا۔ اس نے اسے اٹھاتے ہوئے اوپر کی طرف نظر اٹھائی تو اریج نے بے قراری سے ہاتھ ہلایا۔ بچے نے کاغذ کھول کر پڑھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی دکھایا۔ اس کے بعد وہ سب وہاں سے چلے گئے۔
اریج کا دل جیسے حلق میں دھڑکنے لگا۔ جلدی جلدی اپنے بال سمیٹ کر اس نے دوپٹہ اچھی طرح اپنے گرد سمیٹا' کان باہر سے آنے والی آہٹوں پر لگا دیئے۔ عین ممکن تھا کہ کوئی اس کی مدد کو آ جاتا' پندرہ منٹ گزر گئے اور پھر بیرونی دروازے پر کھٹ پٹ کی آواز آئی۔
''شاہزل تو نہیں آ گیا......'' اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔
''اے خدائے بزرگ و برتر...... میری مدد فرما...... اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھ پر کرم کر دے تو جانتا ہے میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی' صبر اور برداشت جس حد تک ممکن تھی کیا...... مگر تیرے پیارے ہی تو کہتے ہیں کہ خاموشی سے ظلم سہنے والا بھی ظالم کا ساتھ دینے والا ہوتا ہے۔ خدایا میں تھک گئی ہوں...... بہت کمزور اور ناتواں ہوں' ایسا نہ ہو تیری بھیجی آزمائش پر کھری نہ اتر سکوں' میرے مالک' مجھے اپنی نظر کرم سے سرخرو کر دے مجھے اس عقوبت خانے سے نجات دے دے میرے اللہ'' اس کا رواں رواں دعا گو تھا' آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔
زوردار کھٹکا ہوا اور بیرونی دروازہ ایک دھماکے سے پوری طرح کھل گیا۔ دروازے پر کھڑے چند نفوس نے اس کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی تھی۔ تین بچوں کے ہمراہ ایک خاتون اور دو آدمی کھڑے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''آپ...... آپ پلیز اندر آ جائیں۔'' اس کی آواز ایک انجانے خوف سے کانپ رہی تھی۔
''میرا خیال ہے ہمیں یہاں بلانے کی بجائے اگر آپ ہم پر بھروسہ کریں تو مہربانی کر کے ہمارے ساتھ چلیں۔'' خاتون نے بہت شائستہ لہجے میں کہا تو اسے بھی وقت کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ یقینی سی بات تھی کسی پل بھی شاہزل کی آمد متوقع تھی اور اگر ان لوگوں کی موجودگی کے دوران ہی وہ آ بھی جاتا تو لازمی سی بات تھی کہ ان سب کو ذلیل کر کے گھر سے نکال دینے کے بعد اس نے اریج کی بھی کھال اتار دینی تھی کہ آخر کس طرح اس نے ان اجنبی لوگوں کو اپروچ کیا تھا۔ وہ جلدی سے بیڈروم کی طرف بھاگی' الماری سے چادر نکال کر خود کو بہت اچھی طرح لپیٹا' سفری بیگ میں دو چار کپڑے اور ضروری اشیاء رکھیں' کچھ پیسے جو شاہزل کے علم میں لائے بغیر اس نے سنبھال رکھے تھے وہ لیے اور تیزی سے باہر آ گئی۔ ان سب کے ساتھ جاتے ہوئے فلیٹ کے دروازے کو بند کرنا وہ نہیں بھولی تھی۔ محض تین مہینے کے اس عرصے میں اس پر کیا کیا نہ بیتی تھی۔ اب تک اسے یقین نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ اس کے چنگل سے آزاد ہو گئی ہے۔ وہ خاتون سیکنڈ فلور پر رہتی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے گھر پہنچ کر جیسے اس نے سکھ کا سانس لیا۔
''مجھے رضوان نے یہ کاغذ لا کر دیا تھا جس پر آپ نے مدد کی درخواست کی ہے۔ آج کل زمانہ بہت خراب ہو گیا ہے' رضوان کے چاچو اور پاپا نے تو سختی سے منع کیا کہ کوئی ضرورت نہیں اس کاغذ پر دھیان دینے کی۔ اللہ جانے کیا معاملہ ہو' لیکن میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ یوں ان الفاظ کو نظر انداز کر دیتی' اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بتائیں کہ آخر کیا مسئلہ ہے۔'' وہ خاتون اسے قریب بیٹھی اسے مخاطب کر رہی تھیں اور وہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ انہوں نے اس کا کندھا ہلایا۔
''آپ کہاں سے آئی ہیں...... والدین کہاں رہتے ہیں آپ کے؟'' انہوں نے پھر اس سے پوچھا تو اریج نے مختصر الفاظ میں سب کہہ سنایا۔ سرعت سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ خاتون بہت تاسف سے اس کی روداد سنتی رہیں۔
''اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ لوگوں کو بالکل ہی اللہ بھول گیا ہے کسی کی بہن بیٹی کی زندگی سے کھیلنا...... چند پیسوں اور آسائشات کے لیے کسی کی پوری زندگی کو تباہ کر دینا ایک مذاق بن گیا ہو لوگوں کے لیے۔ دیکھو تم میری بہن کی طرح ہو' تمہیں اس جنگلی سے بچانا ایک مسلمان اور ایک عورت ہونے کے ناطے میرا فرض ہے' تم صرف یہ بتا دو کہ اب تم نے کیا سوچا ہے۔ ہم ہر ممکن تمہارا ساتھ دینے کی کوشش کریں گے۔'' اریج کو اس خاتون کے الفاظ نے انجانا حوصلہ دیا تھا۔
''میں اپنے امی بابا کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ آپ پلیز

مجھے لاہور بھجوا دیں کسی بھی طرح......" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے...... لیکن کیا ایسا ممکن ہے کہ تم ایک دو دن یہاں...... میرا مطلب ہے میرے گھر رہو...... وہ تمہیں گھر میں نہ پا کر یقیناً بسوں کے اڈے یا پھر ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگے گا۔ عین ممکن ہے تمہارا تعاقب بھی کرے...... تم دو دن یہاں رہو جب وہ ہر طرف سے مکمل مایوس ہو جائے گا تو ہم تمہیں یہاں سے گاڑی میں سوار کرادیں گے...... اگر چاہو تو تم اپنے والدین کو فون پر اطلاع دے دو...... بلکہ مناسب ہے کہ ان کو بتادو وہ سب سے پہلے تمہارے والدین کو ہی پریشان کرنے کی کوشش کرے گا تمہاری خاموشی یقینی طور پر شکوک وشبہات پیدا کرے گی۔" وہ خاتون بالکل درست کہہ رہی تھیں۔ شاہزل سے کچھ بعید نہیں تھا کہ خود کو بری الذمہ قرار دینے کے لیے وہ اس پر کسی طرح کا الزام لگانے اور کیچڑ اچھالنے سے بھی گریز نہ کرتا...... ان تین ماہ میں وہ بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی اسے۔

"میں ذرا کچن دیکھ لوں...... یہ فون سیٹ رکھا ہے تم اطمینان سے اپنے امی ابو سے بات کرلو...... اور ڈرو مت یہاں تمہارا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" وہ اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اس نے سنا تھا جب اندھیرا بڑھ جائے تو سمجھو کہ سحر قریب ہے۔ رب پاک کسی پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ خاتون اور ان کے گھر والے اس کے لیے رحمت کے فرشتے ثابت ہورہے تھے ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ اس کی تکلیف کے خاتمے کا بھی وقت اور دن مقرر تھا۔ سو شاہزل کھڑکی کا پٹ بند کرنا بھول گیا تھا۔ اس کا لکھا ہوا نوٹ ایک بچے کے ہاتھ سے ذمہ دار لوگوں تک پہنچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقوبت گاہ سے اس کے نکلنے کا انتظام کردیا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ بیل جارہی تھی اور بیل کے ساتھ اس کا دل بے چین ہوا جاتا۔ چوتھی بیل پر کال ریسیو ہوگئی تھی۔ دوسری طرف امی تھیں۔

"امی......" اس کے لبوں سے سسکتا ہوا یہ لفظ دوسری طرف موجود ماں کے کلیجے پر کسی انی کی طرح لگا تھا۔

"ایرج...... ایرج میری بچی...... تو کہاں ہے چندا...... کیوں خاموش ہے...... بول نا میری بچی......" امی بھی سسک پڑی تھیں۔

"امی...... امی...... کچھ نہیں کہہ سکتی...... بس میں آپ کے پاس آرہی ہوں امی...... میں آجاؤں ناں آپ کے پاس......" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں میرا بچہ...... مت پوچھ...... بس آجا میری جان...... ہر گزرنے والا لمحہ اب بہت سخت ہے...... بہت دن سے میرا دل بہت بے چین تھا کسی انہونی کے ہونے کا خیال سے اور ہر بار جھٹک دیتی تھی۔"

"امی...... امی ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا امی...... شاہزل وہ نہیں تھا جو نظر آتا تھا امی...... اس نے سارا سامان سب زیور بیچ دیا۔ اس نے جو کچھ بتایا سب جھوٹ تھا...... یہاں تک کہ اس کے ماں باپ بھی...... اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ماں باپ مرچکے ہیں۔" وہ بلک بلک کر بتارہی تھی۔

"تمہارے پاپا کچھ دن پہلے گئے تھے تمہارے گھر تالا لگا ہوا تھا۔ تمہارا اور شاہزل کا نمبر بھی بند تھا...... کسی سے کیا پوچھتے کس طرح رابطہ کرتے...... بس دل پہ پتھر رکھے دن سے رات کیے جارہے تھے میری بچی...... تم آجاؤ...... ابھی کہاں ہو...... کہاں سے فون کررہی ہو......" امی بے تابی سے بولیں تو اس نے مختصر الفاظ میں آج کا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ امی دل پر ہاتھ رکھے اپنے وجود کے سب سے پیارے ٹکڑے کے بکھر جانے کی داستان سنتی رہیں۔ ایرج کے خاموش ہونے پر ریسیور سے ممتا کی سسکیاں ابھریں۔

"بس میرا بچہ...... تم آجاؤ۔"

مزید کچھ باتیں کرنے کے بعد ایرج نے جب فون بند کیا تو بہت حد تک دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا تھا...... وہ خاتون جن کا نام شاہین تھا۔ وہ اسے گیسٹ روم میں لے آئیں۔

"تم کچھ دیر آرام کرلو رضوان کے پاپا کے آجانے پر اس مسئلے کا حل نکالتے ہیں۔" اسے چھوڑ کر وہ باہر چلی گئیں۔

"پتہ نہیں...... یہ لوگ کیسے ہیں...... کون ہیں؟ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کے مصداق میں کہیں کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔" اس کی نگاہوں کے سامنے کئی اخباری تراشے اور ٹی وی چینلز کے پروگرام گھومنے لگے آج کل کسی پر بھروسہ کرنا کہاں تک ٹھیک رہا تھا...... جب گھر سے ہی بے اعتباری ملے...... بھروسہ توڑنے والے اپنے قریبی ہی ہوں تو پھر کسی پر بھی یقین کرنا ممکن نہیں رہتا...... وہ بھی بے چین دل کے اندر

بے تحاشا بے اعتباری چھپائے بظاہر خاموش بیٹھی آنے والے وقت کا انتظار کررہی تھی۔ شام کے سائے پھیلنے لگے۔

"پتہ نہیں شاہزل آ گیا ہوگا یا نہیں۔" سوچ کے سانپ نے جیسے اس کے ذہن کو ڈسا۔ "مجھے نہ پا کر کیا کرے گا وہ۔" جانتی تھی غصے سے اس کا تنفس جلنے لگے گا۔ خوب توڑ پھوڑ کرے گا زخمی ناگ کی طرح پھنکارے گا۔ شاید اس عمارت کے دیگر رہائشیوں سے اس کی بابت سوال جواب بھی کرے۔ ابھی تک اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ باہر ہونے والی چہل پہل سے اندازہ ہورہا تھا کہ گھر کے مکین آ چکے ہیں۔ بچوں کی ہنسی اور بھاگ دوڑ کی آوازوں کے ساتھ مردانہ آوازوں کی آمیزش بخوبی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ تبھی شاہین نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"اریج...... مناسب خیال کرو تو باہر آ جاؤ۔ رضوان کے پاپا آ گئے ہیں۔ وہ کچھ بات کرنا چاہتے ہیں تم سے۔" اس نے چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا اور خاموشی سے باہر آ گئی۔ سامنے لاؤنج میں صوفے پر دو مرد حضرات براجمان تھے جن میں بڑی عمر والے غالباً رضوان کے پاپا تھے اور ان سے قدرے کم عمر والے یقیناً چاچو ہوں گے۔ وہ شاہین کے ہمراہ دوسرے صوفے پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"دیکھیے بہن...... دن کے وقت آپ کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ آپ سے کوئی سوال و جواب کیے جاتے' سو ہم لوگ اپنے اپنے کاموں پر روانہ ہوگئے۔ ہمیں یقین ہے کہ اب تک گھر کے ماحول اور شاہین کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد آپ مکمل نہ سہی تو کچھ حد تک مطمئن ضرور ہوگئی ہوں گی اب براہ کرم آپ ہمیں تفصیل سے بتایئے کہ یہ سارا قصہ کیا ہے تاکہ ہم آپ کی مدد کر پائیں۔" شاہین ہی کی طرح ان کے شوہر نامدار (جن کا نام بعد میں پتہ چلا کہ فرقان تھا) بھی خاصے مہذب اور سلجھے ہوئے تھے ان کے بات کرنے کے انداز سے حوصلہ پا کر آہستہ آہستہ اریج نے اپنی شادی سے لے کر اب تک کی تمام کہانی سنائی دی۔

"آپ کے امی' ابا نے اس شخص کی چھان بین کیوں نہیں کروائی۔"

"میرا بھائی نہیں ہے۔ بابا ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ بہت زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرسکتے...... بس ان لوگوں کی زبان پر یقین کرلیا' سب نے...... جن دو افراد کو شاہزل اپنے والدین کے طور پر ساتھ لائے تھے' وہ اتنے پڑھے لکھے' مہذب اور سلجھے ہوئے تھے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ سب جو کچھ کہہ رہے ہیں جھوٹ ہے۔"

"بہن جی...... آج کل کی دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں رہا...... کسی وقت بھی کچھ بھی ممکن ہے' چلیں بہرحال ان سب باتوں سے قطع نظر آپ کیا چاہتی ہیں کیا اس بندے کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی جائے۔ چار آٹھ لتر پڑوائے جائیں۔ سب کچھ جو ہڑپ کر چکا ہے اس سے وہ بھی تو نکلوانا ہے ناں۔"

"نہیں بھائی...... مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ میں اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی وہ بے ضمیر ہے میں نہیں' بس مجھے اپنے ممی بابا کے گھر جانا ہے۔"

"دیکھیے اریج بہن...... اگر آپ اسے اس کے کیے کی سزا نہیں دلوائیں گی تو یقینی اس کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اس طرح کے مرد ایک آدھ کیس کے بعد رکتے نہیں ہیں۔ مفت کا مال بٹورنے کے لیے شکار پھانستے رہتے ہیں۔ آپ جیسی کوئی اور بہن پھر اس کے چنگل میں پھنس سکتی ہے۔"

"آپ کی سب باتیں درست ہیں فرقان...... مگر میرا خیال ہے اریج فی الحال ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ ضروری اس کی سکیورٹی ہے۔ اس کا اپنے والدین کے گھر پہنچ جانا سب سے اہم ہے۔ باقی کے معاملات کو بعد میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔" شاہین نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔ اریج نے ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے جس طرح آپ لوگ کہیں...... اریج بہن آپ نے اپنے گھر والوں کو مطلع تو کردیا ہے ناں۔" فرقان صاحب اس کی طرف پلٹے۔

"جی......"

"یہ بہت اچھا کیا آپ نے...... اب کم از کم ان مسٹر کی ادھر دال نہیں گلے گی۔"

"آپ اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر دو دن یہیں قیام کیجیے' حالات سازگار ہوتے ہی ہم آپ کو آپ کے گھر پہنچانے کا بندوبست کردیں گے۔" فرقان صاحب نے نہایت تسلی آمیز الفاظ میں کہا۔ "اور علی تم ذرا اوپر کے فلیٹ کا دھیان رکھنا' ایک دو بار ذرا جا کر دیکھ لینا سن گن لینا بہت ضروری ہے۔" آخری بات انہوں نے اپنے بھائی سے کی اور بیڈ روم کی طرف بڑھ گئے۔

اگلے دو دنوں میں وہ اسی گھر میں پناہ گزیر رہی تھی۔ شاہزل

رات گئے گھر واپس آیا تھا۔ یقیناً اس کے اندر کے بزدل انسان نے اسے بہت اچھی طرح سمجھا دیا ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں آجانے والا بے بس شکار نکل بھاگا ہے۔ اندر ہی اندر بہت زیادہ تلملانے کے باوجود اس نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی کہ شور اور واؤویلا اس کے اپنے جرم پر سے پردہ اٹھا دے گا۔ گمنام ہوجانے میں ہی بہتری تھی۔ دو دن مزید گزارنے کے بعد جب شاہزل کی واپسی کی امید نہیں رہی تو فرقان صاحب اور علی حیدر نے اسے بذریعہ بس لاہور روانہ کردیا۔ اسے ایک عربی برقع مہیا کیا گیا تھا اور شاہین کے پرانے کپڑے اور جوتے دے دیئے گئے تھے۔ کپڑوں کا بیگ بھی احتیاطاً تبدیل کردیا گیا تھا۔ اس حالت میں شاہزل اسے مرکر بھی نہ پہچان سکتا تھا۔ زندگی میں اس نے ایسے کسمپرسی کے دن نہیں دیکھے تھے صرف خدائے بزرگ و برتر کی ذات تھی جس کے آسرے پر وہ اتنے بڑے کرائسس سے نکلی تھی۔ ان تین ماہ کی شدید اذیت کے نشان اس کے وجود پر تھے۔ فرقان صاحب اور شاہین نے حقیقی معنوں میں یہ ثابت کیا تھا کہ بے شک آج انسان کی خود غرضی کی وجہ سے انسانیت شرمسار اور سرنگوں ہے مگر اب بھی کہیں کہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر چلنے والے انسانیت بچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ ہیں کچھ انسان جو واقعی انسان کہلانے کے حق دار ہیں انہوں نے جتنے دن اسے اپنے پاس رکھا ایک پل کو احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اجنبی یا حالات کی ماری ہوئی ہے۔ مجبور اور بے کس ہے اور جب اسے رخصت کرنے آئے تھے تو فرقان صاحب نے لاہور کا ٹکٹ خرید کردینے کے بعد بہت چپکے سے دو ہزار اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے تھے۔ ایرج کے بے حد ممنون و مشکور انداز پر انہوں نے صرف اتنا کہا تھا۔

"میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ ایک بھائی ہونے کا فرض ادا کیا ہے۔ شاید اسی کے بدلے رب پاک میری بہنوں کو سکھ عطا کردے۔ رب پاک مجھے معاف فرمادے...... اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔" اسے پانی کی بوتل اور کھانے پینے کی کچھ اشیاء دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر تیزی سے گاڑی سے اتر گئے تھے۔ ایرج کی آنکھیں دھندلائی ہوئی تھیں پھر بھی اسے ان کی آنکھوں میں پھیلتی نمی نظر آگئی تھی۔ تمام راستہ وہ بہت سمٹی ہوئی اپنی سیٹ پر بیٹھی رہی تھی۔ حتی الامکان اس نے کوشش کی تھی کہ نقاب نہ اٹھائے۔ ساتھ بیٹھی خاتون سے بھی اس نے احتیاطاً بات چیت نہیں کی تھی۔ اس خاتون کے دو چار سوالات کے بس ہوں ہاں میں جواب دے کر اس نے اپنی ساری توجہ کھڑکی سے باہر مرکوز کردی تھی جس پر ساتھی خاتون بھی خاصی بدمزہ ہوکر دوسری طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

سولہ سے اٹھارہ گھنٹوں کے اس تھکا دینے والے سفر نے صرف اس کے قویٰ ہی مضمحل نہیں کیے تھے بلکہ روحانی طور پر بھی وہ بے حد دکھ اور کرب سے گزرتی رہی تھی۔ گاڑی جانے پہچانے راستوں پر آئی تو جیسے اس میں بھی زندگی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ تین ماہ پہلے اس شہر کی فضا میں وہ کسی تتلی کی مانند آزاد اور بے فکر اڑتی پھرتی تھی۔ آزادی کے سانس لیتی تھی۔ فضا میں اس کی ہنسی کے جلترنگ بجتے تھے اس کے آنچل کے رنگ بکھرتے تھے...... پھر وہ لمحہ سیاہ آگیا کہ اس کے حقوق شاہزل کے نام لکھے گئے۔ نوشتہ تقدیر نے اس کے مقدر پر اذیت کی مہر ثبت کی اور وہ بھی جیسے مشیت ایزدی کا حکم سمجھ کر مانتی چلی گئی۔ کسی جگہ گردن اٹھا کر انکار یا بغاوت کی جرات نہیں دکھائی۔ مگر اس کی دکھائی گئی عاجزی کو سامنے والے نے اس کی غلامانہ ذہنیت سمجھ کر اس پر حکومت شروع کردی...... صرف حکومت پر ہی کیا موقوف اس نے تو اس کا بے جا استحصال ہی شروع کردیا تھا۔ اس پر زندگی ہی تنگ کرکے رکھ دی تھی۔ راوی کے پل سے گزرتے ہی شاہدرہ ٹاؤن کے جانے پہچانے منظر نے اس میں زندگی بھردی۔

"بھ...... بھائی یہاں آگے ہی روک دیں ذرا...... میں نے اترنا ہے۔" پورے سفر کے دوران وہ پہلی بار بولی تھی۔ کنڈیکٹر نے بھی کچھ حیران ہوکر دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتا کندھے اچکا کر آگے بڑھ گیا۔ اسٹاپ آگیا تھا۔

"اترو باجی...... آپ کا اسٹاپ آگیا۔" اس کا دل دھڑ کا، پرس اور برقع سنبھال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے سیٹوں کے درمیان سے گزرتی بس سے اتر گئی۔ دن کے دس گیارہ بجے کا وقت تھا۔ اسٹاپ پر کچھ خاص رش نہیں تھا۔ کنڈیکٹ اسے اس کا بیگ تھما کر بس کو چلنے کا اشارہ کرچکا تھا۔ اس نے بھی لرزتے قدموں سے اپنے میکے کی مہربان راہوں پر چلنا شروع کردیا۔ جوں جوں گھر قریب آرہا تھا۔ دل کی دھڑکن کی رفتار غیر معمولی ہوتی جارہی تھی۔ قدموں میں لرزش واضح تھی...... کن ارمانوں سے اسے رخصت کیا گیا تھا اور کن اذیتوں کے کانٹوں پر چل کر آج وہ واپس آئی تھی۔ بڑے بزرگوں کا قول ہے ناں،

کہ ماں باپ بیٹی کو تخت تو دے سکتے ہیں' مگر بخت نہیں..... وہ سچ ہی تو تھا۔ تخت تو دیا تھا اس کے ماں باپ نے..... مگر وہ تخت اس کے لیے نہیں تھا..... چار دن کی بادشاہی کا ہار دراصل غلامی کے طوق کو خوش نما شکل دے کر بنایا گیا تھا۔ اس کی راجدھانی بک گئی تھی۔ اس کے ماں باپ کے ارمانوں کو کوڑیوں کے مول بیچ دیا گیا تھا۔ اس کے قدم رک گئے۔ سامنے ہی مانوس نیلے رنگ کا گیٹ ادھ کھلا دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحوں میں ہی بچپن سے لے کر رخصتی تک کے منظر سب ہی ایک لمحے میں نظروں میں گھوم گیا تھا۔ اس نے گیٹ کے اندر پاؤں رکھا' پرس اور بیگ کا وزن جیسے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں کہاں وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی لاؤنج کے دروازے پر آن رکی۔ سب سے پہلی نظر نیرج کی پڑی تھی اس پر۔

"امی.....!" اس کے حلق سے کراہ کی صورت نکلا اور اگلے ہی پل وہ بھاگ کر اریج کو اپنی باہوں میں سمیٹے رو رہی تھی۔ نیرج کی پلکیں بھی تیزی سے بھیگنے لگیں۔

"آپی..... آپی..... یہ کیا حالت ہو گئی آپ کی....." نیرج بلک بلک کر رو رہی تھی۔ امی بھی آ گئیں اور بابا بھی..... اسے گلے لگا کر جی بھر کر روئے تھے۔ وہ دونوں بھی..... اپنی بیٹی کی بربادی پر یہ آنسو نہیں تھے' ان کے کلیجے کا خون تھا جو آنکھوں سے رواں تھا۔ ان دو بیٹیوں کے لیے کیا کیا نہ سوچا تھا انہوں نے..... کیسے کیسے خواب نہ بنے تھے۔ بیٹیاں سمجھ کر نہیں بیٹے سمجھ کر انہیں اعلیٰ تعلیم و تربیت سے نوازا تھا اور آج ان کے کلیجے کے ایک پھول کو نوچ کھسوٹ کر پتی پتی بکھیر دیا گیا تھا۔ اسے تھام کر صوفے تک لا کر بٹھانے کے بعد وہ تینوں اس کے گرد یوں بیٹھ گئے تھے کہ ایک پل کی دیر ہونے پر کہیں وہ آنکھوں سے اوجھل ہی نہ ہو جائے۔

"میری بچی..... کیسا ظالم کیسا شقی تھا..... کیا حال کر دیا اس نے میری پھول سی بچی کا....." امی اسی طرح روئے جا رہی تھیں۔

"نیک بخت..... حوصلہ کرو..... خدا کا شکر ادا کرو۔ ہماری بچی ہم تک پہنچ گئی کوئی ناقابل تلافی نقصان نہیں ہوا..... رب تعالیٰ نے ہماری بچی کو اس ظالم کے چنگل سے بچالیا۔" بابا اس کے سر اپنے شانے سے لگا کر گلوگیر آواز میں بولے تو اس کی روح کراہ اٹھی۔

"بابا..... میرے بھولے بابا..... اور ناقابل تلافی نقصان کیا ہوتا ہے بھلا..... آپ کی بیٹی زندہ ہے نہیں' بس زندہ دکھائی دیتی ہے..... اس کی تو روح تک مردہ ہو گئی۔ اس بے حسی' بے وفتی نے اسے جیتے جی زندہ درگور کر دیا بابا آپ کی وہ ذہین بیٹی جو کبھی آپ کا فخر ہوا کرتی تھی' مر گئی بابا..... اس کی روح نے اس کا جنازہ پڑھ دیا بابا۔" اس کے ہونٹ آپس میں یوں پیوست تھے جیسے کبھی کھلیں گے۔ آنکھیں آبلوں کی طرح پھوٹ پڑی تھیں۔ درد سے ٹوٹا وجود سنبھالنا دوبھر ہو گیا تھا۔

"پ..... پانی....." بہت دقت سے یہ ایک لفظ اس کی زبان سے ادا ہوا۔ نیرج جلدی سے بھاگ کر اس کے لیے پانی لے آئی..... دو گھونٹ بمشکل پانی پیتے ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ تھکن اس طرح اعصاب پر طاری ہوئی کہ اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے یا شاید ایک طویل اعصابی دباؤ اور روحانی اذیت سہنے کے بعد اپنوں کے درمیان پہنچ جانے کے احساس نے اسے بے سدھ کر دیا تھا۔ بابا کے شانے پر سے اس کا سر ڈھلک گیا تھا۔

"میری بچی....." امی کے آنسو تھمنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔

"بس چپ ہو جاؤ..... اس کے سامنے اس طرح رونا بند کر دو۔ میں کہہ رہا ہوں تم دونوں سے جب یہ جاگے تو اسے گھر کے ماحول میں کسی تکلیف دہ بات کا احساس نہ ہونے پائے..... بہت دکھ سہہ چکی ہے میری بیٹی..... بہت بہادر ہے اور جتنی جلد ہم اسے..... اس بوجھ سے آزاد کروا لیں اتنا اچھا ہے۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات۔" بابا رسان سے سمجھا رہے تھے۔ امی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نیرج اپنی آپی کا اب تمہیں پہلے سے زیادہ خیال رکھنا ہوگا۔ ایک چھوٹی بہن کی طرح نہیں ایک اچھی دوست کی طرح۔ اس کا ہر درد بانٹنا ہوگا۔ میرا خیال ہے تھوڑے کو بہت جانو....." بابا نے کہتے ہوئے اریج کو سنبھالا اور نیرج اور امی کی مدد سے اسے اس کے کمرے میں لا کر بیڈ پر لٹا دیا۔ برقع اتار کر ایک طرف رکھا اور اسے کمبل اوڑھا کر وہ تینوں باہر آ گئے۔

جانتے تھے بہت لمبی مسافت طے کر کے آئی تھی ان کی بیٹی۔ ایک بے فیض ہم راہی کا ساتھ ملا تھا اسے..... جس نے صرف اسے بیچ راہ پر اکیلا ہی نہیں کیا تھا بلکہ راہزن کی طرح اس کا زاد راہ بھی لوٹ کر لے گیا تھا۔ خالی ہاتھ خالی دامن کر دیا تھا

اس نے اریج کو..... دن بھر بے سدھ رہی تھی وہ..... شام ڈھلے کہیں جا کر اس کی آنکھ کھلی۔
"آہ....." کروٹ بدلنے کی کوشش میں وہ محض کراہ کر رہ گئی تھی۔ اپنے کمرے کی مانوس فضا نے اسے جلد ہی حواسوں کی دنیا میں لا پھینکا۔ قدرے طمانیت محسوس کرتی وہ اٹھ بیٹھی۔ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر بے ترتیب سا جوڑا گوندھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے آپ پر نگاہ ڈالی۔ شاہین کا دیا ہوا سوٹ ابھی تک اس کے تن پر تھا۔ اس نے اپنی وارڈ روب کھول کر ایک سوٹ نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ نیم گرم پانی کی بہتی پھوار میں اس کے وجود کی تھکن بھی جیسے بہتی چلی گئی۔ نہا کر اس نے کافی اچھا محسوس کیا۔ گیلے بالوں کو کنگھی کر کے کلپ کیا اور دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ کر باہر نکلی تو سامنے ہی کچن میں امی اور نیرج کام میں مصروف دکھائی دیں۔ وہ انہی کی طرف آ گئی۔ امی کی نظر اس پر پڑی۔
"جاگ گئی میری گڑیا۔" امی لپک کر اس کے قریب آئیں اسے گلے سے لگایا۔
"آپی..... سارا دن آپ نے کچھ نہیں کھایا..... بابا بازار سے آپ کا فیورٹ پزا اور چکن سینڈوچ لائے تھے۔ میں نے اوون میں رکھ دیئے تھے۔ گرم کروں۔" نیرج نے بے حد محبت سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔
"نیری..... ایک کپ چائے پلا دو..... بس چائے پینے کو جی چاہ رہا ہے۔" اریج نے کہا تو نیرج نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چائے کا برتن برنر پر رکھ دیا۔ چائے بنا کر ایک کپ اسے تھماتے ہوئے نیرج نے ساتھ ہی پلیٹ میں سینڈوچ بھی رکھ دیئے۔
"آپی..... خالی چائے نہ پئیں ساتھ کچھ کھالیں۔"
"ٹھیک ہے۔" اریج نے مزید کچھ بھی کہنا بہتر نہیں سمجھا چائے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے نوالے لیتے اس نے ایک سینڈوچ کھا ہی لیا۔
"امی کیا پکا رہی ہیں۔"
"مٹر پلاؤ اور فرائی قیمہ..... تمہیں بہت پسند ہے نا..... تمہارے بابا اسپیشلی کہہ کر گئے ہیں کہ میری بیٹی کی پسند کا کھانا پکانا....." امی کے لہجے میں ممتا بھری مٹھاس تھی۔
"بابا کی وہی روٹین ہے..... کچھ بھی تو نہیں بدلا یہاں....." اریج بے خیالی میں کہہ گئی..... "کچھ بدلا ہے تو وہ میں ہوں..... میں وہ نہیں رہی، میری پیاری ماں..... تمہارے آنچل سے دور کیا گئی زخم زخم ہوگئی میں....." اس کا دل تڑپا مگر یہ الفاظ اس نے اپنے اندر ہی گھوٹ لیے ایک پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر رینگ گئی۔ تین ماہ میں وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ اس کی بھی کوئی پسند ناپسند تھی۔ اکثر تو دن کا کھانا گھر میں ہوتا ہی نہیں تھا۔ شاہزل اتنی ہی سبزی دے کر جاتا جس سے ایک وقت کا کھانا پک پاتا اگر وہ دن کو کھالیتی تو رات کے لیے کم بچتا سو وہ اکثر دن کو چائے پی کر گزارہ کر لیتی رات کو دیر گئے جب شاہزل آتا آتے ہوئے روٹی لے کر آتا اس وقت تک بھوک کے مارے آنتوں میں بل پڑ رہے ہوتے ۲۴ گھنٹوں میں صرف دو بار کھانا نصیب ہوتا اور کبھی کبھی وہ بھی پسند کا نہ ہوتا پھر بھی اللہ کا شکر ادا کر کے، وہ روکھا سوکھا کھا لیتی۔ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے..... یہ محبتیں تو خواب ہی ہوگئی تھیں جیسے..... کہنے کو تین ماہ تھے مگر ایک ایک پل سال کے برابر تھا۔ اس کے وجود روح پر ان تین ماہ نے اذیت کے ان مٹ نقوش چھوڑے تھے جو جانے کب معدوم ہونے تھے یا پھر ہونے بھی تھے کہ نہیں..... مزید گہرے ہو کر آبلے بن جانے تھے۔
"اریج..... میری بچی..... کچھ بھی مت سوچو..... بس اب تم ہمارے درمیان ہو..... اپنے رشتوں کے درمیان..... کسی کی مجال نہیں جو ہماری بیٹی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔" امی اس کے چہرے کو اپنے مہربان ہاتھوں میں تھام کر بولیں تو اس نے ماں کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

✿ ✿ ✿

کہا جاتا ہے وقت ہر زخم کا علاج ہے بہترین مرہم ہے تو یہ کچھ غلط بھی نہیں۔ اسے امی بابا کے ہاں آئے ایک ماہ سے زیادہ ہوگیا تھا۔ ایک دو بار شاہین اور فرقان صاحب نے فون کر کے اس کی خیریت دریافت کی تھی اور ساتھ ہی بتایا بھی تھا کہ شاہزل واپس آ گیا تھا۔ منہ اندھیرے گھر سے جانا اور رات گئے لوٹنا اس کا معمول تھا۔ بلڈنگ کے کسی رہائشی سے اس کی سلام دعا نہ تھی۔ جیسے ہی بابا کو پتہ چلا انہوں نے فوری طور پر طلاق کا نوٹس اسے بھیج دیا۔ نوٹس بھیجنے کے پانچویں دن گھر پر اس کی کال آ گئی۔ خوش قسمتی سے بابا گھر پر تھے اور فون انہوں نے ہی اٹھایا تھا۔ اس کی آواز سن کر جوش غیظ سے بابا کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔
"تم نے جو کچھ کیا..... اس کے بعد یہاں فون کرنے کی جرات کا مطلب جانتے ہو۔" انہوں نے ایک ایک لفظ

کو چبا کر ادا کیا۔

”میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ یہ فضول کے ہتھکنڈے استعمال کرنا چھوڑ دیں۔ ایرج میری بیوی ہے اور میں اسے طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔“ دوسری طرف سے انتہائی سرد انداز کے جواب پر بابا کا صبر جواب دے گیا۔

”ایرج کا نام دوبارہ اپنی گندی زبان پر مت لانا...... منصور علی بوڑھا ضرور ہے مگر بے غیرت نہیں۔ تم جیسے بزدل بہت دیکھے ہیں، عورت پر ظلم کر کے مردانگی دکھانے والے کمینے...... تم سے جو بن پڑے کر گزرو...... اور اپنی بچی کو بچانے کے لیے مجھ سے جو ہو سکے گا میں کروں گا...... اور دوبارہ یہاں فون کرنے کی جرات نہ کرنا...... یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔“ بابا نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا...... قریب صوفے پر بیٹھی ایرج کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ خوف جیسے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنا گیا۔ بابا نے اس کی طرف دیکھا تو گھبرا کر جلدی سے آگے بڑھے۔

”ایرج...... ایرج بیٹا...... تم ٹھیک ہو نا۔“ بابا نے اس کے کندھے کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

”بابا...... وہ...... وہ مجھے نہیں چھوڑے گا بابا...... وہ بہت ضدی ہے۔“

”ایرج بیٹا...... مت ڈرو تم نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔ جو یوں خوف زدہ ہو۔ جو کچھ کیا اسی نے کیا ہے، زیادتیاں اسی کی طرف سے ہوئی ہیں میرا بچہ تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ شامل حال ہوگی۔ اس کے تو بڑے بھی گھٹنے ٹیکیں گے میری بیٹی دیکھنا جیت حق کی ہوگی۔“ بابا اس کے سر کو دھیرے دھیرے تھپک رہے تھے۔ ان کے لہجے کی نرمی اور محبت کسی مرہم کی طرح اس کے زخمی ذہن کو سکون دے رہی تھی۔ اس نے بابا کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

”بابا...... کہتے ہیں، انسان خود اپنے نوے فیصد پریشانیوں کا موجب ہوتا ہے۔ انسان اپنی مشکلات میں خود اضافہ کرتا ہے۔ لیکن بابا میں نے تو ہر ممکن سمجھوتے کی کوشش کی پھر شاہزل ہر آنے والے دن پہلے سے زیادہ برا کیوں ہوتا چلا گیا۔ اس نے جس طرح چاہا میں اسی طرح رہی، اس نے جو کھلایا میں نے خاموشی سے کھایا، تین ماہ میں ایک بار بھی وہ نہ مجھے کہیں لے کر گیا نہ ہی میری ضرورت کی کوئی چیز مجھے لا کر دی، میں نے اس سے مانگا بھی نہیں کہ مجھے کچھ چاہیے۔ پھر بھی اس کا رویہ میرے ساتھ برے سے برا ہوتا چلا گیا۔“ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی معصومیت اور درد کا امتزاج ہلکورے لے رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں بابا کی جان کہ میری شہزادی بہت صبر اور حوصلے والی ہے۔ تم نے ہر ممکن نبھانے کی کوشش کی ہوگی۔ مگر شاید قسمت میں یہ امتحان لکھا ہوگا ناں...... یہ تو جانتی ہو ناں میری بچی کہ رب تعالیٰ آزمائشوں میں صرف اپنے پیاروں کو ہی مبتلا کیا کرتا ہے...... اور پھر صبر کا بے حد اجر بھی عطا کرتا ہے۔ یوں ہی سمجھو کہ یہ امتحان اللہ تعالیٰ کی منظوری ہے کہ اس نے تمہیں صابر لوگوں کے گروہ میں شامل کرنے کو چنا اور میں امید کرتا ہوں کہ تم اس امتحان اس آزمائش پر کھری اتری ہوگی۔“ بابا اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولے تو جیسے اس کے دل کو بھی صبر آیا۔ آنکھوں کے نم گوشوں کو آنچل سے صاف کرتی مسکرانے کی کوشش کرتی وہ بابا کو قابل فخر بیٹی لگی تھی۔

”کیا میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ میری بیٹی اب کبھی روئے گی نہیں۔ جو کچھ بھی ہوا اسے ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھلا کر جینے کی بھرپور کوشش کرے گی۔“

”ان شاء اللہ......“

”کیا باتیں ہو رہی ہیں باپ بیٹی میں چپکے چپکے۔“ امی نے انہیں لاؤنج میں محو گفتگو پایا تو ادھر ہی چلی آئیں۔

”کیوں بھئی آپ کو کیوں بتائیں...... یہ ہم باپ بیٹی کی بات ہے۔“

”دس از فاؤل منصور صاحب......“ امی نے مصنوعی ناراضگی سے گھورا۔

”اوہو ایرج بیٹا...... دیکھ لو تمہاری امی جیلس ہو گئیں۔ چچ...... چچ...... سارا دن گھر پر آپ ہی تو ہوتی ہیں جناب عالیہ...... چار لمحے ہم نے اپنی بیٹی سے کیا بات کی آپ جیلس ہو گئیں۔“ بابا شرارت سے مسکراتے ہوئے بولے۔

”ارے نہیں نہیں بھئی ہم جیلس نہیں ہوتے...... خوب باتیں کریں...... ہاں مجھے یہ بتا دیں چائے کس نے پینی ہے تاکہ میں بنا لوں۔“

”امی...... آپ بیٹھیے چائے میں بناتی ہوں۔“ ایرج نے فوراً کہا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ امی نے بابا کی طرف دیکھا تو انہوں نے انہیں کچھ بھی کہنے سے منع کرنے کا اشارہ کیا۔ امی مطمئن ہو کر بیٹھ گئیں۔ ایرج کچن کی طرف چلی آئی۔ امی بابا

بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اسے زندگی کی طرف لانے کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ اسے مصروف رکھا جائے اور وہ دیکھ رہے تھے آہستہ آہستہ اس کی خوداعتمادی بحال ہورہی تھی۔ وہ جو ہلکے سے کھٹکے پر بھی چونک جاتی تھی' دروازے کی ہر دستک اور فون کی ہر بیل پر دہشت سے جس کی معصوم آنکھیں پھٹ پڑتی تھیں' آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگی تھی۔ زندگی کی بھرپور رعنائیاں نہ سہی مگر زندگی محسوس ہونے لگ گئی تھی اس میں...... مگر گھر سے باہر نکلتے ہوئے اب بھی اس کے پاؤں لرزتے تھے......اسے محسوس ہوتا تھا جیسے ہی قدم باہر نکالے گی' کسی موڑ کسی راستے پر شاہزل منتظر کھڑا ہوگا' اسے اذیت کے جہنم میں دھکیلنے کے لیے۔

❀ .... ❀

بابا شاہزل کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ وہ بہت اچھی طرح جانتے تھے' شاہزل جیسے اخلاق سے گرے لوگ اندر سے بہت بزدل ہوتے ہیں۔ وقفے وقفے سے طلاق کے تین نوٹس مل جانے کے بعد وہ عدالت میں پیش ہوا تھا' اور روایتی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ اریج کے شخصی خاکے کے جس حد تک پرخچے اڑا سکتا تھا اس نے اڑائے' اس کے کردار پر جتنا کیچڑ اچھال سکتا تھا' اس نے اچھالا اور جب بابا کے ہائر کیے گئے قابل وکیل کے سامنے اس کی کوئی دلیل نہ چلی تو اس نے اس شرط پر خلع دینے کا عندیہ دیا کہ وہ اریج کو دیا جانے والا جہیز اور زیورات کچھ بھی نہیں دے گا۔

بابا بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ سب کچھ پہلے ہی ہڑپ کرچکا ہے اور چیزوں سے زیورات سے کہیں زیادہ اہم ان کی بیٹی کی زندگی تھی۔ ان سے کوئی سب کچھ لے لیتا اور بدلے میں اریج کا سکھ اور خوشی دے دیتا تو یقیناً انہیں فیصلہ کرنے میں ایک پل بھی نہ لگتا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا' انہوں نے شاہزل کی یہ شرط مان کر اپنی بیٹی کے آزادی کے پروانے پر دستخط کروا لیے تھے اس دن گھر آ کر بابا ٹوٹ سے گئے تھے پورا ایک سال یہ کیس عدالت میں چلتا رہا تھا اور اس سارے عرصے میں کسی مقام پر بھی انہوں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ لیکن آج جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تھے تو گھر آ کر بہت روئے تھے ایک خیال بار بار انہیں اذیت دیئے جارہا تھا۔

کتنے بدقسمت باپ تھے وہ لوگ اپنی بیٹیوں کی آبادی ان کے سکھ کے لیے اس طرح جھکتے ہیں...... اور انہیں اپنی بیٹی کو ایک شقی القلب سے بچانے کے لیے جھکنا پڑا' اس ساری تھکاوٹ کے بعد ان کی بیٹی کے حصے میں کیا آیا...... شوہر کا نام تک نہ رہا اس کے پاس...... وہ آباد نہیں رہی تھی...... جتنے پیار' لاڈ' ارمانوں اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا تھا' وہ سب ہی جانے کہاں کھو گئے تھے۔ وہ دعائیں وہ سب ارمان ملیامیٹ ہوگئے تھے۔ ہاں بس ایک اطمینان تھا کہ بے شک وہ اپنی بیٹی کے لیے خوشیاں نہ خرید پائے مگر کم از کم اسے اذیتوں اور مصائب سے ضرور بچالیا تھا...... رب تعالیٰ نے اس معاملے میں ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ وہ تو اپنے گھر میں مطمئن بیٹھے تھے کہ ان کی بیٹی کو چاؤ سے بیاہ کر لے جانے والا اس کے ناز اٹھا رہا ہوگا...... خدا نے بروقت مدد کی اور اریج وہاں سے بخیر و عافیت ان کے پاس پہنچ گئی تھی اور ان پر تب واضح ہوا تھا کہ اریج نے ان سے دور یہ تمام عرصہ شوہر سے ناز برداری کرا کے نہیں' ایک عقوبت خانے میں رات سے دن' دن سے رات کرتے گزارا تھا۔ ایک ایک پل اپنا آپ مٹایا تھا۔ اور بدلے میں طعنے تشنیع اور تشدد سہا تھا۔ یہ بھی کرم خداوندی تھا کہ فرقان صاحب اور شاہین جیسے نیک لوگ اس کے ہمسایہ میں تھے جنہوں نے بنا کسی غرض یا لالچ کے اس کا ساتھ دیا تھا۔ ورنہ تو وہ کبھی جان ہی نہ پاتے کہ اریج کہاں اور کس حال میں ہے۔ وہ جتنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کم تھا...... مگر پھر بھی دل کے کسی گوشے میں بہت درد تھا' اس کی بے آبادی کا' درد تھا اپنی ذہین تعلیم یافتہ قابل فخر بیٹی کی بے قدری کا...... اور یہ درد رات کی تنہائیوں میں امی اور بابا دونوں کو ہی بے تاب کردیتا تھا۔ ان کی شفیق آنکھوں کو برسنے پر مجبور کردیتا تھا۔

❀ .... ❀

نیرج کو کچھ لوگ دیکھنے کے لیے آرہے تھے۔ ہزار وسوسے امی بابا کے دل کو دہلائے جارہے تھے۔

"منصور صاحب! میرا دل اندر سے لرز رہا ہے۔ یہ بیٹیاں بھی کیسا امتحان ہوتی ہیں۔ کلیجے کا خون پلا کر انہیں بڑا کریں اور پھر کسی اجنبی کے حوالے کردیں۔ آگے ان کی قسمت کہ جس کے ساتھ ان کا مقدر جڑا' بے حس ہے یا احساس کرنے والا' بے قدرا ہے یا قدر کرنے والا۔"

"تو ہو نیک بخت' یہ فرض ہے اور ضروری نہیں کہ ہر ایک کا نصیب ایک جیسا ہو' آنے دو آنے والوں کو...... اچھی طرح دیکھیں بھالیں گے' تبھی ہاں کریں گے۔ ان شاء اللہ آپ خود کو

بے جاہلکان نہ کریں۔ مجھے اللہ کی پاک ذات پر بے حد یقین ہے وہی کرم کرنے والا ہے۔" بابا نے امی کو تو تسلی دے دی تھی لیکن اندر ہی اندر خود بھی خاصے خائف تھے۔ ابھی بہت عرصہ تو نہیں گزرا تھا اریج والے واقعے کو۔ وہ کس طرح سب کچھ فراموش کردیتے۔ شام کو مہمان آگئے۔ دیکھنے میں خاصے سلجھے ہوئے اور تعلیم یافتہ دکھائی دے رہے تھے مگر وہ پہلے بھی ایک بار دھوکا کھاچکے تھے۔ شاہزل اور اس کے والدین بھی کچھ کم دکھائی نہ دیتے تھے' مگر حقیقت میں کیا تھے......؟ کتنا بڑا گھاؤ لگا گئے تھے وہ ان کے کلیجے پر...... یہ زخم بھرتے بھرتے تو شاید عمر ہی گزر جاتی۔ آنے والوں کی اچھی طرح خاطر مدارات کے بعد ان سے کچھ مہلت مانگی گئی تھی۔ رضا (نیرج کا متوقع شریک زندگی) ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر کام کررہا تھا۔ اسی کمپنی کی طرف سے اسے بنگلا اور گاڑی بھی میسر تھی۔ بڑے دو بھائیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں اور وہ دونوں ہی فیملی سمیت ملک سے باہر سیٹل تھے۔ ایک چھوٹی بہن تھی جو ایم اے پریویس کی اسٹوڈنٹ تھی۔ خاصی نٹ کھٹ' کیوٹ سی اس نے یونیورسٹی میں نیرج کو دیکھا تھا' وہ اس سے ایک سال سنیئر تھی۔ اور آج یہاں پہنچ ہی گئی تھی۔ بابا خود کمپنی جاکر انکوائری کرکے آئے تھے۔ رضا کے بارے میں ملنے والی تمام معلومات ٹھیک ثابت ہونے پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ہاں کہہ دی۔

✿ .... ✿ .... ✿

"آپی...... آپ امی سے کہیں ناں میں نے شادی نہیں کرنی' پلیز۔" نیرج اس کا ہاتھ تھامے ملتجی انداز میں کہہ رہی تھی۔ اریج بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے ساتھ ہونے والے سانحے نے اس کے خاندان کو خائف کردیا ہے۔ اس نے بہت پیار سے اپنی بہن کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرا۔

"کیوں اندیشے پالتی ہو نیری' سب کے لیے سب کچھ ہمیشہ ایک سا نہیں ہوا کرتا۔ جو ہوا وہ ایسے ہی ہونا لکھا تھا۔ اپنی زندگی کو کسی اور کے معاملات سے خائف ہوکر محروم کردینا انصاف تو نہیں' تم انکار کرکے امی بابا کی پریشانی مت بڑھاؤ اور نہ ہی خود دل میں کوئی وسوسہ رکھو۔ رب پاک سب کچھ اچھا کرنے والا ہے۔" اریج کی دی ہوئی تسلی نے نیرج کو خاموش کردیا اس کے بعد اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ رضا کے گھر والوں کا اصرار تھا کہ منگنی کی بجائے نکاح کیا جائے اور چھ ماہ بعد عیدالاضحیٰ پر رخصتی کی تاریخ مقرر کی جائے۔ امی بابا نے بناء کسی رد وقدح کے ان کی بات مان لی اور ایک ہفتے کے اندر نیرج منصور سے نیرج رضا بن گئی بعد کے آنے والے دنوں میں رضا اور اس کے خاندان کے اچھے رویے نے رہے سہے خدشات بھی معدوم کردیئے۔ امی بابا اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے۔ گھر میں ہنسی اور رونق بھی ہوئی خوشیوں نے پھر سے ڈیرے ڈال لیے۔ اریج نے بھی اپنے آپ کو کمپوز کرلیا تھا۔ ہر گزرتے دن نے اسے نئی جہت اور ہمت عطا کی تھی۔ گھاؤ جتنا بھی گہرا کیوں نا ہو بھر ہی جاتا ہے' مگر زخم کا نشان جاتے جاتے' بہت وقت لے لیتا ہے۔ وقت نے اس کے زخم کو بھی مندمل کردیا تھا مگر کبھی کبھی ایک ٹیس سی اسے بے حال کردیتی تھی۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کی تسلی اور نیرج کی شادی کی تیاری میں ان کی دست راست بنی ہوئی تھی۔

انہی دنوں اس نے بابا کو اپنی جاب کے لیے راضی کرلیا تھا۔ وہ ہائی کوالیفائیڈ تھی۔ اپنی تعلیم کو اپنے مصرف میں لانا چاہتی تھی اور بابا بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کا مصروف ہوجانا ہی اس کی پریشانیوں سے بچانے کا واحد حل ہے۔ اردگرد کے ماحول کی تبدیلی کا انسانی ذہن اور سوچوں پر بہت اثر ہوتا ہے اور جو کچھ ہوچکا تھا اس کے بعد بابا اس کی کسی بھی خواہش کو ٹالنے یا رد کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتے تھے۔ اب بھی انہوں نے اس کی آرزو کو ہی مقدم جانا تھا اور خوش دلی سے اجازت دے دی تھی۔ اپنی کمیونٹی کے ایک مستحکم اور بڑے اسکول کے لیے اس نے پرنسپل شپ کے لیے اپلائی کیا اور خوش قسمتی سے انٹرویو کے بعد اس کی سلیکشن بھی ہوگئی۔ ایک طویل عرصے بعد سب نے اسے خوش دلی سے مسکراتے دیکھا تھا۔

بہت عرصے بعد اس کی آنکھوں نے اس کے ہونٹوں کا ساتھ دیا تھا۔ بابا نے اس کی اس کامیابی کو سلیبریٹ کرنے کے لیے سب کو فائیو اسٹار ہوٹل میں شاندار سا ڈنر کرایا۔ دو تین دن کے اندر ہی اس نے اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیا۔ چلتا ہوا اسکول تھا' بچوں کی خاصی تعداد تھی۔ جدید ترین سہولیات سے مزین اس ادارے میں ایک اتھارٹی کی حیثیت نے اس کے اندر کی ازلی خود اعتمادی کو دوبارہ سے جگا دیا تھا۔ کوئی کمی بھی تو نہیں تھی اس میں۔ اخلاق و کردار' صورت' تعلیم' تربیت' خاندان

ہر حوالے سے بے مثال تھی وہ۔ اپنے مقدر سے سمجھوتا کرلینے کے بعد اسے جینے کا گر بھی آ گیا تھا۔

...... ❀ ......

"امی...... امی۔" اس کے حلق سے دل دہلا دینے والے انداز میں پکار نکلی تھی۔ امی تڑپ کر اس کی طرف بھاگی آئیں۔ وہ لاؤنج میں فون اسٹینڈ کے قریب کھڑی تھی۔ جھر جھر بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس نے ریسیور کریڈل پر دھرا تھا۔

"کیا ہوا...... کیا ہوا ایرج؟" کسی انہونی کے احساس نے ماں کے کلیجے کو دہلا دیا تھا۔

"امی...... امی رضا کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے...... وہ آئی سی یو میں ہے۔" مشکل سے اس کے لبوں سے نکلا اور امی تو دل پر ہاتھ رکھے وہیں فرش پر بیٹھتی چلی گئیں۔

"یا اللہ...... یہ کیا ہوگیا' پاک پروردگار...... معاف کردے...... بخش دے ہماری تقصیروں کو میرے مالک...... اب اور کوئی آزمائش نہیں' ہم گناہ گاروں میں اور کسی امتحان کو سہنے کی سکت نہیں اے رب کریم۔" امی کے ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست تھے اور آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔ نیرج گھر پہ نہیں تھی۔ لائبریری تک گئی تھی اور بابا مارکیٹ گئے ہوئے تھے۔ امی ایرج کو ساتھ لیے ہاسپٹل تک آئیں یوں جیسے کوئی پل صراط تھا جس پر چل کر آئی ہوں۔ آبلہ پائی کا سفر تو جیسے ختم ہونے میں ہی نہ آرہا تھا۔ دل بے طرح خدشات کی زد میں تھا۔ رضا کی ساری فیملی ہاسپٹل میں موجود تھی۔ کچھ دیر بعد بابا بھی نیرج کو ہمراہ لیے افتاں وخیزاں آگئے تھے۔ حادثہ بہت بھیانک تھا۔ رضا کی کار کا سامنے کا سارا حصہ بالکل تباہ ہوگیا تھا۔ ونڈ اسکرین کے ٹوٹے ہوئے چھوٹے بڑے شیشوں نے اسے بری طرح زخمی کردیا تھا۔ ٹانگیں اسٹیئرنگ وہیل کے نیچے دب جانے کی وجہ سے کئی جگہ سے فریکچر ہوئی تھیں۔ اسے وینٹی لیٹر پر رکھا گیا تھا' ایک طویل آپریشن کیا جارہا تھا۔ خون کے بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ہر گزرتا پل اسے زندگی سے دور کیے دے رہا تھا۔ فجر کی اذان کے بعد جب شاہ خاور کی شعاعوں نے دھرتی پر نئی صبح کا آغاز کیا تو ساتھ ہی رضا کی زندگی کا چراغ بجھ گیا۔

رات بھر موت اور زندگی کے درمیان کشمکش میں موت بازی لے گئی۔ ایک بار پھر منصور علی اور ان کی اولاد کے حصے میں اندھیرے درد اور امتحان آیا تھا۔ ہاسپٹل سے گھر تک کا فاصلہ حشر کے دن کی طرح طویل اور صبر آزما ہوگیا تھا۔ نیرج جسے ابھی چند ہی دن ہوئے تھے اپنی پلکوں پر خوابوں کو ٹانکتے' ان خوابوں کو ہم جولی بنا کر ان کے ساتھ ہنستے کھلکھلاتے...... کتنی بے رحمی سے موت نے اس کی آنکھوں کے ان خوابوں کو نوچ لیا تھا۔ اس موت کا بھی کوئی مذہب نہیں' بے درد ہے' ظالم ہے' حق غصب کرنے والی' سب کچھ چھین کر اپنے دامن میں بھرنے والی اور کیسا پیٹ ہے اس کا جو بھرتا بھی نہیں۔ دینا تو اسے کبھی آیا ہی نہیں' بس لینا جانتی ہے' نوچنا اور کھسوٹنا جانتی ہے' نیرج کی پلکیں خشک تھیں کسی صحرا کی طرح اور دل...... دل کا عالم تو دل والا ہی جان سکتا ہے۔ جس تن لاگے سو تن جانے' اذیت کا ایک بہت بڑا سیلابی ریلا تھا جو ان سب کو اپنے بہاؤ میں جانے کہاں لیے جارہا تھا۔ لگتا تھا کہیں جہنم کا در کھلا تھا۔ آگ کی لپٹیں سی آرہی تھیں اور انہی لپٹوں میں ان دونوں بہنوں کے نصیب جل گئے تھے۔

...... ❀ ......

گھر پر ایک یاسیت اور خاموشی کا دور دورہ تھا۔ بابا اس شدید صدمے سے بیمار ہوگئے تھے۔ امی چپ چاپ گھر کے گنے چنے کام نمٹا کر مصلا سنبھال کر بیٹھ جاتی' ان کے اوراد و وظائف طویل سے طویل تر ہوتے جارہے تھے۔ نیرج کے ایگزام قریب تھے وہ کتابیں لیے ہمہ وقت کمرے میں گھسی رہتی' ایک بار بھی وہ کھل کر نہیں روئی تھی' مگر بابا کی بولتی مینا کی آواز اب شاذ ہی سنائی دیتی تھی۔ زندگی چلتی کا نام گاڑی کے مصداق چل رہی تھی۔ ایرج نے بہت احسن طریقے سے اسکول کا نظم و نسق سنبھال لیا تھا۔ ایک وہی تھی جس نے اس امتحان میں امی' بابا اور نیرج کو سنبھالا ہوا تھا۔ بہت صابر تھی وہ...... اور بہت سلجھاؤ آ گیا تھا اس کی طبیعت میں' وقت کے ساتھ ساتھ۔

کچھ وقت مزید سرکنے بعد پھر سے جینے کی امنگ دلوں میں ابھری۔ امی' بابا اب دونوں بیٹیوں کے لیے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دکھ' ان کی تنہائیوں کا علاج یہی تھا کہ ان کے گھر بسا دیئے جاتے۔ امی نے محلے کی رقیہ آنٹی سے بھی کہلوا دیا کہ اچھے لڑکے ہوں شریف ہوں حلال کمانے والے۔ بس بہت زیادہ ڈیمانڈ نہیں رکھی گئی تھی۔ کوئی جرم کوئی غلطی نہ کرنے کے باوجود ان کی ایک بیٹی طلاق یافتہ اور ایک رخصتی سے پہلے بیوہ ہوگئی تھی۔ ایسی لڑکیوں کے لیے اچھے رشتے ملنا آج کے دور میں کہاں آسان رہا ہے۔ لوگ پہلے بے

داغ لڑکی کو ڈھونڈتے ہیں۔ اچھا خاندان اور خوب سارے جہیز کی آس لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ ایسے میں ان کی بچیوں کے لیے اچھے رشتوں کا ملنا مشکل کیا ناممکن ہی تھا۔ رقیہ آنٹی تو امی کو خاصا دہلا کر گئی تھیں بقول ان کے۔

”ارے بہن میں تو خدا لگتی کہوں گی' تمہاری بیٹیاں خوب صورت' تعلیم یافتہ ہیں' ہر خوبی ہے مگر یہ جو داغ لگائے بیٹھی ہیں' یہ داغ ساری خوبیوں پر بھاری ہے' تم ہی جانو آج کل لوگوں کے دماغ کتنے اونچے ہوگئے ہیں۔ اب کوئی کنوارا تو ملنے سے رہا۔ ہاں البتہ رنڈوے یا دوسری شادی والوں کا رشتہ مل سکتا ہے۔“ اس طرح کی باتوں نے امی کو ذہنی طور پر مفلوج کردیا تھا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آسمان سے دو پیارے پیارے شہزادے بلوا کر اپنی بچیوں کے گھر بسا دیتیں۔ منصور علی بھی ایک پل صراط پر کھڑے تھے۔ اکلوتی بہن کا بڑا بیٹا ایرج کا ہم عمر تھا۔ دل میں کئی بار گمان گزرا بہن سے کیا ہچکچانا' باہر والوں کو دیکھ لیا' کم سے کم ایک بیٹی تو خاندان میں بیاہ دوں' کچھ تسلی تو رہے گی...... کسی طرف سے تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آئے گا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان سے بات کرتے پھپھو مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں لیے گھر چلی آئی تھیں۔

”سوری بھائی جان...... بس شہریار کے ابو نے اتنی عجلت میں یہ رشتہ طے کیا کہ آپ کو خبر نہ کرسکی۔ ان کے دوست کی بیٹی ہے علیزہ۔“ پھپھو اپنی دھن میں کہے جارہی تھیں اور بابا کے ذہن میں جیسے جھکڑ چلنے لگے۔ شاید ان پر ایسا وقت آگیا تھا جب سایا بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اندھیرے بہت بڑھ گئے تھے ان کی آنکھوں کو کوئی بھی منظر واضح دکھائی دینا بند ہوگیا تھا۔ لگتا تھا' دنیا میں ان کے حصے کی خوشیاں بس اتنی سی ہی تھیں۔

✿ ...... ✿ ...... ✿
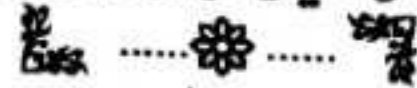
ایرج کے اسٹاف میں خاصی طرح دار اور ماڈرن لڑکیاں تھیں۔ رانیہ بھی اپر کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔ جو محض شوآف اور اپنے شوق کی تکمیل کے لیے ٹیچنگ کررہی تھی۔ خوب صورت' خوش مزاج تھی' دوستی گانٹھنے کا فن بھی جانتی تھی' بہت جلد اس نے اپنی باتوں سے ایرج کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ ان میں ایک باس اور ماتحت کے رشتے کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ دوستی کا رشتہ بھی پنپتا جارہا تھا۔ وہ اکثر اپنے فری پریڈ میں ایرج کے پاس آفس میں آجاتی' اس سے گپ شپ کے دوران اس کے آفیشل کام میں اس کی ہیلپ بھی کردیتی۔ وہ اکاؤنٹس کا کام بہت اچھی طرح سمجھتی تھی' اس لیے اکثر سیلری اسٹیٹ منٹس منتقلی رپورٹس بنانے جیسے کام نمٹا دیتی۔ باتوں باتوں میں ایسے ایسے چٹکلے چھوڑتی اور ماحول زعفران زار کردیتی۔ آہستہ آہستہ ایرج اس پر بھروسہ کرنے لگی۔ رانیہ اکثر اپنے فیانسی کے قصے بھی سنایا کرتی اور ایرج کو بھی ہلکا ہلکا کریدتی رہتی اور پھر ایک دن اس نے ایرج سے تمام معاملہ اگلوالیا۔

”کتنا برا کیا اس شخص نے...... تم تو اتنی پیاری ہو کہ کوئی بھی تمہیں پاکر خود اپنے نصیب پر فخر کرے...... بے قدرا تھا قدر ہی نہ کرسکا میری اتنی پیاری سی دوست کی۔“

”اب تو خاصا وقت گزر گیا...... بہت دکھ ہوتا تھا پہلے...... مگر اب سب ٹھیک ہے۔ وقت وقت کی بات ہے رانیہ...... جو ہوا میرے اللہ کو یہی منظور تھا۔ اور وہ جس حال میں رکھے اسی میں خوش رہنا چاہیے۔“

”اب آگے کیا سوچا ہے۔“ رانیہ اس کے سامنے بیٹھی بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”کچھ نہیں۔“

”کیا مطلب کچھ نہیں...... زندگی گزارنے کے لیے کچھ تو سوچا ہوگا ناں۔“ رانیہ نے الجھن آمیز انداز میں پوچھا۔

”جو کچھ ہوا...... نہ میں نے ایسا سوچا تھا نہ چاہا تھا' مگر پھر بھی ہوگیا ناں...... ہمارا نصیب ہماری سوچ کے تابع تو نہیں ہے' ہم اپنے نصیب کے غلام ہیں' کٹھ پتلیوں کی طرح ناچ تو سکتے ہیں مگر ہماری ڈوریں تو کسی اور کے ہاتھ میں ہیں ناں' سو اس پہ سوچنا محض وقت کا ضیاع ہے۔“

”میرا خیال تھا ایرج تم بہت سلجھاؤ رکھتی ہو معاملات کی نزاکت کو سمجھتی ہو' ایک تلخ تجربے کی نذر اپنی پوری زندگی کردینا کہاں کا انصاف ہے بتاؤ...... یہ تو ایسا ہی ہے جیسے شاہزل سے جان بچا کر نکل آنے کے باوجود تم اسی کی قید میں اسی کے عقوبت خانے میں جی رہی ہو۔ خدا کے لیے ایرج' زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اسے احمقانہ ڈر اور خوف کی نذر مت کرو' میں مانتی ہوں اذیت کا ایک طویل دور گزارا ہے تم نے...... لیکن وہ گزر چکا ہے' اس وقت کو ری کال مت کرو...... جو شاہزل نے کیا بہت غلط تھا مگر جیسے ہی وہ گیا اس کی یادوں کو بھی اسی کے ساتھ روانہ کردو ایرج...... نئے سرے سے زندگی کی شروعات کرو...... چلو...... دوسروں کے کیے کی سزا خود کو مت دو پلیز۔“ رانیہ کا لہجہ دکھ سے بھر گیا۔

"تو مجھے کیا کرنا چاہیے مہارانی صاحبہ۔" اریج نے مسکرا کر اپنی جذباتی دوست کو دیکھا۔

"کسی بھی پیارے سے اچھے سے انسان کا ہاتھ تھام لو۔ جو تمہیں اذیتوں سے دور لے جائے ایک بار پھر سے تمہارے اندر زندگی کی حرارت پیدا کرے' تمہیں ہر وہ سکھ دے جو تم ڈیزرو کرتی ہو۔" رانیہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تو اریج مسکرادی۔

"اور وہ پیارا سا اچھا سا انسان ملے گا کہاں......؟ جس میں اتنی ساری خوبیاں یکجا ہوں۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ ایسے اچھے انسانوں کی مقدار خاصی کم ہوتی جارہی ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ شرارتی ہوگیا۔

"ملے گا...... کہیں نہ کہیں سے ایک دم یک دم اچانک سے تمہارے سامنے آ کھڑا ہوگا۔ دیکھنا تب تم خود بھی اس سے اپنا دامن نہ چھڑا سکوگی۔"

"اوکے...... اوکے میرا خیال ہے خاصا وقت ہوگیا ادھر ادھر کی باتوں میں۔ کام پہ دھیان دیا جائے۔" اریج کے اس طرح موضوع سمیٹنے پر رانی کو بہت کوفت ہوئی۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ گاہے بگاہے وہ اسے احساس دلاتی رہتی تھی کہ ایک تنہا عورت کی عزت کی زندگی نہیں ہوتی' لوگوں کے لیے وہ ایک دلچسپ' بھڑکیلا اور خاصا گرم گرم موضوع ہوتی ہے' بہت آسانی سے اس پہ انگلی اٹھائی جاسکتی ہے۔ کیچڑ اچھالا جاسکتا ہے اور اس کا جینا حرام کیا جاسکتا ہے۔ اریج بھی دھیان کبھی بے دھیانی میں اس سے باتیں کیے جاتی' اب وہ اس کو کیا بتاتی کہ دل کا ایک خانہ اس خوب صورت تعلق کے لیے ہوتا ہے اور وہ خانہ ایک ہی بار آباد ہوتا ہے' آباد ہو کر اجڑ جائے تو پھر اس کا بسنا ممکن نہیں ہوتا' پھر صرف سمجھوتے ہوا کرتے ہیں اور سمجھوتے کرکے جینے سے لاکھ درجے بہتر ہے کہ تنہا ہی زندگی گزار لی جائے۔

لیکن رانیہ مایوس نہیں تھی۔ اس نے بالا ہی بالا امی بابا سے بات کی' ان کا عندیہ معلوم کیا' ان کا کہنا تھا کہ پہلے بھی ان کا فیصلہ اریج کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوا تھا' اب کی بار وہ اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے' اس بار فیصلے کا سارا اختیار وہ اریج کو سونپ چکے ہیں۔

رانیہ کی ہمت کی داد دینی پڑی کہ وہ اکیلی ہی دو دو محاذوں پر لڑتی رہی' امی بابا دل سے چاہتے تھے اریج کو ایک بار پھر شادی کے بندھن میں باندھنے کو...... اس کا آباد گھر دیکھنے کی آرزو ان کے دل میں بھی مچل رہی تھی...... مگر اریج کے لیے یہ سب کچھ محض دو سال کے مختصر عرصے کے بعد پھر سے آزمانا کچھ قابل قبول نہیں تھا...... رانیہ کا بھائی پچھلے پانچ سال سے ملک سے باہر تھا' خاصی ماڈ فیملی تھی' کھاتے پیتے لوگ تھے' لڑکے کی تصویر اور فیملی کو دیکھنے کے بعد سب ہی نے اریج کو منانے کی کوشش شروع کردی۔

"آپی...... آپ مجھے سمجھا رہی تھیں ناں کہ کسی ایک سانحے سے ڈر کر ہم پوری زندگی یونہی نہیں گزار سکتے...... تمام لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے اور نہ ہی سب کو ایک نظر سے دیکھ سکتے ہیں' تو آپ بھی زندگی پر بھروسہ کیجیے یقینی طور پر امی بابا آپ کے لیے بہت اچھا سوچیں گے۔ ہم بھی تو رانیہ کو جانتی ہیں وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور آپ بھی اسے اور اس کی فیملی کو جانتی ہیں۔ میرا خیال ہے آپ اس بارے میں ضرور سوچیے۔" نیرج اس کا ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے چلی گئی۔

اریج کی پرسوچ نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا۔ وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی' بہت اچھی طرح تمام معاملات کو سمجھنے والی' بابا کی بیماری' ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کی بڑھتی عمر' امی کی بے چینی اور بے قراری ان کے طویل سجدے' سب ہی کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ان کی ملتجی اور پرامید نظریں اس سے مخفی نہیں تھیں۔

"میرے پیارے بابا' میری پیاری امی' میں سب جانتی ہوں آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ہر ماں باپ کی طرح آپ بھی اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں پریشان ہیں بے چین ہیں' میرے بس میں یہ تو نہیں کہ آپ کی تمام پریشانیاں خود میں جذب کرلوں' آپ کے دل کا ہر درد سمیٹ لوں مگر یہ تو میرے بس میں ہے ناں کہ آپ کی آرزو کو رد نہ کروں...... سو میں ایسا ہی کروں گی' بابا' امی۔"

فیصلہ ہوگیا تھا' اس نے نیرج کو آگاہ کردیا کہ امی' بابا جہاں چاہیں اس کی زندگی کا فیصلہ کردیں' ایک بار پھر سعادت مند بیٹی کی طرح اس نے والدین کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ ایک بار پھر وہ ان کا فخر بنی تھی۔ امی بابا نے کافی سوچ بچار کے بعد سکندر علی کے لیے ہاں کردی تھی۔ اس بار ان سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں تھا۔

سکندر علی ابروڈ سے گریجویشن ڈگری ہولڈر تھا' اس نے

انگلینڈ جا کر پڑھائی کے بعد نوے فی صد پاکستانیوں کی طرح وہاں کی سوسائٹی سے متاثر ہو کر وہیں رہ جانے کا فیصلہ کیا۔ اپنی کلاس فیلو جینی کے ساتھ شادی کر کے وہیں کے ماحول میں رنگ گیا۔ صرف چند ماہ ہی کی شادی شدہ زندگی نے اس پر واضح کردیا کہ یہ زندگی صبر آزما بھی تھی اور کسی حد تک ناقابل برداشت بھی...... سو کچھ ماہ قبل وہ جینی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اس بے باک ماحول پر تین حرف بھیج کر پاکستان واپس آ گیا تھا۔ دو شکستہ لوگ...... حوادث زمانہ کے ہاتھوں مجبور اور محبت کی تلاش میں ناکام ہو جانے والی دو ہستیاں وقت شاید اس بار ان دونوں کی ہی محرومیاں ختم کرنا چاہتا تھا دونوں کے گھر ٹوٹ چکے تھے دونوں ہی اس درد سے آشنا تھے کہ جب زندگی کا ساتھی سمجھنے والا احساس کرنے والا نہ ہو تو دلوں پر کیا گزرا کرتی ہے اریج کے دل میں اگر کچھ خدشے تھے بھی تو سکندر علی کا ماضی سامنے آ جانے کے بعد کم ہو گئے۔ بہت خاموشی کے ساتھ اسے سکندر علی سے منسوب کردیا گیا اور یہ بھی خدا کا احسان ہوا کہ ادھر اریج کی دعائے خیر ہوئی اور ادھر محلے کی ہی ایک اچھی فیملی سے نیرج کا رشتہ بھی آ گیا۔ بابا کے بہت پرانے دوست ریٹائرڈ کرنل امتیاز علی ایک طویل عرصہ کراچی میں رہنے کے بعد کچھ ماہ پہلے یہاں اپنے گھر شفٹ ہوئے تھے...... بابا سے اکثر ملتے رہتے تھے نیرج اور رضا کے نکاح میں شریک ہوئے تھے اور رضا کی موت پر کافی ملول رہے تھے۔ ہر پل بابا کی ہمت بندھانے والے کرنل صاحب نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے حیدر کے لیے نیرج کا رشتہ مانگ لیا۔ بابا کی آنکھیں خدائے واحد کی اس مہربانی پر اشک بار تھیں امی شکرانے کے سجدے کرتی نہ تھکتی تھیں۔ آخر کار بارگاہ ایزدی میں ان کی تمام دعائیں شرف قبولیت پا گئی تھیں۔ باہمی رضامندی سے ایک ہی دن دونوں بہنوں کے نکاح اور رخصتی کی تقریب رکھی گئی۔ باوقار سی تقریب میں بہت سادگی کے ساتھ اریج اور نیرج اپنے بابا کی پر شفقت آغوش اور ممتا کی مہربان چھاؤں چھوڑ کر اپنی اپنی جنت کی طرف چلی تھیں۔ دل میں خدشات کا ایک جہاں آباد تھا اور آنکھیں نئی رفاقت کے خوابوں سے جگمگا رہی تھیں۔ سرخرو ہو کر امی بابا کے سینوں پہ دھرا بوجھ جیسے سرک گیا تھا۔ ان کے دل دعا گو تھے آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور ہونٹوں پر خاموش دعائیں تھیں رب کے حضور التجا میں تھیں۔

......✿......

لمحے سرکتے گئے ان کے آنگن کی تتلیاں مہکتی مسکراتی ان کے گرد ڈولتی پھریں تو جیسے ماں باپ کے سہمے ہوئے دلوں میں بھی اطمینان جاگزیں ہو گیا۔

امتحان ختم ہو گئے...... آزمائشیں اپنے انجام کو پہنچ گئیں۔ دامن خوشیوں کے لیے زرخیز ہو گئے آنچلوں میں دھنک کے رنگ سمٹنے لگے۔ چہروں پر محبتوں کے غرور نے عجیب سا حسن بخشا امی بلائیں لیتے نہ تھکتیں بابا دل ہی دل میں مسرور ہو کر ان خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعائیں مانگتے...... ان کا تو جینا ہنسنا بولنا یہی بیٹیاں تھیں...... حیدر کی پوسٹنگ کوئٹہ ہو گئی تو نیرج بھی اس کے ساتھ ہی کوئٹہ چلی گئی۔ کرنل صاحب اور ان کی بیگم بے حد شفیق اور خلیق تھے انہوں نے کسی پل نیرج کو یہ احساس نہیں دلایا کہ وہ اس کے ساس سسر ہیں ہمیشہ ایک ماں باپ کی طرح اس کا خیال رکھا اور ان دنوں وہ دوہری سے تھی تو وہ اور بھی زیادہ فکر مند تھے۔ اسے تنہا بھیجتے پر لیکن حیدر نے ہر طرح ان کی تسلی کروائی تھی کہ وہ بے حد و بے حساب اس کا خیال رکھے گا ابھی بھی جب جہاز نے ٹیک آف کیا تو حیدر نے اردگرد کا خیال کیے بنا اس کے دونوں کانوں پر ہاتھ دھر دیئے اور اسے خود سے قریب کرلیا کہ کہیں ٹیک آف کے وقت آنے والی ساؤنڈز سے نیرج گھبرا نہ جائے اور نیرج گھبرا تو گئی تھی جہاز کے ٹیک آف کرنے پر نہیں بلکہ مسٹر حیدر کی بے باکی پر۔

"کیا کر رہے ہیں حیدر میں بچی نہیں ہوں......" اس نے چاروں طرف دیکھا اردگرد والوں کی شوخ اور کچھ کہتی نظروں سے وہ خاصی جزبز ہو کر بولی تھی۔

"مسز...... آپ بچی نہیں ہیں مگر جناب آپ کی گھبراہٹ کا کسی اور پر بہت برا اثر پڑتا ہے ہمارے دل سے پوچھیے۔" وہ تھوڑا اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

"بس کر جائیں حیدر کیوں مرے ہوئے سارے عاشقوں کو آج ہی ایصال ثواب پہنچانے کے درپے ہیں۔"

"میری پیاری کیوٹ بھولی سی بیوی جانو...... بیویاں تو عاشق کے ایسے سرعام مظاہروں پر خاصا فخر و غرور سے گردن تان کے کھڑی ہوتی ہیں اور ایک آپ ہیں۔" وہ مصنوعی خفگی سے منہ لٹکا کر بیٹھ گیا تو نیرج کی ہنسی نکل گئی۔

"دیکھیے خدا معلوم اس ٹائپ کی بیویوں کو عاشق کے ایسے مظاہروں پر فخر کی کون سی بات لگتی ہے بہرحال جناب ہمارا دل قدر دان ہے آپ کی محبت کا اور میرا خیال ہے کہ محبت احساس

کا دوسرا نام ہے، ہمارے اس رشتے میں اعتبار، بھروسہ، وفا اور احساس ہے تو اس سے زیادہ خوب صورت اور کوئی رشتہ نہیں اور اس کو شو آف کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ آپ کو میری اور مجھے آپ کی کیئر ہے، یہی سب سے خوب صورت بات ہے۔“ نیرج نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بہت نرم سے لہجے میں کہا تو حیدر مسکرا دیا۔

”مسز کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ نصیب بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں، وہ لوگ جو ایک دوسرے کے لیے بنے ہوتے ہیں انہیں ایک دوسرے سے ملانے کے لیے کیسے کیسے حالات بن جاتے ہیں، میں کہاں اور تم کہاں تھیں اور کس طرح خدا نے ہمیں ملا دیا۔“

”اسی کو تقدیر کہا جاتا ہے جناب۔“ نیرج مسکرائی۔

”سچ کہہ رہی ہو...... یہ سب نہ ہوتا تو خدا کی بنائی قسمت پر کون یقین کرتا اور میں اس رب کا شکر گزار ہوں کہ اس نے میری تقدیر کا فیصلہ اتنا پیارا لکھا۔“ حیدر کی جگمگاتی آنکھوں میں نیرج کا عکس ہلکورے لے رہا تھا اور نیرج کے لیے یہ دنیا کا سب سے خوب صورت منظر تھا، ہر رات کی ایک صبح ہوتی ہے، ہر ڈھلتی شام کے بعد سحر کا آنا اٹل ہوتا ہے اور ہر اندھیرے کا انجام اجالے پر ہونا قانون قدرت ہے۔ خزائیں ہمیشہ نہیں رہتیں، بہاروں کے آتے ہی اپنا دامن سمیٹ لیا کرتی ہیں، روتی ہوئی آنکھوں میں، سکون اور خواب بھی آبسا کرتے ہیں اور روٹھی ہوئی ہنسی بھی مان جایا کرتی ہے، درد کے کارواں دلوں پر سے اپنا پڑاؤ اٹھا لیا کرتے ہیں اور دلوں کی سرزمینوں پر سکھوں کی برکھا بھی برسا کرتی ہے، حیدر کی محبت، نیرج کے صحرائے زندگی میں نخلستان کی طرح تھی، کسی مہربان ابر کی طرح برس کر اس نے دل کی پیاسی دھرتی کو جل تھل کر دیا تھا اور وجود و روح کو مالا مال کر دیا تھا۔ کوئٹہ کی سرد سرزمین پر اترتے وقت اپنے اس پیارے سے جیون ساتھی کا ہاتھ تھام کر چلتی نیرج کی چال میں طمانیت اور استحقاق بھرا مان تھا۔

***

شروع کے دن تو دعوتوں کا ایک طویل سلسلے میں بیت گئے۔ آہستہ آہستہ زندگی روٹین پر آتی گئی، اریج سکندر علی کے مزاج کو ٹھیک سے سمجھ بھی نہیں پائی تھی، بہت عجیب سا سرد مزاج سا شخص تھا وہ۔ چین اسموکر، زیادہ تر چپ رہنے والا یا پھر بیڈ روم سے ملحقہ سائیڈ روم میں بہت سا وقت تنہا گزارنے والا۔ اریج نے چند ہفتوں میں بارہا اسے سائیڈ روم میں کئی کئی گھنٹے گزارتے پایا تھا۔ معلوم نہیں، وہ وہاں کیا کرتا تھا، مگر اریج کو کسی کی ذات کے بارے میں بہت زیادہ تجسس ہونے کی عادت نہیں تھی نہ ہی کسی کی ذاتیات میں دخل دینا پسند تھا، پھر خواہ وہ زندگی کا ساتھی ہی کیوں نہ ہو، رانیہ کوئی کورس کرنے انگلینڈ چلی گئی۔ تو دن مزید بوریت سے گزرنے لگے۔ اس کے ساس، سسر خاصے ریزرو اور اپنی دھن میں مگن قسم کے لوگ تھے، سارا دن وہ بس بولائی بولائی پھرتی۔ اپنے شوق کے سبب کچن میں گھستی تو کسی قسم کی ڈشز پر طبع آزمائی کر ڈالتی، مگر یہاں کا عجیب ہی رواج تھا نہ کسی کو بہو کے کام کاج سے کوئی غرض تھی اور نہ ہی سراہنے کی عادت تھی۔ شام کا وقت وہ لان میں پودوں کو پانی دیتے گھاس پر ٹہلتے گزار دیتی، شروع میں رانیہ نے اسے خوب کمپنی دی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ بھی اپنی سوشل ایکٹوٹیز میں بزی ہوتی چلی گئی۔ اریج کے لیے اس ماحول میں وقت گزارنا کبھی کبھی مشکل ہو جایا کرتا مگر وہ پھر بھی شاکر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے حد صبر دیا تھا اور پھر یہ تو کچھ بھی نہیں تھا، کیا تھا اگر اس کی زندگی کا ساتھی اس کی طرف سے کچھ بے نیاز اور سرد مہر تھا، اس کے نام کی عزت تو حاصل تھی ناں اسے معاشرے میں ایک اچھا مقام تھا، سماجی حیثیت اعلیٰ تھی۔ ویل ایجوکیٹڈ، ویل مینرڈ تھا، وہ بس اسی میں خوش تھی۔

***

”اریج میں ایک ماہ کے لیے سنگاپور جا رہا ہوں...... تم اگر اپنے گھر جانا چاہو تو چلی جانا......“ سکندر علی کی آواز پر اس کے الماری میں کپڑوں کو ترتیب دیتے ہاتھ تھم گئے، اس نے پلٹ کر دیکھا، وہ سائیڈ روم کے دروازے میں کھڑا تھا اور اس کی غیر معمولی سرخ ہوتی ہوئی آنکھوں کا عجیب سا تاثر اریج کو اندر سے دہلا گیا تھا۔

”جی بہتر۔“ اس نے خاموشی سے الماری کے پٹ بند کیے، پلٹی تو وہ اسی طرح خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر آ بیٹھی۔

”میری پیکنگ کر دینا۔“ وہ کہہ کر اندر چلا گیا، تو وہ بھی کمبل اوڑھ کر نیم دراز ہو گئی۔

کہیں خلا تھا جو اندر ہی اندر بڑھتا جا رہا تھا۔ خاموشیاں اگر محبت کے اسرار میں لپٹی ہوں تو بہت معنی خیز ہوتی ہیں، بہت پیاری محسوس ہوتی ہیں، لیکن اگر یہی خاموشیاں سرد مہری کا غلاف اوڑھ لیں تو ان کی چبھن ببول کے کانٹوں سے زیادہ تیز

اور زہریلی ہوتی ہے۔ ٹوٹی تو وہ بھی تھی‘ مگر اس نے اپنے ٹوٹنے کا ماتم نہیں کیا تھا‘ پھر سے خود کو جوڑ کر نیا سفر شروع کر دیا تھا۔ مگر سکندر علی نے ٹوٹ جانے کے بعد خود کو بکھیر دیا تھا اور کسی کو اجازت دینے کو تیار بھی نہ تھا کہ اسے سمیٹ لئے وہ پورے خلوص اور بے لوث محبت کے ساتھ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی۔ اپنے سب درد اور اذیتیں وہیں باپ کے گھر کی دہلیز پر چھوڑ کر آئی تھی اور یہاں آنے کے بعد بھی اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس نے اس آنگن سے اپنا ہر احساس جوڑا تھا۔ مگر سکندر علی آج بھی اس سے میلوں دوری کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اپنے اور اس کے درمیان اجنبیت کی اس دیوار کو اس نے جان بوجھ کر حائل کر رکھا تھا۔

جس قدر وہ خاموش تھا اسی قدر خاموشی سے وہ سنگاپور چلا گیا۔ وہ بھی چند دن امی بابا کے پاس رہنے آ گئی۔ خود پر بسی کا خول چڑھائے خوب ان سے گپیں ہانکیں اور رات کی تنہائی میں اپنے پیارے سے کمرے کی آغوش میں جی کھول کر روئی بھی‘ ایک ماہ گزر گیا پتہ بھی نہ چلا‘ سکندر علی کے آنے سے ایک دن پہلے وہ اپنے سسرال واپس آ گئی‘ صاف ستھرا آراستہ وپیراستہ کمرہ جس حالات میں چھوڑ کر گئی تھی اسی طرح تھا‘ کیا تھا جو اس گھر میں نہیں تھا‘ ہر وہ سہولت جس کے ایک لڑکی خواب دیکھتی ہے اور جس گھر کے تصور سے ہی ایک لڑکی کو سکون اور طمانیت ملتی ہے بالکل ویسا گھر تھا یہ‘ محل نما گھر کے وسیع وعریض سہولیات سے مزین کمرے‘ ہرا سبز لان‘ اٹالین باتھ رومز اسٹائلش کچن سب کچھ تھا...... نہیں تھا تو اطمینان قلب نہیں تھا‘ محبت ویگانگت اور رشتوں کی باہمی ہم آہنگی نہیں تھی‘ یہاں رہنے والے انسان کم روبوٹ زیادہ دکھائی دیتے تھے جو بس اپنے اپنے حصے کا کام کیے جارہے تھے‘ جن کا آپس میں درد کا دل کا کوئی تعلق محسوس نہ ہوتا تھا۔ سکندر علی کی واپسی کے بعد بھی وہی روٹین وسلسلے تھے‘ رانیہ کورس مکمل کرنے کے باوجود انگلینڈ میں ہی تھی اور واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

اریج کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اگر سکندر علی کو بیوی کی ضرورت نہیں تھی تو اس نے شادی جیسا فضول قدم اٹھایا ہی کیوں‘ نہ ہی اس کے والدین اس حوالے سے کچھ خاص حساس تھی اسے اس سب کے پیچھے محض رانیہ کی ضد محسوس ہوئی جس طرح وہ اریج اور اس کے امی بابا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھی اسی طرح اس نے سکندر اور اپنے والدین کا پیچھا ہی لے لیا ہوگا اور آخر کار ان سب کو اس کے سامنے ہار ماننی ہی پڑی ہوگی۔ جس کے نتیجے میں اریج پر احسان بھی ہو گیا تھا اور گھر کو ایک کل وقتی چوکیدار بھی نصیب ہو گیا تھا۔ سرائے کی طرح استعمال ہونے والے اس گھر میں وہ مستقل رہائش پذیر تھی اور اس اونچے قلعے کو گھر بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتی تھی۔

اس دن سکندر علی گھر پہ نہیں تھا۔ وہ بیڈ روم کی صفائی کروا رہی تھی۔ پھر جانے کا جی میں آئی کہ سائیڈ روم میں جا گھسی‘ یہ ایک درمیان سائز کا کمرہ تھا‘ جس میں ایک کاؤچ دو خوب صورت سی منقش کرسیاں اور دیوار گیر الماری تھیں۔ دو خوب صورت سے بلور کے جام نہایت سلیقے سے گلاس ٹیبل پر دھرے تھے‘ ایک طرف منقش تپائی پر شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی‘ اس مختصر سے کمرے میں سکندر علی کی دلچسپیاں تھیں وہ یہاں کئی کئی گھنٹے تنہا بیٹھ کر شراب سے دل بہلاتا تھا‘ اکیلا بیٹھا شطرنج کھیلتا تھا۔ کتنا تنہا تھا وہ‘ درد کی ایک شدید لہر نے اس کے دل کو بے چین کر کے رکھ دیا‘ کس طرح وہ اپنے اندر کے دکھ میں کھوئی رہی‘ اپنے زندگی کے ساتھی کی نظر اندازی کا ماتم کرتی رہی اور خود اس نے کیا‘ کیا تھا اس نے بھی تو‘ سکندر کو نظر انداز ہی کیا تھا۔ وہ اس کا شوہر تھا پوری دنیا کے سامنے ایجاب وقبول کے رسوم ادا کر کے اسے اپنے گھر لایا تھا۔ اگر اس نے اس کی طرف پیش قدمی نہیں کی تھی تو اریج نے بھی کب فاصلے گھٹانے کی کوشش کی تھی۔ بھلا اس طرح یہ فاصلے مٹ سکتے تھے۔ یہ خلیج کسی نہ کسی کو تو پاٹنی تھی۔ وہ باہر نکلی سائیڈ روم کا دروازہ بند کیا۔ شام کے پھیلتے سائے کے ساتھ ہی سکندر علی گھر آیا تھا۔

”اریج...... ایک کپ چائے چاہیے۔“ بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے صوفے پر بیٹھی اریج کو مخاطب کیا تو وہ کچھ حیران سی ہوئی‘ کیونکہ اس نے آج تک کبھی اس طرح کی فرمائش کی ہی نہیں تھی۔ وہ سب کے ساتھ ٹیبل پر کھانا نہیں کھایا کرتا تھا‘ جب بھوک لگتی تھی خود ہی کچن میں جا کر جو ملتا کھا لی لیتا‘ زیادہ تر اس کی خوراک میں جوسز شامل تھے۔ وہ کھانا بہت کم کھاتا تھا۔ سگریٹ بہت زیادہ پیتا تھا‘ شاید اسی لیے بھوک کم لگتی تھی۔ وہ جاچکا تھا۔ اریج اٹھ کر کچن میں آئی اور جلدی سے اچھی سی چائے بنا کر کپ اٹھائے بیڈ روم میں آ گئی۔ لگتا تھا آج سکندر علی اسے حیران کر دینے کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ وہ سائیڈ روم میں نہیں بلکہ بیڈ پر نیم دراز تھا‘ آنکھیں بند اور ایک بازو پیشانی پر دھرا تھا۔

"چائے......" ایرج نے دھیرے سے کہا تو اس نے بازو ہٹا کر اسے دیکھا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

"شکریہ......" اس کے ہاتھ سے کپ لیا۔

"ساتھ کچھ لینا پسند کریں گے آئی مین کچھ اسنیکس۔" ایرج کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"نہیں......بس صرف چائے۔" گرم چائے کا سپ لے کر اس نے جواب دیا۔ وہ خاموشی سے اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔ چائے پی کر کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ پھر پہلے ہی کی طرح آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔ ایرج کو لگا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں' وہ خاموشی سے اٹھی اور اس کے سرہانے کے قریب بیٹھ گئی۔ اپنے موی ہاتھ سے اس نے اس کا بازو پیشانی پر سے ہٹایا' سکندر نے چونک کر آنکھیں کھولیں مگر ایرج نے کوئی بھی گھبراہٹ ظاہر کیے بنا اس کی پیشانی پر آئے بال پیچھے کیے اور آہستہ سے اس کا سر دبانے لگی۔ چند لمحے سکندر علی نے اس کو دیکھا اور پھر دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

ایرج کو شدت سے احساس ہوا اس شخص کے اندر ایک بہت بڑا مہیب سناٹے والا خلا ہے...... اسے ایک ساتھی کی ضرورت تھی...... اور آج ایرج کی پیش قدمی نے اجنبیت کی اس دیوار سے ایک اینٹ گرائی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ ایرج نے اس کے روزمرہ کاموں میں ہلکی پھلکی غیر محسوس مداخلت شروع کردی۔ اس کے کہے بنا اس کے کپڑے پریس کرکے ہینگ کردینا' شوز پالش کردینا' اس کے آتے ہی زبردست سی چائے کا کپ لے آنا' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آفس سے واپسی پر سیدھا سائیڈ روم کی بجائے چائے پینے کے لیے بیڈ روم میں ہی رک جاتا' دس پندرہ منٹ کے بعد پھر اٹھ کر چلا جاتا اور اس دن ایرج نے اس کی موجودگی میں سائیڈ روم میں جانے کی ہمت کرلی' رات دس بجے تک سب کاموں سے فراغت پا کر جب وہ بیڈ روم میں آئی تو سائیڈ روم کا دروازہ ادھ کھلا دیکھ کر وہ اسی طرف آگئی۔ وہ کاؤچ پر نیم دراز تھا' جام ہاتھ میں تھا جس میں کڑوا سیال بھرا تھا' آنکھیں نیم وا تھیں' اسے اندر آتا دیکھ کر وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا' غیر محسوس انداز میں اس نے جام کو جلدی سے نیچے کارپٹ پر رکھ دیا۔

"تم......کیا بات ہے' کیا کہنا ہے۔" ایرج کی آمد اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس کے اس ردعمل نے ایرج کو بھی پل بھر کو گڑبڑا دیا۔

"وہ......میں......" اس سے کوئی بات نہ بن پڑی۔ کھڑی بس ہاتھوں کی انگلیاں چٹخانے لگی۔ سر جھکا ہوا تھا' اندر کہیں یہ احساس بھی تھا کہ سکندر علی کہیں اسے عام عورتوں کی طرح متجسس اور ٹوہ میں رہنے والی ایک سطحی بیوی نہ سمجھے' سکندر نے بہت غور سے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

"ایرج...... یہاں آکر بیٹھو......" بہت نرم لہجے میں کی گئی بات پر ایرج نے سر اٹھا کے دیکھا اس کا صرف لہجہ ہی نہیں چہرے کا تاثر بھی بہت ملاحت لیے ہوئے تھا۔ ایرج ہمت کرکے اس کے قریب کاؤچ پر آبیٹھی۔

"یقیناً تم جان گئی ہوگی آئی ایم ڈرنکر اور ننانوے فیصد لڑکیوں کی طرح تمہیں بھی سگریٹ اور اس سے نفرت ہوگی' یہی وجہ تھی کہ تم سے شادی کے بعد میں نے یہ سب یہاں ایک طرف سمیٹ دیا۔ بیڈ روم کی فضا میں یقیناً تمہیں بودر کرنے والی کوئی چیز پسند نہیں ہوگی...... یہ میرا لائف اسٹائل ہے اور میں اس میں کسی کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا' تمہیں تمہاری مرضی سے جینے کا مکمل حق اور اختیار ہے اور میں تم سے یہی امید کرتا ہوں کہ یہ حق تم مجھے بھی دوگی۔" وہ بات کررہا تھا اور ایرج یک ٹک اس کا چہرہ دیکھے جارہی تھی۔ کس قدر مضبوط خول کے اندر اس نے اپنے آپ کو بند کرلیا تھا' کسی کو اجازت ہی نہیں دینا چاہتا تھا کہ کوئی اس خول کو توڑ کر اسے زندگی کی نیرنگی کی جھلک دکھائے۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو میں نے کچھ پوچھا ہے۔" سکندر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں نمی کے ساتھ ہی عجیب سا سوز بھی در آیا تھا۔

"بالکل آپ مجھ سے یہ امید کرسکتے ہیں' آپ کو اپنی مرضی سے جینے کا حق حاصل ہے اور میری طرف سے بھی کسی حوالے سے کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔" کہتے کہتے حلق میں جیسے آنسوؤں کا ایک گولا سا اٹکا' اس نے ہونٹ بھینچ لیے' کتنا مشکل ہوتا ہے خود سے جڑے لوگوں کی توقعات کو پورا کرنا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے انہیں بکھرتے دیکھنا اور بے بسی سے کچھ نہ کرپانا۔ وہ اس کا اپنا تھا' اس کا شریک زندگی' جس کے نام سے جڑ جانے کے بعد معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کے قابل ہوئی تھی' وہ اس کے اوپر اٹھنے والی انگلیاں رک گئی تھیں...... محبت نہ سہی' مگر عزت کی زندگی پالینا بھی کسی عورت کے لیے بہت معنی رکھتا ہے...... عورت کا تو خمیر ہی قربانی کے مادے سے اٹھا ہے' تھوڑے پر قناعت کرنے والی' اپنا آپ نچھاور کردینے والی'

یہ عورت نہ ہوتی تو جانے رب کی اس کائنات کا توازن کہاں جاتا' ہر رشتے میں مرد کی ہمت اور ڈھارس..... دو پیار کے بولوں کی بھوک لیے اپنا تن من وارنے کو بے چین' ہائے ری عورت.....!

اریج کے لیے مزید وہاں رکنا مشکل ہوگیا' وہ واپس بیڈ روم میں آ گئی' چادر اوڑھ کر لیٹتے ہی جیسے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا' گرم گرم سیال اس کی خوب صورت آنکھوں سے بہہ بہہ کر تکیے کو بھگونے لگا۔ جانے کتنی دیر گزر گئی۔

"اریج....." ہلکی سی شناسا آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونجی تو اس نے پلٹ کر دیکھا' سائیڈ روم کے دروازے کے بیچوں بیچ سکندر علی ایستادہ تھے' گہری سرخی مائل آنکھیں اس پر جمی تھیں' جانے کب سے وہ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا' اپنی طرف متوجہ پا کر وہ وہاں سے ہٹ کر بیڈ کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"تم روئی کیوں اریج.....؟" وہ پوچھ رہا تھا اور اریج کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

"پلیز اریج..... میری کس بات پر تمہیں اتنی تکلیف ہوئی..... مجھے بتاؤ تاکہ میں آئندہ اس بات کا خیال رکھوں۔ میں تمہیں دکھ دینا نہیں چاہتا۔" اس کے قریب بیٹھ کر وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا' اس پل اریج کو سب کچھ بھول گیا' اپنا آپ بھی اور یہ فاصلے بھی..... وہ ایک دم سکندر علی کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سکندر ہکا بکا بس اس کے گرد بانہوں کا حصار کیے خاموش بیٹھا رہا..... وہ اس کے دل پر دھرے بوجھ کے ہلکا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر تک رونے کے بعد اریج کے آنسوؤں کی شدت میں بتدریج کمی آنے لگی اور ساتھ ہی اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو وہ کچھ ہچکچا کر پیچھے ہوئی۔ سکندر کے لبوں پر غیر محسوس مسکراہٹ رینگ گئی۔

"آئی تھنک آج آپ پورے سال کے آنسو بہا چکیں۔ پتہ نہیں یہ تم لڑکیاں اس قدر رو کیسے لیتی ہو' ذرا سی بات ہوئی نہیں اور آنسو تو جیسے پلکوں پر دھرے ہوتے ہیں۔ مجھ غریب کو تو ابھی تک یہ نہیں پتہ چلا کہ آخر میں نے ایسا کیا کہا جس پر آنسوؤں کی ندیاں بہائی گئی ہیں۔" یہ پہلی طویل بات تھی جو سکندر نے کی تھی۔ ورنہ تو ایک جملے سے زیادہ وہ بات کرتا ہی نہیں تھا۔ اریج نے قدرے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"لگتا ہے تم مجھے میری مرضی سے جینے کا حق نہیں دینا چاہتی..... یقیناً تمہیں سگریٹ اور ڈرنک سے چڑ ہوگی' تم چاہوگی میں سب چھوڑ کر اچھا بچہ بن جاؤں' ہیں ناں؟" وہ تائیدی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"جی نہیں..... ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں آپ پر کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتی' بس اتنا چاہتی ہوں کہ مجھ پر آپ کو اتنا یقین تو ہونا چاہیے کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ میرے سامنے ہی کریں۔ مجھے آپ کے کسی بھی فعل میں مداخلت کرنا خود بھی اچھا نہیں لگے گا۔ کم سے کم اتنا بھروسہ تو ہمارے اس رشتے کی بنیاد میں ہونا چاہیے۔"

"بالکل یہ رشتہ بھروسے پر ہی چلتا ہے۔ میرا خیال تھا رانیہ نے تمہیں بتا دیا ہوگا' مگر پھر جب میں نے تمہیں جج کیا تو اندازہ ہوا کہ تم لاعلم ہو' میں نے سوچا میرا ایسا کوئی بھی عمل جس سے تم لاعلم ہو تمہارے سامنے کرنا تمہارے لیے شاک ہوگا۔ اس لیے اپنی محفل سمیٹ لی۔"

"میں اجنبی یا غیر نہیں..... آپ مجھ سے سب کہہ سکتے ہیں....." اریج کی بھیگی بھیگی خوب صورت آنکھوں میں اپنائیت کا اتنا گہرا تاثر تھا کہ سکندر علی جیسے ہار سا گیا..... تھک گیا تھا وہ تنہائی سے..... اکیلے پن کی اذیت سے یہ اجنبیت کا خول اندر ہی اندر اس کے وجود کو توڑنے لگا تھا۔

"میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ کیا کہوں....." اسے اپنا پندار بہت عزیز تھا۔ کیسے اپنا دامن پھیلاتا' کس طرح کہتا کہ بچپن سے تنہائی' تنہائی اور بس تنہائی ہی اس کی ساتھی تھی ہر رشتے میں یہی تنہائی اس کی رفیق رہی تھی۔ وہ پل جب بچہ ماں کی آغوش میں ہر خوف واذیت سے بے خبر سمٹ کر سوتا ہے' وہ پل اس نے کھلونوں سے بھرے کمرے میں تنہا کاٹ میں اپنی بانہوں میں سمٹ کر گزارا تھا۔ ہر بار لڑکھڑا کر گرتے وقت اس کی بے چین آنکھوں نے ممتا بھرے ہاتھوں کی امید پر ادھر سے ادھر سفر کیا تھا لیکن ہر بار اسے خود اٹھنا پڑا تھا۔ مما کو اپنی سوشل ایکٹویٹز میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ باہر کی دنیا کو سنوارتے سنوارتے انہوں نے سکندر کو کس کھائی میں دھکیل دیا تھا' ایک ایسے اندھیرے کنویں میں جہاں امید کی روشنی نہیں تھی' جہاں جینے کی امنگ نہیں تھی' جہاں اسے اپنے ہی وجود کا احساس نہیں تھا' اس نے ہوش سنبھالتے ہی خود کو دنیا کے ہلے گلے میں گم کردینا چاہا لیکن اندر کے خلا اور سکوت پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔ یہ خلا یہ سکوت جنگی کے آنے سے

ٹوٹ گیا۔ جینی ایک مشرقی مرد کی وجاہت اور شخصیت سے متاثر ہوئی تھی اس کے اصولوں سے سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں تھی۔ بہت مختصر عرصے میں ہی وہ اوب گئی تھی۔ اسے سکندر ایک دقیانوسی سخت گیر انسان دکھائی دینے لگا۔ آہستہ آہستہ مزاج بگڑنے لگا تھا اس کا...... محبت کی صورت بگڑ جائے تو یہ زندگی کی سب سے بڑی اذیت بن جاتی ہے اور سکندر نے جینی کو چھوڑ کر زندگی کی اس سب سے بڑی اذیت سے چھٹکارا پایا اور پاکستان واپس آ گیا...... مگر روگ تو کہیں اندر تھا جس کی دوا کہیں نہیں تھی، خلا تو کبھی بھرنے والا نہیں تھا...... وہ آخر کرتا بھی تو کیا...... پھر سے مصنوعی سہاروں پہ تکیہ کرنے لگا۔

اریج نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اعتراف کرتے سکندر کو دیکھا اور بے چینی سے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں...... آپ جو چاہیں جس طرح چاہیں کریں...... کسی جگہ کسی مقام پر کبھی آپ کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ میں آپ کے ساتھ نہیں ہوں۔" حساس سی اریج کا دل اس طرح اس کے درد میں ڈوبا کہ اسے یوں لگا وہ تو جنم جنم سے سکندر کو جانتی ہے، محبت پانے کے لیے زندگیاں بھی کم پڑ جاتی ہیں اور کبھی کبھی اور اک کا ایک لمحہ محبت جیسی دولت دامن میں ڈال کر چلا جاتا ہے۔ اور ادراک کا وہ لمحہ شاید ان دونوں پر مہربان ہوگیا تھا۔ سکندر نے نظر بھر کر اپنی زندگی کی ساتھی کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک الوہی روپ تھا آنکھوں میں خلوص کی چمک اور مسکراہٹ میں سچائی تھی۔ آنکھوں کی نمی اور چہرے کی مسکراہٹ نے عجیب دھوپ چھاؤں کا سا منظر بنا دیا تھا۔

"میں نہیں جانتا محبت کیا ہے، میں نہیں جانتا اندر کے خلا کو کیسے پر کیا جاتا ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ رشتے کسی بھی انسان کے اندر کس طرح جذب ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے اردگرد اجنبیت کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھا نہ محسوس کیا...... ہاں مگر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے ناں کہ دل خود بخود اعتبار کرنے کو چاہتا ہے مجھے لگتا ہے میں تم پر **اعتبار کرنے لگا ہوں۔**" اس کی آنکھیں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں، مگر ہونٹوں پر بہت خوب صورت مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اریج کو یقین ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہ وہی سکندر ہے۔

"میں یہ وعدہ تو نہیں کرتا کہ دنیا کا سب سے اچھا شریک زندگی بنوں گا ہاں اتنا یقین ضرور دلاتا ہوں کہ میں خود کو اچھا بنانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ میں خود کو بدلنے کی کوشش کروں گا اریج۔" اس کی نظریں اپنے مضبوط ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں جو اس وقت بھی اریج کے موی ہاتھوں میں مقید تھے۔

"مجھے انسانوں پر بھروسہ کرنا نہیں آتا کیونکہ میرے قریبی میرے بہت پیارے رشتوں نے ہی مجھے نہیں سکھایا تھا کہ سب کے درمیان رہتے ہوئے، ہمیں سب کے ساتھ تعلق کو نبھانا پڑتا ہے اور تعلق نبھانے کے لیے اعتبار کرنا بہت ضروری ہوا کرتا ہے۔ رانیہ لڑکی ہے اس کے مزاج میں لچک ہے ماحول کے حساب سے خود کو ڈھالنے کی صلاحیت بھی ہے لیکن میں تو مرد ہوں، جس کے پاس ایک ہزار ایک ترغیبات ہیں بگڑنے کے ہزار ہا موقع اور بہانے ہیں۔ ایسے میں تنہائی نے میرے اندر پنجے گاڑ کر مجھ سے بہت کچھ غلط کروایا ہے اریج...... مگر اب...... اب تم آ گئی ہو ناں...... تم اس موذی تنہائی کو میری روح سے نکالنے میں میری مدد کروگی نا......؟" وہ کسی معصوم سے بچے کی طرح اس کے چہرے پر اپنے سوال کا جواب کھوج رہا تھا۔ ایک آس اور امید اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔

ہر بگاڑ کو سدھار کا موقع دیا جانا چاہیے، ہر منفی کو مثبت میں بدلنے کی کوشش ہونی چاہیے، کہ یہ تو قانون قدرت ہے، کہ وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا، ہر رات کے بعد سویرا لازمی ہے اور ہر زوال کے بعد عروج کا آنا بھی یقینی ہے۔ اریج جانتی تھی، اس کے ہمراہ اس کے ماں باپ کی دعائیں بھی تھیں اور رب پاک کی طرف سے عطا کردہ صبر و قناعت کی صلاحیت بھی...... بہت سے معاملات میں زبان ساتھ چھوڑ دیتی ہے یا پھر انسان اپنا موقف ٹھیک طور پر بیان نہیں کر پاتا، اریج کا دل بھی اس وقت بہت بے چین تھا، بہت کچھ تھا جو وہ کہنا چاہتی تھی لیکن زبان جیسے گنگ تھی۔ جب الفاظ نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو اس نے خاموشی سے اپنا سر سکندر کے کندھے سے ٹکا دیا اور سکندر کو اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا...... اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے ایک بھرپور طمانیت بھری سانس اس کے عنابی لبوں سے خارج ہوئی...... **بہت سا بوجھ کندھے سے سرکا اور جو باقی تھا** اسے ڈھوتے ہوئے اب سکندر نے نہ تھکنا اور نہ ہی ہارنا تھا کیونکہ اسے اپنی شریک زندگی کا ساتھ مل گیا تھا۔ تنہائی کی طویل شب ڈھل چکی تھی اور وصل کا سویرا ان دونوں کا منتظر تھا۔

❁

شب ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

قسط نمبر 5

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

حکم تیرا ہے تو تعمیل کیے دیتے ہیں
زندگی ہجر میں تحلیل کیے دیتے ہیں
تو وصل کی خواہش پر بگڑتا کیوں ہے
راہ ہی ہے چلو تبدیل کیے دیتے ہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

صمید حسن کرنل صاحب کے اصرار پر مریرہ کو گاؤں لے جاتا ہے لیکن خود بزنس کے سلسلے میں واپس شہر چلے آتے ہیں۔ مریرہ گاؤں آ کر بہت خوش ہوتی ہے وہ کیوں کہ کافی عرصے بعد گاؤں آتی ہے مریرہ اور مریرہ کی بچپن کی بہت سی یادیں حویلی اور گاؤں سے وابستہ ہیں۔ مریرہ عمر (بچپن کے دوست) ساتھ مل کر پرانی باتیں یاد کر رہی ہے۔ عمر کی مریرہ سے بچپن کی محبت ہے جس سے مریرہ بے خبر ہوتی ہے۔ عائلہ فطرت سے پیار کرنے والی بہت حساس طبیعت کی مالک ہوتی ہے عائلہ موسم کی خوب صورتی دیکھتے ہوئے کرنل صاحب سے پرانی باتیں چھیڑ بیٹھتی ہے جس پر کرنل صاحب جزبز ہوتے صمید اور مریرہ کے بارے میں عائلہ کو مختصر بتا کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ کرنل صاحب اور صمید حسن دونوں گھرانوں کی زندگیوں میں مریرہ رحمان ایک اہم باب ہے جب بھی کھلتا ہے دونوں کی زندگیوں میں بے چینی لے آتا ہے۔ عمر فون کال پر مریرہ سے بات کر کے اس کے اندر کے سناٹے کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن مریرہ مختصر بات کر کے ریسیور رکھ دیتی ہے۔ عمر مریرہ کو اس کے بیٹے کا بتاتا ہے۔ عائلہ آفس سے نکلی تو تھکن سے برا حال ہوتا ہے اور زاویار دو تین دن سے آفس نہیں آ رہا ہے اگر عائلہ چاہتی تو آفس چھوڑ کر گھر بیٹھ سکتی تھی لیکن صمید حسن کی محبت اور مان کی وجہ سے وہ ایسا چاہتے ہوئے بھی نہیں کر سکی۔ سدید آئی ایس آئی جوائن کرنا چاہتا ہے اس حوالے سے وہ کرنل صاحب سے بات کرتا ہے تو وہ سدید سے پہلے شادی کے لیے کہتے ہیں اور ساتھ ہی عائلہ کو پرپوز کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ سدید عائلہ سے محبت کرتا ہے اور اس بات سے کرنل صاحب بخوبی واقف ہوتے ہیں لیکن سدید کی طرح کرنل صاحب بھی عائلہ کے دل تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔ وقار الحسن کی پارٹی میں درمکنون کا صیام کا ہاتھ تھامنا اور پارٹی کے درمیان مسلسل اسے دیکھنا صیام کو بے چین کر دیتا ہے۔ زاویار پرہیان کو شاپنگ پر لے کر آتا ہے جہاں پرہیان کی ملاقات عائلہ سے ہو جاتی ہے زاویار عائلہ کو دیکھ کر کڑوا گھونٹ بھر کر رہ جاتا ہے پرہیان عائلہ کو بھی اپنے ساتھ شاپنگ میں شامل کرتی ہے جس پر عائلہ معذرت کرتی اپنی خریداری میں مصروف ہو جاتی ہے لیکن پرہیان زبردستی اسے اپنی پسند سے شاپنگ کراتی ہے۔ احزار سکندر درمکنون پر دل و جان سے فدا ہے اور صیام اس کی نظروں کا مفہوم جانتا ہے صیام درمکنون کو احزار سکندر سے محتاط رہنے کو کہتا ہے جس پر درمکنون حیران ہوتی ہے۔ پرہیان اپنی شادی کی شاپنگ کرنے کے بعد بہت خوش تھی لیکن یہ خوشی اس وقت ختم ہو گئی جب ساویز کال پر پرہیان سے شادی سے انکار کر دیتا ہے پرہیان کا وجود زلزلوں کی زد میں آ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀❀❀......❀
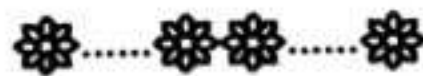
ادا سی کچھ تو بولو ناں
بھلا تم آج کیوں دل میں
بنا دستک بنا آہٹ سمائی ہو

اداسی چار سو تم ہو
نجانے پھر بھی کیوں گم ہو
بھلا ڈھونڈوں کہاں تم کو
کسی اک سمت میں ہوتی تو تم کو ڈھونڈ ہی لیتی
تمہارے کان میں چپکے سے بس اتنا ہی کہہ دیتی
اداسی تم چلی جاؤ ابھی شام باقی ہے
اندھیرا شام کا چھا جائے تو
میری پلکوں پہ سارے درد رکھ جانا
اداسی تم کہاں ہو میں کہاں ڈھونڈوں تمہیں بولو؟
مجھے لگتا ہے کہ تم دل کے
بدلتے موسموں کے بیچ ٹھہری ہو
تبھی تو اتنی گہری ہو......!!

❁......❁❁......❁

سیل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا۔ وہ ساکت و جامد سی چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔
"یہ کیا کہا تھا ساویز نے اس سے کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا مگر کیوں؟ ایسا کیا قصور سرزد ہو گیا کہ وہ شادی سے فقط چند دن قبل اس کو اپنے راستے ہی الگ کر رہا تھا وہ ساویز جسے اس سے بات کیے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی جو یونیورسٹی پیریڈ میں پروانوں کی طرح اس کے گرد منڈلایا کرتا تھا۔ جسے کسی بھی پل سوائے پریہان کے اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا...... وہی تھا جس نے اپنے گھر والوں کے ساتھ لڑ کر پریہان سے منگنی کا بندھن قائم کیا تھا۔
زندگی میں کئی بار وہ لڑے تھے کئی کئی دن ایک دوسرے سے ناراض بھی رہے تھے...... مگر تب بھی اس نے کبھی اپنا راستہ الگ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا...... تو پھر اب کیا ہو گیا تھا؟
بہت سوچنے سے بھی اسے اپنا کوئی قصور، کوئی خطا یاد نہیں آ رہی تھی تو پھر وہ ایک دم سے اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیسے کر سکتا تھا۔ ماؤف ذہن کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اس نے اسے کال بیک کی مگر اس بار ساویز نے اس کی کال پک نہیں کی۔
اس کی شرٹ جل گئی تھی مگر اسے پروا نہیں تھی۔ جلتے ہوئے دل کی تکلیف، قیمتی شرٹ کے جلنے سے کہیں زیادہ تھی۔ بار بار وہ اسے کال کر رہی تھی مگر وہ پک نہیں کر رہا تھا تبھی مجبور ہو کر وہ اسی حلیے میں گاڑی لے کر اس کے گھر کے لیے روانہ ہو گئی۔
"اگر وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہا تھا تو بے حد بھونڈا مذاق تھا۔" سارہ بیگم، صمید صاحب اور زاویار میں سے کوئی بھی گھر پر نہیں تھا وہ بے دردی سے آنسو بہاتی تیز ڈرائیو کرتی رہی۔
ساویز کے گھر پہنچ کر اسے پتا چلا کہ وہ گھر پر نہیں تھا۔ دریہ اسے روتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔
وہ گاڑی سے باہر نہیں نکلی تھی۔ دریہ کو اس کے ہارن پر گھر سے باہر آنا پڑا تھا۔
"کیا ہوا پری، تم رو کیوں رہی ہو سب ٹھیک تو ہے ناں؟"
"پتا نہیں ساویز کہاں ہے؟"
"وہ تو گھر پر نہیں ہے کیوں کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں، مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے پلیز تم اسے کال کر کے گھر بلاؤ۔"
"او کے مگر تم اندر تو آؤ۔"
"نہیں مجھے اندر نہیں آنا، پلیز پہلے تم اسے یہاں بلاؤ۔"
"پری بات کیا ہے یار، تم مجھے پریشان کر رہی ہو؟"

"پریشان ساویز کررہا ہے دریہ وہ مجھ سے رشتہ ختم کرنا چاہتا ہے مگر میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گی۔"
"وہاٹ...... کیا یہ تم سے کہا اس نے؟"
"ہاں۔"
"مگر وہ ایسا کیسے کرسکتا ہے وہ تو تم سے بے حد پیار کرتا ہے پری۔"
"یہی میں بھی جاننا چاہتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کررہا ہے؟" وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔
دریہ اس پر سے نظریں ہٹا کر ساویز کو کال ملانے لگی مگر اس کا نمبر اب پاور آف مل رہا تھا۔
"اس کا نمبر بند جارہا ہے پری مگر تم ٹینشن مت لو، میں اس سے بات کروں گی بلکہ مما اور پاپا بھی اس کی کلاس لیں گے وہ اتنا بڑا فیصلہ یوں اکیلے نہیں کرسکتا۔" کھڑکی پر جھکی وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔
پریہان نے آنسو پونچھ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی ریورس کرلی۔
"پری اندر آؤ پلیز۔"
"نہیں ابھی نہیں آسکتی، پلیز تم اس سے رابطہ کرکے مجھے کال ضرور کرنا۔"
"او کے۔" دریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پریہان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

❀ ❀❀ ❀

ساویز جس وقت گھر واپس لوٹا شب کے تقریباً ساڑھے بارہ ہو رہے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت سب اس کے انتظار میں متفکر بیٹھے ہوں گے ورنہ شاید وہ صبح ہی گھر واپس آتا۔
دریہ اور مسز آفندی لاؤنج میں بیٹھی اسی کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ گاڑی گیراج میں پارک کرنے کے بعد جیسے ہی لاؤنج میں آیا مسز آفندی اور دریہ کو وہاں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام کہاں تھے اب تک؟" مسز آفندی کا موڈ غصیلا تھا۔ ساویز نے نظر انداز کرتے ہوئے فریج سے پانی کی بوتل نکالی۔
"ایک دوست کے ساتھ تھا' کچھ ضروری کام کے سلسلے میں۔"
"کیسا ضروری کام؟"
"بتادوں گا جب ہوجائے گا۔"
"ساویز تم بہت غلط کررہے ہو، مجھے بتاؤ کن ضروری کاموں کے چکر میں پڑے ہوئے ہو تم۔"
"باہر جارہا ہوں اسی سلسلے میں ویزہ حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔"
"وہاٹ...... مگر تمہیں بیٹھے بٹھائے باہر جانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی وہ بھی اس وقت جب تمہاری شادی میں بمشکل چند دن رہ گئے ہیں...... مگر کیوں؟"
"صبح بتاؤں گا، ابھی بہت تھکا ہوا ہوں پلیز سونے دیں۔" بیزار کن لہجے میں کہتا وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ مسز آفندی اور دریہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔
اگلے روز ناشتے کی میز پر وہ معمول کی مانند موجود تھا۔ احمد آفندی صاحب اور مسز آفندی دونوں اسی کا انتظار کررہے تھے جبکہ دریہ اپنی نشست پر خاموش بیٹھی تھی۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام آؤ بیٹھو۔" احمد آفندی صاحب نے جواب دیا وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ تبھی احمد صاحب بولے۔
"کیا تمہارے اور پریہان بیٹی کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے۔"
"نہیں۔"

انمول

❖ زندگی میں دو باتیں تکلیف دیتی ہیں' ایک جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ ہو اس کا مل جانا۔

❖ کسی کی حوصلہ شکنی نہ کرو' کیا پتا وہ اپنی آخری امید لے کر آیا ہو۔

❖ انسان دکھ نہیں دیتا' انسان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔

❖ اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہو تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے' اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

فیاض اسحاق مہیانہ......سلانوالی

"نہیں تو پھر رشتہ کیوں ختم کررہے ہو اس سے؟ تمہیں پتا ہے صمید حسن صاحب کا کتنا نام ہے اس شہر میں' شہر کے چند معززین میں شمار ہوتا ہے ان کا اور تم انہی کی بیٹی کے ساتھ شادی سے انکار کررہے ہو، پاگل تو نہیں ہوگئے ہو تم؟" احمد صاحب غصہ ہوئے۔ ساویز نے بے نیازی سے بریڈ پر جیم لگانا شروع کردیا۔

"پرہیان صمید حسن صاحب کی بیٹی نہیں ہے پاپا۔"

"وہاٹ......یہ کیا بکواس کررہے ہو تم؟"

"بکواس نہیں کررہا پاپا سچ کہہ رہا ہوں، صمید حسن صاحب کی صرف ایک ہی بیٹی ہے، درمکنون صمید پرہیان ان کی بیٹی نہیں ہے یہ سارہ آنٹی کی بیٹی ہے وہ بھی ناجائز۔"

"کیا......؟"

"جی پاپا، یہی سچ ہے۔"

"تم سے کس نے کہا یہ سب؟"

"صمید انکل کی سگی بیٹی درمکنون میری دوست ہے اسے نہیں پتا کہ میری انگیجمنٹ صمید انکل کی ہی لے پالک بیٹی سے ہوئی ہے ابھی چند روز قبل یونہی باتوں باتوں میں، میں نے اس سے اس کے پاپا کا پوچھا تو اس نے صمید انکل کی تصویر دکھادی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اس کے پاپا نے اس کی وفاشعار ماں کو ایک ایسی عورت کے لیے چھوڑ دیا جو شادی سے پہلے ہی ماں بن گئی تھی اور اب وہ اسی عورت اور اس کی بیٹی کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے پاپا کہ یہ سچ جاننے کے بعد میں کتنا ٹوٹا تھا، کیسے کیسے خواب نہیں سجالیے تھے میں نے اپنی آنکھوں میں پرہیان کے لیے مگر ایک پل میں ہی سارے خواب ٹوٹ گئے۔" وہ بہت دکھی لگ رہا تھا۔

احمد صاحب اور مسز آفندی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں؟ دریہ خود ساکت وجامد بیٹھی تھی۔

پرہیان نے زندگی کا اتنا بڑا سچ اس سے کیسے چھپایا؟ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد مسز آفندی بولیں۔

"ہوسکتا ہے وہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہو۔"

"وہ ایسی لڑکی نہیں ہے مما، میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اسے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر......اب صمید صاحب سے کیا کہیں گے۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں خود پرہیان سے کل صاف لفظوں میں ساری بات کلیئر کروں گا۔"

"کل کیوں، آج ہی کیوں نہیں؟"

"آج تھوڑا مصروف ہوں اس لیے۔"

"مصروفیت کو سائیڈ پر رکھو، وہ لڑکی بہت پریشان ہے کم از کم اسے پتا تو چلے کہ اسے کیوں ریجیکٹ کیا جارہا ہے؟" مسز آفندی کے لہجے میں غصہ اور ملال تھا۔ ساویز نے اثبات میں سرہلادیا۔

☆......☆......☆

پرہیان بخار میں مبتلا تھی مگر ساویز کی صرف ایک فون کال پر وہ اس کے بتائے گئے ریستوران میں فوراً پہنچی تھی۔
ساویز نے دیکھا صرف ایک ہی روز میں وہ کسی مرجھائے ہوئے پھول کی مانند کملا کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا مگر مجبور تھا۔ وہ سامنے آ کر بیٹھی تو اس نے بے ساختہ نگاہیں چرائی تھیں۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس کا لہجہ بھی بھرایا ہوا تھا۔ ساویز کو دل پتھر کرنا پڑا۔

''ایم سوری میں تمہیں دکھی کرنا نہیں چاہتا مگر یہ بھی سچ ہے پری کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔'' پہلے اس نے تابوت میں دفن کیا اور اب باہر نکالنے کی بجائے آخری کیل ٹھونک رہا تھا۔ وہ فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''کیوں، میں نے کیا کیا ہے ایسا؟''

''تم نے نہیں کیا مگر تمہاری مما نے ضرور کیا ہے۔''

''کیا کیا ہے میری مما نے؟'' وہ روہانسی ہوئی۔ ساویز نے نظریں پھیر لیں۔

''یہ تم انہی سے پوچھو تو زیادہ بہتر ہے۔''

''ان سے کیوں پوچھوں تم رشتہ ختم کر رہے ہو تم سے کیوں نہ پوچھوں۔'' وہ چلائی۔

ریستوران میں اردگرد بیٹھے لوگ بے ساختہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ ساویز نے حد درجہ خفت محسوس کی۔

''آہستہ بولو، یہ ریستوران ہے تمہارا گھر نہیں۔''

''تم جسے مسمار کر رہے ہو وہ بھی میرا دل ہے کوئی مکان نہیں ہے۔'' وہ اب رو رہی تھی۔ ساویز نے لب بھینچ لیے۔

''تم مجھے پبلک پیلس پر تماشہ بنا رہی ہو پری۔''

''اور تم...... تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟''

''میں کچھ نہیں کر رہا تمہارے ساتھ۔''

''کچھ نہیں کر رہے تو مجھے بتاؤ میں لوگوں کو کیا بتاؤں گی کہ شادی سے فقط چند روز قبل میرے ہونے والے شوہر نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔''

''ہماری منگنی ہوئی تھی نکاح نہیں ہوا تھا' جو لوگوں کو بتا نہ سکو، منگنیاں ٹوٹتی رہتی ہیں۔''

''اور اعتبار؟''

''میں نے تمہارا اعتبار نہیں توڑا اعتبار تم نے میرا توڑا ہے۔''

''کیسے، کیا کیا ہے میں نے؟''

''تم نے مجھ سے سچ چھپایا ہے تم جانتی تھیں کہ تم صمید انکل کی سگی بیٹی نہیں ہو، پھر بھی تم نے خود کو ہمیشہ ان کی سگی بیٹی ظاہر کیا۔ حالانکہ حقیقت میں تمہارا کوئی وجود ہی نہیں نہ کوئی پہچان ہے۔'' بڑی سفاکی سے وہ اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔

پرہیان کو لگا جیسے اس کا وجود ایک دم سے بلاسٹ ہو گیا ہو۔ یہ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ اس کی آنکھیں جیسے ساکت رہ گئی تھیں۔

''ک...... کیا مطلب؟''

''مطلب تمہیں سارا آنٹی بتائیں گی میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جب صمید انکل نے تمہاری مما کے ساتھ شادی کی اس وقت وہ امید سے تھیں۔ صمید انکل کے ساتھ شادی کے ٹھیک چھ ماہ بعد تم نے ان کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ یہ صمید انکل کی عظمت تھی کہ انہوں نے نہ صرف سارہ آنٹی کو اپنا نام دیا بلکہ تمہیں بھی کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، اس روز جب مجھے یہ پتا چلا کہ تم پرہیان صمید نہیں پرہیان عذیر ہو تو میں سمجھا شاید سارہ آنٹی نے صمید انکل سے پہلے بھی کسی کے ساتھ شادی کی تھی مگر مجھے یہ جان کر بہت تکلیف ہوئی کہ سارہ آنٹی کی پہلی شادی صمید انکل کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ میں کوئی بہت اعلیٰ ظرف انسان نہیں ہوں پری ایک معمولی سا روایتی مرد ہوں تم سے لاکھ محبت سہی مگر آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا، تم سمجھ سکتی ہو میری مجبوری۔''

کوئی کس حد تک سفاک ہوسکتا ہے وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی، ساویز نے لفظوں کے تیر پھینکنے بند نہیں کیے۔

"میں اپنی اولاد کے لیے کوئی رسک نہیں لینا چاہتا، میں نہیں چاہتا کہ تم سے شادی کے بعد میں ساری زندگی لوگوں سے نظریں جھکا کر ملتا رہوں، میرے بچے جب اپنی ماں کی حقیقت سے آشنا ہوں تو انہیں کونے کھدروں میں منہ چھپا کر رونا پڑے تم چاہے مجھے جتنا بھی خودغرض کہو مگر میں واقعی ایک ایسی لڑکی کو اپنا ہم سفر بنانا پسند کروں گا جو عزت دار، شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک معزز لڑکی ہو، ان فیکٹ مجھ میں ساری عمر سر جھکا کر زندگی گزارنے کا حوصلہ نہیں۔" وہ شخص صرف خودغرض نہیں بے رحم بھی تھا۔

پرہیان کو لگا جیسے پہلی بار اس کے وجود سے ناقابل برداشت بدبو آ رہی ہو۔ اتنی زیادہ کہ اسے لگا جیسے اردگرد بیٹھے لوگ اٹھ کر اسے پتھر مارنا شروع ہو جائیں گے؟

بھلا ابھی ابھی ساویز نے جو برسائے تھے کیا وہ پتھر نہیں تھے؟ بے حد نوکیلے اور بھاری پتھر...... وہ اٹھی اور بے ساختہ لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔

اس نے زندگی میں دانستہ کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ کبھی بھول کر کسی کی دل آزاری بھی نہیں کی تھی۔ پھر بھی اس کے وجود کو کانٹوں پر گھسیٹا گیا تھا...... کیوں؟ اس کا کیا قصور تھا؟ وہ تو قدرت کی جائز پیداوار تھی۔

اس کا جنم بھی لاکھوں جائز بچوں کی طرح ہوا تھا ساری زندگی اس نے اپنے کردار کو بے حد شفاف رکھا تھا پھر بھی وہ گناہ گار ٹھہرائی گئی تھی؟ بغیر کوئی خطا کیے اگر وہ گناہ گار تھی تو پھر اس کا خدا کون تھا جو اسے معاف کر کے اس کی پیشانی پر جمی سیاہی صاف کر دیتا۔

اس کی دنیا کون سی دنیا تھی جہاں وہ ایک معزز ہستی کے طور پر پہچانی جاتی؟ یہ کیسے اندھیرے تھے وہ جن میں اب تک جی رہی تھی۔

ذہن تو ماؤف ہوا ہی تھا قدم بھی جیسے بے جان ہو گئے تھے اس وقت وہ ریستوران میں اپنا سب کچھ گنوا کر وہاں سے کیسے نکلی تھی صرف اس کا خدا اور اس کا دل ہی جان سکتا تھا۔ ہر طرف آوازوں کا شور تھا اور وہ اکیلی پیدل چلی جا رہی تھی۔

❁......❁❁❁......❁
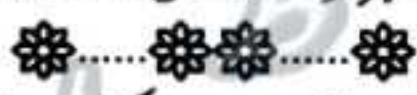
"زاویار......!" وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا جب صمید حسن صاحب کی پکار نے اس کے تیزی سے بڑھتے قدم روک لیے۔

"جی پاپا۔"

"صبح ایک کام کہا تھا تم سے ابھی تک ہوا کہ نہیں؟" وہ لاؤنج میں کھڑے تھے۔ سارہ بیگم بھی وہیں موجود تھیں۔ وہ پلٹ کر نیچے اتر آیا۔

"جی پاپا ابھی وہیں سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں صبح آفس سے سیدھا گاؤں کی طرف نکل گیا تھا پوری حویلی کی صفائی کرا دی ہے۔ سارے انتظامات بھی دیکھ آیا ہوں پری بھی کیا یاد کرے گی کتنے ڈیرسٹ بھائی سے پالا پڑا ہے اس کا۔"

"ہوں اس میں تو کوئی شک نہیں، بھائی تو واقعی بہت پیارا دیا ہے اللہ نے اسے۔" سارہ بیگم مسکرائی تھیں۔ وہ کن اکھیوں سے زاویار کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں تو صمید صاحب بھی مسکرا دیے۔

"بھائی کی بہن بھی بہت پیاری ہے۔ جن دنوں تم ایبروڈ ہوتے ہو، پاگل بنی رہتی ہے تمہارے لیے۔"

"آہم...... مگر وہ ہے کہاں...... صبح سے دکھائی نہیں دی۔"

"اپنے کمرے میں ہے شاید سو رہی ہے، میں نے دو تین بار آواز دی ہے مگر اس نے رسپانس نہیں دیا شاید گہری نیند سو رہی ہے۔"

"واؤ یعنی یہاں میں اس کی خوشیوں کے لیے ذلیل و خوار ہو رہا ہوں اور وہ شہزادی صاحبہ مزے سے گہری نیند سو رہی ہیں ابھی خبر لیتا ہوں اس کی۔" سارہ بیگم کی اطلاع پر دل جلے سے لہجے میں کہتا وہ پھر سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ تبھی صمید صاحب نے سارہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

غزل

آنکھوں میں بسے خواب سی لڑکی
نیندوں میں اترے عذاب سی لڑکی
چاند کے اس پار گگن میں
رہتی ہے وہ ماہتاب سی لڑکی
باتوں ہی باتوں میں کبھی ہنسنا کبھی رونا
بڑی عجیب تھی وہ بند کتاب سی لڑکی
دل میں بسی ہے دھڑکن کی طرح
خاموش خاموش حاضر جواب سی لڑکی
دنیا کی بھول بھلیوں میں کھوگئی کہیں
وہ اپنے آپ میں مگن نواب سی لڑکی
کانٹوں بھری اس دنیائے فانی میں انا
بہت یاد آتی ہے وہ مجھے گلاب سی لڑکی

عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

''میں جانتا ہوں سارہ کہ پری یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں ہے، بہت چپ چپ سی اداس رہنے لگی ہے مگر میرا خدا جانتا ہے، میں نے کبھی ایک لمحے کے لیے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں۔ میں نے ہمیشہ اس کی معصوم صورت میں درمکنون کا چہرہ دیکھا ہے۔ زندگی میں جب جب اس نے مجھے پاپا کہا ہے میرے کانوں میں اس کی آواز، درمکنون کی آواز کی پرچھائی بن کرامرت کی صورت اتری ہے۔ پیدائش کے بعد جب اس کا ننھا سا وجود میرے ہاتھوں میں تھمایا گیا تو میرے اندر سکون کی گہری لہر اتر گئی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں۔''

''میں سمجھتی ہوں صمید! بے شک درمکنون اور پریہان دنیا کی سب سے خوش نصیب بیٹیاں ہیں آج کل کے دور کی کہ جنہیں آپ جیسا محبت کرنے والا آئیڈیل باپ ملا۔'' سارہ بیگم کی پلکیں نم تھیں۔ صمید صاحب وہیں لاؤنج میں صوفے پر ٹک گئے۔

''کیا واقعی وہ درمکنون کے آئیڈیل باپ تھے؟'' کبھی کبھی انسان کو بے چین کرنے کے لیے صرف ایک لمحہ ہی بہت ہوتا ہے۔ پاس کھڑی سارہ بیگم ان کے اضطراب سے بے خبر آنے والے دنوں کا سوچ کر خوش ہو رہی تھیں۔ انہیں لگا جیسے انہیں اپنی تمام تر ریاضتوں کا صلہ مل گیا ہو۔ وہ سفر جو بہت سال پہلے انہوں نے آبلہ پا صمید حسن صاحب کے ساتھ شروع کیا تھا اس سفر کی تمام تر اذیتوں کو مرہم مل گیا ہو۔

❀......❀❀❀......❀
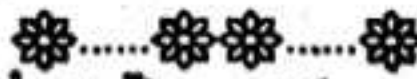
صیام کو ورکشاپ میں ملازمت مل گئی تھی۔ وہ ماہر موٹر مکینک تھا ہر قسم کے انجن کی خرابی چیک کرکے چند گھنٹوں میں دور کر دیتا مگر اس نے اس کام کو بطور فیشن نہیں اپنایا تھا۔ وہ پڑھا لکھا، محنتی تھا اس کے پاس تعلیمی ڈگریاں تھیں اسی لیے اسے یہ کام اپنے شایان شان نہیں لگتا تھا مگر حالات کی ستم ظریفی کہ اب اسے پارٹ ٹائم جاب میں یہی کام کرنا پڑ رہا تھا۔

صبح سے شام پانچ بجے تک اس کی آفس میں ڈیوٹی ہوتی اور پانچ سے سات بجے تک وہ ورکشاپ پر کام کرتا اور پھر سات بجے کے بعد تھکن سے نڈھال گھر کی راہ لیتا۔ مسلسل محنت اور ناسازگار حالات کی وجہ سے اس کی صحت بھی متاثر ہو رہی تھی۔ اس روز اس نے دفتر میں حنان سے قرض کے لیے بات کی تھی جب وہ بولا۔

''ابھی قرض ملنا مشکل ہے صیام، کیونکہ کمپنی ابھی کچھ نئے پروجیکٹس شروع کر رہی ہے پھر ابھی پچھلے مہینے میں نے ڈیڑھ

لاکھ کا قرض لیا ہے ایسے میں پھر سے میڈم سے قرض کی بات کرنا وہ بھی اس وقت جبکہ تیری جاب کو ابھی زیادہ ٹائم نہیں ہوا بہت مشکل ہے۔"

"میں ان ساری باتوں سے واقف ہوں مگر میرے حالات میرے بس میں نہیں ہیں یار۔"

"وہ تو ٹھیک ہے میں سمجھتا ہوں مگر اس جاب کی بھی کچھ مجبوریاں ہیں یار، بہتر ہوگا اگر تم اپنے طور پر میڈم سے قرض کی بات کرلو۔"

"مجھ میں اتنی ہمت ہوتی تو تجھ سے کیوں کہتا۔"

"پھر اب کیا ہوسکتا ہے۔"

"پتا نہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کروں؟"

"تم پریشان مت ہو اللہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔"

"ہوں۔" اثبات میں سر ہلا کر وہ حنان کے پاس سے اٹھ آیا تھا۔

اس روز درمکنون آفس آئی تو اس کے گلے میں دوپٹا تھا جو اس نے سینے پر پھیلایا ہوا تھا۔ صیام کو بے پناہ خوشی ہوئی۔ وہ اسے دن بھر کے پروگرامز سے آگاہ کررہا تھا جب وہ بولی۔

"شام والا سائٹ وزٹ کینسل کردیں کیونکہ شام میں مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے میری بہت کلوز فرینڈ کی سال گرہ ہے۔"

"جی ٹھیک ہے۔"

"اور آپ کے گھر میں سب ٹھیک ہیں۔"

"جی الحمدللہ۔"

"چلیں ٹھیک ہے حنان صاحب کو بھیجیں اندر پلیز۔" اس کا لہجہ ہمیشہ بہت نارمل سا ہوتا تھا اس کے باوجود وہ اسے چاہنے سے باز نہ رہ سکا۔

درمکنون اس روز مکمل بلیک سوٹ میں ملبوس بے حد پیاری لگ رہی تھی صیام ضبط کی ہزار کوششوں کے باوجود اپنی نظروں کو بار بار اس کی طرف اٹھنے سے نہ روک پارہا تھا۔ شام میں جب وہ آفس سے نکل رہا تھا درمکنون نے اسے بلالیا۔

"مسٹر صیام، پلیز گاڑی نکالیں، مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے۔ بہت لیٹ ہوگئی ہوں۔" وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ آفس ٹائم ختم ہوگیا ہے اسے اب پارٹ ٹائم جاب کے لیے ورکشاپ پر جانا ہے مگر نہ کہہ سکا۔

جس وقت وہ گاڑی نکال رہا تھا ہلکی ہلکی بوندا باندی ہورہی تھی۔ درمکنون موبائل فون پر کسی سے بات کرتی گاڑی میں آ بیٹھی۔ صیام جس وقت گاڑی اسٹارٹ کررہا تھا اس نے اسے کہتے ہوئے سنا تھا۔

"اوہ میری پیاری ماں، آپ بالکل بھی پریشان مت ہوں، میں شاپنگ میں زیادہ وقت نہیں لگاؤں گی جلدی گھر بھیج دوں گی اسے مجھے بھی پتا ہے کہ موسم کے تیور ٹھیک نہیں، اتنی ظالم باس نہیں ہوں میں جتنی آپ مجھے سمجھتی ہیں۔" شاید وہ اسی کے بارے میں بات کررہی تھی۔

صیام چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔ مارکیٹ پہنچنے تک ہلکی بوندا باندی تیز بارش میں بدل گئی تھی۔ صیام کو ورکشاپ کے مالک کی فکر لگی رہی پتا نہیں وہ کتنا ناراض ہورہا ہوگا۔ درمکنون جیسے ہی گاڑی سے نکلی تھی کسی سے ٹکرا گئی۔

"سوری۔" پلٹ کر سوری کرتے ہوئے اس نے جیسے ہی مقابل کو دیکھا تو خوش ہوگئی۔

"ارے ساویز تم یہاں وہ بھی اتنی بارش میں؟" مقابل کھڑے نوجوان کے لیے اس کی اتنی خوشی صیام کی سمجھ سے باہر تھی جبکہ نوجوان مسکرا رہا تھا۔

"ہوں، تم نے سنا نہیں بارش میں کیڑے مکوڑے زیادہ نکلتے ہیں۔" درمکنون کھل کر ہنسی۔ صیام کا خون جل کر راکھ ہوگیا۔ مگر وہ پروا کیے بغیر اس کی طرف متوجہ تھی۔

"موسم خراب ہے آپ پلیز گھر چلے جائیں میرا فرینڈ مل گیا ہے میں اس کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔" وہ بے

مختصر مختصر

جو اچھا لگتا ہے اسے غور سے مت دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کوئی برائی نکل آئے۔

جو بُرا لگتا ہے اسے غور سے دیکھو ممکن ہے کوئی اچھائی نظر آجائے۔

امینہ رؤف...... جہلم

اکثر لوگ اس لیے اکیلے ہوتے ہیں کیونکہ وہ صرف سچ بولتے ہیں اور کوئی سچ سننا پسند نہیں کرتا۔

مصباح مسکان رؤف...... جہلم

نیازی سے بولی۔

صیام اپنے اندر کی ہلچل پر قابو پاتے اس کے حکم پر چپ چاپ گاڑی سے باہر نکل آیا۔ مارکیٹ سے ٹیکسی لے کر جس وقت وہ ورکشاپ پہنچا ورکشاپ بند ہو چکی تھی۔ اس کی بائیک آفس میں کھڑی تھی۔ ورکشاپ سے آفس پہنچنے میں مزید پانچ سو روپے ٹیکسی کے کرائے کی مد میں خرچ ہوگئے۔

اس روز دفتر سے گھر پہنچنے تک وہ بہت بری طرح بھیگ چکا تھا اتنا کہ اگلے دن تیز بخار نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ بخار اتنا تھا کہ اس سے آنکھیں بھی نہیں کھولی جا رہی تھیں۔

درمکنون اگلے روز آفس آئی تو صیام کی غیر حاضری کی درخواست منہ چڑا رہی تھی۔ وہ جی بھر کر اپ سیٹ ہوئی۔ آج ہی اسے وہ تمام اہم امور نمٹانے تھے جو کل شاپنگ کی وجہ سے ادھورے رہ گئے مگر...... آج ہی صیام نے چھٹی کرلی تھی۔

حنان البتہ اپنی سیٹ پر موجود تھا۔ درمکنون نے اسے طلب کرلیا۔

”جی میڈم۔“

”مسٹر حنان، مسٹر صیام کو فون کریں مجھے آج بہت اہم وزٹ پر جانا ہے۔“ قدرے مصروف انداز میں اس نے حکم دیا تھا۔

حنان کی نظریں کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کرتیں اس کی مخروطی موی انگلیوں پر جم گئیں۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میڈم کل بارش میں بہت زیادہ بھیگنے کی وجہ سے اسے بہت تیز بخار ہے میں نے صبح کال کی تھی ان کے گھر وہ بے ہوش پڑا ہے۔“

”مگر اسے بارش میں اتنا بھیگنے کی کیا ضرورت تھی؟“ ذرا کی ذرا اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

حنان نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

”میری اس کی ماں جی سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ وہ آفس سے بہت لیٹ گھر پہنچا تھا شاید اسی لیے بارش میں بھیگتا رہا۔“

”مگر میں نے تو اسے بہت جلدی بھیج دیا تھا خیر آپ جا سکتے ہیں۔“

”جی میم۔“ اثبات میں سر ہلا کر وہ پلٹا تھا کہ پھر رک گیا۔

”ایکسکیوزمی میم مجھے صیام کے بارے میں آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“

”جی کہیں۔“ پھر ذرا نظریں اٹھا کر اس نے حنان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ قدرے نروس ہوگیا۔

”وہ بات دراصل یہ ہے کہ صیام کے حالات کچھ ٹھیک نہیں ہیں مطلب گھر کے حالات اس کے والد صاحب بستر پر پڑے ہیں ان کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے اور گردنی کا بھی اوپر سے چھوٹی بہن کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں مگر گھر کی یہ حالت ہے کہ ایک ٹائم کھانا پکتا ہے دوسرے ٹائم کا پتا نہیں ہوتا۔ ایسے میں وہ چاہ رہا ہے کہ اگر کمپنی کی طرف سے اسے کچھ قرض مل جائے تو اس کے مسائل تھوڑے کم ہو سکتے ہیں۔“

”ایم سوری مسٹر حنان کمپنی اس وقت کسی بھی ورکر کو قرض دینے کی پوزیشن میں نہیں۔“

”مگر وہ بہت زیادہ کی ڈیمانڈ نہیں کر رہا میم۔“ درمکنون کے صفا چٹ جواب پر حنان نے ہلکا سا احتجاج کیا تھا

جب وہ خفگی سے بولی۔
''پیسوں کی ضرورت انہیں ہے اور وکیل بن کر آپ میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں کیا ان کے منہ میں زبان نہیں ہے، دوسری بات، مما نے جتنا لٹانا تھا لٹا دیا، میں اس کمپنی میں ترقی کیلئے آئی ہوں ایسے ہر روز ہر در کر کی ضرورتوں پر کان دھرتی رہی تو ہو گیا بزنس اب آپ جائیں پلیز مجھے بہت کام ہے۔'' تلخ لہجے میں بات مکمل کرتے ہی اس کی انگلیاں پھر حرکت میں آ گئی تھیں۔
حنان بے حد شکستہ دلی کے ساتھ اس کے آفس سے باہر آیا تھا۔ اسی شام ساویز کے ساتھ اس کا ڈنر تھا وہ ملک سے باہر جا رہا تھا تبھی درمکنون نے اسے ڈنر کی پیش کش کی جسے اس نے خندہ پیشانی سے قبول بھی کر لی تھی۔
ساویز وائٹ کاٹن کے کرتا شلوار میں ملبوس جبکہ درمکنون نے مکمل بلیک شلوار قمیص زیب تن کر رکھی تھی۔ ہلکے میک اپ کے باوجود اس کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ساویز جب اس کے سامنے آ کر بیٹھا تھا تو چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا۔ ڈنر آرڈر کرنے کے بعد درمکنون نے اس سے پوچھا تھا۔
''تمہاری تو شادی ہونے والی تھی ساویز پھر یہ اچانک سے دربدری کا بھوت کیوں سوار ہو گیا تمہارے سر پر۔''
''بس یار میں اس سے شادی نہیں کر رہا۔''
''مگر کیوں، تمہاری تو محبت کی شادی ہو رہی تھی۔''
''ہو رہی تھی نا پر اب نہیں ہو رہی۔''
''وہی تو میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ اب کیوں نہیں ہو رہی؟''
''تم پوچھ کر کیا کرو گی؟''
''تمہیں سمجھاؤں گی اگر تم غلط ہوئے تو۔''
''میں غلط نہیں ہوں۔''
''ٹھیک ہے تو پھر مجھے ساری بات بتاؤ آخر چند دنوں میں ایسا کیا ہوا ہے جو تم شادی کے ساتھ ساتھ اپنی محبت سے بھی منکر ہو گئے ہو۔'' وہ جاننے کے لیے بضد تھی۔ ساویز نے نظریں اس کے خوب صورت چہرے سے ہٹا لیں۔
''وہ میرے قابل نہیں ہے دری، ان فیکٹ میری بیوی بننے کے قابل نہیں ہے وہ۔''
''مگر کیوں؟''
''کیونکہ...... کیونکہ وہ ایک ایسی ماں کی بیٹی ہے جو شادی سے پہلے ہی ماں بن گئی تھی۔''
''وہاٹ......؟''
''ہوں...... وہ اسی عورت کی بیٹی ہے جس نے مریرہ آنٹی سے ان کا محبوب شوہر اور تم سے تمہارا محبوب باپ چھین لیا تھا۔''
ساویز کے الفاظ نہیں تھے کوئی بم تھا جو اس کی سماعتوں پر گرا تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔
''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''
''سچ کہہ رہا ہوں اس نے آج تک کبھی مجھے اپنی حقیقت نہیں بتائی اس روز میں تمہارے پرانے گھر گیا تھا تم سے ملنے مگر وہاں پہنچ کر خبر ہوئی کہ تم لوگ اپنا گھر تبدیل کر چکے ہو پانچ سال دیار غیر میں گزارنے کے سبب مجھے پتا ہی نہیں چل سکا کہ پیچھے کیا کیا تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ یونیورسٹی میں بھی تم مجھ سے ایک کلاس آگے تھیں اسی لیے کبھی کھل کر تمہاری زندگی پر بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مگر اس روز تمہارے گھر تمہارے پاپا کی تصویر مریرہ آنٹی کے ساتھ دیکھ کر میری آنکھیں حیران رہ گئی تھیں۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم صمید انکل کی حقیقی بیٹی ہو سکتی ہو میں تو پری کو ہی ان کی حقیقی بیٹی سمجھتا تھا اور اسی لیے میں نے اسے ایک لائف پارٹنر کی حیثیت سے پسند کیا تھا مگر بعد میں بغیر کچھ جانے جب تم نے مجھے اپنی زندگی کی کہانی سنائی اور انکل آنٹی کی دوری کی اصل وجہ بھی میرے سامنے لائیں تب میرے پیروں تلے سے زمین نکلی تھی بھلا میں سوچ بھی کیسے سکتا تھا کہ جس لڑکی کو اس کی عزت بچانے کے لئے مجبوراً صمید انکل نے اپنا نام دیا وہ لڑکی کوئی اور نہیں پریہان کی سگی ماں سارہ آنٹی ہوں گی۔ میں بہت رویا تھا اس

نصیحت آمیز باتیں

- جب انسان کو اس بات کا احساس ہو کہ وہ اب اپنے فرائض بخوبی اور احسن طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا تو وہ اس کام کو چھوڑ دے۔
- جہاں عزت نفس اور احترام آدمیت کو مجروح کیا جائے وہاں سے خاموشی سے چلے جانا چاہیے۔
- جب لوگ ہم سے بچھڑ کر اور ہمیں چھوڑ کر خوش رہ سکتے ہیں تو ہمیں بھی ان کے بغیر خوش رہنا سیکھ لینا چاہیے۔
- کسی کے سامنے اپنے درد کو آشکار مت کرو کہ وہ کبھی بھی آپ کو اس بات کا طعنہ دے سکتا ہے۔
- زندگی میں کبھی اس شخص کو صفائی مت دو جو آپ پر بھروسے کا دعویٰ کرتا ہے۔
- زندگی سے روٹھے ہوئے کسی شخص کو زندگی بخشنا اور اسے خوشیاں دے کر تم اپنی آخرت بنا سکتے ہو۔

ہالہ سلیم ......کراچی

رات، اپنے ساتھ ہوئے تقدیر کے عجیب مذاق پر بہت گلے شکوے بھی کیے پوری رات دماغ اور دل کی جنگ میں الجھتا رہا اور بلآخر دماغ جیت گیا۔ میں ایک ایسی لڑکی کو کسی طور اپنی زندگی میں شامل نہیں کرسکتا جس کا حوالہ ہی میرے لیے بے حد شرمندگی کا باعث ہو، محبت اپنی جگہ مگر میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ اتنی بڑی بات نظر انداز کردوں۔ میں اس مشرقی معاشرے کا عزت دار، معزز شہری ہوں دری، ایک داغ دار لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر کے بھلا میں اپنی پوری زندگی داغ دار کیسے کرسکتا ہوں۔'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ درمکنون گم صم اسے دیکھتی رہی۔ تبھی وہ پھر بولا تھا۔

''وہ میرے قابل نہیں ہے دری، اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں، کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' اب کے وہ چونکی تھی۔

''وہاٹ مم...... میں کیسے کرسکتی ہوں تم سے۔''

''کیوں، تم کیوں شادی نہیں کرسکتیں مجھ سے، مجھ میں کس چیز کی کمی ہے۔''

''بات کمی کی نہیں ہے ساویز، بات دل کی ہے میں نے تمہارے لیے کبھی کچھ خاص محسوس نہیں کیا اپنے دل میں۔''

''جانتا ہوں مگر یہ سب اس لیے تھا کیونکہ اس وقت میں کسی اور سے منسوب تھا۔ اب ایسی کوئی بات نہیں ہے لہٰذا تم ٹھنڈے دل ودماغ سے میرے بارے میں سوچ سکتی ہو، جتنا تم کہو گی انتظار کرلوں گا۔''

''ٹھیک ہے مگر ابھی میں گھر جانا چاہوں گی میرے سر میں اچانک سے بہت شدید درد شروع ہوگیا ہے۔''

''اوکے، چلو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔''

''نہیں تم کھانا کھاؤ پلیز، میں تھوڑی دیر سڑکیں ناپتی ہوئی گھر جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔'' وہ اس کے مزاج سے واقف تھا تبھی اس نے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

درمکنون الجھے دل ودماغ کے ساتھ وہاں سے اٹھ آئی۔

مریرہ بیگم رات بہت دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی تھیں۔ وہ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے گھر آئی تو تھکن سے بے حال تھی تبھی مریرہ بیگم نے اس کی کلاس لینے کا ارادہ ملتوی کردیا تھا۔ بنا کھانا کھائے وہ اپنے کمرے میں آ کر فوراً بستر میں دبک گئی تھی۔

اس وقت خنکی موسم میں نہیں اس کے وجود میں اتری ہوئی تھی۔ وہ عورت جس نے اس کی ماں کی زندگی اجاڑ کر رکھ دی تھی اس کی بیٹی آج بھی کتنی شان کے ساتھ اسی کے سگے باپ کی لخت جگر بن کر عیش کررہی تھی۔ جو حق اس کا تھا وہ حق وہ استعمال کررہی تھی۔ جائز اولاد ہو کر بھی اس کے حصے میں صرف محرومیاں آئی تھیں جبکہ وہ، ماں اور باپ کے ساتھ ساتھ اسی کے بھائی کے پیار کی بھی زندہ مثال بنی ہوئی تھی۔

کیوں؟ اس نے اپنے اندر ٹٹول کر دیکھا وہاں ساویز سمیت کسی مرد کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس نے یونیورسٹی میں ساویز

کے ساتھ ایک سال گزار کر بھی کبھی دل میں اس کے لیے کوئی خاص جذبہ محسوس نہیں کیا تھا۔
زاویار جیسے لڑکیوں سے الرجک تھا بالکل ویسے ہی وہ مردوں سے شدید الرجک تھی پچیس سال اپنی ماں کی آنکھوں میں درد کی پرچھائیں دیکھنے کے بعد اس کے دل میں کسی مرد کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔
مگر...... وہ پھر بھی ساویز کے لیے سوچ رہی تھی۔ کوئی جذبہ کوئی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود وہ اس کے پرپوزل پر غور کر رہی تھی۔
پچیس سال پہلے جس عورت نے اس کی بے مثال ماں سے ان کا محبوب شوہر چھینا تھا آج اسی عورت کی بیٹی سے وہ اس کا ہونے والا محبوب شوہر چھین کر اپنے اندر سلگتی آگ کو بجھانے کا سوچ رہی تھی بے شک اسی میں اس کی جیت تھی۔

❁......❁❁......❁
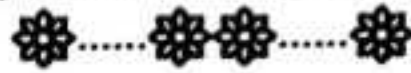
پانیوں پہ مت لکھو
پانیوں پر لکھنے کی عادتیں نہیں اچھی
ان پہ جو بھی لکھو گے
وصل ہو کہ فرقت ہو
درد ہو کہ لذت ہو
دائمی نہیں ہوتا
پانیوں کی تحریریں بے ثبات ہوتی ہیں
خوش گمان کرتی ہیں
بے نشان کرتی ہیں

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی جب زاویار گھر واپس آیا۔ لان کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ گاڑی پارک کرنے کے بعد باہر نکلا تو نظر سیدھی، لان کی سیڑھیوں پر گھٹنوں پہ سر ٹکائے بیٹھی پریہان پر جا پڑی۔ وہ چونک اٹھا۔
بھلا رات کے تین بجے وہ وہاں بیٹھی کیا کر رہی تھی جبکہ اس نے آج تک اسے کبھی تہجد پڑھتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی سمت بڑھا اور پھر چپکے سے اس کے پہلو میں جا بیٹھا۔
"السلام علیکم! یہ دن بھر سونا اور رات میں آخری پہر تک جاگ کر تارے گننا کب سے شروع کر دیا میری مانو بلی نے۔" وہ تھکا ہوا تھا مگر اس نے اپنی تھکن اس پر ظاہر نہیں کی تھی۔ پریہان نے اس کے قریب بیٹھنے پر اپنے آنسو اندر اتار لیے۔
"نیند نہیں آ رہی تھی بھائی، اسی لیے یہاں آ کر بیٹھ گئی۔"
"آہم...... اب نیند بھلا آ بھی کیسے سکتی ہے شادی میں صرف ایک ہفتہ جو رہ گیا ہے۔"
"ایسی بات نہیں ہے۔"
"پھر کیسی بات ہے بتاؤ مجھے یہ تمہاری آنکھیں کیوں سوجی ہوئی ہیں کیا تم رو رہی ہو پری؟"
"نہیں۔"
"جھوٹ مت بولو مجھے بتاؤ شاباش کیا بات ہے۔" وہ بضد ہوا۔
پریہان کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ آنسوؤں کا جو طوفان اس نے اب تک روک رکھا تھا وہ ایک دم سے ابل پڑا۔
زاویار کے کندھے سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ وہ پریشان ہو گیا۔
"پری، کیا ہوا، کسی نے کچھ کہا ہے سب ٹھیک تو ہے؟" پریہان میں اس کی جان تھی اور اس وقت اس کے آنسوؤں نے اس کی جان پر بنا کر رکھ دی تھی۔ مگر وہ پروا کیے بغیر دل کھول کر رو رہی تھی یوں جیسے وہ مہربان کندھا پھر ملے گا ہی نہیں۔ زاویار چند لمحوں تک اس کی سسکیاں سنتا رہا پھر اس نے نرمی سے اس کا سر پکڑ کر اسے خود سے الگ کیا۔
"مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" وہ اب سنجیدہ تھا۔

غزل

زمانہ دوست ہوجائے تو بہت محتاط ہوجانا
کہ اس کے رنگ بدلنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
کوئی جو خواب دیکھو تو اسے فوراً بھلا دینا
کہ نیندیں ٹوٹ جانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
کسی کو دکھ کبھی دینا تو اتنا سوچ کر دینا
کسی کی آہ لگنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
بہت ہی معتبر ہیں جن کو محبت راس آجائے
کسی کو راہ بدلنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

لیلیٰ رب نواز لیلیٰ...... ودھیوالی بھکر

پریہان نے نظریں پھیرلیں، اس کی آنکھیں جیسے جل رہی تھیں۔ عجیب بات تھی کہ وہ اس کو نہ اصل حقیقت بتاسکتی تھی نہ کچھ چھپاسکتی تھی تبھی خود پر ضبط کرتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے شکستہ لہجے میں بولی۔

"میں ساویز آفندی کے ساتھ شادی نہیں کررہی بھائی۔"

"وہاٹ...... مگر کیوں تم تو اسے پسند کرتی ہو۔"

"ہوں مگر وہ مجھے پسند نہیں کرتا بھائی، اس نے آج تک مجھے دھوکے میں رکھا، جھوٹ کہا مجھ سے کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے حقیقت میں اسے میری ذات سے کوئی پیار نہیں تھا وہ جسٹ اس لیے مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں ایک رئیس باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اس کی نظر میں مگر جب اسے لگا کہ میں پاپا سے کچھ نہیں لوں گی اس نے خود اپنے منہ سے مجھے ساری سچائی بتادی۔ وہ بہت لالچی شخص ثابت ہوا بھائی مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیوں اتنے سالوں تک اس کے اندر کی بات نہیں جان پائی کیوں کھلونا بنی رہی میں اس کے ہاتھوں میں کیوں یہ سمجھتی رہی کہ پیار ہی اس دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے جبکہ حقیقت میں پیار جیسی بے مول اور سستی چیز دوسری کوئی نہیں۔"

"ایسا نہیں ہے تم نے کیوں کہا اس سے کہ تم پاپا سے کچھ نہیں لوگی؟"

"بس یونہی اس کی محبت کی حقیقت جاننا چاہتی تھی اور اسی حقیقت نے مجھے منہ کے بل گرادیا۔"

"نہیں، تمہیں رونے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں ابھی اپنے کمرے میں جاکر تھوڑا فریش ہوکر بات کرتا ہوں اس سے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتا مگر میں اس رشتے کو ایسے ٹوٹنے نہیں دوں گا۔"

"رشتہ ٹوٹ چکا ہے بھائی، میرے لیے اب دنیا میں ساویز آفندی نام کا کوئی شخص زندہ نہیں اب اس شخص سے شادی میرے لیے موت کا دوسرا نام ہے۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو پری؟"

"ہاں۔"

"مگر میں تمہیں پاگل نہیں بننے دوں گا میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجاکر رکھ دوں گا اگر اس کی وجہ سے دوبارہ ایک آنسو بھی آیا تمہاری آنکھوں میں۔"

"اب اس کی بھی ضرورت نہیں ہے بھائی، میں نے اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے۔"

""مگر میں اسے نہیں چھوڑوں گا تم کمرے میں جاؤ ابھی میں اسے کال کرتا ہوں شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں، وہ بھی اس وقت جب سارے رشتہ داروں میں شادی کے کارڈز بٹ چکے ہیں۔'' وہ برہم تھا پریہان بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنی نم آنکھوں کو رگڑتی رہی۔

زاویار نے فریش ہونے کے بعد ساویز کا نمبر ملایا تو وہ بند جا رہا تھا اس کے گھر کال کرنے پر پتا چلا کہ وہ تو ملک ہی چھوڑ گیا ہے تبھی وہ پتھر ہو گیا تھا۔ بھلا دنیا میں یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی شخص اس کی اکلوتی لاڈلی بہن اور صمید حسن جیسے کامیاب آئیڈیل انسان کی پیاری بیٹی کو یوں آسانی سے رد کر کے چلا جائے۔ انہونی سی انہونی تھی۔

اگلے روز صبح ناشتے کی میز پر سارہ بیگم اور صمید صاحب کو بھی اس انہونی کی خبر ہو گئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔ بھلا ساویز ان کی بیٹی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا تھا جبکہ ساویز کے باپ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بزنس کی دنیا میں متعارف کرانے والے خود صمید حسن تھے اور یہ سب انہوں نے صرف اور صرف اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لیے کیا تھا جو ساویز کو یونیورسٹی لائف سے ہی پسند کر رہی تھی وہ سمجھتے تھے کہ پریہان کو دنیا کی ہر خوشی دے کر وہ درمکنون کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا کفارہ کرلیں گے مگر ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے تھے۔

پریہان تیز بخار میں پھنک رہی تھی اور وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر فوراً ساویز کے گھر کی طرف نکل آئے تھے۔ بھلا ایک دم سے ایسی کیا بات ہو گئی تھی کہ جو شادی سے محض ایک ہفتہ قبل ساویز نے رشتہ ہی ختم کر دیا تھا۔ پورے رستے یہ سوال ان کے ذہن میں گونجتا رہا تھا۔ ایسے میں کب گاڑی ساویز کے گھر کے سامنے رکی انہیں مطلق خبر نہ ہوئی۔ ڈرائیور نے ہی انہیں مطلع کیا تھا۔

''آفندی صاحب کا گھر آ گیا ہے صاحب۔'' وہ چونکے اور پھر فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی سے نکل آئے۔

احمد آفندی صاحب طبیعت کی ناسازی کے باعث پچھلے تین چار روز سے گھر پر ہی آرام کر رہے تھے تبھی ان کا استقبال خود آفندی صاحب نے کیا تھا۔ مسز سعدیہ آفندی بھی گھر پر ہی تھیں۔ صمید صاحب ڈرائنگ روم کے بجائے وہیں لاؤنج میں ٹک گئے۔

''آپ لوگ یقیناً حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں بنا اطلاع کیے یوں صبح ہی صبح کیسے نازل ہو گیا۔ مگر بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں خود کو روک نہیں پایا۔'' انہوں نے تمہید باندھی تبھی مسز آفندی بول اٹھیں۔

''جی نہیں، آپ کا اپنا گھر ہے آپ جب، جس وقت چاہیں یہاں آ سکتے ہیں ان شاء اللہ ہمارے گھر کے دروازے آپ کو ہمیشہ کھلے ملیں گے۔''

''میں جانتا ہوں شاید اسی لیے میں نے اپنی لاڈلی بیٹی کا رشتہ اس گھر سے جوڑا تھا مگر ابھی جو بات میں سن کر آیا ہوں میرا دل اسے کسی طور تسلیم نہیں کر رہا۔''

''دل تو ہمارا ابھی تسلیم نہیں کر رہا تھا جب ہم نے ساویز کے منہ سے انکار سنا تھا مگر اس نے جواز ہی اتنا مضبوط پیش کیا ہم چاہتے ہوئے بھی اس کے فیصلے کی مخالفت نہ کر سکے۔'' اس بار پھر مسز آفندی نے جواب دیا تھا۔ صمید صاحب کی حیرانی مزید بڑھ گئی۔

''کیسا جواز؟''

''ہم بیان کر کے آپ کی بے عزتی نہیں کرنا چاہتے مگر چپ رہ کر آپ کی نظروں میں اپنا مقام بھی نہیں گرا سکتے اس لیے میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔''

''کیسی بے عزتی، آپ پلیز کھل کر بتائیں کیا معاملہ ہے۔'' احمد صاحب کے لب کھولنے پر وہ مزید بے چین ہوئے تبھی انہوں نے بتایا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ پریہان بہت اچھی بچی ہے مگر ہم اس رشتے سے اس لیے بے حد خوش تھے کیونکہ یہ ہمارے بیٹے کی خوشی تھی اس نے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا تھا اسی لیے ہم سوالی بن کر آپ کے گھر آ گئے مگر اس وقت ہم قطعی یہ نہیں جانتے تھے کہ پریہان آپ کی سگی بیٹی نہیں، بلکہ کسی اور کا گناہ ہے۔ ساویز کو جانے کیسے یہ ساری کہانی پتا چل گئی کہ آپ نے اپنی بیوی اور

سگی بیٹی کے حقوق سے منہ موڑ کر ایک داغ دار عورت کو اپنا نام دیا اور معاشرے میں عزت دلوائی، مگر حقیقتاً وہ عزت کے لائق نہیں تھی۔ اسی لیے ساویز نے اس رشتے سے انکار کردیا ہے معاف کیجیے گا صمید صاحب ہم خود بھی ایسی لڑکی کو اپنے گھر کی زینت نہیں بنا سکتے جس کا وجود ایک سوالیہ نشان ہو۔"

"بس...... اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کروں گا۔" احمد آفندی صاحب کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے صمید صاحب بوڑھے شیر کی مانند دھاڑے تھے۔

"میری بیٹی کا وجود گناہ نہیں ہے، نہ ہی کوئی سوالیہ نشان ہے، اس کی ماں ایک پاک باز عورت تھی اور ہے، میری زوجیت میں آنے سے پہلے ان کا نکاح ہو چکا تھا مگر یہ ان کی بدنصیبی تھی کہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی غلطی کا شکار ہوکر بے نام ونشان رہ گئیں۔ ان کے سابق شوہر نے ان کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف ان کی پاکیزگی کو چیلنج کیا بلکہ بعد میں ایک چھوٹی سی بے بنیاد بات کا ایشو بنا کر انہیں خود سے الگ کردیا تبھی مجبوراً مجھے اپنا نام دینا پڑا انہیں، مگر یہ بات کسی طور پر درست نہیں کہ میں نے اپنی سگی بیٹی یا اس کی ماں کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی وہ خود مجھے چھوڑ کر گئی تھی۔" وہ بتانا نہیں چاہتے تھے مگر جذبات میں آ کر بتا گئے تھے۔ احمد آفندی صاحب اور مسز آفندی کا منہ دیکھنے والا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"وہی جو سچ ہے مگر اب مجھے کسی قیمت پر آپ لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھنا میری بیٹی اتنی بے مول نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کے وجود پر انگلیاں اٹھاتا پھرے اور میں چپ چاپ برداشت کرتا رہوں۔" سخت خفگی سے کہتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس سے پہلے کہ آفندی صاحب یا ان کی بیگم ان سے کچھ کہہ پاتے وہ واپس پلٹ گئے تھے۔

❁......❁❁❁......❁
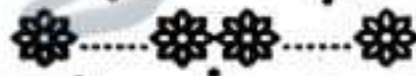
زاویار گھر پر نہیں تھا۔ سارہ بیگم بھیگی پلکوں کے ساتھ لاؤنج سے اٹھ کر رہیان کے کمرے میں چلی آئیں جو تکیوں کے سہارے بیڈ پر بیٹھی ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر ان کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔

"پری۔" تڑپ کر اسے پکارتے ہوئے وہ اس کی طرف بڑھی تھیں۔ رہیان نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"پری......!" وہ اب قریب آ کر بیٹھی تھی تبھی رہیان نے آنکھیں کھول دیں۔

"کون پری مما، ساری زندگی آپ مجھے پری پری کہہ کر دھوکہ دیتی رہیں اور میں، میں نے آپ کے لفظوں کے فریب میں آ کر واقعی خود کو ایک پری سمجھنا شروع کردیا ایک ایسی پری جو محبت کے جادو کی چھڑی گھما کر کچھ بھی حاصل کرسکتی ہے مگر حقیقت یہ نہیں تھی حقیقت وہ تھی جو دنیا نے مجھے بتائی نہیں، بلکہ کسی تمانچے کی صورت میرے منہ پر ماری اور میں تڑپ کر رہ گئی۔"

"کیسی حقیقت۔" سارہ بیگم کی آنکھیں نم تھیں مگر رہیان نے ان کی آنکھوں میں دیکھنے کی بجائے بے زاری سے منہ پھیر لیا۔

"خدا کا واسطہ ہے مما میرے سامنے ایسی اداکاری مت کیا کریں جیسے آپ کو کسی حقیقت سے آشنائی ہی نہیں، آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کس حقیقت کی بات کررہی ہوں، سالوں پہلے آپ نے دو محبت کرنے والے دلوں کے درمیان دراڑ پیدا کی ان کی زندگیوں میں زہر گھولا ایک عورت ہوتے ہوئے بھی اپنے ہی جیسی ایک عورت کا گھر برباد کیا نہ صرف گھر برباد کیا بلکہ اس کے معصوم بچوں کو بھی تقسیم کردیا ایک باپ کی محبت سے محروم ہوا تو دوسرا ماں کی کیوں صرف اپنا گناہ چھپانے کے لیے اپنی ناجائز اولاد کو ایک جائز نام دینے کے لیے۔"

"رہیان۔" اب تک خاموش بیٹھی سارہ بیگم اچانک دھاڑی مگر رہیان نے پروا نہیں کی اس کی آنکھوں سے بہت روانی کے ساتھ آنسو بہہ رہے تھے۔

"دھاڑیں مت کیونکہ آپ کے دھاڑنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی آپ کا کردار بدل نہیں جائے گا آپ نے وہ کیا ہے مما کہ مجھے آج آپ کو اپنی ماں کہتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔ ساری عمر اپنا گناہ چھپا کر جو اپنی ہی سگی اولاد سے جھوٹ بولتی رہی وہ میری ماں ہے، جس کا کردار میرے لیے کسی گالی سے کم نہیں، وہ میری ماں ہے آج جس کے حوالے نے مجھ سے میری پانچ

سالہ محبت کو چھین کر مجھے اندھیروں کے سپرد کردیا ہے وہ میری ماں ہے‘ نفرت محسوس ہورہی ہے مجھے آج آپ سے، خود اپنے آپ سے بار بار ہاتھ لے کر بھی میں اپنے وجود سے اٹھتی بساند سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پارہی یہ کس عذاب میں ڈال دیا آپ نے مما کہ نہ جی پارہی ہوں نہ مر رہی ہوں۔‘‘ وہ بہت اذیت میں تھی۔ سارہ بیگم کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ ٹوٹ کر گر پڑے۔

’’حقیقت وہ نہیں ہے جو تم جانتی ہو۔‘‘

’’مما پلیز، بس کریں اب، مت بولیں کوئی اور جھوٹ مجھ سے سارے پردے اٹھ گئے ہیں اب اور کب تک مجھے بچی سمجھ کر بہلاتی رہیں گی آپ، میں جان گئی ہوں کہ کیوں آپ اور پاپا ایک ہی بیڈ روم میں نہیں رہتے، میں سب جان گئی ہوں مما اب آپ کچھ بھی کہیں، جتنی قسمیں بھی کھائیں میں زندگی بھر بھی آپ کی کسی بات کا اعتبار نہیں کرسکوں گی۔ نفرت محسوس ہورہی ہے مجھے آپ سمیت ان تمام عورتوں سے جو صرف اپنی خوشی اور خواہش پر محض چند لمحوں کی راحت کے لیے ننھے ننھے معصوم پھولوں کو، دنیا کے اس بازار میں نمائش بنا کر رکھ دیتی ہیں کبھی ان کا دل یہ سوچ کر نہیں پھٹتا کہ ان کے چند لمحوں کی لغزش ان کے وجود سے جنم لینے والے بچے کے لئے ساری عمر کا عذاب بن جائے گی۔ حالانکہ بچوں کا تو کوئی قصور نہیں ہوتا، وہ تو قدرت کے جائز طریقوں پر ہی دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں، مگر پھر بھی ساری عمر کی سنگ باری ان کا مقدر بن جاتی ہے، پاپا تو اعلیٰ ظرف ہیں مگر زاویار بھائی...... کیا میری حقیقت جاننے کے بعد وہ مجھ سے پیار کریں گے۔ کبھی نہیں، جو بھائی آج مجھ پر جان چھڑکتا ہے کل وہی میری اصلیت جاننے کے بعد مجھ پر تھوکا کرے گا۔ کتنی عزت کرتا ہے وہ آپ کی مگر کل جب اسے پتا چلے گا کہ آپ اس کی سگی ماں نہیں ہیں بلکہ ان کی سگی ماں سے ان کا حق چھین کر انہیں زمانے میں دربدر کرنے والی ہیں تب سوچیں وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا مما آپ نے کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا مما، کسی کے ساتھ بھی نہیں......!‘‘ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتے ہوئے اس نے اپنے اندر کی ساری بھڑاس نکالی تھی جبکہ اس کے مقابل بیٹھی سارہ بیگم کے آنسو جیسے برف ہوگئے تھے۔

اس درجہ بدگمان ہوئی بیٹی کے سامنے بھلا ماضی کی کتاب گرد آلود اوراق پلٹنے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ وہ چاہتے ہوئے بھی اس وقت اپنی صفائی پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔

زاویار جو ابھی کچھ منٹ پہلے ہی گھر واپس لوٹا تھا اور اپنے ساتھ پریہان کے بھی انگلینڈ کے سفر کے کاغذات مکمل کروا کر لایا تھا اس کے کمرے کی دہلیز پر ہی ساکت ہوگیا۔ یہ کیسی حقیقت تھی جس کا انکشاف پریہان صمید کررہی تھی؟ یہ کیسا سچ تھا جس نے اس کی شخصیت کی بنیادوں کو ہی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے تو آج تک یہی جانا تھا کہ دنیا میں اس کی ایک مہربان ماں اور ایک بہت پیاری سی بہن ہے جو کہ سارہ بیگم اور پریہان کی شکل میں اس کے سامنے تھیں مگر پریہان یہ کیوں کہہ رہی تھی کہ وہ سچ نہیں تھا۔ سچ وہ تھا جسے جاننے کے بعد وہ سارہ بیگم اور پریہان کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا ایسا کون سا سچ تھا؟ اگر تھا تو اب تک وہ اس سے بے خبر کیوں تھا؟

صمید حسن کے علاوہ دوسرا کون تھا جو گزرے ہوئے ماضی کے گرد آلود اوراق پلٹ کر اسے اصل حقیقت بتا سکتا تھا؟ کیونکہ وہ جانتا تھا صمید حسن صاحب اسے کبھی وہ سچ نہیں بتائیں گے جو اس کے لیے جاننا اب بے حد ضروری ہوگیا تھا تبھی۔ پتھر ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

❁......❁❁......❁
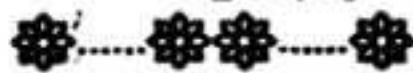
اس روز سنڈے تھا۔ عائلہ نے کچن کے چند ضروری کاموں سے فراغت کے بعد مشین لگالی۔

کرنل صاحب کی طبیعت اب پہلے سے کافی بہتر تھی تبھی سدید اپنے کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر چلا گیا تھا۔

اس روز کافی دنوں کے بعد تھوڑی سی دھوپ نکلی تھی اور عائلہ نے اسی دھوپ کا فائدہ اٹھایا مگر وہ ابھی آدھے کپڑے بھی نہیں دھو پائی تھی کہ اچانک پھر آسمان پر گھنے بادلوں کا راج ہوگیا تھا۔ سردی کی شدت میں بھی قدرے اضافہ ہوا تھا۔

تبھی اس کے ہاتھ مزید پھرتی سے چلتے ہوئے کپڑوں کے ساتھ دیگر کام بھی نپٹانے لگے تھے کرنل صاحب اس کی پھرتیاں دیکھ رہے تھے جانے کیوں کبھی کبھی اسے دیکھتے ہوئے انہیں مریرہ رحمان بہت شدت سے یاد آتی تھی۔ روزمرہ زندگی کے بہت سے معاملات میں عائلہ ہو بہو مریرہ کی کاپی تھی اس کی شخصیت میں بہت کچھ مریرہ سے ملتا جلتا تھا اس کی گفتگو کا انداز، اس کی

سوچ، اس کے گھریلو کام نپٹانے کے طریقے اس کی چال سب میں مریرہ کا عکس تھا۔ انہیں لگتا تھا جیسے عائلہ کی صورت میں وہ اس گھر میں واپس لوٹ آئی ہو، بارش اچانک شروع ہوگئی تھی۔

چند روز قبل سدید قیمتی کبوتروں کا جوڑا لایا تھا وہ بھی اس وقت صحن میں رکھے چھوٹے سے پنجرے میں بھیگتے ہوئے پھڑ پھڑا رہے تھے مگر عائلہ کو فی الوقت ان پر توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔ پور پور بارش میں بھیگی، بنا اپنے حلیے پر توجہ کیے وہ پھرتی سے اپنے کام نپٹانے میں مصروف تھی جب اچانک بیرونی گیٹ پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔

وہ چونکہ گیٹ کے قریب تھی تبھی کرنل صاحب کو اٹھنے کی زحمت دیے بغیر اس نے فوراً آگے بڑھ کر خود ہی گیٹ کھول دیا۔ وہ جانتی تھی اس وقت سوائے سدید کے گیٹ پر اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا مگر اس کا قیاس غلط ثابت ہوا تھا۔

گیٹ پر اس وقت سدید علوی کی بجائے زاویار حسن کھڑا تھا لائٹ گرے ڈریس پینٹ پر بلیک چیک دار شرٹ زیب تن کیے وہ خود بھی محض چند لمحوں میں ہی عائلہ کی طرح بارش میں بھیگ گیا تھا۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی۔ بھلا وہ شخص جس کی گردن میں سریا فٹ تھا وہ اس کے گھر کی دہلیز پر کھڑا کیا کر رہا تھا؟ عائلہ نے دیکھا اس کی آنکھیں صاف دھول اڑاتی محسوس ہورہی تھیں۔

''کرنل صاحب ہیں گھر پر؟'' بنا دعا سلام کے قدرے خشک لہجے میں اس کے حلیے پر توجہ دیے بغیر وہ پوچھ رہا تھا۔ عائلہ نے فوری خود کو سنبھال لیا۔

''جی......جی ہاں۔''

''مجھے ان سے ضروری کام ہے، کیا ابھی ملاقات ہوسکتی ہے۔''

''شیور۔'' وہ اس مغرور شخص کا اپنے گھر کی دہلیز تک چلے آنا ہی ہضم نہیں کرپارہی تھی کہ کجا کہ اس کا کرنل صاحب سے ضروری کام۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

تاہم اس نے خود کو گیٹ کے دائیں طرف سے سمٹتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔ باہر اس وقت جتنی بھی تیز بارش برس رہی تھی زاویار حسن کے اندر برستی بارش سے زیادہ تیز نہیں ہوسکتی تھی۔

❁......❁❁......❁
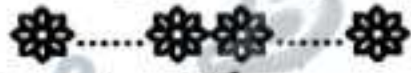
''السلام علیکم۔'' عائلہ کی حیرانی کو قطعی کوئی اہمیت دیے وہ کرنل صاحب کے قریب آیا جو برآمدے میں بیٹھے باہر صحن میں ہونے والی بارش کا جائزہ لے رہے تھے۔ زاویار کے سلام پر انہوں نے قدرے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا جب عائلہ فوراً قریب چلی آئی۔

''یہ زاویار ہے بابا، صمید انکل کے بیٹے، برسوں بیرون ملک میں زندگی گزارنے کے بعد ابھی چند ہی روز پہلے پاکستان آئے ہیں مریرہ آنٹی سے یقیناً ان کے بیٹے کا نام تو سنا ہوگا آپ نے۔'' عائلہ کے تفصیلی تعارف پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے زاویار کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا۔

''وعلیکم اسلام آؤ بیٹھو، کیسے آنا ہوا؟''

''کچھ ضروری کام تھا آپ سے۔'' کرنل صاحب کے مقابل کین کی کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے قدرے خشک لہجے میں کہا۔ کرنل صاحب نے آنکھ کے اشارے سے عائلہ کو وہاں سے رخصتی کا پیغام دے دیا۔

''ہوں کہو۔'' عائلہ کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

زاویار کا دماغ اس حد تک الجھا ہوا تھا کہ اسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ وہ جو پوچھنا چاہتا ہے اس کی تمہید کیسے باندھے؟ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بالآخر اس نے لب ہلائے تھے۔

''میں آپ کو اس موسم میں تکلیف دینے کے لیے معذرت چاہتا ہوں مگر حقیقت میں اس وقت میں اتنا پریشان ہوں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آپ کے سوا اور کس کے پاس جاؤں اصل میں، میں نے ہمیشہ اپنے پاپا کے لبوں پر آپ کا ہی ذکر سنا ہے آپ کے احسانوں کی وجہ سے وہ عائلہ کے ساتھ بھی بالکل حقیقی بیٹیوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں، میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ ان کی

زندگی کے بارے میں کتنا جانتے ہیں۔"
"یہ سوال تو تم اپنے باپ سے بھی کر سکتے تھے برخوردار۔"
"نہیں، ان سے اگر کر سکتا تو اتنے خراب موسم میں یہاں آنے کی خواری کبھی نہ اٹھاتا۔" وہ واقعی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ کرنل صاحب نے اپنا وجود کرسی پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔
"کیا جاننا چاہتے ہو صمید حسن کی زندگی کے بارے میں۔"
"سب کچھ، وہ ابتدا سے کیسے انسان ہیں آپ کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے۔ انہوں نے کتنی شادیاں کیں اور ان کے کتنے بچے ہیں سب؟" وہ بے چین تھا یوں جیسے اسے ہر حقیقت سے۔ بے خبر رکھا گیا ہو۔ تبھی وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔
"جتنا میں جانتا ہوں صمید شروع سے ایک نیک شریف فرماں بردار اور ایمان دار شخص ہے اس نے زندگی میں کبھی کسی معاملے میں بددیانتی نہیں کی وہ بہت کم عمر تھا جب اس کے ماں باپ کی رحلت کے بعد میں اسے یہاں اپنے گھر لایا تھا اپنا بیٹا بنا کر کیونکہ میرا اپنا سگا بیٹا جائلہ کا باپ یہاں سے کوسوں دور دیار غیر کی خاک چھان رہا تھا صمید کی نیکی اور شرافت نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں نے اپنی حقیقی بھتیجی مریرہ رحمان کی شادی اس کے ساتھ کر دی اسی کے بطن سے تم نے اور درمکنون نے جنم لیا تھا مگر اس وقت وہ دونوں یہاں نہیں رہتے تھے صمید نے نیا نیا کاروبار شروع کیا تھا اور وہ مریرہ کو تمہاری پیدائش سے پہلے ہی یہاں سے لے کر چلا گیا۔"
"پھر۔" اس کی بے چینی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ کرنل صاحب نے چند لمحوں کے توقف کے بعد دوبارہ بولنا شروع کیا۔
"پھر پتا ہی نہیں چلا کب ان دونوں کے درمیان غلط فہمیوں نے جنم لینا شروع کر دیا وہ جو سانس بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر لیتے تھے دریا کے دو کناروں کی طرح ایک دوسرے سے الگ ہو گئے میں ان دنوں اپنے بیٹے سکندر کے پاس تھا پاکستان واپسی پر مجھے پتا چلا تھا کہ صمید نے دوسری شادی کر لی اور مریرہ اسے چھوڑ کر جانے دنیا کی بھیڑ میں کہاں گم ہو گئی اور تم بہت چھوٹے تھے ان دنوں وہ تمہیں ساتھ لے کر جانا چاہتی تھی مگر صمید نے تمہیں اس کے ساتھ نہیں جانے دیا وہ تمہاری وجہ سے اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں رکی، اس نے پلٹ کر کسی رشتے کی طرف نہیں دیکھا نہ میری طرف نہ تمہارے باپ کی طرف۔"
"اس کا مطلب میں مریرہ رحمان کا بیٹا ہوں سارہ صمید حسن کا نہیں۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ کرنل صاحب نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہوں تمہارے باپ کی دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"
"تھینک یو، میں چلتا ہوں اب۔" فوراً ہی اس نے اٹھنے کے لیے پر تولے تھے جب کرنل صاحب بولے۔
"نہیں تم اس گھر میں پہلی بار آئے ہو چائے پیے بغیر میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"
"ایم سوری کرنل صاحب میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہوں آپ کی چائے ادھار رہی مجھ پر، ابھی میرا جانا بہت ضروری ہے پلیز۔" مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھا تا وہ واقعی بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ کرنل صاحب نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔
زاویار جائلہ کے گھر سے نکلا تو اس کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا وہ دن اس نے جیسے پورا کیا تھا صرف وہی جانتا تھا اگلے روز کی پہلی فلائٹ کے ساتھ اس نے پاکستان چھوڑ دیا۔ بنا کسی کو بتائے بنا کسی کو مطلع کیے۔ اپنا سیل بھی اس نے آف کر دیا تھا۔
صمید صاحب ایک اذیت سے نکلے نہیں تھے کہ دوسری گلے آ پڑی تھی۔ بار بار زاویار کے سیل پر کال کرنے کے بعد مایوس ہو کر انہوں نے جائلہ کو کال ملائی تھی جو گھر سے آفس کیلئے نکل چکی تھی۔
"السلام علیکم۔" تیسری بیل پر ان کی کال پک ہوئی تھی۔
"وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟"
"میں فائن انکل آپ سنائیں۔"
"میں بھی ٹھیک ہوں اصل میں پچھلے دنوں بہت زیادہ مصروفیت کی وجہ سے مجھے گھر چکر لگانے کی فرصت ہی نہیں مل سکی۔ زاویار ٹھیک ہے نا اب تمہارے ساتھ۔"

''جی انکل اس روز کے بعد دوبارہ انہوں نے مجھے پریشان نہیں کیا ویسے کل وہ خود کافی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔''
''کل کب؟''
''کل جب وہ بارش میں پہلی بار ہمارے گھر آئے تھے بابا سے ملنے۔''
''بابا سے ملنے۔''
''جی انکل انہیں بابا سے کوئی بہت ضروری بات کرنی تھی وہ بہت ڈسٹرب لگ رہے تھے۔ واپسی پر میں نے دیکھا ان کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا۔''
''وہاٹ؟''
''جی انکل جو میں نے محسوس کیا وہ یہی ہے وہ شاید کسی بات پر بہت دل برداشتہ تھے۔''
''کرنل صاحب سے کیا بات ہوئی اس کی؟''
''پتا نہیں، بابا نے مجھے وہاں ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔''
''اوکے اس وقت وہ کہاں ہوں گے؟''
''اپنے کسی ریٹائرڈ دوست کی طرف نکلے ہیں سیل بھی گھر پر ہی چھوڑ گئے۔''
''ٹھیک ہے میں شام میں چکر لگاؤں گا۔''
''شیور۔''
''اپنا خیال رکھنا خدا حافظ۔''
''خدا حافظ۔'' زاویار کی طرح عائلہ کو وہ بھی کافی پریشان لگ رہے تھے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ان سے ان کی پریشانی کا سبب نہیں پوچھ سکی تھی۔
زاویار اس روز آفس نہیں آیا تھا عائلہ کو بے حد مایوسی ہوئی جانے کیوں وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی شاید صمید انکل کی وجہ سے یا شاید ان کی پریشانی کی وجہ سے۔ کچھ بھی تھا وہ کم از کم صمید حسن کو زندگی میں کبھی بھی پریشان نہیں دیکھنا چاہتی تھی اگر انہوں نے شام میں گھر چکر لگانے کا عندیہ نہ دیا ہوتا تو اب تک وہ ان کے گھر پہنچ چکی تھی۔ صمید حسن کی ذات کے ساتھ اس کی عقیدت کچھ اسی قسم کی تھی۔
اس روز پہلی بار وہ پورے دن آفس میں خود کو زاویار حسن کا انتظار کرنے اور اپنی سیٹ سے اٹھنے تک اس کے بارے میں سوچنے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔

❁......❁❁❁......❁

شام ڈھل چکی تھی۔ سدید گھر واپس آیا تو بے حد تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ عائلہ کچن میں تھی اور کرنل صاحب صمید حسن صاحب کے ساتھ باہر لان میں نشست سنبھالے بیٹھے تھے وہ کچھ دیر ان کے پاس رک کر کچن میں چلا آیا تھا۔
''السلام علیکم۔''
''وعلیکم السلام آ گئی گھر کی یاد؟''
''ہوں۔''
''بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو، پیدل چل کر آئے ہو کیا؟''
''ہوں یہی سمجھ لو۔'' دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اس نے سلب سے ٹیک لگائی تھی۔ عائلہ نے چائے کپوں میں انڈیلی۔
''چائے پیو گے؟''
''ہوں، مگر پہلے باتھ لوں گا، بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔''
''ٹھیک ہے تم پہلے باتھ لے لو میں تب تک روٹی ڈال لیتی ہوں پھر مل کر ڈنر کرتے ہیں۔''

"ٹھیک ہے تم کھانا لگاؤ میں آتا ہوں ابھی فریش ہو کر۔" تھکے تھکے سے لہجے میں کہتا وہ انہی قدموں پر واپس پلٹ گیا تھا۔
عائلہ چائے کے ساتھ شامی کباب اور چکن رول لے کر باہر لان میں چلی آئی کرنل صاحب اور صمید حسن نے جونہی اسے آتے دیکھا فوراً چپ سادھ لی وہ سمجھ گئی کہ وہ دونوں اس کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تبھی چائے سرو کر کے وہاں بیٹھنے کی بجائے فوراً واپس پلٹ آئی تھی۔ صمید حسن اب کرنل صاحب سے کہہ رہے تھے۔
"آپ جانتے ہیں میں پہلے بھی غلط نہیں تھا پھر بھی وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی اب وہی کہانی اس کا بیٹا دہرا رہا ہے۔"
"اس کا قصور نہیں ہے تم نے ایک بار پھر غلطی کی ہے صمید، اتنے سال اسے حقیقت سے بے خبر رکھ کر یہی غلطی تم نے مریہ کے معاملے میں کی تھی۔"
"میں مجبور تھا انکل، تب بھی مجھے یہی خوف تھا کہ سچ جاننے کے بعد وہ مجھے چھوڑ کر نہ چلی جائے اور اس نے یہی کیا۔ زاویار کے معاملے میں بھی میں اسی خوف کا شکار تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی حقیقی ماں کے بارے میں جانے اور پھر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہو، میں مریہ رحمان کی واحد نشانی کو کسی طور خود سے دور ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔"
"غلط سوچ تھی تمہاری تم جانتے ہو سچ کبھی چھپتا نہیں ہے۔"
"جی میں جانتا ہوں اور میں نے سوچ رکھا تھا جیسے ہی پری کی شادی ہو جائے گی میں اسے خود سب سچ بتا دوں گا۔ وہ مجھے تھوڑی مہلت تو دیتا۔"
"اب کیا کیا جا سکتا ہے جو سچ تم نے برسوں اس سے چھپایا وہ اسے پتا لگ گیا کسی بھی ذریعے سے۔ مجھ سے تو وہ صرف تصدیق کے لیے پوچھنے آیا تھا اور میں نے تصدیق کر دی۔"
"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، میں زندگی میں ہمیشہ جس چیز کو کھونے سے ڈرتا ہوں وہی چیز مجھ سے کھو جاتی ہے۔ جس نقصان سے بچ کر چلنا چاہتا ہوں وہی نقصان ہو جاتا ہے۔" صمید صاحب کا لہجہ بے حد آزردہ محسوس ہو رہا تھا۔ عائلہ ملول سی کچن میں چلی آئی۔
تو یہ وجہ تھی صمید حسن اور زاویار صمید حسن کے پریشان ہونے کی؟ باہر لان میں کرنل صاحب اب صمید صاحب کو تسلی دے رہے تھے وہ کچن میں کھڑی کتنی ہی دیر تک ان کی آزمائشیں ختم ہونے کی دعا کرتی رہی۔

❀...❀❀...❀

بارشوں کے موسم میں وہ جو اپنے کمرے کی
کھڑکیوں کو بند کر کے
بادلوں کے جانے کا انتظار کرتے ہیں
وہ بھی اک زمانے میں
بارشوں کی بوندوں سے کھیلتے رہے ہوں گے
چودہویں کی راتوں میں جلد سونے والوں کی
چاندنی سے ماضی میں دوستی رہی ہوگی
حسن و عشق کی باتیں آج واسطے جن کے
کچھ وقعت نہیں رکھتیں
بھولے بسرے لمحوں میں
ٹوٹ کر کسی کو وہ چاہتے رہے ہوں گے
وہ جو اپنے غم پہ بھی آنکھ نم نہیں کرتے
کل کسی کی خاطر وہ خوب رو چکے ہوں گے
در آشنا ہو کر اشک کھو چکے ہوں گے۔

"کل زاویار آیا تھا ہمارے گھر۔" سدید شاور لے کر آیا تو عائلہ نے کچن میں ٹیبل پر کھانا سیٹ کرتے ہوئے اسے بتایا کرنل صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا وہ صمید حسن صاحب کے رخصت ہوتے ہی اپنے کمرے میں سونے چلے گئے تھے۔ سدید ایک دم سے چونکا۔

"وہاٹ؟"

"ہوں بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا کہہ رہا تھا بابا سے ضروری کام ہے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا بابا گھر پر تھے وہ کافی دیران کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا مجھے بابا نے پاس بیٹھنے نہیں دیا۔"

"اچھا کیا تمہارا پاس بیٹھنا بنتا بھی نہیں تھا۔" کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ عائلہ خاموشی سے اسے کھانا ڈال کر دیتی رہی۔

"ویسے بابا سے بھلا کیا ضروری کام ہوسکتا ہے اسے؟" پہلا نوالہ توڑتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

"میں جانتی ہوں۔"

"کیا؟"

"کل تک نہیں جانتی تھی مگر آج صمید انکل کی باتوں سے پتا چلا کہ انہوں نے اب تک زاویار سے یہ بات چھپا رکھی تھی کہ وہ مریرہ پھوپو کا بیٹا ہے پتا نہیں کہاں سے اسے اس بات کا پتا لگ گیا، بھی وہ بابا سے تصدیق کرنے آیا تھا اور بابا نے اسے سب سچ بتا دیا۔ یقین کرو سدید، جب وہ واپس جا رہا تھا اس کی آنکھیں جیسے لہو پکار رہی تھیں۔"

"ہوں، انسان جب اس طرح کے حادثات سے گزرتا ہے تو یونہی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اندر۔"

"شاید تم صحیح کہہ رہے ہو، اسی لیے وہ آج آفس بھی نہیں آیا۔"

"تم نے وزٹ کیا تھا؟"

"ہاں۔" قطعی بے خبری میں وہ کہہ گئی تھی۔

سدید نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

"کیا تمہیں اب اس سے ہمدردی ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔" فوراً سے پیشتر وہ سنبھلی تھی سدید خاموش ہوگیا۔

"تم جانتے ہو میرا دل بہت چھوٹا ہے میں کسی کو بھی دکھی نہیں دیکھ سکتی اسپیشلی ماں کے لیے کیونکہ میں جانتی ہوں بہت چھوٹی سی عمر میں ماں کو کھونے کا درد کیا ہوتا ہے؟"

"مجھ سے بہتر نہیں جان سکتیں تمہیں پتا ہے، جس روز میں اسکول جاتے ہوئے ماموں کے گھر سے بھاگا تھا تب میرے ذہن میں ایک ہی پلان تھا نہر میں کود کر مر جانے کا تاکہ میری ما کو خبر ملتی تو وہ مجھے کھو دینے پر روتیں ان دنوں میرا ایک دوست نہر میں ڈوب کر مر گیا تھا۔ میں نے اس کی ماں کو دیکھا تھا وہ بہت اذیت میں تھیں۔ بہت رو رہی تھیں میں چاہتا تھا میری ماں بھی روئے یونہی روئے اگر اس روز میرا کرنل صاحب کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ نہ ہوتا اور وہ مجھے اپنے ساتھ یہاں گھر نہ لاتے تو جانے میں کب کا کچھ نہ کچھ کر کے مر چکا ہوتا۔"

"جانتی ہوں یہاں آنے کے بعد بھی بابا کے لاکھ سمجھانے کے باوجود تم خودکشی کے مختلف طریقوں پر سوچتے رہتے تھے۔ وہ تو شکر ہے ہماری آپس میں دوستی ہوگئی اور ہم دونوں ہی کسی حد تک اپنا اپنا غم بھول گئے ورنہ پتا نہیں اب تک کیا ہوگیا ہوتا۔"

"ہوں ٹھیک کہا تم نے۔" اس کی بھوک ختم ہوچکی تھی وہ اب چائے پی رہا تھا عائلہ سامنے بیٹھی میز کی سطح کھرچتی رہی۔

"میری چھٹی ختم ہوگئی ہے اگلے تین روز کے بعد مجھے جاب پر واپس جانا ہے۔" کچھ ہی لمحوں کے بعد اس نے موضوع بدلا تھا عائلہ نے فوراً اسے دیکھا۔

"اتنی جلدی؟"

"ہوں، اوپر سے کال آ گئی ہے بابا چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے میں تمہیں اپنے نام کی رنگ پہنا کر جاؤں۔"
"اور تم کیا چاہتے ہو؟"
"وہی جو تم چاہو گی۔"
"آہم...... پھر میں تو چاہتی ہوں کہ تم نکاح کر کے جاؤ۔"
"رئیلی۔" وہ حیران ہوا تھا عائلہ نے مسکرا کر شرارت سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہوں رئیلی۔"
"پھر میں رخصتی بھی ساتھ کراؤں گا۔" وہ اس کی شرارت سمجھ گیا تھا عائلہ کھل کر ہنس دی۔
"تم سے یہی امید ہے مجھے۔"
"ہونی بھی چاہیے تم جانتی ہو میری زندگی میں تمہاری کیا اہمیت ہے۔ بہرحال یہ رنگ دیکھو کیسی ہے۔ بہت تھکا ہوں آج اس مشن پر مگر کوئی دل کو چھو ہی نہیں رہی تھی۔" اس کا موڈ تبدیل ہو چکا تھا عائلہ نے سکون کا سانس لیا۔
سدید کے ہاتھ میں گولڈ کی نفیس سی رنگ تھی جس کے درمیان میں دو دل بنے ہوئے تھے اور ان دلوں کے اندر بہت چھوٹے چھوٹے سے دمکتے ہیرے جڑے تھے۔ عائلہ سدید کی پسند پر عش عش کر اٹھی۔
"واؤ، یہ تو بہت خوب صورت ہے۔"
"ہوں مگر تمہارے ہاتھوں سے زیادہ نہیں۔" وہ بہت پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عائلہ کا دل بہت تیزی سے دھڑک اٹھا۔
اس وقت سدید کی آنکھوں میں اس کے لیے اتنے خوب صورت رنگ چھلک رہے تھے کہ وہ ایک سرسری سی نظر سے زیادہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔
وقت کروٹ لے رہا تھا کردار بدل رہے تھے۔ محبت پھر درد کا چولا پہن کر اس گھر کی دہلیز پر آ بیٹھی تھی کہ جہاں کبھی انہی در و دیوار نے صمید حسن اور مریرہ رحمان کے درمیان خوب صورت جذبات کو پروان چڑھتے دیکھا تھا۔

❀......❀❀❀......❀

شام ڈھل چکی تھی۔ سامنے لگے سکھ چین کے پیڑ پر موجود پرندوں نے سورج کی مدھم ہوتی کرنوں کے ساتھ ہی اپنے اپنے گھونسلوں میں واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔
مریرہ نماز سے فارغ ہوئی تو لاؤنج میں ٹیبل پر دھرے سیل نے اچانک زور و شور سے بجنا شروع کر دیا اسے پہلا گمان یہی گزرا کہ درمکنون کی کال ہوگی مگر اسکرین پر عمر کالنگ جگمگا رہا تھا وہ جانتی تھی کہ یہ وقت عمر کی بے حد مصروفیت کا تھا اس کے باوجود اگر اس نے کال کی تھی تو یقیناً کوئی بہت ضروری بات تھی۔ تبھی اس نے فوراً سے پیشتر کال پک کی تھی۔
"ہیلو۔"
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔"
"کیسی ہو۔"
"ویسی ہی جیسی بیس پچیس سال پہلے تھی۔"
"جانتا ہوں تم کبھی بدل نہیں سکتیں۔"
"تم کیوں چاہتے ہو کہ میں بدل جاؤں۔"
"بس یونہی کبھی کبھی دل میں خواہش اٹھتی ہے کہ تمہیں ہنستا مسکراتا آباد دیکھوں۔"
"یہ خواہش تو سالوں سے میرے اندر بھی تمہارے لیے سر پٹخ رہی ہے۔ مگر تم نے کبھی میری خواہش پر کان نہیں دھرے۔"
"ایسی بات نہیں ہے مریرہ۔"

”پھر کیسی بات ہے، کیا مجھے تمہاری زندگی کے بارے میں سوچنے کا کوئی حق نہیں۔“
”ایسا کیوں کہہ رہی ہو کیا میں نے کبھی ایسا کہا؟“
”نہیں مگر تم نے میری خواہش کو تکمیل بھی نہیں بخشی۔“
”تمہاری اور میری خواہش میں بہت فرق ہے مریہ۔“
”ایسا صرف تم سوچتے ہو مگر نہ حقیقت میں تم بھی جانتے ہو کہ ایسا نہیں ہے، بہر حال کیسے یاد کیا اس وقت۔“
”تم جانتی ہو تمہیں یاد کرنے کے لیے وقت کا حساب کتاب نہیں رکھتا۔“
”ہوں جانتی ہوں مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ وقت تمہارے لیے بے حد مصروفیت کا وقت ہوتا ہے غالباً اس وقت تمہارے ہوٹل پر کسٹمرز کا زیادہ رش ہوتا ہے۔“
”کوئی بات نہیں، میں نے تم پر کبھی مصروفیت کو اہمیت نہیں دی۔“
”جانتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم نے ہمیشہ بہت ضروری بات کے علاوہ کبھی گپ شپ کے لیے فون نہیں کیا۔“
”ہوں یہ تو ہے، کیا کروں تم سے اور تمہارے غصے سے ڈر جو لگتا ہے۔“
”بس رہنے دو اب بتاؤ پلیز کیا بات ہے؟“
”تم بور ہو رہی ہو؟“
”نہیں۔“
”بور ہو بھی رہی ہو تو مجھے فرق نہیں پڑتا کیونکہ تم بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میرا تم پر کتنا حق ہے، بہر حال میں جانتا ہوں تم سے سسپنس برداشت نہیں ہوتا پیٹ کی اور صبر کی بہت ہلکی ہو تم۔“
”آج کے لیے اتنی تعریف کافی ہے۔“ عمر کے الفاظ نے اسے چڑایا تھا وہ کھل کر ہنس دیا۔
”او کے اچھا غور سے سنو قمر بھائی کی بیٹی شہرو پاکستان آ رہی ہے اسے حویلی اور گاؤں کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے ویسے تو بھابی نے اسے ساری کہانی سنا رکھی ہے مگر وہ پھر بھی حویلی جانا چاہتی ہے میں نے اپنے طور پر اسے سمجھانے اور وہاں جانے سے باز رکھنے کے لیے بہت کوشش کی ہے مگر وہ کچھ بھی سمجھنے اور ماننے کو تیار نہیں اسے حویلی کے اندرون کردار بہت بے چین رکھتے ہیں۔ تبھی اس کے جنون کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے حویلی اور قمر کے کمرے کی چابی دے دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہاں حویلی سے قریب ہی اس کی کوئی دوست ہادیہ اور اس کی فیملی قیام پزیر ہے۔ وہ وہاں انہی کے گھر رہ لے گی۔ بھابی اسے اس کے لیے اجازت نہیں دے رہی تھیں مگر میری سفارش پر وہ مان گئی ہیں شاید وہ خود بھی شہزاد کے ساتھ ہی پاکستان آئیں تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ تم خود بھی آج کل پاکستان میں ہو، ان کا بہتر خیال رکھ سکتی ہو۔“
”ہوں تم فکر نہ کرو، وہ جیسے ہی پاکستان پہنچیں گی میں انہیں جوائن کر لوں گی۔“
”شکریہ، گڈ گرل۔“
”گڈ گرل، اب عمر رسیدہ خاتون میں ڈھل چکی ہے جناب۔“
”ڈھل گئی ہو گی مگر میرے تصور کی دنیا میں تم ہمیشہ الہڑ مٹیار ہی رہو گی۔“ وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ مریہ نے سرد آہ بھرتے ہوئے چپکے سے کال کاٹ دی۔
پرانے زخموں کو کریدنے اور کرید کرید کر ہوا دینے کا اب کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

❀......❀❀❀......❀

وسیع حویلی کا بڑا کشادہ سا گیٹ کھلا تھا۔ اس نے حسرت زدہ سی ایک نظر سامنے شان سے سر اٹھائے کھڑی پرانی عمارت پر ڈالی اور قدم آگے بڑھا دیے۔
زرد خشک پتوں سے اٹا حویلی کا بڑا سا صحن اپنی بربادی کا ماتم مناتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ صحن کے بیچوں بیچ کھڑا برگد کا بوڑھا درخت اب جیسے سالوں کی ویرانی سے ہراساں ہو کر ٹوٹنا شروع ہو گیا تھا۔

سمیرا حمید کا نیا ناول
یارم
1000 روپے
تنزیلہ ریاض کا نیا ناول
عہدِ الست
800 روپے
عنیزہ سیّد کا نیا ناول
شام شہر یاراں
قیمت 800 روپے
سحر ساجد کا نیا ناول
غریق رحمت
قیمت 500 روپے
اپنے ہاکر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں
ناشر
علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247414
دعا بک کارنر
امین پور بازار، فیصل آباد

اس کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ ٹپک پڑے۔ یہ اس کی بزرگوں کی جاگیر تھی۔ وہ جاگیر...... جس نے اس خاندان کے بہت سے قیمتی افراد کو موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔ کتنی مشکل سے اس نے "عمر عباس" سے اس حویلی میں قیام کی اجازت طلب کی تھی۔ صرف چند روزہ قیام...... اس سے زیادہ شاید وہ حویلی کسی کو راس بھی نہیں آتی تھی۔

سارا صحن خشک پتوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ برگد کے پیڑ کے تنے کے ساتھ ٹیک لگاتی، بنا اپنے شفاف کپڑوں کی پروا کیے وہیں نیچے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ کبھی وہاں اس صحن میں کتنی رونق ہوتی ہوگی۔

پچیس تیس افراد پر مشتمل اس حویلی کے مکین وہاں کتنے خوش باش رہتے ہوں گے۔ کیا کیا نہیں ہوتا ہوگا ان کے درمیان......

شادی بیاہ...... تہوار...... رسم و رواج...... آتے جاتے موسموں کی خوب صورت بہاریں......

کیا انہوں نے کبھی سوچا ہوگا کہ ایک دن یہ آشیانہ یوں بکھر جائے گا۔ پرانی یادگار بن جائے گا۔ شاید نہیں...... انہیں تو اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔

عمر عباس ان سے بڑے خضر عباس...... پھر اس کے بابا قمر عباس...... کتنے مضبوط ستون ہوں گے وہ اس حویلی کے مگر وقت کی آندھی نے بہت بے دردی سے ان مضبوط ستونوں کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ ایسا طوفان آیا تھا اس حویلی کے مکینوں کی زندگی میں کہ سب کچھ بکھر کر رہ گیا تھا کچھ بھی سلامت نہیں بچا تھا۔

اظہار عباس صاحب اور زلیخاں بی بی کے کردار محبت سے گندھے تھے۔

تقسیم ہند سے پہلے زلیخاں بی بی جو اپنے والد کی اکلوتی اولاد اور صاحب جائیداد تھیں اظہار صاحب کی پسند پر حویلی کی چھوٹی بہو بن کر وہاں آ گئی تھیں۔ اس وقت حویلی میں اظہار صاحب کے بڑے بھائی وقار عباس اور چھوٹی بہن زبیدہ بی بی بھی قیام پذیر تھے وقار عباس کو خدا نے بیٹی جیسی رحمت سے محروم رکھا تھا وہ صرف چار بیٹوں کے باپ تھے اور بیٹی کے لیے زلیخاں بی بی کے ساتھ شادی کے خواب دیکھ رہے تھے مگر زلیخاں بی بی کے والد نے وقار عباس کی بجائے اظہار عباس کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا تھا جس کا وقار عباس کو بے حد ملال تھا۔ انہوں نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنا کر زلیخاں بی بی کے والد کے ساتھ ساتھ اپنے چھوٹے بھائی اظہار کے لیے بھی دل میں کینہ اور بغض پالنا شروع کر دیا۔

اظہار صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں خضر عباس، نظر عباس، عمر عباس اور قمر عباس کے ساتھ ساتھ ایک عدد بیٹی شگفتہ سے بھی نوازا تھا۔ خضر عباس اور نظر عباس کی شادی خاندان میں ہی ہوئی تھی دونوں کے ایک ایک بیٹا اور ایک ایک بیٹی تھی۔

عمر مریرہ رحمان میں انٹرسٹڈ تھا مریرہ کی شادی سے پہلے ہی وہ اپنی تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا تھا اور پھر مریرہ کی شادی کے بعد ہی اس کی گاؤں واپسی ہوئی تھی۔ خضر عباس اور نظر عباس دونوں اظہار صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی میں دلچسپی رکھتے تھے دونوں بے حد سادہ اور مزاج کے شریف تھے۔

عمر تھوڑا جذباتی اور غصے والا تھا جبکہ قمر بے حد شوخ اور اپنے سارے رشتوں سے ٹوٹ کر محبت کرنے والا انسان تھا۔ اس کی نسبت بچپن سے ہی اس کی اکلوتی پھوپو زبیدہ کی بیٹی نورین کے ساتھ طے تھی۔ نورین، زبیدہ بی بی کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کا مزاج بے حد گرم اور غصیلا تھا تاہم وہ بچپن سے ہی قمر پر فدا تھی اسی لیے زبیدہ بی بی نے خود اپنے بھائی کے سامنے جھولی پھیلا کر قمر کو ان سے مانگ لیا۔ قمر کی منگنی کے بعد اظہار صاحب نے عمر کی بات بھی طے کر دی۔

وہ ابھی پڑھ رہا تھا جب انہوں نے بغیر اس سے اس کی مرضی پوچھے اس کی بات خضر عباس کی چھوٹی سالی شاہدہ عرف شادو کے ساتھ طے کر دی نورین کی طرح وہ بھی عمر پر جان دیتی تھی اور عمر اس کی اس دیوانگی پر چڑتا تھا۔

شگفتہ کی شادی اظہار صاحب نے وقار عباس کے سب سے چھوٹے بیٹے ریاض کے ساتھ طے کر دی تھی ریاض شگفتہ کی بجائے نورین پر عاشق تھا جو اس کی اکلوتی پھوپو کی اکلوتی بیٹی اور کئی مربعوں کی اکیلی وارث تھی۔ مگر زبیدہ بی بی نے اسے اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے پسند نہیں کیا اور اسے اسی بات کا رنج تھا یہی وجہ تھی کہ قمر کی منگنی کے بعد وقار صاحب نے اپنی زمینیں اظہار صاحب کے حصے کی زمینوں سے الگ کر لی تھیں۔

جن دنوں اظہار صاحب کے والد بیمار تھے وقار صاحب کی بیوی نے ان کی بہت خدمت کی تھی تبھی وہ ان سے بہت خوش تھے

مگر اپنی جائیداد کی تقسیم میں انہوں نے اپنی کسی اولاد کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔
یہ الگ بات تھی کہ ان کی زندگی میں حویلی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ وقار صاحب چاہتے تھے کہ چونکہ ان کی بیوی نے ان کے والد کے آخری دنوں میں ان کی بہت خدمت کی تھی اسی لیے اس حویلی پر صرف ان کا حق تھا مگر اظہار صاحب کی رائے تھی کہ اگر ان کے والد نے اپنی زندگی میں اس حویلی کا فیصلہ صرف وقار صاحب کے حق میں نہیں کیا تو وہ قانونی طور پر اپنے والد کی اس جاگیر میں برابر کے حصے دار ہیں۔ زبیدہ بی بی بھی انہیں کے موقف کی حامی تھیں یوں ان دونوں بھائیوں کے درمیان ایک اور دیوار کھڑی ہوگئی۔
اپنی نفرت اور حسد میں وقار صاحب ہمیشہ اپنے بھائی کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے کئی بار جب ان کی فصل اچھی نہیں ہوتی تھی تو وہ اپنے بیٹوں کو کہہ کر اظہار صاحب کی تیار کھڑی فصل میں آگ لگوادیتے اور اگلی صبح ہمدرد بن کر افسوس کرنے چلے جاتے۔ اظہار صاحب کے بیٹوں کو اپنے تایا کی ساری مکروہ حرکتوں کا علم تھا مگر وہ صرف جھگڑے سے بچنے کیلئے خاموش رہتے تھے۔ وقار صاحب کے چاروں بیٹے جتنے غصیلے اور جھگڑالو تھے اظہار صاحب کے چاروں بیٹے اتنے ہی شریف اور صلح جو تھے۔
زمینوں کی تقسیم کے بعد وقار صاحب نے رہائش بھی نئی حویلی میں رکھ لی تھی۔ مگر اپنے بھائی کی بربادی اور انہیں دھول چٹانے کی خواہش بھی ان کے دل سے ختم نہیں ہوسکی تھی اور بالآخر ان کی اس خواہش نے سب کچھ راکھ کردیا تھا۔
پرانی حویلی اجڑ گئی تھی۔ وہاں حویلی کے مکین ماضی کا حصہ بن گئے تھے۔
شہرزاد کی آنکھوں سے خاموش آنسو نکلے تو پھر بہتے چلے گئے تبھی ہادیہ (جو اس کی عزیز از جان دوست تھی) نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔
"بس کرو شہرو گزرے ہوئے لمحوں پر رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"
"جانتی ہوں مگر یہ میرے بس میں نہیں ہے۔" بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے آنسو رگڑتے ہوئے وہ کھڑی ہوگئی۔
"یہ پیڑ دیکھو ہادیہ یہ دادی نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا بہت پیار تھا دادی کو اس پیڑ سے...... ان کا کہنا اور ماننا تھا کہ یہ درخت اور اس پر بیٹھنے والے پرندے اس گھر میں خیر و برکت کا باعث ہیں وہ اپنا زیادہ تر وقت اسی پیڑ کے نیچے قرآن پاک پڑھنے یا حویلی کے صحن میں پھدکتے پرندوں کو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالنے میں صرف کیا کرتی تھیں۔ گاؤں کی خواتین بھی یہیں اسی پیڑ کے نیچے ان کے پاس بیٹھ کر اپنے اپنے دکھ اور مسائل ان کے ساتھ شیئر کیا کرتی تھیں۔" شہرزاد کی بھیگی آنکھوں کے آنسو کسی جگنو کی مانند ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ہادیہ نے آگے بڑھ کر کافی سارے خشک پتے مٹھی میں سمیٹ لیے۔
"شام سر پر آرہی ہے شہرو، بہتر ہوگا اگر ہم مغرب سے پہلے پہلے حویلی کی صفائی کرلیں تمام کمرے تو لاکڈ ہیں۔ صرف قمر انکل کے کمرے کا دروازہ ان لاک ہے وہ بھی شاید عمر انکل کے استعمال میں رہا ہوگا بہرحال جب تک آنٹی نانو کے پاس بیٹھی ہیں ہم جلدی جلدی سارے پتے اور گرد سمیٹ لیتے ہیں۔"
"ہوں۔" ہادیہ کی ہدایت پر شہرزاد فوراً ہی تائید کرتی آگے بڑھ گئی تھی۔
یہ مٹی کی محبت ہی تھی جو ایک مدت کے بعد اسے دیار غیر سے کھینچ کر اس حویلی میں گھسیٹ لائی تھی۔ کون جانتا تھا کہ آزاد فضاؤں میں پرورش پانے والی وہ لڑکی یوں سالوں بعد اپنی ماں کے ساتھ انہی فضاؤں میں بسنے کے لیے آجائے گی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

زبان دراز

صدف آصف

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

ہمیں ناز ہے اپنی گمراہیوں پر
ندامت نہیں، شرمساری نہیں ہے
جو ہم سوچتے ہیں، وہی بولتے ہیں
کسی قسم کی راز داری نہیں ہے

"باجی جی! یہ تو میں نغمانہ بھابی کے لیے لائی ہوں۔" دعا نے حیران ہوکر اکلوتی نند کو گھورا، جو چار جٹ کے ملائم سوٹ کو ہاتھوں میں دبوچ کر بیٹھ گئیں۔

"ہاں...... ہاں جانتی ہوں، لیکن زویا بھی زاہد کی اکلوتی بھانجی ہے، اسے یہ سوٹ پسند آگیا، اسی لیے میں نے مانگ لیا۔" انہوں بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر حق سے جتایا۔

"مگر...... وہ......" دعا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس ہٹ دھری کو کیا نام دے۔

"اے بی! تمہارا دل تو بڑا چھوٹا نکلا۔ کوئی ہیرے کا سیٹ تو نہیں مانگ لیا جو سوچ میں پڑ گئی۔" بھاوج کے تذبذب پر زینت کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا، وہ ناراضگی سے بولی۔

"ایک بچی کو دینے سے باقی بچوں کی حق تلفی ہوجائے گی۔" دعا نے چڑ کر پاس بیٹھی ماہا کو دیکھا، جو مسلسل اس کا ہاتھ دبائے جارہی تھی۔

"چھوڑو نا ایک سوٹ سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ماہا کی مصالحت پسندی نے ہی اس گھر میں اس کے پاؤں اتنے مضبوط کردیے کہ وہ چھوٹے دیور سے اپنی بہن دعا میر بیاہ لائی تھی۔

"اچھی سینہ زوری ہے۔" نند کی ہٹ دھرمی پر دعا کا غصہ عود آیا، وہ جو اس معاملے میں شش و پنج کا شکار ہورہی تھی، ذہن فوراً صاف ہوگیا۔ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگائی اور انکار میں سر ہلاتے ہوئے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

"نہیں...... نہیں...... میں بالکل یہ ناانصافی نہیں کرسکتی، اس دفعہ ہم کسی بچے کے لیے کپڑے نہیں لائے، تو زویا کو بھی باقی بچوں کی طرح صرف ٹافی‘ چاکلیٹس ہی دی جائیں گی۔" دعا نے فوراً انکار کیا۔ ماہا نے اس انکار پر ایک دم گھبرا کر نند کو دیکھا۔

"امی! آپ کو ابو بلا رہے ہیں۔" یہ مسئلہ ابھی بیچ میں اٹکا ہوا تھا کہ زینت کو اس کا چھوٹا بیٹا بلانے آگیا۔ وہ مجبوراً وہاں سے اٹھ کر باہر کی طرف چل دیں، مگر چہرہ غصے سے لال ٹماٹر بنا ہوا تھا۔

"اوہ! ہو چھوٹی مامی! آپ انہیں دوسرا سوٹ دے دیں، ویسے بھی بڑی مامی اتنی بورنگ ہیں، وہ یہ سوٹ اٹھا کر سفینہ کے جہیز کے لیے رکھ دیں گی۔ میں تو اس کا انگرکھا بنوا کر عید پر پہنوں گی۔" زویا نے ماں کے جانے کے بعد اپنی رائے پیش کی، ساتھ ہی نغمانہ بھابی کا مذاق اڑایا۔

"زویا...... تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ بڑوں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے، رہی بات سوٹ کی تو میں جس کے لیے لائی ہوں، ان ہی کو دوں گی۔ باقی بھابی کی مرضی کہ وہ اس کا کیا کرتی ہیں‘ اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔" دعا نے دوٹوک لہجے میں اسے ٹوکا اور سامنے رکھا ہوا کپڑا جھٹکے اسے اٹھالیا۔

"امی کو بتاتی ہوں۔" زویا کو چھوٹی مامی کا انکار ہضم نہ ہوسکا منہ بنا کر دعا کی شکایت کرنے ماں کے پاس چل دی۔

"تم نہیں سدھرو گی‘ کیوں میرے اور اپنے لیے سسرال میں مشکلوں کے پہاڑ کھڑی کرتی ہو۔" ماہا نے چھوٹی بہن کو ڈپٹ لگائی، وہ بہن کو اس گھر کے ماحول میں ڈھالنے میں ناکام ثابت ہورہی تھی۔ دعا سچ بولنے والی کھری لڑکی تھی، اسے جھوٹ اور منافقت سے شدید نفرت تھی۔ وہ کسی کے ساتھ زیادتی برداشت کر ہی نہیں سکتی تھی مگر سسرال میں ہر قدم پر اس طرح کی سچویشن سے پالا پڑتا تو نا چاہتے ہوئے بھی وہ بول پڑتی اور سب کے ساتھ بہن کی نگاہوں میں بھی بری بن جاتی۔

☆......☆......☆

"اچھا تمہاری مرضی‘ ایسا کرو تم یہ دونوں سوٹ ہی رکھ لو۔" زینت نے غصے میں دعا کے لائے ہوئے تحائف واپس کردیئے، ان کی انا کو شدید ضرب پہنچی جب زویا نے ماں سے آنکھوں میں آنسو بھر کر بتایا کہ "دبئی والی مامی نے اسے سوٹ دینے سے انکار کردیا۔"

زینت ویسے بھی میکے میں آکر بڑی زود رنج ہوجاتیں، بات بے بات ان کا منہ پھول جاتا، نند کے غصہ دکھانے پر ماہا کا چہرہ فق ہوگیا، وہ منمنا کر بہن کی صفائی دینے لگی مگر دعا کے ماتھے پر ایک شکن بھی نہ ابھری۔ وہ بے فکری سے کپڑے سمیٹنے لگی، زینت تن فن کرتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"اف! تم نے یہ کیا غضب کردیا، دیکھا نہیں باجی کا موڈ کتنا آف ہوگیا۔" ماہا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ بہن پر برس پڑی۔

"کیا ہے باجی بھی ہماری طرح کی انسان ہیں۔ آپ سب تو ان سے یوں ڈرتی ہیں، جیسے وہ کوئی آسمانی مخلوق ہو؟" دعا نے ناک چڑھا کر بڑی بہن کا مذاق اڑایا۔

"عقل کی کوری باجی کمرہ بند کرکے تمہاری شکایتوں کا پلندہ لے کر ماں کے پاس بیٹھی ہوں گی۔" ماہا نے بہن کو غصے میں ایک ہاتھ جڑا۔ بڑھاپا اور بیماریوں کی وجہ سے ان کی ساس رشیدہ بانو عملی طور پر گھر کے معاملات سے دور ہوچکی تھیں، اسی لیے بیٹی اپنے مفادات کے حصول کے لیے جہاں پھنسنے لگتی۔ وہاں ماں کا نام دھڑلے سے استعمال کرلیتی۔

"اس میں نیا کیا ہے؟ اپنی ماں کے پاس ہی بیٹھی ہوں گی نا، تو بیٹھنے دیں۔ نئی بات تو جب ہوتی کہ وہ جا کر اتنی محبت سے اپنی ساس کے ساتھ بیٹھتی‘ ان کی خدمت کرتیں۔" دعا نے کلینزنگ کریم ہتھیلی پر نکالی اور دھیرے دھیرے چہرے کا مساج کرنے لگی۔

وہ جب سے دبئی سے وطن آئی تھی، اس کی جلد بہت خشک رہنے لگی تھی۔ اس وقت تو اس کے لیے دنیا کا سب سے اہم کام یہ ہی تھا۔ ماہا سر پر ہاتھ رکھ کر بہن کی بے فکری کو حسرت سے تکنے لگی۔

ماہا کے دیور اور بہنوئی زاہد کے مقابلے میں، اس کا شوہر شاہد بہت سخت گیر شوہر ثابت ہوا۔ وہ صرف اپنی باجی کے کہنے پر چلتا۔ دبئی میں بھی، اس کی ہر بات زینت سے شروع ہوکر

ان پر ہی ختم ہوتی۔ باقی کمی وہ خود پوری کر دیتیں، شاہد نے ان کے زیر اثر رہتے ہوئے شروع سے بیوی کو اتنا دبا کر رکھا کہ شادی کے پانچ سال گزر جانے کے باوجود بھی اس کے اندر سر اٹھانے کا حوصلہ پیدا نہیں ہوسکا۔

"تمہاری بہن کی زبان بہت چلتی ہے، ذرا اسے یہاں رہنے کے طور طریقے سکھاؤ۔" شاہد کو تو سالی کے رنگ ڈھنگ بھی ایک آنکھ نہ بھاتے، مگر اس پر زور نہیں چلتا تو اکثر بیوی کو ہی سنا دیتا۔ وہ بے چاری دونوں کے بیچ پستی۔

"یا میرے مالک! اس لڑکی کو عقل دے یا باجی کو ہدایت۔" ماہا نے دعا کو پرسکون انداز میں ہونٹوں پر لپ اسٹک لگاتے دیکھا تو نم آنکھیں پونچھتی وہاں سے باہر چل دی۔

☆......☆......☆

رشیدہ بانو کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی، ان کے شوہر مکرم خان کو گزرے کئی سال ہوچکے تھے۔ ماجد اور ساجد بڑے تھے، ایک نجی کمپنی میں معمولی سی نوکریوں پر معمور تھے۔ گھر کرائے کا تھا، دونوں بھائیوں اور زینت کی شادی بہت پہلے ہوچکی تھی، مگر اب جب کہ فیملی بڑھ رہی تھی، تو ان سب کے لیے کم آمدنی میں مہنگائی کا توازن رکھنا ناممکن ثابت ہورہا تھا۔ قسمت سے شاہد کو دبئی کی ایک کمپنی میں نوکری مل گئی، اس نے خوب محنت سے کام کرکے پیسے جمع کیے گھر تڑوا کر جدید انداز میں بنوایا، وہ بہت تیز لڑکا تھا، موقع کی تلاش میں رہا۔ آخر چھوٹے بھائی زاہد کی ملازمت کا بندوبست بھی ابوظہبی میں کروادیا۔

اب بانو ہاؤس کے حالات پہلے سے کافی بہتر ہوگئے تو زینت کے منع کرنے کے باوجود رشیدہ بانو نے اپنی دوست کی بیٹی ماہا سے شاہد کی شادی کردی، چند سالوں بعد زاہد کے لیے اس کی چھوٹی بہن دعا کو بھی بیاہ کر لے آئیں۔ زاہد اور شاہد ایک سال بعد اپنی اپنی بیویوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ یوں ان دونوں نے سکون کا سانس لیا، مگر زینت کے سینے پر سانپ لوٹ گئے پر کچھ کر نہیں سکتی تھی تو خاموش ہی رہی۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی دونوں بھائی اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان بقر عید منانے آئے تھے۔ دنیا اتنی تیزی سے ترقی کر گئی کہ دبئی سے وطن لوٹنا اب چنداں دشوار نہ رہا، ایسے ہی ہوگیا جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر جایا جائے، اسی لیے وہ لوگ بھی تہوار منانے پاکستان آجاتے۔

زمانے بدل گئے مگر "بانو ہاؤس" کے ماحول میں رتی برابر فرق نہیں آیا۔ دعا جب بھی یہاں آتی، بس ایک بات پر حیران ہوکر سر پیٹ لیتی۔

☆......☆......☆

"مامی! آپ دال میں پانی ملاتی ہیں یا پانی میں دال۔" زویا چمچ سے پتلی دال چاول پر ڈالتے ہوئے جھنجھلائی۔ ٹیبل پر کھانے لگاتی نغمانہ کا منہ بن گیا، آج غلطی سے دال پتلی رہ گئی تھی۔ وہ بھی کیا کرتی کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا، روزانہ کی اتنی مہمان داری، نند الگ یہاں پندرہ دن سے رکی ہوئی تھیں۔ کام کرکر کے۔ ان لوگوں کی ہمتیں جواب دینے لگی تھیں۔

"میری بیٹی بہت اسٹریٹ فارورڈ ہے۔" زینت نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر بیٹی کی صاف گوئی کو انجوائے کیا۔

"زویا لڑکی ذات ہے۔ باجی کو احساس ہی نہیں، وہ اپنی بچی کی تباہی کا انتظام اپنے ہاتھوں کر رہی ہیں۔" دعا اور ماہا نے انہیں تاسف سے دیکھا اور ایک ہی بات سوچی۔

انہیں بچی کا اس طرح سے اپنی جٹھانی پر تبصرہ کرنا بہت برا لگا، مگر وہاں جیسے یہ معمول کی بات تھی، کسی نے بھی اس بات کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ یہاں تک کہ نغمانہ کو بھی اب رات کے کھانے کی فکر لاحق تھی۔

دعا جب سے دبئی سے آئی تھی، اس کے نوٹس میں یہ بات رہتی کہ زویا کا برتاؤ اپنی عمر کے دوسرے بچوں سے کافی بولڈ تھا۔ وہ ننھیال میں کسی کا بھی مذاق بڑے آرام سے اڑا لیتی، مگر زینت باجی کے ماتھے پر بل بھی نہیں پڑتے نہ وہ اسے روکتی ٹوکتی، نہ سمجھاتیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود اپنے میکے کے مسائل بھائیوں کے رویے، ان کی شکایات، ماں کے حوالے سے بھائیوں کی بے پروائیوں کے قصے، شوہر اور بچوں کے سامنے بیٹھ کر مزے سے بیان کرتیں، اسی لیے بچوں کے دل سے بھی بڑوں کا لحاظ اٹھ گیا اور اتنی ہمت آگئی کہ جس کے دل میں جو بات آتی، وہ بے دھڑک سب کے سامنے بیان کردیتے۔ خاص طور پر زویا بچوں میں بڑی ہونے کے باعث ان مسائل پر بھی اپنا منہ کھولنا ضروری سمجھتی، جس کا اس سے دور تک کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

دعا کے جیٹھ ساجد بھائی اور نعیمہ بھابی رزلٹ ڈے پر اپنے بچوں کے اسکول گئے ہوئے تھے۔ ناشتے کے بعد سب

لوگ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔
''کل تم نے اتنے مزے کی بریانی پکائی مگران کو پسند نہیں آئی۔'' باجی نے سبزیاں چھیلتی ہوئی نغمانہ بھابی سے کہا، جو چھری ایک طرف رکھ کر مکمل طور پر نند کی طرف متوجہ ہوگئیں تھیں۔
''کس کو، نعیمہ کو؟ کیوں بریانی میں کیا خرابی تھی؟ میں نے اتنی محنت سے پکائی تھی، سب تو تعریفیں کررہے تھے۔'' نغمانہ بری طرح سے چڑی۔ اسے دیورانی سے ایسی امید نہ تھی۔
پاس بیٹھی دعا نے اپنی نند کو افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا، اسے شروع سے سسرالی سیاستوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔
''بھائی! ہمیں کیا پتا مگر جن کو باتیں بنانے کی عادت ہے وہ، تو بنائیں گے نا، مگر بھئی ہم نے تو کہہ دیا نغمانہ اس گھر کی بڑی بہو ہے۔ اس نے شروع سے اس گھر کو سمیٹ کر رکھا۔ ہم سب کو چھوڑ سکتے ہیں مگر نغمانہ کو نہیں، ویسے بھی زویا تو تمہارے ہاتھ کی بریانی کی دیوانی ہے۔'' زینت پاؤں پھیلا کر کارپٹ پر ہی لیٹ گئیں، نغمانہ نے مشکور نظروں سے ان کو دیکھا۔
''یار چائے تو بنواؤ بڑی طلب ہورہی ہے اور ہاں شام کو ان کے لیے کڑی پکالو۔ بہت دن سے فرمائش کررہے ہیں۔'' زینت نے بڑے پیار سے اپنا مطلب سیدھا کیا تو نغمانہ سر ہلاتی وہاں سے اٹھ گئی۔
دعا کا غصے سے برا حال تھا کیوں کہ بات ایسی نہیں تھی جیسی باجی نے پہنچائی، وہ گواہ تھی کہ نعیمہ بھابی نے کھانا کھاتے ہوئے بس اتنی سی بات کی کہ ''بریانی میں نمک کم لگ رہا ہے'' وہ بھی زینت کے پوچھنے پر لیکن انہوں نے تو بات کا بتنگڑ ہی بنا ڈالا، نغمانہ بھابی کے دل میں دیورانی کی طرف سے بال آگیا۔

☆......☆......☆

''مبارک ہو امی! آپ کے دونوں پوتوں نے فرسٹ پوزیشن لی ہے۔'' ساجد نے خوشی خوشی ماں کے منہ میں گلاب جامن ڈالی۔ نعیمہ الگ بچوں کی کامیابی سے سرشار نظر آئیں، میاں بیوی راستے سے ہی مٹھائی خریدتے ہوئے آئے تھے۔
انہوں نے جیسے ہی خوشی خوشی بڑے کمرے میں قدم رکھا، باجی نے پینترا بدلا فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی، ان کے واری صدقے ہونے لگی۔ خوب ہنس ہنس کر بچوں کے رزلٹ دیکھے جانے لگے بلکہ بھائی کو دکھانے کے لیے بٹوے میں سے پانچ سو روپے کا کڑکتا نوٹ نکال کر نعیمہ بھابی کے چھوٹے بیٹے کے ہاتھ میں تھما دیا نعیمہ نے مسکرا کر نند کو دیکھا وہ سب سے زیادہ خوش جو نظر آرہی تھیں۔ سب مبارک باد دینے لگے سوائے نغمانہ کے دل پر تازہ تازہ چوٹ پہنچی تھی کونے میں منہ پھلائے بیٹھی پیاز چھیلتی رہی۔
''بھابی! منہ کھولیں۔'' نعیمہ نے بڑے پیار سے نغمانہ کے پاس جاکر مٹھائی کھلانی چاہی۔
''رکھ دو ابھی دل نہیں چاہ رہا بعد میں کھالوں گی۔'' نغمانہ نے نروٹھے پن کی انتہا کی تو نعیمہ بھی خاموشی سے اٹھ گئی۔
''میں جب گھر سے گئی تھی تو بھابی کا موڈ اچھا تھا اب کیا ہوگیا؟ لگتا ہے میری خوشیوں سے جل گئیں۔'' نعیمہ نے جیٹھانی کو دیکھا وسوسوں نے سر ابھارا اور دل پر بدگمانی کے بادل چھاگئے۔ نغمانہ سبزی سمیٹتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔
''ہم تو زمانے بھر میں اپنی بھابیوں کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں کہ کتنی میل جول سے رہتی ہیں۔'' باجی نے بھائیوں کے سامنے اپنی اچھائیوں کا مزید تڑکا لگایا گھر کے مردوں کو اندرونی معاملات کی کیا خبر، لگے بہن کی محبت پر سر دھننے۔
باجی ہمیشہ ایک بھاوج کے سامنے دوسری کو کھڑا رکھتی، ایسا کرکے شاید انہیں لگتا تھا کہ میکے میں ان کے پاؤں مضبوط رہیں گے، بھابیاں آپس کے اختلافات میں الجھ کر انہیں ہمدرد جان کر روتی ہوئی ایک دوسرے کی شکایات لے کر ان کے پاس پہنچ جاتیں تو وہ ایک کی بات دوسری کو بتا کر نہ صرف دونوں طرف سے مزے اٹھاتی بلکہ دبئی فون گھما کے ان کی جہالت کے قصے سنا کر باقی بھائیوں کو بھی محظوظ کرتیں۔

☆......☆......☆

باجی بھائیوں کے یہاں پہنچتے ہی سامان باندھ کر اپنی فیملی سمیت یہیں رہنے آگئیں، بھائیوں نے بھی اکلوتی بہن کو خوش آمدید کہا۔ وہ خوشی سے ٹھہر تو گئی مگر دماغ پر نئی فکریں سوار ہوگئی کہ دبئی پلٹ بھائیوں نے کس کو کتنے پیسے دیئے، کیا کیا تحائف بانٹے یا پھر وہ اس کوشش میں مصروف رہتیں کہ ان کی ذات کے سوا بھائیوں سے کوئی اور فیض یاب نہ ہو پائے۔
دعا نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو اسے کچن میں کام کرتی دونوں جٹھانیوں پر بڑا ترس آیا جو سسرالی مہمانوں یا ملنے آنے

والوں کے خاطر مدارات میں جتی رہتی، مہمان بھی وہ جو ہل کر پانی پینا نہ چاہیں۔ دوسری طرف باجی سب کے بیچ میں ہلکے ہلکے میک اپ جدید انداز کے سلے سوٹ میں ٹھسے سے بیٹھی اپنی بڑائیاں مارنے میں لگی رہتیں۔ دعا اچھی طرح جانتی تھی اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود آخر میں برائی ان دونوں جٹھانیوں کے حصے میں ہی آتی ہے۔

شادی کے ان دو سالوں میں اسے اپنی اکلوتی نند کی فطرت کی اچھے طریقے سے آگاہی ہوگئی تھی۔ وہ صرف اس بھائی اور بھاوج سے ہی خوش ہوتیں اور اسے نوازتیں جوان کی ہر غلط بات پر آمنا صدقنا ہو کر حامی بھرے۔

جس نے بھی ان کے منہ پر غلط کو غلط کہہ دیا بس اس کی شامت آجاتی ایک محاذ تیار کر کے ماں کے کمرے میں گھس کر مقدمہ چلایا جاتا۔ جس کی بیوی نے زبان چلائی ہوتی اس کا میاں ماں کے عتاب کا نشانہ بنتا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس بھابی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ زینت گھر بھر میں اس کے بارے میں کیا کیا گوہر افشانی کرتی پھر رہی ہیں، بات اگر کھل جاتی تو وہ صاف مکر جاتیں۔

زینت میں اور کوئی کوالٹی ہو نہ ہو وہ سامنے والے کو قائل کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھی پھر خود کو صحیح ثابت کرنے کے لیے چاہے جتنے بھی جھوٹ بولنے پڑ جائیں ان کی زبان نہیں لرزتی۔

☆......☆......☆

"بھائی! قربانی کا جانور تو لال کوٹھی والے حاجی صاحب کے یہاں آتا ہے۔ یہ اونچے لمبے بیلوں کی جوڑی دیکھنے والا دیکھتا رہ جائے، منوں گوشت نکلتا ہے۔ لاکھوں میں تو ان کی قیمت ہوتی ہے، وہ بقرعید سے ایک ہفتہ قبل لا کر کوٹھی کے لان میں شامیانہ کھڑا کر کے جانور باندھ دیتے ہیں، پھر تو دیکھنے کے لیے دنیا الڈ آتی ہے، یہاں تک کے میڈیا والے بھی پہنچ جاتے ہیں۔" زینت نے جوش سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ماموں! اب تو لوگ جانوروں کے ساتھ بھی سیلفیاں بناتے ہیں۔" زویا جو عادت کے مطابق بڑوں کے بیچ میں بیٹھی تھی فوراً لقمہ دیا۔

"استغفار۔ ایسے دکھاوے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کے یہاں نیت دیکھی جاتی ہے۔ جانور کی قیمت نہیں۔ لوگ سوسائٹی میں سب سے مہنگا جانور خریدنا اعزاز کی بات سمجھتے ہیں۔ اس طرح سے تو قربانی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔"
زاہد نے کانوں کو ہاتھ لگایا تو زویا منہ بنا کر اٹھ گئی۔

"سچ تو یہ ہے کہ مذہبی فریضہ انسان کی تربیت کرتا ہے، ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے، اس کا ایک مقصد سارا سال ناداروں کے لیے دل میں قربانی کا جذبہ بیدار رکھنا' ان کے درد کو سمجھنا، ان کی مدد کرنا۔ مگر معاشرے کا چلن ہی بدل گیا ہے، نمود و نمائش کو قربانی کے فرض سے جوڑ دیا گیا ہے' جو بڑھتے ہوئے ناسور کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ لوگ رشوت اور حرام مال سے بڑا جانور خرید کر سمجھتے ہیں سارے گناہ دھل گئے' استغفر اللہ۔" دعا جوش میں تقریر کر بیٹھی، زاہد کو بیوی کی حساسیت پر پیار آ گیا۔

"ارے زاہد! تم نے جو بکرے منگوانے کے لیے ماجد بھائی کو پیسے دیے تھے اس کا کچھ حساب کتاب بھی کیا؟" زینت نے کچھ دیر بعد بھائی کے قریب کھسک کر سرگوشی میں پوچھا۔ ان کے آنگن میں بھی قربانی کے لیے ایک گائے اور دو بکرے لائے جا چکے تھے۔

"آپی! کیسی باتیں کرتی ہیں، بھائی سے کیسا حساب کتاب، ویسے بھی میں نے ماجد بھائی کو ایک لسٹ دی تھی، ان سے اپنے لیے بھی کافی سامان منگوایا ہے، پیسے خرچ ہو گئے ہوں گے۔" زاہد کے بولنے سے قبل ہی دعا نے جواب دیا تو اس نے بیوی کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

"ہاں کہہ تو تم سچ رہی ہو مگر میں دیکھ رہی ہوں۔ اس گھر میں میرے دونوں بھائیوں کی کمائی کس بے دردی سے خرچ ہو رہی ہے۔ حساب کتاب تو رکھنا پڑتا ہے۔" یہ بات کرتے ہوئے وہ بھلا بیٹھیں کہ زاہد صرف ان کا نہیں ماجد کا بھی چھوٹا بھائی ہے اور جس طرح اس پر ان کا حق ہے اسی طرح ماجد کا بھی۔

"باجی ہم نے پہلے بھی کسی سے پیسوں کا حساب کتاب کیا ہے؟ جو بڑے بھائی سے کریں۔" دعا نے زینت کو جتایا جو ہر چھ مہینے میں بھائی سے بہانے بہانے سے پیسے منگوایا کرتی تھیں۔

"تمہیں شوہر سے محبت ہو نہ ہو۔ مجھے اپنے بھائی سے بہت پیارے ہیں، پیسہ کمانا آسان تھوڑی، جو یوں ہی دونوں ہاتھوں سے لٹا دیا جائے۔" زینت نے دانت کچکچا کر چھوٹی بھاوج کو گھورا۔

"چھوڑیں نا باجی! ہم لوگ یہاں کچھ دنوں کے لیے تو آتے ہیں۔ بس سب کو خوش وخرم دیکھنا چاہتے ہیں۔ پیسہ رشتوں سے بڑھ کر تھوڑی ہوتا ہے۔" دعا نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا مگر اس سے قبل ہی زاہد بول پڑا تو زینت کو خاموش ہونا پڑا۔ دعا نے شوہر کو داد دیتی نگاہوں سے دیکھا تو زینت کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

☆......☆......☆

زینت نے جس دن سے زاہد سے دعا کی شکایت کی وہ خاصہ محتاط رہنے لگی۔ باجی کو شوہر کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر خود بھی وہیں ٹک جاتی۔ یوں ہوا کہ زینت نے سوٹ والا معاملہ ہمیشہ کی طرح ایسے گھما پھرا کر زاہد کے کانوں تک پہنچایا کہ اس نے کمرہ بند کر کے بیوی کی خوب خبر لی۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنے چھوٹے دل کی عورت ثابت ہوگی، میری بھانجی کو ایک سوٹ دیتے ہوئے تمہارا دل دکھ رہا ہے، جانتی بھی ہو میری بڑی بہن نے ہمارے لیے ہمیشہ کتنی قربانیاں دیں۔" وہ باجی کے درد بھرے انداز کے زیر اثر یوں آنکھیں بدل کر جان سے عزیز بیوی سے بات کر رہے تھے کہ دعا کے چھکے چھوٹ گئے۔

اس نے صفائی دینے کی بہت کوشش کی مگر زاہد اس وقت کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔ بس ایک ہی رٹ ابھی زویا کو سوٹ دے کر آؤ۔

"یہ دونوں سوٹ رکھ لیں۔" دعا نے مجبور ہو کر بڑے برے دل سے کپڑے اپنے ہاتھوں سے لے جا کر باجی کے حوالے کر دیئے۔

"بی بی تم کس بات پر اترا رہی ہو، یہاں تمہارا کیا ہے؟ ویسے بھی سب کچھ میرے بھائی کا ہے۔" دعا نے نند کو دیکھا تو زینت کے چہرے پر لکھی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

"تمہاری بیوی بہت زبان دراز ہے۔ پلیز اس کی زبان کو لگام دو کہیں سے بھی ماہا کی بہن نہیں لگتی، ہم سے بڑی چوک ہوگئی، جو دعا کو بھابی بنا کر اپنے سروں پر ناچنے کے لیے اس گھر میں لے آئے۔" زینت نے غصے سے کہا۔ وہ جو ہمیشہ بھائیوں کے سامنے ان کی بیویوں کی برائی کرنے سے اجتناب برتتی تھی، جذبات میں آ کر ابل پڑیں۔

دعا دونوں جٹھانیوں کو زبردستی کچن سے نکال کر عید کی شاپنگ کے لیے اپنے ساتھ مارکیٹ لے گئی۔ اس نے نند کو جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا، کیوں کہ باجی ماں کے ذریعے پہلے ہی زاہد اور شاہد سے عیدی کے نام پر پچیس پچیس ہزار نکلوا چکی تھی۔ دعا کے ساتھ نہ لے جانے پر وہ جل کر بھائی کے کان بھرنے بیٹھ گئیں، انہیں موقع بھی خود دعا نے فراہم کیا تھا۔

"باجی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ دعا اتنی اچھی تو ہے۔ وہاں بیٹھ کر بھی اسے یہاں رہنے والوں کا اتنا خیال رہتا ہے۔" وہ زاہد کی من چاہی بیوی تھی اس کا دفاع کیوں نہیں کرتا اگر ایک طرف بہن عزیز تھی تو بیوی کو بھی اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر لایا تھا، وہ دکھ سکھ کی ساتھی تھی کیسے اس کا مذاق اڑانے دیتا۔

وہ جانتا تھا کہ اس گھر کی کوئی بہو ایسی نہیں جس سے باجی کی ٹھنی نہ ہو۔ وہ آج جس ماہا کی تعریف کر رہی تھیں، کل تک اسے گھنی کے لقب سے نوازا تھا۔

"یہ خود تو خاموش رہتی ہے، مگر شاہد کو ہر مسئلے پر بولنے کے لیے چڑھاتی ہے۔" ماہا کے چپ رہنے پر ان کی حتمی رائے ہوئی۔

"یہ بولتی بہت ہے، زبان دراز کہیں کی۔" زینت کا اب دعا کے بارے میں یہ خیال تھا۔

"دعا! پلیز جب تک ہم لوگ یہاں موجود ہیں، تم کسی قسم کے مسئلے میں نہ پڑو۔" ان سب باتوں کا دل ہی دل میں اعتراف کرنے کے باوجود اس نے رات کو بند کمرے میں بیوی سے التجا کی تو وہ کھلکھلا اٹھی۔

"اچھا جناب۔" اس نے شوہر کی خوشنودی کے لیے فرماں برداری سے سر ہلا کر حامی تو بھر لی، مگر اس کے چہرے سے پھوٹتی شرارت نے زاہد پر واضح کر دیا کہ اس کے اندر چھپی چلبلی زور زور سے نہ کہہ رہی ہے۔

☆......☆......☆

"نعمانہ بھابی! ذرا سب کام چھوڑ کے ادھر آیئے گا۔" دعا اونچا بن بنائے، زرد رنگ کی کڑھائی والی کرتی اور نیلے پائجامہ میں بہت جچ رہی تھی، اس نے صبح ناشتے کی ٹیبل پر گرم گرم پراٹھے پہنچا کر بڑی بھابی کو آواز دے کر بلایا۔

"آئی۔" وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھیں۔ نعیمہ نے جٹھانی کے کام چھوڑ کر جانے پر برا سا منہ بنایا۔ وہ دونوں صبح سے کچن میں کھڑی درجن بھر پراٹھے بیلتے ہوئے ہلکان

ہوگئیں تھیں۔
"کیا کوئی کام ہے، کچھ چاہیے؟" انہوں اس کی پلیٹ میں آلو کی بھجیا اور گرم پراٹھا رکھتے ہوئے محبت سے پوچھا۔
"جی پہلے تو مجھے سوری کرنا تھا کہ میں سب کے لیے کچھ نہ کچھ لائی مگر آپ کو کوئی تحفہ نہ دے سکی۔" دعا نے نرم لہجے میں انہیں مخاطب کیا، وہ زینت کی بات بتا کر ان کا دل نند سے خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر شاید وہ سب جانتی تھی، اسی لیے پھیکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آ کر ٹھہر گئی۔
"اصل میں' میں نے ہمیشہ آپ کو ساڑھی میں ملبوس دیکھا تو سوچا، آپ یہیں سے اپنی پسند کی ساڑھی خرید لیجیے گا۔" دعا نے مسکرا کر اپنی بات مکمل کی۔ زینت کے کان کھڑے ہوگئے۔
"ارے کوئی بات نہیں رہنے دو ویسے بھی کل اتنی شاپنگ کروا تو دی تھی۔" نغمانہ نے دبی زبان میں منع کیا۔ سب لوگ اب ناشتہ چھوڑ کر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ نغمانہ جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

"پتا نہیں یہ لوگ ہر وقت کچن میں کرتی کیا ہیں؟ میں تو اپنے گھر کا سارا کام اکیلے نمٹاتی ہوں اور پھر بھی فریش رہتی ہوں۔" زینت کی لن ترانی شروع ہوئی۔ دعا ان کا منہ تکتی رہ گئی۔ دل چاہا پوچھے کہ کبھی آپ کے گھر اکٹھا پندرہ میں مہمان ہفتوں رہنے کے لیے آئے ہیں؟ آپ تو خود ہی زیادہ تر میکے میں پائی جاتی ہیں۔
دعا کو یاد تھا کہ دو سال قبل جب اچانک انہوں نے پاکستان کا چکر لگایا تو زاہد نے بہن کو سرپرائز دینے کا سوچا بغیر اطلاع کہ بیوی کو لیے ان کے گھر پہنچ گئے۔
اجڑے حلیہ کے ساتھ دروازہ کھولنے والی باجی پہچانی نہیں جا رہی تھیں۔ میکے میں تو نک سک سے بج سنور کے بھابیوں کو تنقید کا نشانہ بنانے والی زینت کے گھر کی حالت نا قابل بیان تھی۔
"ارے...... تم لوگ...... یوں اچانک......" زینت دروازہ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ جیسے کہہ رہی ہو، یہیں سے لوٹ جاؤ۔
"آپ کی محبت کھینچ لائی۔" دعا نے کیک کا بڑا سا ڈبہ انہیں تھمایا اور شوہر کے ساتھ فاتحانہ انداز میں اندر داخل ہوگئی۔

وہ دونوں کمرے میں گھسے تو کونے میں زاہد کے بہنوئی شکیل بیٹھے تندور کی روٹی سے دال اڑا رہے تھے۔

''اصل میں آج کام والی ماسی نہیں آئی نا، میری طبیعت بھی خراب تھی ورنہ تو میں ان کو گرم گرم روٹی توے سے اتار کے دیتی ہوں۔'' دعا کو مسلسل چنگیر میں رکھی تندور کی روٹی کو گھورتا دیکھ کر باجی نے کوفت بھرے انداز میں جھوٹی صفائی دیں، اس میں تو وہ ویسے بھی ماہر تھیں۔

کیوں' ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' زینت نے شوہر سے اخلاقی کمک حاصل کی تو شکیل بھائی نے فرماں برداری کا ثبوت پیش کیا اور سر ہلا کر بیوی کی تائید کی تاہم کھانے سے ان کی توجہ بالکل نہ ہٹی۔

زاہد نے بہن کے چہرے کی بے زاری دیکھی تو چائے کی فرمائش کر بیٹھا۔ وہ بھی شاید گھمبیر ماحول سے فرار چاہتی تھی کچن کی طرف بڑھ گئیں دعا نے زینت کے منہ سے ہمیشہ اپنی تعریفیں سنی تھی اور وہ ان کے بڑبولے پن سے متاثر بھی رہتی تھی، پھر میاں جی کی تان بھی اسی بات پر آ کر ٹوٹتی تھی کہ ''تمہیں زندگی گزارنے کے طریقے سیکھنے ہے نا، تو میری باجی سے سیکھو۔''

مگر اس وقت تو وہ مثل تھی کہ ''چور کو پڑ گئے، موز'' وہ جو دوسروں پر بے لاگ تبصرہ کرنے کی ماہر تھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ دعا ان کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے پیچھے چلی آئی اور بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے ہر چیز کا گھوم پھر کر جائزہ لیا کچن میں ہر چیز پر چکناہٹ کی کائی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ برتنوں کا ڈھیر سنک میں جمع تھا ''ماسی جو نہیں آئی تھی۔'' دعا ہاتھ دھونے واش روم گئی تو عجیب سی بساند نے استقبال کیا وہ ناک سکوڑ کر باہر آ گئی۔ زینت کا بس نہیں چل رہا تھا بھائی بھاوج کو جادو کے زور سے کہیں غائب کردے یا خود کہیں چلی جائے۔

''نغمانہ اور نعیمہ کا شمار صفائی پسند خواتین میں کیا جاتا ہے، ان کے دم سے، گھر کا کونا کونا چمکتا نظر آتا ہے، پھر بھی میکے میں جا کر زینت کا نظریہ بدل جاتا، چھوٹا سا عیب بھی بڑا دکھائی دیتا، جب محفل عروج پر ہوتی تو وہ جتاتیں۔

''اپنے گھر کا اتنا برا حال کرنے کہ باوجود یہ سینہ تان کر سلیقہ مندی کی تعریفیں کیسے کر لیتیں ہیں۔'' دعا نے چکنے سے مگ کو دھو کر پانی پیتے ہوئے سوچا۔

''دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آ جاتا ہے، مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔'' رات کو بستر پر زاہد کے برابر میں لیٹتے ہوئے دعا نے شوہر کو جل کر سنائی، مگر اس نے کروٹ بدل کر سونے کی ایکٹنگ شروع کردی، وہ جانتا تھا کہ اسی میں عافیت ہے۔

☆......☆......☆

باجی! یہ کیا کر رہی ہیں؟'' شاہد نے بہن کو گوشت کے بڑے صاف ستھرے پیس الگ رکھواتے اور چھیچھڑے اور ہڈی والا گوشت دوسرے برتن میں رکھواتے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

''کچھ نہیں بھیا! قربانی کے گوشت پر غریبوں کا بھی حصہ ہوتا ہے کہ نہیں۔ ان کو بانٹنے کا الگ کروا رہی ہوں۔'' زینت نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ قصاب گائے کاٹ کر جا چکے تھے، بڑی سی چٹائی پر گوشت کا ڈھیر پڑا تھا، وہ کرسی لگا کر بیٹھ گئیں اور حصہ کروانے میں جت گئیں۔ ماجد اور ساجد بری طرح سے چڑے، ان کی دخل اندازیاں برداشت کر رہے تھے۔

''ارے تو کیا گھر والوں کو صرف چھیچھڑے کھلائیں گی؟'' شاہد بہن کو اچھی طرح سے جانتا تھا، مسکرا کر چھیڑا۔

''ہی...... ہی...... یہ تو غریبوں کا حصہ نکلوایا ہے۔'' وہ بھائی کی بات پر ہنس دیں۔

''افسوس صد افسوس' یوں تو قربانی کا مقصد ہی فوت ہو گیا، آپ سارے سال اتنا اچھا اچھا کھانے والے لوگ، اس دن بھی اپنا فریزر گوشت سے بھر لینے کے طلب گار رہتے ہیں' کم از کم آج تو غریبوں، مسکینوں اور ناداروں کو کھل کو اچھے سے اچھا بانٹیں تا کہ ان کا دل بھی خوش ہو۔'' شاہد نے کافی سنجیدگی سے کہا تو زینت کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

☆......☆......☆

اچھا بھابی! زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔'' دعا دبئی واپسی سے ایک رات قبل نغمانہ سے ملنے اس کے کمرے میں گئی تو وہ ماجد بھائی کے آفس کے کپڑوں پر استری کر رہی تھی، کام چھوڑا اور پیار سے دیورانی کو گلے لگا لیا۔

''ان شاء اللہ پھر ملاقات کریں گے' تم لوگ جلدی چکر لگانا۔'' نغمانہ نے اس کا نرم ہاتھ تھام کر بستر پر بٹھایا۔

''ایک بات کہنی تھی بھابی اگر آپ برا نہ مانیں۔'' دعا نے

کچھ سوچ کر ان کو دیکھا اور بولی۔

''تمہیں اجازت لینے کی ضرورت کب سے پڑ گئی؟ جو بھی، کہنا ہے کہہ دو۔'' نغمانہ نے دیورانی کو دیکھا اور خوش دلی سے بولی، ان کی بڑی بیٹی سبینہ کمرے میں داخل ہوئی تو چچی کو بیٹھے دیکھ کر خود بھی ان کے برابر میں ٹک گئی، اسے اپنی پیاری سی صاف گو چچی بہت پسند تھیں۔

''ہاں' آپ بھی دل میں کہتی ہوں گی کہ'' تم جیسی زبان دراز کو بولنے کے لیے کب سے اجازت مانگنی پڑ گئی۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی، تو نغمانہ انکار میں سر ہلایا۔ اسے دکھ ہوا کہ زینت کی بے مقصد باتیں دیورانی کے کانوں تک پہنچ کر دل آزاری کی وجہ بنیں۔

سبینہ جلدی سے کچن میں گئی اور شربت بنا کر ٹرے میں گلاس رکھ کر سلیقے سے چچی کو پیش کیا، اس نے بچی کا دل رکھنے کے لیے ایک گھونٹ بھرا۔

''میں دیکھ رہی ہوں کہ ماجد بھائی صبح سویرے گھر سے نکلتے ہیں اور ان کی واپسی رات گئے ہوتی ہے پھر بھی قلیل تنخواہ کی وجہ سے آپ لوگوں کے خرچے پورے نہیں ہو پا رہے۔'' دعا نے ہمدردی سے کہا تو ان کی آنکھ بھر آئی۔

''کیا کریں بہن! مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے، بچوں کی پڑھائیاں اور دیگر خرچے ہی پورے نہیں ہو پاتے، پھر بھی اللہ کا شکر ہے حق حلال کی تو کھلا رہے ہے۔'' نغمانہ نے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر عاجزی سے شکر ادا کیا۔

''میرے ایک انکل ہیں۔ انہیں اجمان میں اپنے سپر مارٹ کی نئی برانچ کے لیے منیجر کی ضرورت ہے، جو ایمان دار بھی ہو، اسی لیے میں نے ان سے ماجد بھائی کے لیے کہا تھا، وہ بھی کسی جاننے والے کو ہی رکھنا چاہ رہے تھے۔ اتفاق سے کل ان کی کال آگئی تو، خوش ہوگئے۔ ساری بات تفصیل سے ہوگئی ہے۔ یہ ان کا کارڈ ہے اس پر سارے نمبر ہیں۔ آپ ماجد بھائی سے کہیے گا کہ ان سے بات کر کے اپنے کاغذات مجھے دے دیں۔ تاکہ میں ان کو پہنچا دوں۔ وہ جلد ہی بھائی جان کو ویزہ بھیج دیں گے، تنخواہ بھی یہاں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہوگی۔'' دعا نے دھیرے دھیرے ساری بات بتائی تو نغمانہ پہلے تو ہکا بکا رہ گئی، پھر ایک دم رونے بیٹھ گئی۔ سبینہ کا چہرہ البتہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

''میں نے آپ کی اجازت کے بغیر ہی سارے فیصلے کر لیے ڈر رہی تھی کہ آپ یا بھائی جان ناراض نہ ہو جائیں۔'' اس نے گھبرا کر پوچھا تو وہ دیورانی سے لپٹ گئیں۔

''تم نے تو ہماری مشکلات دور کر دیں، میں تو تمہاری شکر گزار ہوں، ماجد بھی بہتر نوکری کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، ان کے سر سے تو بڑا بوجھ اتر جائے گا۔'' نغمانہ نے دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے شکر گزاری سے دیورانی کو دوبارہ گلے لگایا، سبینہ کی آنکھوں میں بھی تشکر کے آنسو امڈ آئے تھے۔

''اچھا ایک اور بات، آپ یہ رکھ لیں۔'' دعا نے عجلت میں ان کی مٹھی میں کچھ دبایا اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

دونوں ماں بیٹی حیران رہ گئیں، مٹھی کھولی تو دیکھا گلابی رنگ کے دو لفافے تھے ایک پر نغمانہ بھابی اور دوسرے پر سبینہ لکھا ہوا تھا انہوں نے بے تابی سے لفافے کو کھولا تو ایک میں دس ہزار اور سبینہ کے لفافے سے پانچ ہزار نکلے۔

نغمانہ دل سے دعا کی مشکور ہوگئی، اسے لگا کہ چار دن قبل جو سبینہ ان سے کوچنگ کی فیس کے لیے بحث و مباحثہ کر رہی تھی وہ دیورانی نے بھی سن لی۔ اسی لیے اس نے طریقے سے اپنی جٹھانی کی مدد کی۔

نغمانہ کے دل سے اس لڑکی کے لیے دعائیں نکلنے لگی، جو غیر تھی اور اپنوں سے بڑھ کر ان کے مسائل سمجھ رہی تھی، جسے اس کے سسرال میں ''زبان دراز'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا مگر وہ اس مشکل گھڑی میں ان کے کام آئی۔

☆......☆......☆

''مجھے نہیں پتا' میرے گھر کی پہلی تقریب ہے، اب تو تم لوگوں کو پاکستان آنا ہی پڑے گا۔'' زینت نے اسکائپ پر دعا اور ماما سے باتیں کرتے بڑے مان سے کہا۔

''جی، ہم لوگ خود بھی آنا چاہ رہے ہیں، اس دفعہ تو کافی عرصہ گزر گیا، ہم آ ہی نہیں سکے کبھی بچوں کی پڑھائی کا مسئلہ تو کبھی ان لوگوں کو ساتھ چھٹی ملنے کا مسئلہ۔'' ماما نے کہا، اسے اپنے پاک وطن سے بہت محبت تھی، دبئی میں کتنی بھی سہولتیں صحیح مگر اپنے ملک جیسی بات نہیں تھی۔

''دیا خود بھی کہہ رہی تھی، میری تو صرف دو ہی ممانیاں اچھی ہیں جو دبئی جا بیٹھیں۔ جب تک وہ دونوں نہیں آئیں گی، میں نکاح نامے پر سائن نہیں کروں گی۔'' وہ کیا کہتے ہیں

"چور چوری سے جائے، ہیرا پھیری سے نہیں" سالوں گزرنے کے بعد بھی باجی کے مزاج میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی تھی، مگر کبھی کبھی ان کے اندر سے وہ ہی پرانی والی زینت مچل کر باہر آجاتی، جسے انہوں نے بچوں کے جوان ہونے پر مصلحتاً سلادیا تھا۔

"باجی! آپ زویا کو سمجھایئے گا' اس کی پاکستان والی مامیاں بھی بہت اچھی ہیں۔" دعا نے ترش لہجے میں کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گئیں۔

"اچھا رخصتی کا کب تک ارادہ ہے؟" ماہا نے ماحول گرم ہوتا دیکھا تو بات کا رخ دوبارہ تقریب کی طرف موڑ دیا۔ وہ لوگ کیوں کہ وڈیو چیٹ کررہے تھے اس لیے بآسانی ایک دوسرے کے تاثرات بھی دیکھ رہے تھے۔

"کم از کم سال تو لگے گا، کیوں کہ فیضان کے گھر والوں نے بھی تیاری کے لیے تھوڑا ٹائم مانگا ہے، ویسے بھی وہ لوگ ڈیفنس میں اپنا نیا بنگلہ بنوارہے ہیں شادی وہیں سے ہوگی۔ اس وقت تک زویا کا ماسٹرز بھی مکمل ہوجائے گا۔" زینت کا من پسند موضوع چھڑ چکا تھا، خوشی خوشی بتانے لگیں۔

"فیضان کرتا کیا ہے؟" دعا کو تجسس ہوا تو پوچھ بیٹھی۔

"میکینکل انجینئر ہے، بہت اچھی جگہ نوکری کرتا ہے۔ کمپنی کی طرف سے گاڑی بنگلہ سب ملا ہوا ہے، فیضان کی بہنیں تو زویا کو ایک نظر دیکھتے ہی جیسے فریفتہ ہوگئیں، اسی لیے میں نے عمر کے فرق کو درخود اعتناء نہیں جانا۔" زینت کی لن ترانیاں جاری تھیں۔

"ماشاء اللہ آپ نے زویا کی ہونے والی نندوں کی کتنی تعداد بتائی تھی؟" دعا کا لہجہ بہت معنی خیز تھا، مگر وہ شیخی مارنے میں اتنی مگن تھیں کہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ بھاوج کیا جتانا چاہتی ہے۔

"ایں! سات بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے، میرا فیضان۔" انہوں نے مسکرا کر بتایا۔ خوشی کا احساس جیسے ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہا تھا۔

"لڑکے کی ماں بہنوں کی پہناؤنیاں، میری طرف سے ہوں گی۔" اس سے پہلے کہ دعا مزید کچھ بولتی ماہا نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔

"ہونہہ! یہ تو شاہد ماموں کی طرف سے ہوا اب بتایئے میرے نکاح پر زاہد ماموں کیا کریں گے؟" زویا نہیں بدلی تھی۔ ویسی کی ویسی ہی تھی۔ بغیر کسی شرم وحیا کے ماں کے پیچھے سے منہ نکال کر پوچھا۔

"تمہارے ہونے والے دلہا کی شاپنگ کی ساری ذمہ داری ہماری ہوگی۔" دعا نے مسکرا کر کہا تو دونوں ماں بیٹیاں شانت ہوگئیں۔

☆......☆......☆

اتنے سالوں بعد زینت بھی بھابیوں کے نخرے اٹھانے پر مجبور ہوگئیں، ماں رہی نہیں۔ بس اب بھائیوں کے دم سے میکا تھا۔ اصل میں، نئی رشتے داریاں بننے جارہی تھیں، ان کی بھی سسرال والوں سے تو بنی نہیں، مگر انہوں نے میکے کو ہی سسرال سمجھ کر اپنا شوق پورا کیا۔ اب جب کہ غیر خاندان میں بیٹی بیاہنے چلی تھی تو چار عزیزوں کی ضرورت تھی، اسی لیے بھابیوں کے معاملے میں ہمیشہ سے روا رکھی جانے والی بے لچک پالیسیوں میں نرمی آگئی۔

ماجد کے دبئی جانے کے بعد سے نغمانہ کے پاؤں سسرال میں خاصے مضبوط ہوگئے، انہوں نے دبنا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی نعیمہ میں بھی ہمت آگئی، ویسے بھی جب بچے جوان ہوجائیں تو شوہروں کو ان کی سننی پڑتی ہے اسی لیے آہستہ آہستہ سارے بھائی باجی کے ٹرانس سے باہر آگئے۔

☆......☆......☆

"باجی! کیا ہوگیا کیوں روتی ہیں' ابھی آپ کے بھائی زندہ ہیں۔" شاہد اور زاہد بہن کو ساتھ لگا کر تسلی دینے لگے مگر ان کے آنسو تو اترے گرے جارہے تھے۔

"اچانک رشتہ ختم کیسے ہوا؟ یہاں تک کہ ہال بھی بک ہوگیا تھا۔" وہ دونوں پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے مگر کہیں سے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل رہا تھا۔ وہ لوگ زویا کے نکاح کی تقریب میں شرکت کرنے دوپہر کو پاکستان پہنچے تو یہاں پورا گھر سوگ میں ڈوبا ہوا تھا، زینت کئی دن کی مریضہ نظر آرہی تھی، زویا الگ کمرہ بند کرے پڑی تھی۔

"لڑکے والوں کی طرف سے انکار کہلوادیا گیا ہے۔" دعا نے پوچھا تو نغمانہ نے دبی زبان میں بتایا۔

"بس اب ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی، میری بچی کا نصیب اچھا تھا، جو وہ بچ گئی۔" زینت نے سب کے بیچ میں بیٹھ کر پاٹ دار آواز میں کہا تو کسی کی مزید بولنے کی ہمت نہ رہی۔

نغمانہ، نعیمہ نے سارے بچوں کو بڑے کمرے سے نکالا خود رات کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن کی طرف چل دیں ماہا اور دعا وہیں کارپٹ پر بیٹھ کر باجی کو دلاسہ دینے لگی۔

دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے والے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہم سب کے اوپر بھی ایک ذات ''رب العالمین'' کی ہے، جن کے سامنے ہر انسان کا دل ایک کھلی کتاب ہے، اس پر لکھی گئی اچھائی، برائی کی کوئی ایک تحریر بھی اس ذات پاک سے چھپائی نہیں جاسکتی...... پھر انسان کس سے چھپاتا ہے؟ صرف دنیا والوں سے۔ اسی لیے وہ لوگوں کا دل دکھاتا ہے، ان کی حق تلفی کرتا چلا جاتا ہے مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ بہت دنوں تک زیادتی کرنے والوں کی رسی کو ڈھیلا نہیں چھوڑتا۔

☆......☆......☆

''ایسی کون سی بات ہوگئی تھی، جو لڑکے والوں نے یوں انکار کردیا؟'' زاہد کسی طرح مطمئن نہیں ہو پارہا تھا۔

''ارے بس شیخی خورے لوگ تھے۔ ہم ٹھہرے سیدھے سادھے لوگ، ان جیسے مکاروں سے بن نہ سکی۔'' زینت نے ہمیشہ کی طرح بھائیوں کو گھمایا اور وہ گھومتے چلے گئے۔

''یہ تو آپ صحیح کہہ رہی ہیں، یہ زمانہ سیدھوں کا نہیں، آپ کو پہلے ہی ان نودولتیوں کے بارے میں مکمل معلومات کروا لینی چاہیے تھی، ابھی کون سی بچی کی عمر نکلی جارہی تھی، جو آپ نے اتنی جلدی مچائی۔'' شاہد نے بھی سر ہلا کر اظہار افسوس کیا اور بہن کو سمجھایا۔

''یہی تو میں بھی ان سے کہتا رہا کہ پہلے لڑکی کو کوئی طور طریقہ سکھاؤ مگر انہوں نے اپنے آگے کبھی کسی کی سنی ہے جو اس دفعہ سنتیں۔'' شکیل بیوی کے قریب کھڑے ہوکر چہک اٹھے، ویسے بھی ڈھلتی عمر کے ساتھ عشق کی پٹی آنکھوں سے اتری تو بہت سے منظر واضح نظر آنے لگے۔

''آپ جاکر پکوان والوں کی بکنگ تو کینسل کروادیں۔'' زینت نے فوراً ہی پینترا بدلا، میاں کو آنکھ کے اشارے سے وہاں سے جانے کے لیے کہا، وہ جھنجلا کر باہر نکل گئے۔ بھابیوں کے مسائل پر ساری عمر چٹخارا لینے والی کیسے برداشت کرتی کہ ان کے اپنے اوپر کوئی انگلی اٹھائے۔

شکیل بھائی کی بات پر کسی نے توجہ نہیں دی مگر دعا کے کان کھڑے ہوگئے وہ پہلے ہی زینت کے جواب سے مطمئن نہیں ہو پارہی تھی، ان کے شوہر کے انداز نے اس کے خدشات کی تصدیق کردی۔ یقین پکا ہوگیا کہ رشتہ ختم ہونے کے پیچھے کوئی اور ہی وجہ ہے۔

☆......☆......☆

دعا چھوٹے بیٹے کا فیڈر بنانے کے بہانے جٹھانیوں کے پیچھے کچن میں جا پہنچی۔ وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کررہی تھیں، اسے دیکھ کر ایک دم خاموشی اختیار کرلی۔

''بھابی! پلیز بتایئے نا' زویا کا رشتہ کیوں ختم ہوا؟'' ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب اس نے پوچھا تو دونوں کے لبوں پر دبی دبی افسردہ سی مسکراہٹ چھاگئی۔

''اصل میں فیضان اپنی بہنوں میں سب سے بڑا تھا، اس کی ہر بات کی تان ان لوگوں سے شروع ہوکر ان ہی پر ختم ہوتی، زویا کے لیے اپنے علاوہ کسی اور کی تعریف سننا مشکل تھا، مگر وہ برداشت کرتی رہی۔'' نغمانہ نے کچن کے داخلی دروازے پر نظر رکھتے ہوئے دھیرے سے بتانا شروع کیا۔

''اچھا پھر کیا ہوا؟'' دعا کا لہجہ پر تجسس ہوا۔ نعیمہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''مسائل اس وقت شروع ہوئے جب زویا فیضان کے پیچھے پڑگئی کہ نکاح کا جوڑا اور باقی شاپنگ وہ اپنی پسند سے کرے گی، جبکہ فیضان کی ماں بہنوں کے ارمان تھے کہ وہ خود اکلوتی بہو اور بھابی کے لیے شاپنگ کریں آخر ایک دن اس مسئلے پر دونوں کی ٹھیک ٹھاک منہ ماری ہوئی تو زویا کے منہ سے غصہ میں نکل گیا کہ ''آپ کی یہ چنڈال بہنیں کیا، اسی طرح ساری زندگی میری خوشیوں کا خون چوسیں گی؟'' یہ بات سنی تھی کہ فیضان نے موبائل آف کردیا۔ یہاں سے بعد میں اس سے رابطے کی بڑی کوششیں کی گئیں مگر سب بے سود، زینت نے زندگی میں پہلی بار زویا پر ہاتھ اٹھایا۔ اس نے بھی ماں سے خوب زبان درازی کی۔ دوسرے دن فیضان کے گھر والے آئے اور زینت سے اس رشتے پر معذرت کرلی، ان کا کہنا تھا کہ زویا جیسی لڑکی سے اپنے بیٹے کی شادی کرکے وہ اپنے گھر کو جہنم نہیں بنائیں گے بس بات ختم ہوگئی۔'' نغمانہ نے تفصیل سے ساری بات بتائی۔

''باجی نے بہت چاہا کہ معاملات ٹھیک ہوجائیں مگر اب فیضان کسی طرح اس گھر میں شادی کرنے کو تیار نہیں۔'' نعیمہ نے بتایا۔

"فیضان زویا کی کم عمری کو ذہن میں رکھ کر اس کی بہت سی بے جا ضدیں پوری کرتا رہا، تو یہ آسمان پر جا چڑھی' سمجھا کہ اسے انگلیوں پر نچاتی رہے گی، باجی نے بھی بیٹی کو نہیں سمجھایا مگر اب حد ہوگئی تھی۔" نعیمہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔

"فیضان کی امی نے شکوہ کیا۔ ان کے بیٹے نے کہا ہے کہ اپنی بہنوں کے بارے میں تلخ باتیں سنناوہ بھی ایسی لڑکی سے جس نے ابھی سسرال میں قدم نہیں رکھا اس کے لیے ناممکن ہے جب اس کا ابھی سے یہ حال ہے تو وہ بعد میں کیا گل کھلائے گی نہ بھئی ایسی زبان دراز لڑکی ہمیں نہیں چاہیے۔ انہوں نے باجی کی خوب بے عزتی کی اور چل دیں۔" نغمانہ کے بتانے پر ان تینوں کے چہروں سے دکھ جھلکنے لگا جو بھی تھا، زویا تھی تو اسی خاندان کی بچی اس کا رشتہ ختم ہونا کوئی خوشی کن خبر نہیں تھی۔

"زویا کے لیے زبان دراز کا لقب۔" دعا قدرت کے انصاف پر حیران رہ گئی، اسے پتا تھا کہ یہاں جب بھی اس کا ذکر نکلتا تو، زینت اس کے نام کے بجائے۔ "زبان دراز" کا لقب استعمال کرتی تھیں، دوسروں کی بیٹیوں کو اپنے گھر لا کر مذاق اڑانے والوں کو قدرت کی طرف سے کیسا طمانچہ پڑا تھا۔

☆.........☆.........☆

بچوں کی پڑھائی مٹف ہوگئی اتنی مصروفیت کی وجہ سے دعا کی سسرال میں بات چیت کم ہونے لگی تھی' آج بہت دنوں بعد جٹھانیوں سے تفصیل سے بات ہوئی تو پتا چلا کہ جب سے زویا کا رشتہ ختم ہوا ہے باجی کافی بیمار رہنے لگی ہیں۔

اسے دکھ نے گھیر لیا ایک نئی فکر سوار ہوگئی، ادھر ادھر زویا کے جوڑ کا لڑکا ڈھونڈنے میں لگ گئی، اتفاق سے زاہد کے دوست شہزاد کے کہنے پر اس کے بھائی سے ملاقات کی۔ ہینڈسم سا مراد زویا کے جوڑ کا نظر آیا، بہانے سے انہیں بھی زویا کی تصویر دکھائی، دبلی پتلی، سبک نقوش والی لڑکی ان دونوں بھائیوں کو پسند آگئی، یوں ایک معرکہ سر کرنے کے بعد اس نے آج نند سے بات کرنے کی ٹھانی۔

"آپی! مراد زاہد کے دوست کا چھوٹا بھائی ہے ابوظہبی کے بینک میں اس کی بہت اعلیٰ جاب ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ لڑکا بیوی کو اپنے ساتھ ابوظہبی میں رکھے گا۔ ہماری زویا راج کرے گی۔" دعا نے نند کی ذہنیت کے حساب سے بات شروع کی، وہ شوق سے سننے لگی۔

"شہزاد بھائی کا ہمارے گھر کافی عرصے سے آنا جانا ہے، والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنے سارے مسائل ہم سے بیان کرتے ہیں۔ اصل میں شہزاد بھائی کی بیوی کو اکلوتا دیور کانٹے کی طرح چبھتا ہے، اسی لیے وہ اب مراد کی شادی کرنا چاہتی ہیں تاکہ اس کی تنہائی بھی دور ہو سکے۔" دعا نے تفصیل بتانا شروع کی۔

"ہاں بھئی سب ہماری طرح خوش قسمت نہیں ہوتے، جنہیں اتنی اچھی بھابیاں ملی ہوں۔" زینت نے اس بار کسی بناوٹ تصنع سے ہٹ کر دل سے تعریف کی تو دعا شرما گئی۔

"خیر شہزاد بھائی! زاہد کے پیچھے پڑ گئے کہ میرے چھوٹے بھائی کے لیے بھابی جیسی کوئی اچھی لڑکی ڈھونڈ کر نکالو، تو میرے دماغ میں فوراً ہی زویا کا خیال آیا، ان دونوں کو بلا کر زویا کی تصویر دکھائی تو انہوں نے اوکے کردیا۔" دعا شرارت سے گویا ہوئی اسے زینت کی حالت کا سن کر بہت دکھ ہوا جو اسکائپ پر بہت کمزور دکھائی دے رہی تھیں۔

"اچھا ہے میرا تم لوگوں کے علاوہ کون ہے؟ اگر زاہد کو لڑکا مناسب لگے تو بات آگے چلاؤ۔" انہوں نے دھیمے کہا پاس ہی سر جھکائے زویا بیٹھی تھی۔

"انہیں تو مراد شروع سے بہت پسند ہے۔ ویسے آپ ان سے بات کر کے اپنی تسلی کرلیجیے، ابھی تو میں نے آپ سے یہ کہنا تھا کہ میں زویا کا ویزہ اور ٹکٹ بھیج رہی ہوں، اسے ایک مہینے کے لیے اپنے پاس بلوا رہی ہوں، ان لوگوں نے تصویر دیکھ کر تو پسند کرلیا ہے، مگر باقاعدہ دیکھنے کی بات اور ہے، ویسے بھی مراد کو گھر سنبھالنے والی لائف پارٹنر کی ضرورت ہے۔ اسی لیے میرا ارادہ ہے کہ یہاں بلا کر زویا کو نہ صرف کوکنگ میں ماسٹر کردوں بلکہ دبئی گھما پھرا بھی دوں۔" دعا نے چہکتے ہوئے کہا تو زویا نے سر اٹھا کر مامی کو دیکھا۔

"سچ مامی! مجھے آپ وہاں بلا رہی ہیں اوہ کتنا مزہ آئے گا، میں تو امی سے پہلے ہی کہتی تھی کہ میری تو ایک ہی مامی ہیں۔ دعا مامی۔" زویا کی شرارت سمجھ کر وہ ہنس دی۔ اچھائی نے خود کو منوا ہی لیا۔

✡

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

آنے والی رتوں کے آنچل میں
کوئی ساعت عید کیا ہوگی
گل نہ ہوگا تو جشن خوشبو کیا
تم نہ ہوگے تو عید کیا ہوگی

موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ نے ہلکی گدلی سرمئی ردا اوڑھ رکھی تھی۔ موسم خوش گوار اور ابر آلود ہونے لگا تھا' ہلکی ہلکی خنکی رات ہوتے ہی فضاء میں مدغم ہوتی محسوس ہونے لگتی۔ رات اپنے دوسرے پڑاؤ میں تھی' جب کمرے میں سوتے بلکہ سونے کی کوشش کرتے اس ضعیف العمر شخص کو پیاس نے تنگ کیا۔ بہت آہستگی سے اٹھ کر کچن کی طرف جاتے اس شخص کے قدموں کو برآمدے کی سیڑھیوں پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھے ہچکولے کھاتے وجود نے جکڑ لیا۔ وہ بے تحاشہ روئے جارہی تھی اس کی ہچکیاں سامنے کھڑے شخص کے اعصاب پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی مگر بے بسی...... صد بے بسی......

❁......❁......❁
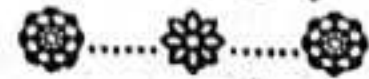
بشیر صاحب نے بہت حیرت سے اسے دیکھا جو ابھی کچھ دن پہلے تک ان سے نئے کپڑوں' جوتوں اور دیگر بے ضررسی خواہشات کی تکمیل کے لیے ضد کرتی لیکن آج یک بہ یک

"بابا! مجھے عازم پسند ہے' آپ عازم کے والدین کو اوکے کردیجیے گا پلیز...... کل آئیں گے وہ لوگ آپ سے بات کرنے۔" اس کی نگاہیں احتراماً جھکی ہوئی تھیں مگر لہجہ میں حاکمیت اور قطعیت بھرپور تھی۔

بشیر صاحب گہری ٹھنڈی سانس بھرنے کے سوا کیا کرسکتے تھے۔ اپنی سگی اولاد ہوتی بھی تو وہ اس کی خوشی کو اہمیت دیتے۔ کیا ہوا جو حورین دستگیر (ان کے بھائی کی اولاد جس کی ذمہ داری خود ان کے بھائی نے انہیں سونپی تھی' جسے وہ اپنے گھر کی رونق دیکھنا چاہتے تھے اپنے گھر کی خوشی بنانا چاہتے تھے) اسے کوئی اور بھا گیا تھا اور اسے بھایا بھی کون...... عازم...... عازم جو کاظم بشیر کا قریبی اور دولت مند دوست تھا۔

اور کئی سارے دنوں بعد......

سرخ عروسی لباس میں جب وہ سجی سنوری گڑیا سی لڑکی ان کے سامنے آئی تو دل میں کیسی ہوک سی اٹھی تھی وہ ہی جانتے تھے اس کرب کو یا پھر ان کی شریک حیات صغریٰ بیگم اور ان دونوں سے زیادہ نارسائی کا کرب دائمی' ہجر کی اذیت سہنے والا وجود تو کاظم بشیر کا تھا۔

سات سمندر پار وہ حورین دستگیر کے لیے ہی تو گیا تھا۔ حورین دستگیر اس کی طرح اس کے خواب بھی بہت البیلے اور انوکھے تھے۔ چار کمروں کے چھوٹے سے گھر میں اپنے تایا تائی اور ان کی اکلوتی اولاد کاظم بشیر کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں محلوں کے سپنے بنتی تھی اور کاظم اس کے ان خوابوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا جبھی تو تعلیم مکمل کرتے

ہی پاکستان سے باہر جاکر ڈھیر سارا پیسہ کمانے کی دھن میں اس نے بوڑھے ماں باپ کی تنہائی کا بھی خیال نہ کیا اور بشیر صاحب صغریٰ بیگم نے بیٹے کی خوشی اور مرحوم بھائی کی پھول جیسی بچی حورین کے لیے کلیجے پر پتھر رکھ کر کاظم کو بھیگی آنکھوں اور ڈھیر ساری دعاؤں کے حصار میں دیارِ غیر روانہ کردیا۔

ابھی تین برس ہی تو گزرے تھے محض جب حورین دستگیر نے تائی تایا کی بے لوث محبت اور لاڈ پیار بھری پرورش کے زعم میں چور ہوکر ان سے ان ہی کی اکلوتی اولاد کی خوشی برباد کرنے کی اجازت مانگی۔

بشیر صاحب کو آج بھی وہ لمحہ نہ بھولا تھا حورین نے ان کے سامنے عازم کا ذکر اس انداز سے کیا تھا ان کی نشست کے نزدیک گھٹنوں کے بل بیٹھی وہ بالکل اسی بچی کی طرح تھی جسے پھر نئی باربی ڈول پسند آ گئی تھی جس کے لیے وہ اپنے بڑے ابا سے اپنی ضد منوانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالے گی اور انہیں منانے کی لیے واقعی اس نے ہر ممکن کوشش کی یہاں تک کہ ان کا کلیجہ چھلنی ہوگیا۔

''بابا ہوتے نا بڑے ابا! تو وہ ضرور میری خواہش پوری کرتے۔ امی حیات ہوتی تو میں ان سے بہت ضد کرتی۔ روٹھ جاتی کہتی کہ اگر آپ کو عازم نہیں بھی پسند تو بھی یہ سوچ کر میری خواہش پوری کردیں کہ وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اسے کھونا مجھے غم کی انتہائی کیفیت سے دوچار کرے گا تو وہ جھٹ سے مجھے گلے لگا کر اپنی رضامندی کا عندیہ دے دیتی...... مگر وہ اور بابا بھی نہیں ہیں۔'' کیسی حسرت آمیز دکھ بھری ٹھنڈی سانس بھری تھی اس نے بشیر صاحب نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''تو کیا تم مجھے اپنے بابا جیسا نہیں سمجھتی حورین! کیا تمہاری بڑی امی تم سے تمہاری امی جیسا پیار نہیں کرتی بیٹا! کیا ہماری شفقت میں کمی رہ گئی؟'' حورین ان کی بات سن کر مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''نہیں بڑے ابا! میرا یہ مطلب نہیں تھا' مجھے امی بابا بہت یاد آ رہے ہیں آپ کی دل آزاری تو میرا مقصد نہ تھی' ان کی کمی محسوس ہو رہی ہے بس۔'' وہ اپنی صفائی دے رہی تھی۔ بشیر صاحب نے اپنی شریکِ حیات کی طرف دیکھنے سے دانستہ احتراز برتا۔ جانتے تھے کہ صغریٰ بیگم کی آنکھوں میں نمکین پانی کے ستارے اپنی چھب دکھلا رہے ہوں گے۔

اس وجہ سے نہیں کہ حورین کی دل دکھاتی باتوں نے انہیں غم زدہ کردیا بلکہ اس لیے کہ وہ جو اُن کی آنکھوں کا نور ان کا لاڈلا بیٹا کاظم بشیر سات سمندر پار بیٹھا ہے حورین سے دست برداری کا غم کیسے برداشت کرے گا۔ اپنی اولین چاہت سے دست برداری کا غم اسے کس قدر نہ تڑپائے گا۔ کاش صغریٰ بیگم کچھ کر پاتی لیکن وہ کچھ نہ کرسکی اور نہ ہی بشیر صاحب کا بس چلا' صغریٰ بیگم کے سر پر سوار کیا گیا صدمہ بیماری کی صورت سامنے آیا۔ حورین نے فٹافٹ کاظم کو فون کردیا۔

''آپ خیال نہیں رکھتیں نہ اماں اپنا! دیکھیں تو کتنی کمزور ہو رہی ہیں' دوائیں وقت پر لیا کریں۔ ابا آپ اماں سے کچھ کہتے نہیں' چہرہ کتنا بجھا بجھا ہے دیکھیں۔'' وڈیو کالنگ کی سہولت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کاظم اور صغریٰ بیگم آمنے سامنے ایک دوسرے کو دیکھ کر محوِ گفتگو تھے۔ بشیر صاحب بھی سامنے ہی براجماں دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

''بس بیٹا! تمہاری ماں اب بوڑھی ہو رہی ہے اور کچھ نہیں۔'' بشیر صاحب نے ہلکے سے مسکرا کر کہتے ہوئے ماحول کو سنجیدگی کی قید سے آزاد کرنے کی کوشش کی مگر بوجھل پن ہنوز قائم تھا صغریٰ بیگم کے لبوں پر مسکان نہ آئی۔

''ابا! سب ٹھیک ہے نا؟'' کاظم نے تفکر سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! تمہاری ماں کو تو عادت ہے چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنانے کی۔'' کاظم نے سنجیدگی سے ماں کی صورت دیکھی اسے باپ کی بات پر ذرا بھی یقین نہ آیا۔

''اس بار آؤں گا تو خود اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا' مکمل چیک اپ کے لیے۔'' وہ واقعتاً پریشان ہوگیا تھا۔

''آؤ گے کب تم؟'' صغریٰ بیگم کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

''اماں...... اماں کیا ہوگیا...... آپ کہیں تو ابھی آ جاتا ہوں۔'' کاظم سچ مچ اٹھنے لگا تھا۔

''افوہ...... دونوں باپ بیٹا ہر وقت میری جان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں' اپنے بیٹے کو یاد کرکے تھوڑا سا رو بھی نہیں سکتی۔'' صغریٰ بیگم نے اسکرین پر کاظم کا چہرہ چھونے کی لایعنی کوشش کی تھی۔

''کوئی اور بات تو نہیں؟'' کاظم کی چھٹی حس آلارم کی طرح بج اٹھی۔

''نہیں بھئی...... آؤ گے کب تم؟'' صغریٰ بیگم نے قطعیت سے کہہ کر جھٹ سے سوال داغا۔

''بقرعید پر آؤں گا بس' ایک مہینہ صرف یوں گزر جائے گا

پھر میں اپنی پیاری امی جان کے پاس ہوں گا۔'' کاظم نے پیار بھرے انداز میں کہا تو صغریٰ بیگم جھٹ مسکرادیں۔

''اور ہاں اپنی لاڈلی بھتیجی حور پری کو بتادیں اس بار اس کی پسند سے گلابو (بکروں کی ایک نسل) لائیں گے قربانی کے لیے۔'' صغریٰ بیگم کا کلیجہ کسی نے مٹھی میں بھینچ دیا ہو۔

کاظم بے خبر...... جانتا نہیں تھا کہ اس بار حورین نے اس کے جذبات و احساسات کو قربان کرنے کا انتظار کر رکھا ہے۔ صغریٰ بیگم اور بشیر صاحب نے تو یہی طے کر رکھا تھا کہ کاظم کو حورین کی شادی کی خبر نہ ہو جب وہ آئے گا تب دیکھیں گے دیارِ غیر میں اس غم کو اکیلا نہ سہنا پڑے اسے مگر یہ بچگانہ سی خواہش بھلا کیسے پوری ہوتی۔

☆......☆......☆

حورین دستگیر جس کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا تھا کاظم کو بتائے بنا اور دوسری طرف عازم...... کاظم کا بے حد قریبی اور پرانا دوست، کاظم کے بنا دلہا کیسے بنتا۔

کاظم کے زمان و مکان گھوم گئے اس خبر سے آشنائی کے بعد دیوار سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رویا تھا۔ چاہتا تو یہی تھا کہ وہ اس شادی میں شامل نہ ہو بھلا کیسے اپنی ہی محبت کو اپنے ہی دوست کے ساتھ رخصت کرتا۔ اتنا حوصلہ تو شاید بلند و بالا اونچے چٹان جیسے پہاڑوں میں بھی نہ ہو۔ وہ تو عام سا جذبوں، محبتوں کا مارا انسان تھا لیکن اپنے ماں باپ کی جذبات، صدماتی کیفیت کا خیال اسے پاکستان آنے پر مجبور کرنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں اپنی ماں کا بے رونق چہرہ گھوم گیا، باپ کے جھکے کاندھے اسے نہ ہونے کے باوجود خود کو مضبوط ظاہر کرنے پر مصر ہوئے۔

اپنی محبت، اپنی دوست کے لیے جذبہ ایثار، جذبہ قربانی کاظم بشیر کو خود پر ضبط کرنے کا ڈھب سکھانے لگے۔ ایثار و قربانی کا دوسرا نام محبت ہی تو ہے۔ وہ محبت جو کاظم بشیر کو حورین دستگیر سے ہے وہ محبت جو حورین دستگیر کو عازم سے۔

بساط دل پر عجب ہی شکست ذات کا لطف
جہاں پر جیت اٹل ہو وہ چال ہار کے دکھ

اور دیکھتے دیکھتے حورین دستگیر کی رخصتی کا دن طلوع ہوگیا، بشیر صاحب نے تجی سنوری دلہن بنی حورین کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دی۔ صغریٰ بیگم نے بارہا اس کی نظر اتاری، دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کرتی رہیں۔ حورین آج واقعی حور تمثال، اپسراؤں

> **مسکراہٹ**
>
> مسکراہٹ وقت نہیں لیتی لیکن اس کی یاد سالہا سال تک رہتی ہے۔ تھکے ہوئے کے لیے طاقت، ہمت۔ ہارے ہوئے کے لیے امید، مصیبت زدہ کے لیے تریاق۔ مسکراہٹ وہ نعمت ہے جو خریدی نہیں جاسکتی۔ چوری نہیں ہوسکتی قرض پر اٹھائی نہیں جاسکتی اور خیرات میں مانگی نہیں جاسکتی۔
>
> عائشہ سلیم......اورنگی کراچی

کو شرمائے دے رہی تھی۔ کاظم نے متورم شب بیداری کی غماز آنکھوں سے اسے محض لمحہ بھر دیکھا تھا۔ نارسائی کا کرب اس کی آنکھوں میں خار کی طرح چبھنے لگا تو اس نے فوراً نگاہیں جھکالیں۔ کرلاتے ایڑیاں رگڑتے دل کو ڈپٹے ہوئے وہ ایک کنارے، سب کی نظروں سے دور جا بیٹھا۔

''اپنی محبت کے ساتھ سدا آباد و خوش حال رہو۔ اتنی خوشیاں تمہاری جھولی میں پھولوں کی طرح مہکیں کہ مسرت کے احساس سے تمہارا وجود پور پور معطر و سرشار ہوجائے ان شاء اللہ آمین۔'' بہت مہر و خلوص کے ساتھ اس نے حورین دستگیر کے حق میں دعا کی تھی۔

❀......❀......❀

بعض اوقات خلوص دل سے نکلی دعائیں بھی عرش معلی پر قبولیت کا درجہ نہیں پاتیں، کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں جھیلنا ہم خود اپنے نصیب میں لکھواتے ہیں اپنی خوشی سے، اپنی جھولی پھیلائے منت سماجت کرتے رب کے حضور گڑگڑا رہے ہوتے ہیں۔ وہ نہیں دیتا تو شکوہ کناں بھی ہم ہی ہوتے ہیں اس سے بدگمان ہوتے ہیں، خود ترسی کا شکار ہوتے مگر اپنی خواہش سے دست بردار نہیں ہوتے اور وہ مہربان رب جو ستر ماؤں سے زیادہ ہم سے محبت کرتا ہے بالآخر ہماری طلب، ہماری لگن، ہماری گریہ زاری کی شدت سے نا چاہتے ہوئے بھی بخش دیتا ہے۔

پھر جن ستاروں کو چھونے کی خواہش ہمیں کسی طرف دیکھنے اور سوچنے کے لائق نہیں چھوڑتی ان ہی ستاروں کے لمس سے ہتھیلیوں پر پڑے آبلے تکلیف دینے لگتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ستاروں کی چاہ میں انگاروں سے ہاتھ جل جائے تو کتنی اذیت سہنی پڑتی ہے لیکن تب تک اتنی دیر ہوجاتی

ہے کہ سوائے تکلیف جھیلنے اور جلن کی شدت برداشت کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

❀......❀......❀
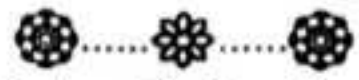
''دیکھو میرے ہاتھ...... کیا آیا ان میں' کیا پایا میں نے۔'' حورین دستگیر نے اپنے ہاتھ کاظم بشیر کے سامنے پھیلائے۔

کاظم کی اولین چاہت' اپنے بڑے ابا اور بڑی امی کے کلیجے کی ٹھنڈک محبتوں کا محور جس میں ان تینوں افراد کل اہل خانہ کی جان تھی۔ وہ اس وقت ایسے لیے دیئے حال میں ان کے سامنے تھی کہ ان سب ہی کے دل میں جو ایک ہلکی سی خلش حورین کے خود غرضانہ رویے سے پیدا ہوئی تھی کہیں دور کھوگئی تھی۔ سب بری طرح دکھ والم کی کیفیت سے دوچار تھے' کوئی چیر کرد یکھتا کاظم بشیر کا دل جہاں نارسائی کا کرب سہتی ادھ موئی محبت' اپنے محبوب کا یہ حال دیکھ کر کس طرح مچلا تھا۔

اس لڑکی کو اس نے خود سے زیادہ چاہا تھا اور وہ کیا سے کیا ہوگئی تھی۔ سرخ وسفید رنگ میں گھلی زردی' ہونٹ سوکھ کر پپڑی زدہ ہوگئے تھے۔ آنکھوں کے گرد حلقے گویا کالے کالے سیاہ دائرے داغ بن کر جم گئے تھے اور آنکھیں تو...... آہ...... روشنی ستارہ سی آنکھیں جیسے بجھا ہوا چراغ ہوں۔ زندگی کی رمق' زندہ دلی کی شوخی' تازگی کی چمک' کچھ بھی تو نہیں تھا پہلے جیسا۔

''دیکھو کاظم! میرے ہاتھوں میں...... بالکل خالی ہیں' اگر کچھ ہے تو بہت دکھ درد کے چھالے......'' وہ سفید و زرد بے رونق ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے بیٹھی تھی۔ کاظم نے آنکھوں میں آئی نمی بمشکل پیچھے دھکیلی۔ کیسے دیکھ پاتا وہ اسے اس حالت میں' کوئی پوچھتا تو سہی کہ کیا بیت رہی تھی کاظم پر۔ حورین کے لب ایک ٹرانس کی کیفیت میں ہل رہے تھے۔

''میں نے بہت کوشش کی اس کا ساتھ دینے کی' ہر طرح اس کی مانتی رہی۔ کچھ بھی یاد نہیں دلایا اسے' اس کے وعدے قسمیں سب جھوٹ تھا' بالکل جھوٹ تھا۔ اپنی ماں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا' باپ کی زبان بولتا تھا۔ پتا نہیں مجھ سے شادی کے لیے اس نے اپنے گھر والوں کو کیسے منایا تھا' مگر پہلے دن سے ہی مجھے اس کے گھر میں ''مس فٹ'' کا نام دے دیا گیا تھا۔ میرے ڈھائی گز کے دوپٹے کو تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا' میرے عبایا لینے کو چھوٹے لوگوں کی چھوٹی سوچ کہا جاتا۔ میری ہر ہر بات پر مجھے مڈل کلاس ہونے کا طعنہ دے مارنے میں عازم سمیت کسی نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔'' وہ سر جھکائے برستی آنکھوں سمیت اپنی روداد غم سناتی کاظم کا امتحان لینے پر تلی بیٹھی تھی۔

''میں نے خود کو ان کی طرح بنانے کی بہت کوشش کی' عبایا چھوڑ کر چادر لینے لگی۔ دوپٹہ سر پر لینے کے بجائے کاندھے پر سمیٹ لیا' ٹراؤزر اور جینز بھی پہن کر عازم کو خوش رکھنے کی کوشش کی مگر...... مگر میں کیسے برداشت کرتی جب عازم کی برتھ ڈے پارٹی پر اس کے ایک دوست نے زبردستی مجھے گال پر...... وہ مجھے چھونے کی جرأت بھی کیسے کرسکا...... اور عازم وہ میرے سامنے کھڑا کسی اور سے محو کلام رہا۔ ایسے بے غیرت' بے حس شخص کا چناؤ کیا تھا میں نے خود پر حیران تھی میں...... کیا سے کیا بن گئی تھی میں۔ اس شخص کے ساتھ نے مجھے بھی بے حیائی سکھادی تھی اور میں...... میں اس سبق کو یاد کرنے کے لیے خود کو ہلکان بھی کررہی تھی۔ میں نے ایک زوردار تھپڑ سے اس شخص کو جواب دیا مگر میری اس حرکت سے...... اس شخص سے زیادہ عازم اور اس کے باپ کا منہ سرخ ہوگیا۔ عازم کے باپ نے اس کے سامنے میرے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جو میں کبھی مر کر بھی...... آہ......'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رورہی تھی' کاظم نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی' بار بار کے رونے سے ایک ہی بار کا ماتم کافی ہوتا ہے۔ گو کہ کاظم کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ اس لڑکی کے آنکھوں کے آنسو اپنے ہونٹوں سے چن لے' اسے بتائے کہ اس دل پر اس کے آنسو کیسی اذیت بن کر برس رہے ہیں مگر...... حورین بولے جارہی تھی' روئے جارہی تھی۔ کاظم بے بس اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''میں پارٹی ختم ہونے کا انتظار کیے بنا واش روم میں شاور کے نیچے جا کھڑی ہوئی' رگڑ رگڑ کر اپنے گال اپنے جسم کو سرخ کرلیا مگر وہ گھناؤنا لمس دور نہ ہوا' مجھے گھن آنے لگی خود سے اسی پل......'' کاظم نے دیکھا حورین کی ویران آنکھوں میں خوف بھر گیا' جیسے وہ پھر سے ایک بار اسی منظر میں چلی گئی ہو۔ اسی اذیت سے دوچار ہورہی ہو' کاظم نے اسے روکنے کی خواہش رکھنے کے باوجود روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا غبار' اس کا خوف' ہر اس باہر نہ نکلتا تو وہ اندر ہی اندر گھٹ جاتی' کاظم چپ چاپ دیکھتا رہا۔

''عازم چیختا چنگھاڑتا کمرے میں آیا' پیچھے اور بہت سی آوازیں تھیں' میں ڈر گئی تھی اور جب میں خوف زدہ سی باہر آئی تو اس نے طلاق کی کالک میرے منہ پر ملی اور اپنے لہجے سے مجھے

سنگسار کر کے گھر بدر کر دیا۔" وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔ کاظم کوڈر ہوا کہیں، کہیں حورین کی آنکھیں نہ بہہ جائیں مگر وہ روتی رہی۔

"اس نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمیشہ میرا ساتھ دے گا' اس نے تو کہا تھا اسے اپنی فیملی کی عورتیں پسند نہیں' اسے چار دیواری میں رہنے والی پاکیزہ عورت چاہیے تھی۔ اسے مردوں سے لپٹی عورتیں بری لگتی تھیں' اسے تو میرے عبایا سے محبت تھی' میری جھکی آنکھوں سے پیار تھا مگر مجھے بہت بعد میں پتا چلا' اسے ایڈونچرز پسند تھے' اس کی ہابی تھی تھرل اس نے مجھ سے شادی کچھ الگ کچھ انوکھا تجربہ کرنے کی کوشش میں کی تھی۔ میں نے تو اس کے لیے پہلے قدم پر اپنے پیاروں سے دوری اختیار کی' اپنے گھر کو چھوڑا' اپنی عادتوں کو چھوڑا' اپنی اقدار' اپنی شرم و حیا کو چھوڑا اور اس نے...... اس نے مجھے ہی چھوڑ دیا۔" حورین روتے روتے ہنسنے لگی۔

"کیسا خسارے کا سودا کیا میں نے۔" برستی آنکھوں اور وحشت بھری ہنسی سے آراستہ لبوں کے ساتھ وہ کاظم کے دل کے ٹکڑے کر رہی تھی۔ حورین دستگیر خالی ہاتھ' خاک آلود راہ گزر سے سفر پورا کر آئی تھی۔

اس کی اجڑی حالت کاظم پر قیامت بن کر گزری تھی' کاظم نے تو اسے خوش دیکھنا چاہا تھا۔ کوئی شکوہ زبان پر لائے بغیر اسے کسی اور کے ہاتھوں میں دے دینا آسان تو نہ تھا مگر پھر بھی اس نے یہ پہاڑ سر کیا لیکن شاید وہ ٹھیک کہتی ہے۔

حورین دستگیر ٹھیک کہتی ہے...... بعض اوقات خلوص دل سے نکلی دعائیں بھی عرش معلیٰ پر قبولیت کا درجہ نہیں پاتی۔ کاظم بشیر کی دعا بھی مسترد کر دی گئی تھی' شاید رب کی مرضی کچھ اور تھی۔

❁......❁......❁
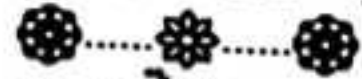
"تمہارا باپ زندہ ہوتا تو تمہیں یوں اجاڑ ویران' تنہا زندگی بسر کرنے چھوڑ دیتا کیا؟" آج بشیر صاحب کے انداز میں شفقت اور مان بھری سختی تھی۔

"میں بار بار تمہیں من مانی کرنے نہیں دوں گا' ایک بار اپنی کر چکی' اب میری مانو۔ حکم سمجھو' پیار سمجھو یا زبردستی' تنہا زندگی گزارنے تو نہیں دے سکتا تمہیں میں۔ شادی تمہیں کہیں نہ کہیں کرنی ہی ہے تو کیوں تمہیں خود سے دور کروں۔ دو دن بعد کاظم سے نکاح ہے تمہارا اور میں کچھ نہیں سننا چاہتا' تم دونوں کے سوا کون ہے ہم بڈھا بڈھیا کا۔ اچھا ہوگا کہ پرانی تکلیف دہ یادوں کو بھلانے کی کوشش کرو اور خود کو سنبھالو۔"

خواہش

کوئی دھوپ چھاؤں کا موسم ہو
اور مدھم مدھم بارش ہو
ہم گہری سوچ میں بیٹھے ہوں
سوچوں میں سوچ تمہاری ہو
اس وقت تم ملنے آ جاؤ
اور خوشی سے پلکیں بھاری ہوں
ہم تم دونوں خاموش رہیں
اور زباں پر آنکھیں حاوی ہوں
تم تھام لو میرے ہاتھوں کو
اور لفظ زباں سے جاری ہوں
میں تم سے محبت کرتا ہوں
اور جذبوں میں سرشاری ہو
ہاتھوں کی لکیریں مل جائیں
سنگ چلنے کی تیاری ہو
سب خوابوں کو تعبیر ملے
اور ہم پر خوشیاں واری ہوں
کوئی دھوپ چھاؤں کا موسم ہو
اور مدھم مدھم بارش ہو

انجم نصیر...... ملتان

حورین دستگیر نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بشیر صاحب کی صورت دیکھی' انہوں نے بہت محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھا' ہلکا سا مسکرائے' پھر قریب آ کر اس کے سر پر دست شفقت رکھ دیا۔

"میری بیٹی! اپنے بڑے ابا کا مان رکھے گی نا؟" حورین دستگیر کو ایک بار پھر شدت سے اپنی کوتاہ نظری کا احساس ہوا' کیسے کشادہ دل لوگ تھے وہ سب۔

کسی نے اسے اس کے کٹھور رویے پر ملامت نہ کی' کسی نے اسے اکیلا نہ چھوڑا' اس کے ساتھ روئے' اس کے ساتھ رہے اور اب...... ایک بار پھر محبت' مان...... کیسے اٹھائے گی وہ یہ بوجھ ساری عمر۔

❁......❁......❁

واقعی بعض اوقات خلوص دل سے نکلی دعائیں عرش معلیٰ پر

قبولیت کا درجہ نہیں پاتیں۔ وہ مالک کل کائنات جو ہمیں ستر ماؤں سے بھی زیادہ بڑھ کر عزیز رکھتا ہے اس نے ہمارے لیے ہم سے بہتر فیصلہ بہتر انتخاب کر رکھا ہوتا ہے اور ہم نادان کم عقل انسان اس کی حکمت کو سمجھ نہیں پاتے۔

چھ ماہ بڑی تیز سے گزر گئے تھے کاظم بشیر اور حورین دستگیر اور اس گھر کی رونق اور خوشیاں سب لوٹ آئی تھیں شاید ہمیشہ کے لیے۔ آج کاظم نے حورین کو سرپرائز دینے کے لیے اس کی سال گرہ کا خفیہ فنکشن ارینج کر رکھا تھا۔

گہری نیند سے سوئی حورین نے نیند پوری ہونے پر کسمساتے ہوئے مندی مندی آنکھیں کھولیں تو گلابوں کی تازہ روح پرور مہک میں احساسات پوری حسایت سمیت بیدار ہوئے۔ وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھی سارا کمرہ گلابوں کے گلدستے سے سجا تھا سامنے صوفے پر براجمان کاظم کا چہرہ فرط محبت و مسرت سے چمک رہا تھا۔ سوئی ہوئی بے ترتیب حالت میں ہونق بنی حورین نے گھبرا کر دوپٹے پر ہاتھ مارا حورین بُری طرح شرمانے کے ساتھ ساتھ اپنی قسمت پر نازاں حیا آمیز تاثرات سجائے چہرے کے ساتھ کاظم کو "تھینک یو" کہہ رہی تھی اور کاظم اس کے پاؤں زمین سے نہ لگ رہے تھے۔

شام کے فنکشن میں سجے دھجے دونوں کو سرشار و خوش دیکھ کر بشیر صاحب اور صغریٰ بیگم مطمئن و پرسکون ہو گئے تھے۔ حورین اور کاظم کے مسکراتے ہوئے منظر کو کیمرے کی آنکھ نے قید کیا۔ کاظم نے حورین کو برتھ ڈے گفٹ میں گلابو دیا تھا۔

اگلے مہینے تک حورین نے اس گلابو کو اپنے ہاتھوں سے کھلاتا پلاتا تھا کاظم کا دیا تحفہ وہ اپنی خوشی سے اس بقر عید پر قربان کرنے کا سوچے بیٹھی تھی۔

"خبردار! میں تمہیں دوسرا بکرا لا دوں گا وہ قربان کریں گے اس گلابو کا سوچنا بھی مت۔"

"مجھے تو یہی ذبح کرنا ہے۔" حورین مصر تھی۔

"ٹھیک ہے خود حلال کرنا میں تو اپنی محبت سے لایا تحفہ ذبح نہیں کر سکتا۔" کاظم نے لال جھنڈی دکھائی۔

"قصائی زندہ باد۔" حورین نے تنک کر کہا۔

"قصائی کی بچی ٹھہرو۔" کاظم شرارت سے اس کی طرف بڑھا حورین نے فوراً تائی امی کے کمرے کی طرف چھلانگ لگائی گھر ان کے قہقہوں سے گونجنے لگا۔

❀......❀......❀

کاظم کا دلایا سبز جوڑا پہنے کلائی میں بھر بھر کانچ کی چوڑیاں پہنی حورین دستگیر نے قربانی کے لیے کپڑے بدلنے آئے کاظم کو ٹھہرنے پر مجبور کر دیا حورین جھینپ کر مسکرانے لگی۔

"مجھے ہی قربان کر دو گی تم۔ قربانی سے قبل......" کاظم کے انگ انگ سے شرارت پھوٹ رہی تھی۔

"بہت کام ہے ابھی جلدی کپڑے تبدیل کریں۔" حورین نے دوپٹہ کاندھے پر پھیلایا۔

"آہ...... ظالم!" کاظم نے مصنوعی آہ بھری۔ حورین مسکرا کر جانے لگی تبھی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ہیلو......" کاظم نے فون اٹھایا جاتی ہوئی حورین پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اگلی طرف کی بات سن کر کاظم کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"کیا ہوا کون ہے؟" حورین کو تشویش ہوئی۔ کاظم نے آہستگی سے فون ہولڈ پر رکھا۔

"تمہارے لیے ہے۔" سرسری سا کہتا ہوا حورین کے برابر سے نکل گیا الجھتی ہوئی حورین فون تک آئی۔

اگلی طرف حازم تھا روتا گڑگڑاتا معافیاں مانگتا اپنی محبت کا یقین دلاتا قسمیں کھاتا حورین سناٹے میں آ گئی۔ کپڑے بدل کر کاظم کمرے میں آیا تو حورین آئینے کے سامنے کھڑی ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ کاظم کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائی۔

"مومن! ایک سوراخ سے بار بار نہیں ڈسا جاتا سمجھے؟" کمرے سے نکلتے ہوئے کاظم کے پاس ٹھہر کر کہتی حورین نے کاظم کے چہرے کو پھر سے روشن کر دیا تھا۔ کاظم گہری ٹھنڈی تشکر بھری سانس بھر کر کھل کر مسکرایا اور قربانی کے لیے چل دیا۔ حورین کو سچے رشتوں سچی محبتوں کی پہچان دیر سے سہی مگر ہو ہی گئی تھی۔

❀

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

وفورِ بے خودی میں اب یہ عالم ہے محبت کا
جنہیں وقف حدودِ آستاں معلوم ہوتی ہے
جنونِ عشق کا حاصل ہے سجدوں کی فراوانی
یہی اب جادہ عمرِ رواں معلوم ہوتی ہے

''رعنا بیٹا! عصر کی نماز کا وقت نکلا جارہا ہے' جلدی سے نماز پڑھ لو۔'' امی نے آہستگی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

میں جو انہماک سے اپنی دوست ملیحہ سے باتوں میں مصروف تھی ''اچھا امی'' کہہ کر پھر وہی سے سلسلہ شروع کردیا۔

''کون تھا؟'' ملیحہ نے پوچھا۔

''کوئی نہیں یار! وہی بڑھیا کی ایک بات نماز پڑھ لو' ٹائم نکلا جارہا ہے' نماز وقت پر ادا کیا کرو' نماز پڑھنے سے برکت ہوتی ہے سکون ملتا ہے۔ جملے سن سن کر تو میرے کان پک گئے ہیں' سکون ختم کرکے رکھ دیا ہے۔'' میں جو امی کے دروازہ کھٹکھٹانے پر بے زار ہوئی تھی ملیحہ کے پوچھنے پر پھٹ ہی تو پڑی۔

''تو تم کہہ دیا کرو ناں یہ میرا مسئلہ ہے میں پڑھوں یا نہ پڑھوں آپ کو اس سے کیا۔'' ملیحہ کو بھی یہ سن کر غصہ آگیا۔

''نہیں یار بڑی ڈھیٹ ہیں' کئی دفعہ باتوں باتوں میں سنا دیا ہے مگر مجال ہے جو اُن پر اثر ہو۔ ساس کو تو بہوؤں کے کام سے غرض ہوتی ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ میرے ہاتھوں سے کام چھین لیتی ہیں یہ میں کرلیتی ہوں' جاؤ تم اپنے ربّ کی بارگاہ میں حاضری دو۔''

''اچھا......'' وہ حیران ہوئی۔

''چلو چھوڑو اس ذکر کو تم یہ بتاؤ کہ کل مارکیٹ چل رہی ہو میرے ساتھ' کچھ کپڑے لینے ہیں میں نے اپنے اور بچوں کے۔'' میں نے موضوع بدلا اور اسی طرح باتیں کرتے شاپنگ کا پروگرام بناتے مغرب کی اذانیں شروع ہوئیں تو میں جلدی سے سلسلہ منقطع کرکے باہر نکل آئی۔ مجھے پتا تھا کہ اب امی کا مغرب کی نماز کا لیکچر شروع ہوجائے گا پتا نہیں ان کو کیا ہر وقت نمازوں کی فکر رہتی تھی۔ اب مغرب پڑھ لو ٹائم کم ہوتا ہے۔ سونے سے پہلے عشاء کی نماز ضرور پڑھ لینا' رات کو پُرسکون نیند آتی ہے اور ربّ بھی راضی ہوتا ہے ایسے جملے ہر وقت میری سماعتوں سے ٹکراتے رہتے اور میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہتی مگر مجال ہے جو میں نے ان کی سی بات پر کان دھرا ہو۔

❁......❁......❁
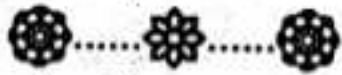
میں نے جلدی جلدی بچوں کو تیار کیا اور خود بھی بڑے تک سک سے تیار ہونے لگی۔ آج کتنے دن بعد ہم ڈنر باہر کرنے جارہے تھے' بچے تو خوش تھے ہی میں بھی بہت مسرور تھی کہ چلو کچھ دیر کے لیے گھر کے خشک ماحول سے نجات ملے گی اور زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ امی ہمارے ساتھ کہیں باہر آتی جاتی نہیں تھیں۔ وہی پردے کا خیال' گھروں

کی عورتوں کو رات گئے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ عورت گھر کی چار دیواری میں ہی اچھی لگتی ہے اور میں تو شکر ادا کرتی تھی کہ وہ گھر پر ہی رہتی ہیں ورنہ تو کھانے کا مزا بھی کرکرا کردیتیں اور صد شکر کہ ان کے خیالات کا آفاق پر کچھ اثر نہیں پڑا تھا۔ وہ ان کی سنتے ضرور تھے مگر دقیانوسی ذہنیت کے ہرگز نہ تھے وہ زمانے کے ساتھ قدم ملا کے چلنے والوں میں سے تھے۔ امی کو خدا حافظ کہنے ان کے کمرے تک آئے تو میری طرف مخاطب ہوکر بولیں۔

''بیٹا! عشاء کی نماز پڑھ کے جاتیں' وہاں سے آؤ گی تو تھک کر سو جاؤ گی۔'' اور ان کی اس بات پر میرے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔

''میں نماز پڑھ کر ہی جارہی ہوں۔'' میں ناگواری سے بولی۔

''اچھا۔'' ان کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری اور میں جلدی سے ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ انہوں نے بچوں پر کچھ پڑھ کر پھونکا' بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''بیٹا! گاڑی آہستہ چلانا اور رعنا دوپٹہ اچھی طرح اوڑھنا غیر مردوں کی نظریں پڑیں گی تو شیطان خوامخواہ راضی رہے گا۔'' نکلتے نکلتے بھی یہ جملے میرے کانوں سے ٹکرائے اور میں نے گاڑی کا دروازہ غصے میں بند کیا اور آفاق میری طرف دیکھ کر رہ گئے۔

''آخر مسئلہ کیا ہے امی کو؟ کیوں ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں کیوں مجھ پر وعظ ونصیحت کا بازار گرم کرکے رکھتی ہیں اگر وعظ کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو کوئی مدرسہ کھول لیں۔ مجھ پر نہ اپنے یہ شوق پورے کیا کریں۔'' میں غصے سے آگ بگولا ہورہی تھی۔

''اچھا چلو چھوڑو تم زیادہ دھیان مت دیا کرو۔ خاموشی سے سن لیا کرو' تمہارا کیا جاتا ہے کرتی تو تم وہی ہو جو تمہارا دل چاہتا ہے میں بھی تو ہوں اچھا امی کہہ کر خاموش ہوجاتا ہوں نہ اپنا دل جلاتا ہوں اور ان کی دل آزاری کرتا ہوں۔'' آفاق نے مجھے سمجھانا چاہا تو میں خاموش ہوگئی میں مزید بول کر اپنا اور ان کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ آخر تھیں تو آفاق کی امی' ان کو اپنی ماں کی برائی سن کر غصہ بھی تو آسکتا تھا۔ بچوں کے ساتھ باتیں کرکے میں نے اپنا موڈ بحال کرلیا تو آفاق بھی خوش ہوگئے۔

❁.......❁.......❁

امی بے حد مسرور تھیں ان کے ساتھ ساتھ میری بھی باچھیں' کھلی جارہی تھیں بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ خوشی سے میرے قدم زمین پر پڑتے ہی نہ تھے کیونکہ وہ اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ حج پر جارہی تھیں ان کی درخواست منظور ہوگئی تھی۔

وہ آنے والے دنوں کا تصور کرتے خانہ کعبہ کے گرد چکر لگاتے روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو چومتے ہوئے نم آنکھوں سے مسکراتی رہتیں اور میرے ہونٹ ان کے گھر سے دور رہنے کے خیال سے ہی پھیلے رہتے۔ میں نے پورے جوش وخروش سے ان کی روانگی کی تیاری کی' ان چند دنوں میں ان کا خوب خیال رکھا حتیٰ کہ ان کے بار بار نماز کی تلقین پر بھی خوش دلی سے سر ہلادیتی۔

جاتے وقت پوتا' پوتی کو ڈھیروں دعاؤں سے نوازا' بیٹے کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور مجھے گلے لگا کر خوب پیار کیا۔

''اللہ نے چاہا تو جلد ہی تم بھی اپنے بچوں کے ساتھ اللہ کا گھر دیکھنے جاؤ گی۔'' انہوں نے دل سے دعا دی۔ ''اور میرے لیے دعا کرنا کہ بس اللہ مجھے اپنے گھر ہی رکھ لے۔'' میں نے جلدی سے دل میں آمین کہا۔

❁.......❁.......❁

آج امی کو گھر سے گئے ہوئے بیس دن ہوگئے تھے اور یہ بیس دن بڑی سرعت سے گزرے۔ بچوں نے جی بھر کر مستیاں کیں کارٹون دیکھے روز میری کوئی نہ کوئی فرینڈ آئی ہوتی یا میں ان کے ہاں چلی جاتی۔ رات دیر تک آفاق کے ساتھ کوئی نہ کوئی موی دیکھ لیتی اور صبح دن چڑھے سو کر اٹھتی امی کے جاتے ہی میں نے ملازمہ رکھ لی۔ صفائی ستھرائی کے علاوہ وہ بچوں کو صبح تیار کرکے اسکول بھیجتی اور آفاق کو بھی ناشتا بنا کر دے دیتی۔ زندگی ایک دم سے سکون وچین میں بدل گئی تھی نہ کوئی روک ٹوک' نہ نمازوں کی تلقین اور نہ ہی پند ونصیحت......

دن تیزی سے گزر رہے تھے امی سے اکثر فون پر بات چیت رہتی۔ ماشاءاللہ آج تو خوشی سے ان کی آواز ہی نہ نکل پارہی تھی کیونکہ آج انہوں نے حج کا فریضہ ادا کرلیا تھا' وہ خوشی سے کہہ رہی تھیں۔

''رعنا کل ہماری عید ہے۔'' اور میں دل میں سوچ رہی تھی

کہ ہماری تو آج کل یہاں روز ہی عید ہے۔

جس دن پاکستان میں عید تھی اسی دن باجی کا روتے ہوئے فون آیا کہ امی کو دل کا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہوسکیں۔ یہ خبر سن کر جیسے پیروں تلے سے زمین نکل گئی' مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

''آہ..... ایسا کیسے ہوسکتا ہے وہ تو ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ کل ہی تو فون پر بات ہوئی تھی۔'' آفاق کا تو صدمے سے بُرا حال تھا' امی کی وصیت کے مطابق ان کو مکہ مکرمہ میں ہی دفنادیا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁
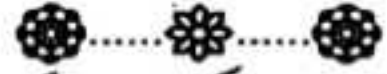
امی کو ہم سے جدا ہوئے کئی دن ہوگئے تھے' آنے جانے والوں کا سلسلہ بھی اب کم ہوتا جارہا تھا گھر اداسی کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ امی کیا روٹھ کر گئیں ہم سے تو خوشیوں نے ہی منہ موڑلیا' آفاق کا آفس سے گھر واپس آتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہوگیا' انہیں شدید چوٹیں آئیں اور ٹانگ دو جگہ سے فریکچر ہوگئی۔ ان کی تیمارداری' بچوں کی دیکھ بھال' گھر کے کام کاج میں تو گھن چکر بن کر رہ گئی۔ کام والی کو ہٹادیا گیا کیونکہ کئی مہینوں سے بستر علالت پر ہونے کی وجہ سے آفاق کی جگہ کسی اور کو بھرتی کرلیا گیا یوں آفاق کی نوکری گئی تو گھر میں مزید پریشانی کا اضافہ ہوگیا۔ بچوں کی دو تین ماہ کی فیسیں اکٹھی ہوگئی تھیں اور آج تو نوٹس بھی مل گیا تھا کہ اس ماہ فیس جمع نہ کروانے کی صورت میں بچوں کا نام خارج کردیا جائے گا۔

''یااللہ ابھی اور کتنی آزمائشیں باقی ہیں۔'' میں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا جو کچھ جمع پونجی تھی آفاق کے علاج پر لگ چکی تھی اور اب تو ان کے بہن بہنوئی ہی ان کا علاج کروارہے تھے۔ وہی فرینڈز جو کل تک مجھ پر جان چھڑکتی تھیں آج پوچھنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ وقت پڑنے پر کیسے لوگ طوطا چشم ہوجاتے ہیں اس بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہوگیا تھا۔ والدین عرصہ ہوا اس دار فانی سے کوچ کرچکے تھے' کاش کوئی اپنا بہن بھائی ہوتا تو اس کڑے وقت میں یوں تو نہ تنہا چھوڑتا۔ بچے جو تعیشات کے عادی تھے اب دال سبزی کو رو دھوکر کھانے پر مجبور تھے۔

''مما مجھے چکن چاہیے۔'' حمزہ کی فرمائش ہوتی' علیزہ ضد کرتی ''مجھے پزا کھانا ہے'' اور میری آنکھیں جھلملانے لگتیں کہ میں کہاں سے ان کی یہ فرمائشیں پوری کروں۔

آفاق کو کچھ کہہ نہیں سکتی وہ بیماری کی وجہ سے ویسے ہی بے حد چڑچڑے ہوگئے تھے۔ بات بات پر چیخنا چلانا شروع کردیتے' بچوں کو شور شرابا کرنے پر ڈانٹتے مجھے بُرا بھلا کہتے اور میں صبر کے گھونٹ پی کر رہ جاتی کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

❁.....❁.....❁

رات کا جانے کون سا پہر تھا نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ذہن ودل پر ایک عجیب طرح کا بوجھ تھا' آج مجھے امی کی یاد بہت شدت سے آئی۔

''آہ..... امی آکے دیکھیں ذرا وہ گھر جو امن وسکون کا گہوارہ تھا آج کیسے یہاں پریشانیاں واداسیاں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ آپ کے جانے سے سکون' عزت' برکت سب ہی کچھ ختم ہوکر رہ گئی۔'' اسی سوچ میں مضطرب تھی کہ دور کہیں سے اذان کی آواز سنائی دی حی علی الفلاح..... حی علی الفلاح..... حی علی الصلوٰۃ..... حی علی الصلوٰۃ..... اور اس آواز کے ساتھ ہی جیسے ذہن ودل کے دریچے کھلتے چلے گئے۔

''ہاں امی کہتی تھیں نماز پڑھا کرو بے شک نماز دلوں کو سکون پہنچاتی ہے۔ گھر میں رحمت وبرکت ہوتی ہے۔ جس گھر میں کلام پاک کو جزدان میں لپیٹ کر رکھ کر بھول جاتے ہیں اوقات صلوٰۃ میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کی بجائے شیطان کو راضی کرنے کے کام ہورہے ہوں تو پھر اس گھر میں کیسے خیر وسلامتی کے درواہونے کی امید رکھی جاسکتی ہے۔'' ان کی آواز میری سماعت میں گونج رہی تھی' میں فوراً اٹھی وضو کیا اور اپنے خدا کے حضور سر بسجود ہوگئی۔ نماز کیا پڑھی میرے پورے وجود میں طمانیت کی لہریں دوڑ گئیں' ایک عرصہ کے بعد اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔

❁.....❁.....❁
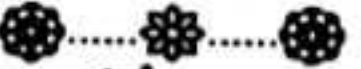
''آفاق جلدی سے یہ جوس ختم کریں' عصر کی نماز کا وقت ہونے والا ہے مجھے نماز بھی پڑھنی ہے۔'' اور میرے اس جملے پر انہوں نے میری طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ میں سرتاپا شرمندگی میں ڈوب گئی اور ان سے نظریں چراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔

میرے روزمرہ کے معمولات میں گھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر زیادہ وقت قرآن پاک پڑھتے اور نماز وغیرہ میں گزرتا۔ بچوں کے کام کرتے' آفاق کو کھانا کھلاتے ہوئے

میرے ہونٹ مستقل حرکت میں رہتے' اپنے رب کا ذکر ورد زباں رہتا۔ نماز کے سجدوں میں عجیب طرح کی لذت محسوس ہونے لگی' ذکر میں لطف آنے لگا۔ گھر کے کام اتنی جلدی نمٹ جاتے کہ پتا بھی نہ چلتا۔ غصہ ایک دم سے میری زندگی سے غائب ہوگیا۔ ننھی علیزہ بھی نماز پڑھتے وقت میرے ساتھ آ کھڑی ہوجاتی اور ہو بہو میری نقل کرتی تو میرا دل خوشی سے جھوم جاتا۔

گھر میں ایک دم سے سکون کی فضا قائم ہوگئی' بچے حالات سے سمجھوتہ کرنے لگے۔ آفاق نے بھی چیخنا چلانا کم کردیا اور زیادہ تر ذکر واذکار میں مصروف رہتے۔ میرا دل جو ہمہ وقت احساس ندامت میں ڈوبا رہتا تھا' بتدریج اس میں کمی آنے لگی۔ میں چشم تصور میں امی کو خوش ہوتے ہوئے دیکھتی۔

❁......❁......❁
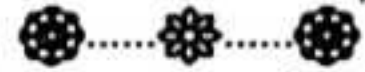
آفاق کے ایک قریبی دوست جو جرمنی سے آج کل پاکستان آئے ہوئے تھے ان کو جب پتا چلا تو انہوں نے آفاق کا علاج کروانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ میری اور بچوں کی دل جوئی کرتے اور میں جھلملاتی آنکھوں سے اپنے حقیقی معبود کا شکر بجالاتی کہ کس کس طرح وہ اپنے بندوں پر مہربان ہوتا ہے کیسے اندھیری راہ میں روشنی کی لکیر پیدا کرتا ہے۔ آفاق کی ٹانگ کا ایک اور معمولی سا آپریشن ہونا باقی تھا' ڈاکٹرز کافی پُر امید تھے کہ وہ جلد ہی اپنے پیروں پر چل سکیں گے اور اس دن میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب انہوں نے پہلا قدم بغیر کسی سہارے کے اٹھایا اور میں شکرانے کے نفل ادا کرنے بھاگی۔

آفاق کے ایک کولیگ کی کوشش سے ان کو اپنے ہی آفس میں جاب مل گئی اور زندگی ایک بار پھر سے معمول پر آ گئی مگر اب پہلے کے اور اب کے معمولات میں فرق یہ تھا کہ ہمارا اپنے رب سے تعلق مضبوط استوار ہونے کی وجہ سے سجدوں کی طوالت بھی بڑھ گئی تھی۔

❁......❁......❁
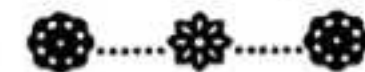
میں گناہ گار خانہ کعبہ کا معطر غلاف تھامے کھڑی تھی۔ آنکھوں سے اشک رواں تھے اپنی قسمت پر نازاں تھی کہ یہ مجھ خطا کار پر کیسا کرم ہوا کہ اس نے مجھے اپنے گھر پر بلالیا' میں تو اس قابل نہ تھی میرے اعمال اس لائق نہ تھے پھر تُو نے اس ناچیز کو اس قابل جانا۔ ذہن میں جھما کا ہوا کہ امی نے حج پر جاتے ہوئے جو دعا دی تھی کہ اللہ کرے تم بھی اس کا گھر دیکھنے جلد جاؤ۔ میرے اللہ نے اپنی محبوب بندی کی دعا فوراً قبول کرلی اور مجھ عاصی کو اپنے در پر بلالیا۔

''میرے اللہ تُو غفور الرحیم ہے تُو حلیم ہے تُو کریم ہے......
میرے پروردگار مجھے تاریکیوں سے نکال کر روشنی عطا کر......
اے اللہ تیری شان کتنی بندۂ نواز و بے نیاز ہے تُو آزمائش میں ڈال کر بھی گناہ گاروں کو اپنے قریب لے آتا ہے اتنا قریب کہ اپنے دامن رحمت میں سمیٹ لیتا ہے۔ آہ...... دنیا کی فریب خوردہ اور رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی صرف میں ہی نہیں میری طرح لاکھوں افراد شیطان کے مکر کا شکار ہوتے ہوں گے مگر میرا پیارا رب جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے انہیں کسی امتحان میں ڈال کر سجدوں کی راہ دکھا دیتا ہے۔ میرے مالک میں تیرے در پر کھڑی تجھ سے اپنی خطاؤں کی بخشش کی طلب گار ہوں' تیری نظر کرم پر مسرت سے اشک بار ہوں تُو نے مجھے دنیا کی حقیر زندگی سے نکال کر ابدی زندگی کی لذتوں سے آشنا کردیا۔'' میری آنکھوں سے تواتر سے اشک جاری تھے جو میرے دل پر پڑے بوجھ کی کثافت کو دھوتے چلے جارہے تھے اور ایک پُرسکون سی کیفیت مجھ پر طاری ہوتی جارہی تھی۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

مجھے یوں لگا کہ امی کہیں میرے آس پاس ہی موجود ہیں اور کہہ رہی ہوں۔

''دیکھو میں نہ کہتی تھی کہ اللہ کے قریب آجاؤ اس کے آگے سر جھکا لو اسی میں لذت ہے' اسی میں برکت وراحت ہے' یہی راہ نجات ہے۔'' اور میرے دل نے فوراً اس بات کی شہادت دی' ریاضت وعبادت ہی سکون قلب کا نام ہے۔ بشرطیکہ اسے سچے دل سے پکارو' اس کا دامن رحمت ہر وقت کھلا ہے۔ مانگنے والا ہو تو مرادوں سے جھولی بھرلے اور اگر کوئی مانگنے والا ہی نہ ہو تو صد حیف......

کوئی حسن شناس ادا نہ ہو تو کیا علاج
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

بسا لیتے ہیں ذہنوں میں ہزاروں بُت محبت کے
وہ جس کو پوجتے تھے آج وہ پتھر نہیں ملتا
وہ ماجد دن میں شرماتا ہے باہر ہی نہیں آتا
اندھیرے میں نکلتا ہے تو میرا گھر نہیں ملتا

سردیوں میں دن یوں بھی جلدی ڈھل جاتے ہیں لیکن بھوک دن و رات کب دیکھتی ہے یہ تو آگ کی طرح پیٹ میں لگتی ہے اور اسے بجھانے کے لیے کھانا چاہیے ہوتا ہے۔ احمد علی بھی اس وقت مایوسی سے سر جھکائے برآمدے کی ٹھنڈی زمین پر بیٹھا اپنی ٹوکری میں رکھے بچوں کے کھلونے دیکھ رہا تھا جو اس نے کل دن میں بنائے تھے مگر اب بچے کہاں مٹی کے کھلونوں سے کھیلتے ہیں اگر چند ایک بچے کھیلتے بھی ہیں تو والدین پیسے ضائع ہونے کے ڈر سے بچوں کو کسی نہ کسی طرح بہلا لیتے ہیں۔ احمد علی نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''اگر اس نے تجھے دینا ہوتا تو کب کا دے چکا ہوتا احمد علی!'' دل میں کفر کی آواز اٹھی جسے چاہتے ہوئے بھی وہ دبا نہیں سکا۔

''تیرے ہاتھ میں ہنر ہے' دیکھ اپنے کھلونے۔'' اس نے سر جھکا کر ٹوکری کی طرف دیکھا تو دل میں شیطان اپنی کامیابی پر مسکرایا تھا۔

''کب تک بچوں کا دل بہلائے گا' کچھ اور بنا۔''

''کچھ اور......'' اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی۔

''کچھ اور کیا......''

''سوچو......'' شیطان نے اُکسایا تو وہ سوچنے لگا لیکن پیٹ کی آگ اتنی شدید تھی کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک شیطان نے کھلونے کی ٹوکری سے مٹی کی بنی گڑیا آگے کی تو وہ چونک گیا۔

''کیا میں بُت تراشوں؟''

''ہاں۔''

''نہیں' یہ گناہ ہے۔''

''سوچ لو احمد علی! تم نے بتوں کو پوجنا نہیں ہے اور پھر تمہارے خدا نے تمہیں کیا دیا جو تم گناہ و ثواب کا سوچ رہے ہو۔ بیوی' بچوں سمیت روٹھ کر میکے جا بیٹھی ہے۔'' شیطان اس کے ضمیر کو بھوک میں جھلسا کر خود اونچی آواز میں بولنے لگا تھا تو وہ سر جھکا گیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے جبکہ حقیقت میں اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے بُت تراشے اور انہیں بیچ دے۔

''یہ مٹی کے کھلونے بھی تو ایک طرح کے بُت ہیں' جب ان کو کوئی نہیں خریدتا تو پھر......'' اس نے دل میں سوچا لیکن دوسرے ہی لمحے شیطان چیخا تھا۔

''کوشش کرو سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

آسمان اب سیاہ چادر اوڑھ کر اپنے دامن میں سفید چاند کا ہالہ لیے اس کے دکھ و تنہائی کو کم کرنے میں کوشاں تھا مگر اب اس

کے اندر ہلکی سی امید جاگی تھی اور احمد علی نے اسی وقت مٹی تیار کی اور ذہن میں مورتی کی شکل بنانے کے ساتھ وہ اپنی مخصوص جگہ آبیٹھا۔ یہاں اس مورتی کو تیار کرنے کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ تصویر اب اس کے ذہن میں آسمان کے چاند کی طرح واضح ہوگئی تو اس کے ہاتھ بھی تیز تیز چلنے لگے تھے۔

وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا سردی بھی اسی طرح بڑھتی جارہی تھی۔ رات بھی اپنے اختتامی مراحل میں داخل ہونے لگی تو احمد علی نے مورتی کو تقریباً بنا ہی لیا تھا اب وہ اس کے نقوش کو ابھار رہا تھا۔ بھوک اب کہیں دور جا سوئی تھی جبکہ نیند سے آنکھیں بوجھل ہونے کے ساتھ جسم بھی بستر مانگ رہا تھا۔ مورتی کو ایک خاص جگہ رکھ کر وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں آکر چارپائی پر لیٹ گیا۔ نیند سے آنکھیں بوجھل تھیں اس لیے احمد علی کو سونے میں دیر نہیں لگی اور وہ کچھ ہی دیر میں گہری نیند سو رہا تھا۔

رات دیر سے سونے کی وجہ سے اس کی صبح بھی آدھا دن چڑھ آنے کے بعد ہوئی تھی۔ اس نے اٹھ کر پہلے اپنے شاہکار کو دیکھا اسے خود بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ رات کے اندھیرے میں وہ اتنی خوب صورت کوئی چیز بنا سکتا ہے۔ وہ ایک عورت کا مجسمہ تھا جس کا جسم اس نے مٹی کی چادر سے ڈھانپا ہوا تھا اس کے ہونٹوں پر معمولی سی مسکراہٹ اس کے حسن میں اضافہ کررہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر خود بھی حیران رہ گیا تھا کیونکہ اس میں کہیں بھی مورتی کا گمان نہیں ہورہا تھا بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی بولنے لگے گی اور احمد علی بے خیالی میں ہی سہی اس سے باتیں کرنے لگا۔

"میں اسے نہیں بیچوں گا' یہ میری تنہائی کی ساتھی ہے۔" اس نے دل میں سوچا لیکن دوسرے ہی لمحے پیٹ کی آگ نے اس کی بات کی نفی کردی تو وہ حسرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا کروں تمہیں اپنی بھوک کو ختم کرنے کے لیے ہی بنایا تھا۔" وہ سر جھکا کر بڑبڑایا اور اس مورتی کو اٹھا کر فٹ پاتھ پر آبیٹھا۔ بھوک اسے صدا لگانے پر مجبور کررہی تھی لیکن وہ مورتی پر نظریں جمائے خاموش بیٹھا نجانے کیا سوچ رہا تھا کہ اچانک ہی ایک کار اس کے قریب آرکی۔

"یہ تم نے بنائی ہے؟" ایک خاتون نے گاڑی سے اتر کر پوچھا تو وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا جبکہ دوسری خاتون بھی گاڑی سے اتر کر اس مورتی کو شوق سے دیکھنے لگی تھی۔

"کتنی خوب صورت ہے' یوں لگتا ہے جیسے ابھی باتیں کرنے لگے گی۔"

"ہاں سچ اور ہے تمہارے پاس؟" دوسری خاتون نے اشتیاق سے پوچھا تو اس کا سر نفی میں ہلنے لگا۔

"اوہ ایک ہی ہے' اچھا کتنے میں دو گے؟" پہلی خاتون نے مایوسی سے دوسری کو دیکھ کر پھر احمد علی سے پوچھا تو وہ اب کی بار انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ اپنے ٹھاٹ باٹ سے وہ امیر گھرانے کی لگ رہی تھیں' چمکتی گاڑی میں بیٹھا باوردی ڈرائیور اور وہ خواتین زرق برق کپڑوں میں اس کے جواب کی منتظر تھیں گو کہ وہ کوئی نازک دوشیزائیں نہیں تھیں لیکن ان کے انداز ویسے ہی تھے۔

"دو ہزار میں دو گے؟" پہلی خاتون نے پرس میں سے پیسے نکالتے ہوئے ایک نظر اس کی طرف دیکھا تو اس نے مورتی کو دونوں ہاتھوں سے سختی سے پکڑ لیا۔

"اچھا چلو تین ہزار۔"

"نہیں' میں نہیں دوں گا۔" یہ پہلے الفاظ تھے جو بہت مشکل سے اس سے ادا ہوئے تھے۔

"اچھا چلو پانچ ہزار اس سے زیادہ نہیں۔" اس خاتون نے کہہ کر تقریباً مورتی اس سے چھینی تھی اور پیسے اس کی مٹھی میں تھمائے۔

"سنو دوسری مورتی کب تک تیار کرلو گے؟" جاتے جاتے کچھ خیال آتے ہی دوسری خاتون نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگا۔

"مجھے بھی ایسی ہی ایک مورتی چاہیے' میں کل آکر تم سے لوں گی۔"

"کل نہیں پرسوں۔" وہ فوراً بولا۔

"پرسوں...... پکا؟"

"جی۔"

"ٹھیک ہے یہیں انتظار کرنا میں خود آؤں گی۔" اس خاتون نے باور کرایا اور گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں جبکہ وہ بے یقینی میں گھرا گھر آیا تھا اور خوشی سے شہوار کو آواز لگائی تھی مگر وہ ہوتی تو آتی۔

"شہوار......" احمد علی کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے رکا۔

"جھلی وہ تو روٹھ کر گھر چلی گئی ہے' میں منا کر لاتا ہوں۔" اس نے ہنس کر خود کلامی کے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھا بھی لیکن دوسرے ہی لمحے مرد کی انا آڑے آگئی۔

"نہیں، طعنہ دیا تھا ناں مجھے، بے جا مشورے دیتی تھی اب دیکھے گی کہ میں کس طرح راتوں رات امیر ہوتا ہوں اور جب بہت بڑا آدمی بن جاؤں گا تب اسے لینے جاؤں گا پھر پوچھوں گا اس سے کہ کیا اب بھی میں ناکارہ ہوں۔" وہ غصہ سے تلملاتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا تھا تاکہ پہلے اپنی بھوک مٹا سکے اس کے بعد اس نے بیگم صاحبہ کے لیے موتی بھی تیار کرنی تھی اور یہیں سے اس کا کاروبار چل نکلا تھا۔

❀......❀......❀

احمد علی کا تعلق مڈل کلاس گھرانے سے تھا اس کے آباؤ اجداد مٹی سے کھلونے بنانے کا کام کرتے آئے تھے لیکن احمد علی کے والد بشیر علی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو پڑھانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن ایک تو گھر کے حالات ایسے نہ تھے اور دوسرا وہ پڑھنے میں اتنا ذہین بھی نہ تھا اس لیے صرف انٹر تک تعلیم حاصل کرکے اس نے باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کردیا تو ماں نے بھی اس کے لیے لڑکی کا انتخاب کرلیا اور یوں کچھ ہی عرصے میں اس کی سادگی سے شادی کرکے بہو لے آئی تھیں۔ شہوار خوب صورت اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی ساس سسر کی خدمت کرکے اس نے چند دن میں ہی ان کا دل جیت لیا تھا لیکن وہ خود اس ماحول میں سکون ڈھونڈتی تھی کیونکہ اتنی کم آمدنی میں چار افراد کا گزارہ مشکل سے ہوتا تھا اور اب ایک نئے مہمان کی آمد اسے مزید پریشان کیے رکھتی تھی۔

"احمد علی! تم کوئی اور کام کیوں نہیں کرتے؟" ایک روز اس نے اپنی پریشانی کو زبان دیتے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"کوئی اور مطلب؟"

"مطلب موٹر مکینک، سلائی وغیرہ کا کام۔"

"فضول کام ہے ایک کام سے ہاتھ کالے کرو اور دوسرا زنانہ کام ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا تو وہ کچھ دیر خاموشی کے بعد پھر بولی۔

"یہ کیوں سوچتے ہو یہ بھی تو دیکھو پیسے اچھے مل جائیں گے۔"

"کیوں تجھے کوئی کمی ہے، کھانے کو ٹھیک سے نہیں مل رہا۔" وہ ایک دم ہی بھتے سے اکھڑ گیا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"چند دن ہوئے ہیں تجھے آئے ہوئے اور فرمائشیں تیرے ذہن میں پلنے لگی۔"

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی ابھی ہم دو ہیں پھر تین......"

"بس بس...... فضول بکواس سننے کی عادت نہیں مجھے آنے والا اپنی قسمت لے کر آتا ہے۔" وہ کہہ کر کھڑا ہوا تھا جبکہ وہ بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی اور کر بھی کیا سکتی تھی اس لیے صبر کا گھونٹ پی کر وہ گھر کے کام میں جت گئی۔

دو سال میں جہاں اس کی گود میں احسن اور صالح آئے وہیں ہزاروں فکریں بھی آ گئیں۔ احمد علی کا کام اب نہ ہونے کے برابر تھا اور یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ کوئی نشہ وغیرہ نہیں کرتا تھا ورنہ مزید پریشانی لاحق ہوجاتی۔ اس وقت بھی وہ احسن کو بہلا رہی تھی جبکہ صالح کو وہ سلا چکی تھی جب احمد علی خالی ہاتھ گھر میں داخل ہوا تو اس کا صبر جواب دے گیا۔

’’احمد علی! تو کوئی اور کام کیوں نہیں کرتا؟‘‘

’’بس شروع ہوگئی تیری بکواس۔‘‘ وہ بھی دن بھر کا تھکا ہوا نجانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر گھر آیا تھا اس سے شہوار کا غصہ برداشت نہیں ہوا۔

’’تو ٹھیک ہے اگر تم کوئی اور کام نہیں کرتے تو میں......‘‘

’’ہاں کیا‘ بول......‘‘ وہ اس کے چپ ہوتے ہی فوراً بولا۔

’’میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔‘‘ وہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’تیرا کیا خیال ہے میں تجھے روکوں گا‘ نہیں جا شوق سے جا۔‘‘

’’چل احسن!‘‘ صالح کو اس نے آگے بڑھ کر خود گود میں اٹھالیا تو احمد علی نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔ وہ تیزی سے گھر کے دروازے سے نکل گئی تھی اور احمد علی پیچھے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اگر اماں ابا حیات ہوتے تو کبھی یہ نوبت نہیں آتی مگر وہ بھی اپنی ضد کا پکا تھا اس نے کوئی اور کام کرنے کے بجائے مٹی سے کھیلتے ہوئے اسی سے پیسہ بنالیا تھا لیکن ایک بار بھی پلٹ کر بیوی بچوں کی خیر خبر نہیں لی تھی۔

احمد علی کے اس وقت ملک کے اندر باہر بُت بنانے کی کئی فیکٹریاں تھیں۔ وہ سب کچھ بھول کر اپنے کام سے محبت کرنے لگا تھا۔ اسے اب سب جاننے لگے تھے اس کے بنائے گئے بُت مندر اور گرجا گھر میں رکھے جاتے اور اس کے علاوہ لوگ اپنے گھر کی سجاوٹ کے لیے بھی مہنگے داموں خرید کرلے جاتے تھے۔ وہ اب مطمئن ہونے کے ساتھ خوش تھا‘ ایک بُت نے اسے کہاں سے کہاں پہنچادیا تھا لیکن کیا وہ ٹھیک کررہا تھا کبھی کبھی ضمیر سوال کرتا تھا اور شیطان دلائل پیش کرکے اسے خاموش کرادیتا مگر ابھی امید باقی تھی۔

❁......❁......❁

اللہ جس کے دل میں چاہے اپنی محبت ڈالتا ہے اور جسے چاہے غافل کردیتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ وہ آزماتا ہے اپنے بندوں کو کہ وہ مصیبت کے وقت اسے کتنا قریب جان کر اس سے مدد مانگتے ہیں تو یہ بات بھی غلط نہیں کیونکہ اگر وہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے تو پھر بدلے میں محبت چاہتا بھی تو ہے ورنہ ایسے سجدوں اور نمازوں کی اسے ضرورت نہیں ہے جس میں محبت شامل نہ ہو۔

عمر کے ساتھ احمد علی میں بھی ٹھہراؤ آگیا تھا‘ وہ اس وقت اپنے مجسموں کی نمائش کرنے کے ساتھ ساتھ ایک نیوز چینل کو انٹرویو دے رہا تھا۔

’’ایک بات سمجھ نہیں آئی کہ کیا آپ کی تعلیم آپ کے سفر میں رکاوٹ نہیں بنی؟‘‘

’’بات سمجھانے کے لیے گونگا بھی اشارے سے کام لیتا ہے میں تو زبان کے ساتھ ہنر رکھتا ہوں اور آپ لوگوں کی طرح میری زبان نہیں میرا ہنر بکتا ہے۔‘‘ اس نے مسکرا کر جواب دیا تو دوسری طرف سے فوراً سوال اٹھا۔

’’آپ نے کبھی اپنے بیوی بچوں کا ذکر نہیں کیا‘ کیا آپ ابھی تک ایک بیچلر کی زندگی گزار رہے ہیں؟‘‘ کتنے ہی صحافی ہنسے تھے جبکہ احمد علی خاموش ہوگیا تھا۔ دل و دماغ میں عجیب سے جھکڑ چلنے لگے‘ وہ پیسے کے پیچھے بھاگتے ہوئے انہیں بھول ہی گیا تھا اور اب جب احساس ہوا تو وقت کے ساتھ اسے اپنی غفلت پر حیرانی بھی ہوئی تھی‘ وہ بغیر کچھ کہے وہاں سے نکل گیا تھا۔

آہستہ آہستہ تیز ہوتی بارش اسے بھگورہی تھی اور وہ گاڑی ہوتے ہوئے بھی پیدل چل رہا تھا شاید اندر باہر کے سناٹے کو وہ یونہی بے مقصد سڑک ناپ کر ختم کرنا چاہتا تھا بہت طویل مسافت کے بعد وہ چونکا اور حیران رہ گیا۔

’’احمد علی تمہاری اصلیت تو یہ ہے اور تم اسے ہی بھول گئے۔‘‘ وہ اپنے آبائی گھر کے سامنے کھڑا تھا سفر بہت طویل ہونے کی وجہ سے اس نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کیونکہ آنکھوں کے آگے دولت نے اگر پٹی باندھ دی تھی تو اس نے بھی کبھی کچھ سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی اور اب وہ گھر میں داخل ہوکر ایک ایک چیز کو چھو کر اس میں اپنے رشتوں کی خوشبو اور احساسات کو محسوس کررہا تھا۔

’’احمد علی! وقت کے ساتھ تمہارے بچے بھی بڑے ہوگئے ہوں گے۔‘‘ ضمیر کی آواز پر وہ چونکا اور سوچنے لگا کہ شہوار اس کے بچوں کو لے کر کہاں گئی ہوگی پھر وہ گھر سے نکل کر سیدھا اس کے گھر آیا تھا۔ وقت نے بہت کچھ بدل دیا تھا جس محلے سے وہ شہوار کو بیاہ کرلے گیا تھا اس وقت وہ کچا علاقہ تھا مگر اب ہر چیز ترقی کی نذر ہوچکی تھی۔ وہ یونہی چلتا ہوا قدرے خستہ حال گھر کے دروازے پر آ کھڑا ہوا اور دو تین دستک کے بعد ایک دبلے پتلے نوجوان نے دروازہ کھولا تھا۔

’’شہوار...... شہوار احمد یہیں رہتی ہیں؟‘‘ اس نے

فوراً پوچھا۔

''آپ؟'' اسے پہچاننے کی ناکام کوشش میں اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا تھا۔

''کون ہے بیٹا؟'' پیچھے سے شہوار کی آواز پر وہ چونکا تھا جبکہ احسن نے ذرا سی گردن موڑ کر کہا۔

''امی! کوئی آدمی ہے آپ کا پوچھ رہا ہے۔''

''کون ہے نام پوچھو؟''

''بتا دو احمد علی آیا ہے۔'' اس نے احسن کے پوچھنے سے پہلے ہی کہا تھا تو وہ تذبذب کا شکار ہوتا احمد علی کو دیکھنے لگا گو کہ اس کی ماں نے کبھی بھی اس کے باپ کے لیے کوئی سخت الفاظ نہیں کہے تھے لیکن اتنے عرصے بعد وہ ان کی خبر لینے آیا تھا یہ بات اسے پریشان کررہی تھی۔ احمد علی دروازے اور اس کے ہاتھ کے نیچے سے راستہ بناتا گھر میں داخل ہوگیا تو دوسرے لمحے شہوار بھی اس کے چہرے پر گزرے ماہ وسال کی نشانی کھوجتی ایک دم چونکی تھی۔

''احمد علی......''

''ہاں، میں......'' وہ اس کے ہونٹوں کی جنبش سے اپنا نام پہچان کر بولا۔ ''تم نے کہا تھا اس چھوٹے سے گھر اور اس آمدنی میں ہمارا گزارا نہیں ہوسکتا' آج اسی کام کی بدولت میں بہت بڑا آدمی بن گیا ہوں۔'' وہ اس کے بدلے حلیے سے متاثر ہوئی تھی یا اس کے بات کرنے کے انداز سے جو فوراً ہی کرسی اس کی طرف بڑھا دی۔

''کھڑے کیوں ہیں، بیٹھیں۔'' وہ لکڑی کی قدرے سلامت کرسی اس کی طرف بڑھا کر بولی۔ ''اتنے عرصے بعد آپ کو ہمارا خیال کیسے آیا؟''

''تم لوگوں کے لیے پیسہ جمع کرنے میں لگا رہا نہ دن دیکھا اور نہ ہی رات۔ اسی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج میں دنیا کے امیر لوگوں میں شمار ہوتا ہوں۔''

''لیکن میری نظر میں نہیں۔'' وہ فوراً بولی۔ ''آپ کی شہرت ہمیں بھی معلوم ہے۔''

''جب سب معلوم ہے تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو' چلو میرے ساتھ اس گھر جہاں تم ملازموں پر حکمرانی کرو گی اور تمہارے کہنے سے پہلے ہی سارے کام ہوجائیں گے۔'' وہ بے صبری سے بولا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک پل میں سب کو یہاں سے لے کر اپنے گھر چلا جائے لیکن شہوار

کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی۔ اتنے برس اس نے بھی تنہائی کے کرب میں جلتے انگاروں میں گزارے تھے۔

''احمد علی! اس سے ملیں یہ ہے میرا بیٹا احسن!''

''احسن......'' اس نے اس کے لفظوں کی تردید نہیں کی بلکہ وہ اسے دیکھنے کے ساتھ اپنے سینے سے لگانا چاہتا تھا مگر احسن دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں تمہارا باپ ہوں۔''

''ایک بُت تراش میرا باپ نہیں ہو سکتا۔'' وہ جو دولت کی چکا چوند میں ضمیر کو مار کر آگے کی منزل طے کر رہا تھا احسن کے ایک جملے نے اسے پاتال میں پہنچا دیا تھا۔

''لوگ بتوں کو پوجتے ہیں' ان کی عبادت کرتے ہیں اور آپ مسلمان ہو کر بُت بناتے ہیں۔ آپ کو آپ کے ضمیر نے نہیں روکا؟'' اس کا اپنا بیٹا سراپا سوال بنا کھڑا تھا اور وہ جواب دینے سے قاصر شہوار اور اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ سب میں نے تم لوگوں کے لیے کیا۔''

''جھوٹ......'' وہ فوراً بولا۔ ''آپ نے اپنے لیے' اپنے مفاد کے لیے یہ سب کیا' ہم تو آپ کو چھوڑ کر آ گئے تھے' اگر ہمارے لیے کرنا تھا تو ہمیں ساتھ لے کر زندگی کے نشیب و فراز طے کرتے مگر گناہ کے ساتھ نہیں۔'' اس کے اپنے ہی بیٹے کی زبان سے نشتر برس رہے تھے۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے سوچا تھا کہ وہ اپنی شخصیت و دولت سے انہیں مرعوب کر لے گا۔ انہیں بتائے گا کہ اتنے برس ان سے دور رہ کر دن رات کا خیال کیے بغیر وہ صرف ان کے لیے پیسہ جمع کرتا رہا ہے تاکہ وہ خوش و مطمئن زندگی بسر کر سکیں مگر یہاں تو الٹا ہی حساب تھا۔

''ہم نہیں چاہتے کہ روزِ محشر ہمیں بُت تراش کے نام سے پکارا جائے اس لیے بہتر ہے آپ وہ سب کام چھوڑ کر پلٹ آئیں۔'' شہوار نے کہا تو وہ دیکھنے لگا۔

''میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ کوئی اور کام کریں کیونکہ شیطان کو بہکانے میں دیر نہیں لگتی اور آپ نے دیکھ لیا آپ کی اپنی ہی اولاد آپ کو پہچاننے سے انکار کر رہی ہے' اس سزا سے کیا کوئی اور سزا کم ہو گی۔'' وہ کچھ نہیں بولا' زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ واپسی اب اس کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن تھی۔ اس نے اس ہنر کا روبار بنا کر شہر شہر فیکٹریاں لگا کر کاریگر رکھ لیے تھے۔ اس گناہ کی دلدل میں وہ اکیلا نہیں بلکہ اس جیسے غربت کے ہاتھوں مجبور اور کتنے ہی لوگ بُت تراش رہے تھے اور ان سب کا گناہ اس کے سر جا رہا تھا۔

''یہ واپس نہیں پلٹ سکتے' اس لیے بہتر ہے کہ آپ ہم سے دور چلے جائیں۔'' احسن نے کہتے ہی رخ موڑ لیا تھا۔

''ہمیں' امی نے آپ کے بارے میں بہت زیادہ نہیں بتایا تھا لیکن اخبار میں آپ کے بارے میں پڑھ کر آپ کو جانا اور پھر ندامت و افسوس نے دل میں گھر کر لیا کہ ہماری ماں نے ہمیں دین و دنیا دونوں کی تعلیم دی مگر ہمارا باپ ایک......'' وہ شاید اب رو رہا تھا' احمد علی اسے دیکھنے سے قاصر تھا لیکن اس کی حالت بھی اس سے کچھ الگ نہیں تھی۔ دکھ اتنا شدید تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ بھی نہیں سکا تھا۔

''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کو توڑا تھا اور آپ......'' وہ قصداً خاموش ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ ''پلیز آپ چلے جائیں یہاں سے۔''

''احسن......'' شہوار نے کچھ کہنے کے لیے اسے پکارا تھا لیکن شاید احسن کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''آپ ہمارے لیے اور ہم آپ کے لیے مر چکے ہیں۔'' اس نے سر اٹھا کر احسن کو دیکھا جو شہوار کے سینے میں منہ چھپائے سسکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ اسے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی تھی لیکن شاید کم تھی اس لیے وہ حسرت کی تصویر بنا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''ہمارا آپ سے کوئی تعلق نہیں' آپ مزید یہاں رکے تو ہمیں اذیت ہو گی آپ چلے جائیں۔'' احسن نے انتہائی غصے کے عالم میں ضبط کا دامن نہیں چھوڑا اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بند تھیں۔ احمد علی ایک نظر اسے دیکھ کر شہوار سے بولا تھا۔

''میں نے اس وقت تمہاری بات نہیں مانی تھی لیکن تم سے وعدہ کر کے جا رہا ہوں کہ اب آؤں گا تو بُت تراش نہیں بُت شکن بن کر لوٹوں گا۔''

اچانک آسمان سے بارش برسنے کے ساتھ ہی کلیاں پھول بن کر کھلنے کے بعد خوش بو پھیلا رہی تھیں۔ احمد علی نے ایک نظر آسمان کو پھر شہوار کو دیکھا جس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی اس کے لیے صبح کا بھولا شام ہونے پر گھر لوٹ رہا تھا۔

عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی

ہوتی نصیب میں گر تیری دید کی خوشی
کس دھوم سے مناتے ہم اس عید کی خوشی
تیرے بغیر عید کی وہ رونقیں کہاں
بےکار سا ہے میرے لیے عید کا سماں

''امی جان...... پیاری امی جان...... سچ اتنا زبردست سیریل ہے وہ اسکول میں فائزہ بتارہی تھی' پورے تین بجے ڈرامہ شروع ہوجاتا ہے۔ پلیز امی آپ نے مجھے صرف بتانا ہے' صاف آرہا ہے یا نہیں۔ میں اوپر سے تار جوڑتی ہوں۔'' وہ ماں کی منتوں پر اتر آئی۔

''ارے پچھلی بار بھی تیری ممانی ناراض ہورہی تھی کہ تُو نے پتا نہیں کیا کیا ہے' ان کی بھی کیبل خراب ہوجاتی ہے' اگر تیری ممانی کو پھر سے پتا چل گیا کہ تو ان کی تار سے کچھ کرنے لگی ہے تو پھر نیا مسئلہ کھڑا ہوجائے گا۔'' ماں نے منزہ کو پچکارتے ہوئے کہا۔

''ماں پلیز تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔'' وہ پھر سے بسورنے لگی۔

''اچھا چل جا اور چھت پر جاکر چیخنے مت لگ جانا اور اپنے بابا کے سامنے ٹی وی بند کردیا کر' پتا بھی ہے کتنی مشکلوں سے تیرے ماموں نے اپنا پرانا ٹی وی تیرے شوق کی وجہ سے ہمارے گھر رکھوانے کی اجازت لی ہے تیرے بابا سے۔''

''اچھا امی جیسا آپ کہوگی ویسا کروں گی مگر اب میری تھوڑی سی مدد کردو۔'' یہ کہہ کر منزہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی چھت پر چلی آئی۔ یہ تین کمروں پر مشتمل چھوٹا سا پرسکون گھر تھا منزہ کے والدین نے کبھی اسے کسی چیز کی کمی نہ محسوس ہونے دی۔ منزہ ان کی واحد اولاد تھی جو اپنے والدین کی دینی تربیت کے زیر پرست پروان چڑھی جس کی بدولت اس گھر کے ساتھ ہی بنے ممانی کے عالی شان بنگلے اور لائف اسٹائل نے کبھی منزہ کے دل پر اثر نہ ڈالا مگر دو ماہ پہلے ممانی کے گھر ہوتے والی پارٹی اور اس میں ہونے والی باتوں نے اس کے ذہن میں انتشار پیدا کردیا اور وہ کچھ اپ سیٹ رہنے لگی۔ دنیا کتنی آگے ہے اور ہم کتنے پیچھے' ایک نئی سوچ نے اس کے ذہن میں جنم لیا تھا۔

❁......❁......❁

گرمیوں کے دن تھے وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آرام کی غرض سے اپنے بیڈروم میں آئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''اندر آجاؤ بیٹا! ایسے دروازے پر کیوں کھڑی ہو؟'' انہوں نے مسکرا کر منزہ کو بلایا۔

''بابا جان! آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔''

غزل

تیری محبت میرے دل میں گھر کرگئی
تیری چاہت کی یاد بھی آنا کم کرگئی
روز دیتی تھی میری آنکھوں میں کاجل کی طرح
اب تو آنسوؤں سے بھی آنا کم کرگئی
دور ہوتی تھی مجھ سے تیری سانسوں کی گرمی
آج کیوں میری سانسوں میں ہلچل کرگئی
خزاں میں یاد کرتی ہوں تمہیں نہ جانے کیوں
برسات کی کوئی شرارت آج آنکھ بھرگئی
بیٹھ کے پھولوں میں اپنی محبت کا اظہار کرنا
تیری وہ بات آج پھر مجھے پریشان کرگئی
برسات سے پہلے کوئی چنگاری اڑی تھی شاید
وہی شبنم کی زندگی کو برباد کرگئی

شبنم کنول...... حافظ آباد

''ارے بھئی مجھے پتا ہے کہ اس بار بھی قربانی کی عید پر دنبہ آپ کی مرضی کا آنا چاہیے ہے نا۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

''نہیں بابا! مجھے کچھ اور کہنا ہے۔''

''ہاں بھئی کہو۔''

''بابا کیا میں میٹرک سے آگے پڑھ سکتی ہوں؟'' وہ تھوڑی ہچکچائی۔

''ہاں بھئی اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ ہماری بیٹی نے جتنا پڑھنا ہے پڑھ سکتی ہے۔''

''تھینک یو بابا!'' اتنا کہہ کر وہ واپس جانے لگی۔

''منزہ......'' باپ کی بارعب آواز نے منزہ کے قدم جکڑ لیے اور دل میں اچانک خیال عود آیا پھر وہی پردے کا لیکچر آخر کیوں میرے بابا اتنے تنگ نظر ہیں یا میں ہی کیوں اتنے تنگ گھرانے میں پیدا ہوئی۔

''منزہ بیٹا!'' دوسری آواز پر وہ ٹھہری اور نظریں جھکائے اپنے باپ کی بات کی منتظر ہوئی۔

''یہاں آؤ ادھر بیٹھو میرے پاس۔'' وہ سہمے ہوئے انداز میں سمٹ کر اپنے باپ کے بائیں جانب بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں آج کل آپ کچھ پریشان رہتی ہو کیا اپنے بابا سے اپنی پریشانی شیئر نہیں کرو گی۔'' اس نے ناگواری کے احساس سے پہلو بدلا۔

''نہیں بابا! میں پریشان نہیں ہوں۔''

''تو پھر ایسے خاموش خاموش اور اپنے بابا سے دور دور کیوں رہتی ہو۔ دیکھو ہم آپ کے بابا ہی نہیں بلکہ دوست بھی ہیں۔'' وہ دھیما سا مسکرا کر منزہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے وہ تو محبت و شفقت کا سمندر تھے۔ وہی آنکھوں سے چھلکتی چاہت، وہی محبت بھرا میٹھا انداز جس میں ایسی پذیرائی تھی کہ منزہ کو اپنی سوچ پر نادم ہوتے ہوئے شرمندگی نے آن جکڑا۔ ان کی اسی نرمی کی وجہ سے منزہ اپنے دل میں دبے سارے راز آج فاش کردینا چاہتی تھی۔

''بابا جان......!''

''ہاں بیٹا! کہو۔'' وہ ہمہ تن گوش تھے۔

''کیا مولوی اور ان کے بچے انسان نہیں ہوتے، کیا ان کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ کیوں قدم قدم پر ان کی تذلیل کی جاتی ہے؟'' وہ چند لمحے کے لیے رکی۔ ''مجھے لگتا ہے بابا جان کہ یہ ٹی وی فیشن یہ سب آج کل کا شوق نہیں بلکہ ضرورت ہے، جو لوگ ان چیزوں سے دور ہیں انہیں تھرڈ کلاس سمجھا جاتا ہے ایسے لوگوں کی نظروں سے حسرت ٹپکتی ہے۔ آخر کار وہ احساسِ کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں، کیوں

سنہری باتیں

- کوئی سچے دل سے کرنا چاہے تو کیا نہیں کرسکتا۔
- یہ وقت بھی گزر جائے گا۔
- اپنا پیار اور بھروسہ جیتنے کی خاطر امیدیں جگا کر موقع آنے پر وہی لوگ دھوکا دے جاتے ہیں۔
- کسی کے لیے آنسو مت بہاؤ کیونکہ وہ اس قابل نہیں ہوگا اور جو اس قابل ہوگا وہ آپ کو رونے نہیں دے گا۔
- کبھی کسی کو مت آزماؤ کیونکہ اگر وہ آپ کی آزمائش پر پورا نہ اترا تو دل آپ کا ہی ٹوٹے گا۔
- کسی کو اپنا راز مت دو کیونکہ راز کہنے سے بات پرائی ہوجاتی ہے اور پرائے کبھی اپنے نہیں ہوتے۔
- پرکھو مت پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا۔

جویریہ ضیاء...... کراچی

بابا کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔'' اس نے جوش سے بولتے ہوئے رک کر ایک لمحے کے لیے بابا سے سوال کیا۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور اگلے لمحے نظروں کا زاویہ بدل لیا وہ پوری طرح متوجہ تھے۔ وہ لمحے بھر میں منزہ کے اندر کی حقیقت جان گئے بھی تھے۔

''میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں بیٹا!'' انہوں نے دھیمے اور سلجھے لہجے میں کہا۔ ''انسان ایک ظاہری اور باطنی آنکھ رکھتا ہے یہ اس پر منحصر ہے وہ کس طریقے سے استعمال کرے اگر ہم کسی کی چکا چوند دیکھ کر کمتری فیل کرتے ہیں تو یہ ہمارے اپنے اندر کی کمی ہے کہ ہم اپنے آپ کو پیچھے سمجھتے ہیں' کیا ہم فیشن نہیں کرسکتے۔ یہ بالکل غلط ہے ہر انسان اپنی یہ خواہش پوری کرسکتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے (اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے) ہم بھی فیشن کرسکتے ہیں مگر ایک حد تک' عریانی فحاشی اور بے حیائی سے قطعی دور کیونکہ ہم پھل کھانا پسند کرتے ہیں اور اپنی پسند کے مطابق خریدتے بھی ہیں لیکن اگر بازار میں کھلے ہوئے پھل ملیں جیسے آم کو کاٹ کر اس کے کئی پیس کرکے بیچنا شروع ہوجائیں تو کیا آپ وہ لے کر کھانا پسند کروگی۔ خوش بو سے جی للچائے گا مگر اس پر بھن بھناتی مکھیوں کو دیکھ کر طبیعت مائل نہیں ہوگی اور نہ ہی مکھیوں کا پیٹ بھرے گا' وہ بھی حاصل نہ ہوگا جبکہ بغیر چھلا ہوا آم آسانی سے بک بھی جائے گا اور محفوظ بھی دیر تک رہے گا۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہو نا۔''

''جی بابا!'' وہ بھرپور توجہ سے بات سن رہی تھی اور ایک حد تک مطمئن بھی ہوئی۔ ''مگر بابا ہمارے معاشرے میں عورت پر اتنی روک ٹوک کیوں کی جاتی ہے پردہ کرو' اونچی آواز میں نہ بولو وغیرہ...... یہ سب کیوں؟''

''میری پیاری گڑیا! آہستہ آواز میں بات کرنا عورت کا حسن ہے اور جہاں تک پردے کی بات ہے تو ایک دفعہ ایک انگریز نے مسلمان سے پوچھا کہ ہم عورت کو آزادی دیتے ہیں کہ وہ جیسے چاہے زندگی گزارے مگر تم لوگ بہت ظلم کرتے ہو انہیں پردوں میں چھپا کر رکھتے ہو تو اس پر بزرگ مسلمان نے اتنا پیارا جواب دیا انہوں نے کہا' اگر تمہارے پاس ہیرا ہو تو کیا تم اسے سڑک پر رلنے کے لیے چھوڑ دوگے' انگریز نے کہا' نہیں بھئی اسے تو ہم سنبھال کر رکھیں گے' تو انہوں نے کہا' عورت بھی اسی طرح ہمارے معاشرے میں بہت عظیم اور قیمتی شے ہے۔ ہم اسے

انمول موتی

❖ اگر تم کسی کو اپنانا چاہتے ہو تو اپنے دل میں قبرستان کھود لو تاکہ اس میں اس کی بُرائیاں دفن کرسکو۔

❖ کسی سے محبت کرنا اور اسے کھو دینا محبت نہ کرنے سے بہتر ہے۔

❖ جو محبتوں کی قدر نہیں کرتے وہ نفرت کا نشانہ بنتے ہیں۔

❖ جو لوگ درد کو سمجھتے ہیں وہ کبھی درد کی وجہ نہیں بنتے۔

❖ اس شخص کا دل کبھی مت توڑو جو آپ سے محبت کرتا ہو۔

❖ بے کار محبت ہوتی ہے وہ جس میں خلوص نہ ہو۔

مس رابی...... گڈھا موڑ

پردے میں چھپا کر رکھتے ہیں' اسلام نے عورت کو سب سے اعلیٰ مقام دیا ورنہ اس سے پہلے اس دنیا میں عورت کی حد سے زیادہ تذلیل کی جاتی تھی۔ میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حد سے بڑھ کر فیشن کرنے والے لوگ اندر سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ انسان کے سکون کے لیے سب سے بڑی چیز نفس مطمئنہ ہے جس کو یہ حاصل ہوگیا وہ معاشرے میں کامیاب ہے۔ ہم جس معاشرے کے باسی ہیں اس میں ہمیں اپنی خواہشات کو جو جائز ہوں انہیں قربان کرنے کی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ نفس کو کھینچ کر رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نفس خواہشات کا منبع ہے۔ چھوڑو بات بہت لمبی ہو جائے گی اس کو تو جتنا بڑھائیں یہ بڑھتی جائے گی۔'' وہ دھیما سا مسکرا کر بولے۔

''لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کی تشفی ہو پائے گی۔'' وہ خاموش ہوئے۔

''نہیں بابا! آپ بولتے رہیں میری روح کو بھی سکون مل رہا ہے۔'' وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

''ارے بابا کی جان میں جانتا تھا میری بیٹی بہت سمجھدار ہے۔''

❀......❀......❀
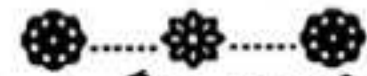
ذوالحج کا چاند نظر آ گیا تھا' گھر میں دنبہ منزہ کی پسند سے ہی آیا۔

''بابا پلیز مجھے کھلی مہندی لا کر دیں نا میں اپنے دنبے کو اپنے ہاتھوں سے مہندی لگاؤں گی۔'' وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔

''جی جناب! وہ تو آپ کے بابا پہلے سے لے آئے ہیں' میں جانتی تھی تم ضرور ضد کرو گی اس لیے میں نے پہلے ہی منگوا کر رکھ لی تھی۔'' منزہ کی ماں نے اسے اطمینان دلایا۔ کچھ دیر بعد منزہ کے والد کام سے باہر چلے گئے اور والدہ کچن میں مصروف ہوگئیں۔ وہ اپنے دنبے کو سجانے لگی' اپنے بابا کی اس دن کی باتوں سے وہ دلی سکون محسوس کررہی تھی۔ قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو اپنی امت تک پہنچانے کے لیے جو محنت کی اور اپنے لہو کی قربانی دی تب یہ اُمت...... اُمت مسلمہ بنی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے جب اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی پیش کی تو اللہ کو یہ عمل کتنا پسند آیا کہ آج تک ان کی یاد میں ہر سال قربانی کی جاتی ہے۔ قربانی واقعی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کا اثر نسل در نسل چلتا ہے تو پھر نفس میں بنی غلط خواہشات کی قربانی کیسے رائیگاں جاسکتی ہے۔

وہ بہت گہری سوچوں میں گم دنبے کو مہندی لگا رہی تھی۔

''اگر میں بابا سے بات نہ کرتی تو کتنی منفی باتیں میرے اندر جنم لے چکی ہوتیں اور میں سادگی کو کتنا چھوٹا اور حقیر سمجھ بیٹھی تھی۔ دنیاوی فیشن کو کتنا اعلیٰ سمجھنے لگی تھی۔ یا اللہ مجھے معاف کردے' تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے غلط راہ پر بھٹکنے سے بچالیا۔''

عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ

بہت سے لوگ تھے گھل مل کے سب سے باتیں کیں
وہ جس کو میں نے دیکھا' میری نظر میں رہا
کچھ اس طرح سے گزاری ہے زندگی جیسے
تمام عمر کسی دوسرے کے گھر میں رہا

کتنی ہی دیر سے ٹیرس پر اکیلی بیٹھی وہ غیر مرئی نقطے کو گھورے جارہی تھی۔ بالکل خالی دل' خالی دماغ اور ویرانی سے بھری نگاہیں لیے وہ اپنے مشغلے میں اس قدر گم تھی کہ اپنی نند کے آنے اور پھر خاموشی سے پلٹ جانے کو بھی محسوس نہ کرسکی۔ بالکل ساکت بیٹھے ایک دم چونک کر وہ ذراسی سیدھی ہوئی تھی۔ اس کی نظر نے گردش کی اور اب اس غیر مرئی نقطے سے ہٹ کران دو چیلوں پر جم گئی جو آپس میں ایک دوسرے پر جھپٹ رہی تھیں۔ اس نے ذرا غور کیا تو معلوم ہوا کہ دوسری چیل خوامخواہ کی غنڈہ گردی کرتے ہوئے پہلی چیل کے پنجوں میں پکڑے گوشت کے ٹکڑے کو چھیننے کی کوشش کررہی تھی۔ اسے ناانصافی کا احساس ہوا' مگر وہ اس کی مدد نہیں کرسکتی تھی۔ مگر دوسرے لمحے اس نے اس کی مدد کرنے کی معصوم سی خواہش ضرور کی تھی۔

''کاش میں بھی پرندہ ہوتی تو آج اس مظلوم چیل کی مدد ضرور کرتی۔''

''خود تم نے کبھی اپنی مدد کی ہے......؟'' دل میں ابھرتی خواہش پر دماغ نے طنز کا کاری وار کیا تھا۔ جس کی چبھن محسوس کرتے ہوئے دل سے ہلکی سی ٹیس بلند ہوئی تو اس کی آنکھیں بھر آئی' نتیجتاً سامنے کا منظر دھندلا پڑنے لگا۔ اس نے تیز تیز پلکیں جھپک کر آنکھوں کی نمی کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی تھی مگر پانی کے چند خفا قطرے پلکوں کے بند توڑ کر رخسار پر اتر آئے تھے جنہیں صاف کرنے کے لیے اس نے ہاتھ اٹھایا تو کلائی میں پڑے کنگن گنگنا اٹھے' آنسوؤں کو بھولے وہ ہاتھ سامنے کیے مہندی سے سجے ہاتھ اور ہلکی سی حرکت کرتے کنگن کو دیکھنے لگی......خود کو فراموش کرتے پہلے والی کیفیت سے باہر نکلتے ہوئے وہ اپنے حال میں واپس لوٹ آئی تھی۔

''جب سے شہریار آفس گئے تھے وہ تب سے ٹیرس پر بیٹھی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ اسے نیچے اپنی ساس اور نند کے پاس جانا چاہیے۔'' اس خیال کے آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوپٹہ درست کرتی نیچے آگئی۔

اپنی ساس کے کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے اندر جانے کی نیت سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا......مگر اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتی اپنا نام سن کر بے ساختہ ہی اس کے قدم دروازے کی چوکھٹ پر جم سے گئے......اندر موجود اس کی نند کہہ رہی تھی۔

''امی! آپ سے بھابی کے انتخاب میں بہت بڑی

غلطی ہوگئی......'' کس قدر افسوس بھرا تھا اس کے انداز میں اس کا اپنا دل بری طرح دھڑک اٹھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ مزید متوجہ ہوئی تھی۔

''میں نے شروع دن ہی آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کی کوشش کی تھی...... مگر اس وقت آپ نے میری ایک نہ سنی' حالانکہ میں نے آپ سے صاف صاف کہا تھا کہ امی مجھے یہ لڑکی نارمل نہیں لگتی...... جتنی مرتبہ ہم ان کے گھر گئے نہ تو میں نے کبھی اس کو ہنستے سنا نہ بولتے دیکھا اور خود ہماری باتوں کا وہ کس طرح نپا تپلا جواب دیا کرتی تھی۔ مگر آپ نے میری بات پر غور کرنے کے بجائے مجھے یہ کہہ کر چپ کرادیا کہ لڑکی کم گو ہے...... اور کم گو لوگوں کو نئے لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے میں وقت لگتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ بھی ہمارے ساتھ ٹھیک ہوجائے گی۔

مگر...... اب آپ مجھے بتائیں امی...... ایسی بھی کیا کم گوئی کہ انسانوں کے درمیان موجود ہونے کے باوجود بندہ دیواروں کو گھورتا رہے؟'' وہ اس سے حد درجہ خفا معلوم ہورہی تھی۔ اسی لیے اس کے متعلق اس طرح باتیں کررہی تھی۔ اپنی ذات سے اس کی اس قدر شکایتیں سن کر وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ اب اپنے اندر ان کے پاس جانے کا حوصلہ وہ نہیں کرپارہی تھی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ......''

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سوچتی نائمہ کی ابھرتی آواز نے ایک بار پھر اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

''میرے اتنے ہنسنے بولنے والے بھائی کے ساتھ آپ نے ایک گونگی لڑکی کو جوڑ دیا۔ نجانے وہ بے چارا کیسے اس کے ساتھ ٹائم گزارتا ہوگا۔'' اس کا افسوس تو لحظہ لحظہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔

کچھ دیر پہلے جن آنسوؤں پر بند باندھ کر اس نے اپنے اندر اتارے تھے' وہی آنسو اس وقت تمام بند توڑتے ہوئے سیلاب کی صورت رخساروں سے لڑھکتے زمین پر گر کر بے مول ہوئے جارہے تھے۔

''اور شہریار کی طرف سے خود کو یہ تسلی دے کر مطمئن کر بھی لوں کہ وہ کام کی مصروفیت کی بناء پر آدھے سے زیادہ وقت گھر سے باہر گزار لیتا ہے...... تو اس کے بعد آپ مجھے اپنا بتائیں......؟ چند دن تک میں نے بھی چلے جانا ہے' پھر آپ اکیلی کیا کریں گی؟'' اس وقت اس کا ہر عضو سماعت بنا ان کے جواب کا منتظر تھا۔

اس کے دل نے ایک بار پھر خواہش کا دامن پکڑنے کی کوشش کی تھی کہ شاید آج بھی وہ اس کی حمایت میں نائمہ کی ہر بات کو رد کردیں گی...... مگر وہ کہہ رہی تھیں۔

''جو بات تم آج کہہ رہی ہو...... وہ بات میں پچھلے چند دنوں سے مسلسل سوچ رہی ہوں' شروع کے ان دنوں میں' میں نے اسی لیے زیادہ غور نہیں کیا کہ نیا گھر ہے نئے لوگ ہیں' اس لیے دلہن کو ہمارے ساتھ گھلنے ملنے میں کچھ وقت کی ضرورت ہے مگر اب پندرہ بیس دن گزر جانے کے باوجود وہ ہم سے بالکل اجنبیوں کے جیسا رویہ روا رکھے ہے' میں خود پریشان ہوں' اگر اسی طرح سب رہا تو اس گوشت کے پتلے کے ساتھ ہم زندگی کیونکر گزاریں گے؟ جو ہمارے ساتھ بھی بیٹھی ہو تو اس قدر خاموش کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے درمیان موجود بھی ہے یا نہیں اور اگر ہم خود سے کچھ بولنے کی کوشش بھی کریں تو ہوں ہاں سے زیادہ وہ بولتی ہی نہیں کہیں جانے کا کہو تو بھی فوراً انکار کردیتی ہے۔ نجانے کس قسم کی آدم بےزار لڑکی متھے لگ گئی ہے۔''

وہ نائمہ سے کہیں زیادہ بھری بیٹھی تھیں...... اس لیے اس سے زیادہ افسوس تو ان کے لفظوں میں بھرا تھا۔ وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

''کم گو ہونا اچھی بات ہے مگر اس قدر بھی نہیں کہ سامنے موجود شخص اکیلا بول کر خود کو پاگل سمجھنے لگے۔''

اس قدر بدگمانیاں...... بے انتہا شکایتیں اور ان کے لفظوں میں چیختا پچھتاوا محسوس کرکے اس کا دل ایسے دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔ مزید کچھ سننے کی سکت اب اس میں باقی ہی نہیں رہی تھی۔ پیچھے پلٹتے قدموں کے ساتھ وہ جانے کو پلٹی تھی جب نائمہ نے ایک بار پھر اس کی سماعتوں پر ضرب لگائی۔

''آدم بےزار سے زیادہ مجھے وہ ابنارمل لگتی ہے امی۔''

آہ......!!

وہ اسے پاگل سمجھ رہی تھی...... مگر وہ پاگل نہیں تھی۔ سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ وہ چلانا چاہتی

تھی......ان کو بتانا چاہتی تھی کہ......

''میں پاگل نہیں ہوں......''

مگر وہ چلا نہیں سکتی تھی...... وہ ان کے لفظوں کی تردید نہیں کرسکتی تھی۔ حد درجہ بے بسی محسوس کرتے ہوئے روتی آنکھوں کے ساتھ بڑبڑاتی ہوئی تیزی سے بھاگتی اپنے کمرے میں آئی تھی...... بیڈ پر بیٹھ کر بازوؤں کو گھٹنوں کے گرد لپیٹے سر جھکائے وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

''مجھے پاگل مت کہو میں پاگل نہیں ہوں......''

''جب تم اپنے گھر کی ہوجاؤ تب جو جی میں آئے وہ کرنا۔''

گزرے کسی پل میں کہی اس کی ماں کی آواز اس کی سماعتوں کے پردوں پر ضرب دیئے اسے ماضی کی جانب گھسیٹ رہی تھی۔ جس نے اسے گونگا بہرہ بننے پر مجبور کردیا تھا۔

☆......☆......☆

''جس طرح اس بال سے تم نے مجھے ہٹ کیا ہے بالکل اسی طرح تمہیں ہٹ کروں گی۔ تم اچھی طرح جانتے ہو بنا بدلہ لیے میں یہاں سے ہلنے والی نہیں' اس لیے شرافت کے ساتھ سامنے آجاؤ۔'' کڑے تیوروں کے ساتھ بال ہاتھ میں لیے بند دروازے کے سامنے کھڑی وہ یاسر کو باہر آنے کی دعوت دے رہی تھی۔

''میں نے جان بوجھ کر آپ کو ہٹ نہیں کیا...... جو آپ بدلہ لینے کو تیار کھڑی ہیں۔ بالکل اچانک ہی آپ سے بال ٹکرا گئی' مگر آپ جو جان بوجھ کر مجھے بال ماریں گی تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔'' بال لگنے سے پہلے ہی وہ تکلیف محسوس کرتا ہوا اسے بدلہ لینے سے باز رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ مگر وہ کہاں باز آنے والی تھی۔ بدلہ لیے بنا تو اس نے ہرگز نہیں ٹلنا تھا۔ اس لیے پہلے سے کہیں زیادہ تیز لہجے میں بولی۔

''ایک بار باہر تو آؤ پھر میں تمہیں بتاتی ہوں انجانے میں بال زور سے ہٹ کرتی ہے یا جان بوجھ کر ماری گئی بال زیادہ زور سے ہٹ کرتی ہے۔'' وہ ہرگز بھی ٹلنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے پھر میں باہر نہیں آرہا' آپ نے کھڑے رہنا ہے تو شوق سے کھڑی رہیے۔'' یاسر بھی ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے! میں کھڑی ہوں دیکھتی ہوں تم کب تک اندر بند رہتے ہو۔'' اونچا بولتے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بند دروازے کے پیچھے کھڑے یاسر کو باہر کھینچ کر اپنا بدلہ پورا کرلے...... بالکل تھانیداروں کے سے اسٹائل میں وہاں کھڑی وہ مسلسل بولے جارہی تھی جب امی نے وہاں آکر اسے ڈانٹا۔

''شیبہ! یہ کیا شور مچایا ہوا ہے تم نے......؟''

''امی! یاسر نے مجھے اتنی زور سے بال سے ہٹ کیا ہے۔'' اس نے اپنا نشان زدہ بازو ان کے سامنے کرتے ہوئے شکایت کی۔

نظم

آج پھر قلم تھامے
سوچ رہی ہوں
کہ......
تیری ذات پر اک
غزل لکھ ڈالوں
یا کہ ایسی نظم لکھ ڈالوں
جو میرے جذبات
تم پر عیاں کردے
جو میری ان کہی باتیں
تم سے بیاں کردے
یا اتنا بھی کہہ دے تم سے
کہ......
تم جو میری ہر بات جان لیتے ہو
اے میرے ہمدم! تم میری جان لیتے ہو
مگر آج بھی میں
اک لفظ نہیں لکھ پائی
آخر میں تھک کر آج بھی
تمہاری آنکھوں میں
ڈوب گئی ہوں......

مدیحہ گل...... فیصل آباد

''ہاں تو کس نے کہا تھا بچوں کی طرح اس کے ساتھ کھیلنے لگو...... اتنی بڑی ہوگئی ہو مگر ہر وقت بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔ نجانے کب عقل آئے گی تمہیں۔'' وہ الٹا اسی کو قصور وار ٹھہرا رہی تھیں۔ جبھی وہ اپنی صفائی میں فوراً بولی۔

''میں کب اس کے ساتھ کھیل رہی تھی امی...... میں تو......'' ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی' انہوں نے اسے درمیان میں ٹوکتے ہوئے مزید جھڑک دیا۔

''بس کرو شیبہ! جتنی بڑی ہوتی جارہی ہو اتنی ہی بدتمیز ہوتی جارہی ہو' ہر بات کا جواب دینے کو تیار رہتی ہو۔ کوئی باہر کا سنے گا تو فوراً زبان دراز کے لقب سے نواز دے گا۔'' انہوں نے مزید کہا۔

''ویسے بھی تم ایک لڑکی ہو اور لڑکیوں کا ہر وقت ٹر ٹر کرنا کسی کو پسند نہیں آتا۔ اس لیے اپنا منہ بند رکھا کرو۔'' مستقل کا ڈراوادیتی وہ ڈھیروں ڈھیر صلواتوں سے نوازتی وہاں سے پلٹ گئی' جبکہ وہ کتنی ہی دیر بھرائی آنکھوں کے ساتھ وہاں کھڑی اپنی غلطی تلاش نے کی کوشش کرتی رہی...... مگر جب کچھ نہ سوجھا تو بال کو وہیں پھینک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ آئی۔

اس کا غصہ تو بس وقتی ہوا کرتا تھا اس لیے اگلے روز وہ سب کچھ بھلائے ایک بار پھر یاسر کے ساتھ بیٹھی لڈو کھیل رہی تھی۔ جب یاسر کو بے ایمانی کرتا دیکھ کر اس نے ایک دم شور مچایا۔

''یاسر! اٹس ناٹ فیئر...... تم مسلسل بے ایمانی کررہے ہو۔''

''کیوں...... کیا بے ایمانی کی میں نے؟'' معصوم سا بنا وہ اپنی گوٹ چلنے میں مصروف تھا۔

''تم یہ گوٹ غلط چل رہے ہو...... تمہارا چھ نہیں بلکہ چار آیا ہے اس لیے تم ایمان داری سے اس کے مطابق اپنی گوٹ چلو اور سانپ کے منہ سے نیچے آجاؤ۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی انگلی کے نیچے دبی گوٹ کو چھیننے کی ناکام کوشش کی تھی مگر یاسر کہاں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا تھا اس لیے گوٹ کے اوپر انگلی کے دباؤ کو مزید بڑھا کر بولا۔

''میرے چھ ہی آیا تھا۔ آپ کو دیکھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس کی غلط بیانی پر شیبہ نے فوراً انگلی اٹھا کر ذرا تیز لہجے میں کہا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو...... میں نے اچھی طرح دیکھا تھا' تمہارے چھ نہیں آیا تھا۔'' اسے اسی طرح باری چلتے دیکھ کر وہ مزید بولی تھی۔

''بے ایمانی کر کے جیتنا کوئی جیتنا نہیں ہوتا' اس لیے تم ایمان داری سے اپنی چال چلو' کیا ہوا جو اس بار ہار جاؤ گے تو ہوسکتا ہے اگلی بار جیت تمہیں مل جائے۔''

''میں کوئی بے ایمانی نہیں کررہا۔'' وہ قطعی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہ تھا۔

''تم بے ایمانی کررہے ہو۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر ٹیڑھی نظر اس کی طرف کی تھی۔

''میں بے ایمانی کررہا ہوں؟'' اس بار یاسر کے تیور بھی بدلے تھے۔

''ہاں' بالکل......'' اس نے شدومد سے سرہلایا۔

''تو پھر ٹھیک ہے...... جب میں بے ایمانی کررہا ہوں تو پھر آپ میرے ساتھ مت کھیلیں۔'' ہاتھ مار کر کھیل کو بے ترتیب کرتا یاسر اس کے سامنے سے اٹھا تو وہ ایک دم چلائی۔

''بے ایمان' بدتمیز...... ہارنے لگے تو کھیل بگاڑ دیا۔'' وہ بھی اٹھ کر تیزی سے اس کے مقابل آئی تھی۔

''تمیز کے ساتھ کھیل مکمل کرو۔'' وہ ہاتھ پکڑ کر اسے پھر سے بٹھانے کو تھی مگر وہ فوراً انکاری ہوا۔

''جی نہیں' مجھے اب آپ کے ساتھ کوئی گیم نہیں کھیلنا ہے۔'' ہاتھ چھڑا کر وہ آگے بڑھا' تو وہ بھی تیزی سے بولتی اس کے پیچھے آئی تھی۔

''یاسر! میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔'' جارحانہ عزائم لیے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ جب ایک دم عارفہ بیگم پیشانی پر بل لیے اس کے سامنے آئیں۔

یاسر بنا پلٹے جاچکا تھا۔ وہ وہاں ان کے سامنے اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔

''یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم نے؟'' غصیلی نگاہوں سے گھورا تھا۔ وہ اپنی جگہ دبک کر رہ گئی۔ پھر بھی ہمت کر کے ہلکی سی آواز میں بولی۔

''امی یاسر گیم میں چیٹنگ کررہا تھا تو......'' وہ آج بھی

اپنی بات مکمل نہیں کرسکی تھی عارفہ بیگم نے درمیان میں اس کی بات اچک لی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی ہوکر بھی تم کیوں ہروقت بچی بنی رہتی ہو۔ بچوں کی طرح کھیلنا کودنا' شور مچانا' کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟" ہمیشہ کی طرح ان کی تان اپنے پسندیدہ جملے 'کسی' تیسرے کے سن لیے جانے پر' آن رکی تھی' گہرا سانس لے کر جھکے سر کو مزید جھکاتے ہوئے اس نے خودکو ان کی مزید جلی کٹی باتیں سننے کے لیے تیار کیا تھا۔

"تمہیں کیا فرق پڑے گا لوگ تو ہمیں کہیں گے کہ ماں باپ نے لڑکی کو تمیز نہ سکھائی' نہ ہی اچھے سے تربیت کرسکے۔ اب لوگوں کو کیا معلوم' ماں باپ تو ہروقت فکر میں گھلے جاتے ہیں' یہاں تو لڑکی ہی کچھ سیکھنے سمجھنے کو تیار نہیں ہے' مجھے تو ڈر ہے آگے جاکر تم نے ہماری ناک کٹوا دینی ہے۔" وہ افسوس بھرے لہجے میں مزید کہہ رہی تھیں۔

"سنبھل جاؤ لڑکی' چھوڑ دو اس بچپنے کو اور بڑی ہو جاؤ اب' کل کو اگلے گھر بھی جانا ہے' وہاں کیا کروگی؟" وہ ضرورت سے زیادہ فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ خوانخواہ شرمندہ ہوتی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ عارفہ بیگم ڈانٹ پھٹکار کر کے جاچکی تھیں...... مگر وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی کہ امی ہر وقت' کسی تیسرے' اور اگلے گھر کی فکر میں مبتلا کیوں رہتی ہیں؟ کیوں آخر وہ اسے اس کی مرضی کی زندگی گزارنے نہیں دیتی؟

اسے وہ وقت یاد آنے لگا جب بڑے ماموں کے بیٹے کی شادی میں سب کزنز کی دیکھا دیکھی اس نے بھی نیو لک کی خاطر پارلر جانے کا ارادہ کیا تھا' پھر جب وہ اجازت لینے امی کے پاس گئی تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح اس کو جھاڑ کر رکھ دیا۔

"شیبہ! کیا تم حواسوں میں ہو؟" انہوں نے بڑے غور سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"جی امی......" وہ ان کا مطلب سمجھی نہیں تھی۔ اس لیے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم نے سوچا بھی کیسے؟" انہوں نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے اس سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہو' مگر دوسری طرف وہ ہنوز اسی طرح لاعلمی کے سے انداز میں ان کو دیکھتی بولی۔

تنہا کردینے والا دکھ

میں نے ہمیشہ ہواؤں کو اپنی روح سے
چھونے کی خواہش کی ہے
پرندوں اور گیتوں سے پیار کیا ہے
پھولوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا ہے
خوب صورت نظموں
اور......
اداس کردینے والے افسانوں کے سنگ راتیں بتائی ہیں
اور......
شعروں کے ہجوم میں رہا ہوں
لیکن اس کے باوجود
میرے اور ان کے درمیان
ہمیشہ کوئی نہ کوئی پردہ حائل رہا ہے
جہاں بھی یہ پردہ ذرا ہٹا ہے
میں نے شدت سے خود کو تنہا
محسوس کیا ہے

آمنہ ولید...... لاہور

"امی! سب کزنز جارہی تھیں تو میں نے بھی......" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ہمیشہ کی طرح وہ درمیان میں بول پڑی تھیں۔

"خود کو دوسروں کے رنگ میں رنگنے کی کوشش مت کرو' وہ جو کرتی ہیں انہیں کرنے دو' تم صرف اپنے پہ دھیان دو' ابھی تم کنواری لڑکی ہو اور کنواری لڑکیاں ہمیشہ سادگی میں اچھی لگتی ہیں۔" اس بار ان کا انداز قدرے دھیما تھا' مگر ہر وقت مستقبل کی فکر میں گھل کر اسے سدھارنے' سمجھانے کی کوششوں کے بعد جس قدر سخت لہجہ ان کا ہوگیا تھا اس کی بدولت وہ چاہ کر بھی اب اس کے ساتھ میٹھا نہیں بول سکتی تھیں۔

اس لمحے اس کا دل چاہا کہ وہ انہیں بتائے کہ زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے' اب سادگی کا زمانہ نہیں رہا۔" مگر وہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہیں بول سکی تھی۔ عارفہ بیگم مزید کہہ رہی تھیں۔

"تم جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہو ضرور کرنا...... مگر یہاں

نہیں، جب اپنے گھر کی ہو جاؤ تب جو جی میں آئے وہ کرنا تمہیں کوئی منع نہیں کرے گا۔''

وہ بری طرح دل مسوس کر رہ گئی تھی۔ ہر وقت کی اس روک ٹوک اور پابندیوں کی بدولت پھر یہ ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ خود میں سمٹنے لگی تھی۔ امی ہمیشہ کہتی تھیں کہ لڑکیوں کو منہ پھاڑ کر نہیں ہنسنا چاہیے، کیونکہ لڑکی کو اس طرح ہنستے سن کر آس پڑوس کے لوگ اس پر پاگل ہونے کا گمان کرنے لگتے ہیں۔ پھر یہ ہوا کہ وہ ہنسنا بھولنے لگی۔

اب نہ تو وہ پہلے کی طرح شور مچاتی تھی نہ یاسر کے ساتھ کوئی گیم کھیلتی تھی۔ اس کی ہر خواہش، شرارت، اس کا بچپنا، اب آہستہ آہستہ اس کے اندر کہیں دم توڑنے لگا تھا، مگر زمانے کے نئے رنگوں کو دیکھ کر وہ بھی کبھی بہک جایا کرتی تھی، جیسے کالج کے آخری سال میں اپنی کلاس کو ٹرپ پر جاتے دیکھ کر وہ بھی ان کے ساتھ جانے کو مچل اٹھی، اس کا جانا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا، مگر اس کے باوجود اس کے دل نے خواہش کی تو وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک بار پھر امی ابو کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''میرا کالج، ہماری کلاس کو ٹرپ پر لے جا رہا ہے، کیا میں اپنی کلاس کے ساتھ ٹرپ پر جا سکتی ہوں؟'' چائے کا کپ ان کے سامنے رکھ کر ایک طرف ہوتے ہوئے اس نے ان میں سے اسپیشلی کسی ایک کو مخاطب کیے بنا ہچکچاتے ہوئے اپنی بات ان کے گوش گزار کی تھی۔

اس کی بات کے اختتام پر بس ایک پل کے لیے ابو نے سنجیدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا تھا دوسرے ہی پل وہ نظر گھمائے دوبارہ سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جب کہ امی کہہ رہی تھیں۔

''ہم نے تمہیں کالج پڑھنے بھیجا تھا' نا کہ کالج کی لڑکیوں کے رنگ ڈھنگ سیکھنے...... تمہاری کلاس ٹرپ پر جا رہی ہے تو جانے دو...... مگر ہم تمہیں ہرگز بھی اس طرح اکیلے سیر و تفریح کے لیے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔'' ذرا سے توقف کے بعد وہ پھر سے کہنے لگی تھیں۔

''اپنا یہ شوق اپنے گھر کی ہو جانے کے بعد پورا کرنا......'' بات کو کھینچ کھانچ کر آخر میں وہ اسی بات پر آ گئی جو وہ ہمیشہ سے کہا کرتی تھیں۔

''اُف......'' ہمیشہ والی بات سن کر لب بھینچتی وہ ان کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اسے جانے کی اجازت نہیں دیں گی...... مگر اس کے باوجود بھی اس نے اجازت لینے کی اپنی سی کوشش کی تھی مگر...... اس بار ان کے انکار نے اسے مایوس ہونے کے ساتھ ساتھ کافی ہرٹ بھی کیا تھا۔ دل کے کسی کونے میں جو کہیں ذرا سی امید باقی تھی وہ ختم ہوئی تو وہ بالکل ہی چپ ہو کر رہ گئی...... ہر چیز سے رغبت ختم ہونے کے بدولت اس نے مزید پڑھائی کا ارادہ بھی ترک کر دیا، ذرا وقت گزرا تو ''اس گھر کے لوگوں'' کی آمد بھی ہو گئی جس کا ذکر کر کے امی ہمیشہ دلاسہ دیا کرتی تھیں۔ امی، ابو دونوں کو ہی ''اس گھر'' کے لوگ پسند آئے تھے، اس لیے انہوں نے باخوشی اس رشتے کو پسندیدگی کی سند سے نوازا اور اسے ''اپنے گھر سے اس گھر'' تک رخصت کر دیا۔ جہاں جا کر اسے اپنی ہر خواہش پوری کرنے کا سبق امی بچپن سے پڑھاتی آئی تھیں۔ مگر اب وقت بہت سا گزر چکا تھا۔

''خواہش کے پودے کو اس وقت پر پانی نہ ملنے کی بدولت، زندگی کا ہر رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ اس لیے اب کوئی خواہش ہی باقی نہ رہی تھی، پھر کیسے وہ کچھ الگ محسوس کرتی؟

اب جب وہ اپنی عادات میں پختہ ہو چکی تھی تو کیسے اس دور کی طرف پلٹتی جہاں دل بچہ بنا ضد، فرمائش اور شرارت پر مائل رہا کرتا تھا۔ وہ اپنی ساس اور نند کو بتانا چاہتی تھی کہ نہ تو وہ آدم بے زار ہے اور نہ ہی پاگل...... مگر سارا مسئلہ تو یہی تھا کہ وہ آگے بڑھ کر انہیں بتائے تو آخر کس طرح......؟

کیونکہ اس گھر سے اس گھر تک کے سفر نے اس کے اعتماد کے ساتھ ساتھ اس کے ہر احساس کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

حرا ...... فیصل آباد

جواب:۔ کوئی امید نہیں ہے۔

صائمہ ...... گوجرانوالہ

جواب:۔ روزانہ رات میں 21 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں اور پانی پر پھونک کر پئیں بھی۔

نگہت پروین ...... سمندر

جواب:۔ روزانہ 11 بار سورۃ المزمل پڑھ کر پانی پہ پھونک کر پورے گھر میں (در و دیوار) پر چھڑکیں اور پئیں 41 روز تک۔

نگینہ زمان ...... پیپلز کالونی

جواب:۔ اللہ رحم کرے۔

آپ فارغ وقت میں 21 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں (انسانی) ختم ہوں۔

تانیہ ...... فیروز والا

جواب: بی بی 41 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر تیل پر دم کر کے جسم پر ملیں اور دعا بھی مانگیں کہ یہ سب بیماریاں ختم ہوں۔

رضیہ بانو ...... کھڑیانوالہ

جواب:۔ علاقے کے لحاظ سے لڑکی پسند کی جاتی ہے کراچی والے پتلی لڑکی اور پنجاب سرحد والے موٹی لڑکی، یہ کوئی بڑا پرابلم نہیں اصل میں صرف صحت ہوتی ہے بس کافی ہے۔

ا:۔ آیت نمبر 74 فجر کے بعد پڑھنا ہے 70 بار۔

۲:۔ رات سوتے وقت 21 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا کریں۔

راحیلہ ...... لاہور

جواب:۔ درود شریف کا ورد رکھیں۔

رات سوتے وقت 21 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر دردوں سے نجات کی دعا مانگیں۔

شمائلہ ...... سمندری

جواب:۔ فیصلے کی قوت پیدا کریں۔

انجم مقبول ...... سیالکوٹ

جو ب:۔(ا) رات سونے سے پہلے بچی خود آیۃ الکرسی 21 بار پڑھ کر رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔

(۲) سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔ 120 دن تک۔

نائلہ ...... فیصل آباد

جواب:۔ بی بی خود اعتمادی کی کمی ہے۔ اپنا آپ منوانا اہم ہے۔ لفٹ مت کرائیں خود ٹھیک ہو جائیں گے۔

سیدہ نازیہ بی بی ...... کراچی

جواب:۔ فجر کی نماز کے بعد 7 بار سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 پڑھ کر رشتہ کی دعا مانگیں 120 روز تک۔

رات سوتے وقت 21 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر بندشیں رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔

محمد عباس ...... اٹک

جواب:۔ رات سونے سے پہلے 101 بار سورۃ القریش پڑھ کر کامیابی کی دعا مانگیں، روزانہ۔

انیلہ عمران ...... حیدر آباد

جواب:۔ سورۃ الفاتحہ آخری پارہ روزانہ ایک تسبیح پڑھ کر دعا مانگیں۔

اقرا اکبر ...... ننکانہ صاحب

جو ب:۔ بی بی اپنے بابا کا علاج کرائیں۔

مصری، بادام، سونف (ہم وزن) مکس کر کے رکھ لیں دن میں 7،5 بار پھانکیں۔

آج کل کس کے پاس موبائل نہیں۔

زوبیہ سلیم ...... فیصل آباد

جواب:۔ ساس کیلئے

اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم ایک تسبیح روزانہ۔

شوہر کیلئے:

سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد 11 بار پڑھ کر دعا مانگیں محبت کے لیے۔

صائمہ پروین ...... بہاولنگر

جواب:۔ روزانہ درود شریف کی ایک تسبیح پڑھیں اور اللہ سے دعا مانگیں۔

طاہرہ بی بی ...... ٹھوکر سکھی

جواب:۔ یہی عمل کرتی رہیں کامیابی ہوگی۔

عطا محمد...... ڈھوک سکھی

جواب:۔ سورۃ الفاتحہ 313 بار پڑھ کر تیل پر دم کر کے مالش کریں۔

محمد عبدالرئوف...... ڈھوک سکھی

جواب:۔ آخری پارہ سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد 7 بار پڑھ کر دعا مانگیں۔

فدا محمد...... ڈھوک سکھی

جواب:۔ سورۃ الفاتحہ کی ایک تسبیح روزانہ پڑھ کر دعا مانگیں کہ جس میں بہتری ہو وہ ہوجائے۔

محمد رزاق...... ڈھوک سکھی

جواب:۔ یہ شخص کام نہیں کرنا چاہتا۔

ح...... چکوال

جواب:۔ بشریٰ رات سونے سے پہلے 21 بار آیۃ الکرسی پڑھ کر رکاوٹیں اور بندشیں ختم ہونے کی دعا مانگیں۔ رشتہ کیلئے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 فجر کی نماز کے بعد 70 بار پڑھیں۔ 120 دن۔

سورۃ الفاتحہ دن میں کسی بھی وقت 21 بار پڑھ کر پانی پہ پھونک مار کر پئیں۔

عائشہ رحمان...... شیخوپورہ

جواب:۔ روزانہ فجر کی نماز کے بعد 21 بار سورۃ الفاتحہ پڑھ کر پانی پہ پھونک مار کر پئیں۔ نیت اللہ مجھے شفا عطا کرے بیماریوں سے نجات ہو 3 ماہ تک۔

رخسانہ کوثر......

جواب:۔ فجر کی نماز کے بعد سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 70 بار پڑھ کر رشتہ کی دعا کریں۔

رات سوتے وقت 41 بار آیۃالکرسی پڑھ کر بندش و رکاوٹ رشتہ کی ختم ہو۔ کم از کم 120 روز تک۔

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

جواب:۔ ہومیو علاج کرائیں۔

بختاور افتخار...... عارف والا

جواب:۔ ہر وقت پڑھتی رہیں، سب بہتر ہوگا۔

طیبہ خاتون...... لاہور

جواب:۔ بہن سے کہیں سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد 7 بار پڑھ کر دعا مانگیں ٹھیک ہوجائے گا۔

http://facebook.com/elajbilquran
www.elajbilquran.com

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند کردیا گیا ہے۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے نومبر ۲۰۱۵ء

نام................ والدہ کا نام................ گھر کا مکمل پتا................

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں................

بیاضِ دل

میمونہ رومان

حافظہ سمیرا...... 113 این بی
یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی
کہ وہ شخص میرے پاس میرے نام کی طرح رہتا

شگفتہ خان...... بھلوال
ہلالِ عید فلک پہ نظر آ تو گیا
وہ جو بچھڑے ہیں وہ کہیں نظر کیوں نہیں آتے

سدرہ اسحاق...... لودھراں
دمکتا رہے تیرے روضے کا منظر
سلامت رہے تیرے روضے کی جالی
ہمیں بھی عطا ہو وہ شوق ابو ذرؓ
ہمیں بھی عطا ہو وہ جذبہ بلالیؓ

اقصیٰ زرگر، سنیاں زرگر...... جوڑہ
پرندہ خشک جھیلوں سے یہی اب کہہ گیا آخر
مجھے مجبور ہجرت پر میرے حالات کرتے ہیں

مشاعل مسکان...... قمر مشانی
محسن جو بات بات پر کہتا تھا مجھ کو جان
آخر مجھے وہ شخص بے جان ہی کر گیا

ثانیہ مسکان...... گوجر خان
خاک اڑتی ہے دربدر مجھ میں
کون پھرتا ہے دربدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
وہ ہے موجود اس قدر مجھ میں

پاکیزہ ایمان...... کہروڑ پکا
نہ جانے وہ کیسا عجیب شخص تھا
ہر بات کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا
میں اس سے اظہار محبت کرتی تھی ایمان
اور وہ مذاق سمجھ کر ٹال دیتا ہے

موناشاہ قریشی...... کبیر والہ
انا پرست، بے عیب شکن
میری ذات مثلِ آبشار ہے
یہی صفتِ نفس کمال ہے مون
میرا حریف میرا پرستار ہے

روشنی وفا...... ماچھیوال
ملو تم روز ہم سے لوگ چاہے کچھ بھی مطلب لیں
یہاں محفوظ تہمت سے نہ یوسف تھے نہ مریم تھی

فرحین آصف عمران...... کراچی
دوسری بار بھی ہوتی تو اسی سے ہوتی
میں بالفرض محبت جو دوبارہ کرتا

شہلا زوبی...... کوٹ نجیب اللہ
ہوتا تو نہیں ایسے مگر ہم نے کیا ہے
اک یادِ مسلسل پہ لگاتار گزارا

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

نجم انجم اعوان...... کراچی
جب گھر کو ہمارے آگ لگی سامان بچا کچھ جلنے سے
سو وہ بھی ان کے ہاتھ لگا جو آگ بجھانے آئے تھے
جو لوگ شریک سازش تھے ہم نام بھی ان کا کیسے لیں
کچھ ان میں دوست پرانے تھے کچھ باعزت ہمسائے تھے

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ، ڈسکہ
اچھی آواز بھی انعام ہے اس خالق کا
جب بھی کانوں میں پڑے دل کو لبھا لیتی ہے
گانے والا جو برا ہو تو حجازی نے بھی
سننے والے کی سماعت پر گراں ہوتی ہے

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات
تجھ کو معلوم بھی کتنے طلب گار ہیں تیری خوشیوں کے ہم
پوچھ ان فرشتوں سے جو روز دیکھتے ہیں دعا میری اور نام تیرا

فیاض الحق مہیانہ...... سلانوالی
محسوس کیا تم کو تو گیلی ہوئی پلکیں
بھیگے ہوئے موسم کی ادا تم تو نہیں ہو
ان اجنبی راہوں میں کوئی بھی نہیں میرا
کس نے یوں مجھے اپنا کہا تم تو نہیں ہو

صبا مومنہ...... بہاولپور
اُف! وہ نرم لبوں کا دھیرے سے کہنا

کوئی دیکھ نہ لے اب مجھے جانے بھی دو
شمع فیاض......بستی بزدار

میں تنہائی کو تنہائی میں تنہا کیسے چھوڑ دوں
تنہائی نے تنہائی میں تنہا میرا ساتھ دیا ہے
سلمیٰ فہیم گل......کراچی

تمہاری نبضیں ہمارے دم سے جواز ڈھونڈیں گی زندگی کا
کہ لکھنے والے نے لکھ دیا ہے مریض تم ہو طبیب ہم ہیں
مہوش گلی......بورے والہ

میرے خوابوں میں وہ آتا کیوں نہیں
میری یادوں سے وہ جاتا کیوں نہیں
سوال کرتی ہوں دل سے بہت لیکن
میرے خوابوں میں وہ آتا کیوں نہیں
ارم کمال......فیصل آباد

نگاہوں میں شوخی لبوں پر تبسم
وہ چوڑی کھنکتی تو جب عید ہوتی
وہ آنچل میں چہرہ چھپا کے جو چلتے
تو شرم و حیا کے سبب عید ہوتی
بختاور افتخار......عارف والا

تیری رسوائی کے ڈر سے لبوں کو سی لیا ورنہ
میں تیرے شہر منافق کی بنیادیں ہلا دیتا
سندس رفیق سندر......عبدالحکیم

تُو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
کیسے رشتے تیری خاطر یونہی توڑ آیا
کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا
کتنی اجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا
پاکیزہ علی......جتوئی

اجلے چمکتے مخمل جیسے لوگ
ہاتھ لگایا تو پتھر نکلے
طاہرہ غزل......جتوئی

لو شام ہوتے ہی حسرتِ امید کے دیے بجھ سے گئے
ویرانیوں سے وابستہ میری اک اور عید گزر گئی
آمنہ ولید......ٹاؤن شپ لاہور

بلند ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دیتے ہیں
عجیب رسم چلی ہے دعا نہ مانگے کوئی
شمائلہ اشرف......بڈھا چک' جڑانوالہ

وہ جو گیت تم نے سنا نہیں' میری عمر بھر کا ریاض تھا
میرے درد کی تھی وہ داستاں' جسے تم ہنسی میں اڑا گئے
عائشہ سعد......اسلام آباد

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر
انا مریم......شادیوال گجرات

جناب کو رہی میرے عیبوں کی جستجو
میں پُرخلوص ان کے ہنر کو تولتا رہا
ثوبیہ بلال شیخ......ظاہر پیر

یہی اک بات اکثر مجھے تجسس میں رکھتی ہے
محبت بھیک ہے شاید بڑی مشکل سے ملتی ہے
عابد محمود......ملکہ ہانس

تمام شب جہاں جلتا ہے اک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پر اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے
سیدہ کنزیٰ زین......منڈی بہاؤالدین

کج اوکھ وی راہواں اوکھیاں سن
کج گل وچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لوک وی ظالم سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی
پروین افضل شاہین......بہاولنگر

ابھی ابھی میری بے خوابیوں نے دیکھی ہے
فضائے شب میں ستاروں کی آخری پرواز
خبر نہیں کہ اندھیرے کے دل کی دھڑکن ہے
یاد آرہی ہے اجالے کے پاؤں کی آواز
روشی وفا......ماچھیوال

ہر بار توڑا ہے اس نے میری امیدوں کو میری وفاؤں کو
ہم بھی یہ سوچ کر بھول جاتے ہیں کہ بھولے سے ہوا ہو شاید

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

منفرد کلیجی بریانی

اشیاء:۔

چاول	ایک کلو
مٹن کلیجی	ایک کلو
پیاز (پسی ہوئی)	تین عدد
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ	دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
قصوری میتھی	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر	پانچ عدد (باریک کٹے ہوئے)
دہی	تین کھانے کے چمچے
لیموں	تین عدد (گول سلائس کاٹ لیں)
ہرا دھنیا	ڈیڑھ گٹھی (کاٹ لیں)
پودینہ	ڈیڑھ گٹھی
ہری مرچیں (ثابت)	پانچ عدد
ثابت گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
دودھ	چھ کھانے کے چمچے
تیل	ایک کپ

ترکیب:۔

پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں کلیجی ڈال کر پانچ منٹ تک فرائی کریں' اب اس میں پسی ہوئی پیاز' لہسن' ادرک پیسٹ' لال مرچ پاؤڈر' دھنیا پاؤڈر' قصوری میتھی' نمک' ٹماٹر اور دہی ڈال کر دس منٹ تک بھونیں۔ اس کے بعد اس میں اتنا پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں کہ کلیجی گل جائے۔ اب اس میں ثابت ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال کر دو منٹ تک دم پر رکھیں۔ چاولوں میں نمک اور ثابت گرم مسالا ڈال کر ابال لیں اور پانی نچوڑ لیں۔ دوسری بڑی پتیلی میں آدھے چاولوں کی تہ لگا کر اس میں پکی ہوئی کلیجی اور لیموں کے سلائس بھی ڈال کر باقی چاولوں کی تہ لگائیں۔ پودینہ اور دودھ میں زردہ رنگ گھول کے چاولوں پر ڈال دیں۔ پندرہ منٹ تک دم پر رکھیں۔ سلاد اور رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

طلعت نظامی......کراچی

پیازی چاپس

اجزاء:

بکرے کی چانپیں	آدھا کلو
تیل	آدھا کپ
گرم مصالحہ (ثابت)	ایک کھانے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ (بھنا اور پسا ہوا)	ڈیڑھ چائے کا چمچ
پیاز	آدھا کلو
آلو	دو سو پچاس گرام
ٹماٹر	دو سو پچاس گرام
ہری مرچ	چار عدد
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

تیل گرم کر کے اس میں ثابت گرم مصالحہ کو بکرے کی چانپوں کے ساتھ ڈال کر پانچ منٹ کے لیے فرائی کر لیں۔ اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پسی لال مرچ، نمک، سفید زیرہ اور ایک چوتھائی کپ پانی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کر لیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی ڈال کر ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ چانپیں تقریباً گل جائیں۔ اب اس میں پیاز، آلو اور ٹماٹر شامل کر کے ہلکی آنچ پر رکھیں، یہاں تک کہ سبزیاں گل جائیں۔ آخر میں ہرا دھنیا اور ہری مرچ چھڑک کر روٹی کے ساتھ سرو کریں۔

قرۃ العین......جہلم

دم کا گوشت

اجزاء:

کچا پپیتا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ

لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
کھوپرا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل (پسی ہوئی)	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
بادام (پسے ہوئے)	چھ عدد
خشخاش	ایک چائے کا چمچ
تل (پسے ہوئے)	ایک چائے کا چمچ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ
دہی	ایک کپ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
پودینے کے پتے	ایک کھانے کا چمچ
ہری پیاز	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

بکرے کے گوشت کو دہی، پپیتا، گرم مصالحہ، پسا دھنیا، پسی لال مرچ، ادرک لہسن کا پیسٹ، ہلدی، نمک، لیموں کا رس، کھوپرا، پسی جائفل، زیرہ، بادام، خشخاش اور تل سے میری نیٹ کریں اور دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب آدھا کپ تیل گرم کر کے اس میں تلی پیاز اور میری نیٹ کیا ہوا گوشت ڈال کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت نرم ہو جائے۔ جب تیل اوپر آ جائے تو اسے کوئلے کا دم دیں۔ پھر اسے پودینے کے پتے، ہرا دھنیا اور ہری پیاز سے گارنش کر کے روٹی کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

کنول جتوئی...... مانسہرہ

کلیجی مصالحہ

اجزاء:

بکرے کی کلیجی	آدھا کلو
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
پیاز (تل کر پیس لیں)	آدھا کپ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	تین عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
دہی	آدھا کپ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
قصوری میتھی	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

پہلے تیل گرم کر کے اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پیاز، پسی لال مرچ، ہلدی، نمک، پسا دھنیا اور ایک چوتھائی کپ پانی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اب اس میں ٹماٹر شامل کر کے اچھی طرح بھون لیں۔ پھر اس میں سفید زیرہ، بکرے کی کلیجی اور دہی ڈال کر ڈھک کر دس منٹ پکائیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور تیل اوپر آ جائے تو اس میں گرم مصالحہ، قصوری میتھی اور ہرا دھنیا شامل کر دیں۔

مریم ارشاد...... ملیر، کراچی

مٹن چاپ تکہ

اجزاء:

بکرے کی چانپ	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
کچا پپیتا	ایک کھانے کا چمچ
تیل	دو سے چار کھانے کے چمچ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
کوئلہ	ایک عدد

ترکیب:۔

سب سے پہلے چانپوں میں تیل، ادرک پیسٹ اور کچا پپیتا لگا کر کچھ گھنٹوں تک میری نیٹ ہونے کے لئے رکھ دیں۔ اس کے بعد اس میں پسی کالی مرچ، گرم مصالحہ، لال مرچ اور نمک شامل کر کے چانپوں کو اچھی طرح مکس کر لیں۔ پھر انہیں ایک نان اسٹک پین میں درمیانی آنچ پر

پکائیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلاتے رہیں۔ پھر ڈھانپ دیں اور تقریباً بیس سے پچیس منٹ تک اسی طرح پکائیں۔ آخر میں پیاز کا ایک ٹکڑا لے کر اس پر کوئلہ رکھیں اور اوپر سے تھوڑا سا تیل ڈال کر پین کو ڈھانپ دیں۔ کچھ ہی منٹ بعد کوئلہ نکال کے چانپوں کو تازی سبزیوں کے ساتھ پیش کریں۔

ماہ جبیں سلیمان......ڈیرہ غازی خان

درباری برین مصالحہ

اجزاء:

بکرے کا مغز	تین عدد
تیل	آدھا کپ
پیاز (کٹی ہوئی)	آدھا کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ڈیڑھ چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دہی	آدھا کپ
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	دو عدد
فریش کریم	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
ہری مرچ (کٹی ہوئی)	چار عدد
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	تین کھانے کے چمچ
ادرک	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

بکرے کے مغز کو دھو کر ان کی رگیں نکال دیں۔ یک پین میں تیل گرم کر کے پیاز فرائی کریں، یہاں تک کہ وہ لائٹ گولڈن ہو جائے۔ اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، ٹماٹر اور دہی شامل کر کے اچھی طرح فرائی کریں، یہاں تک کہ تیل اوپر آ جائے۔ پھر اس میں مغز ڈالیں اور ڈھک کر دس منٹ کے لیے پکا لیں۔ آخر میں فریش کریم، گرم مصالحہ، ہرا دھنیا، ہری مرچ اور ادرک ڈال دیں۔ پھر نان کے ساتھ سرو کریں۔

ردا فاطمہ......چیچہ وطنی

حیدر آبادی مٹن

اجزاء:

بکرے کا گوشت	۷۵۰ گرام
کچا پپیتا	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک کپ
ٹماٹر کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کے چمچ
پیاز (تل کر پیس لیں)	آدھا کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کے چمچ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	دو چائے کے چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
سفید زیرہ (بھون کر پیس لیں)	آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
اورنج کلر	ایک چٹکی
پودینے کے پتے (باریک کاٹ لیں)	آدھا کپ
کڑی پتے	مٹھی بھر
ہری مرچ	چھ عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب:

بکرے کے گوشت کو کچا پپیتا، دہی، ٹماٹر کا پیسٹ، ثابت گرم مصالحہ، پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، ہلدی، سفید زیرہ، گرم مصالحہ، اورنج کلر اور پودینے کے پتے کے ساتھ میری نیٹ کر کے چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب تیل گرم کر کے اس میں ہری مرچ اور کڑی پتے ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں۔ پھر اس میں میری نیٹ کیا ہوا گوشت ڈال کر ڈھکیں اور بیس منٹ کے لیے پکائیں۔ ضرورت ہو تو تھوڑا سا پانی شامل کر دیں۔ آخر میں اسے نان کے ساتھ سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

مٹن اسٹیم

اجزاء:

بکرے کا گوشت	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	دو کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	دو کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ

زیرہ (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
جائفل پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
دہی	ڈیڑھ پاؤ
چاٹ مصالحہ	دو کھانے کے چمچ
تیل	فرائنگ کے لیے

ترکیب:۔

بکرے کے گوشت میں نمک، سرکہ اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ ایک پیالے میں پسی لال مرچ، پسا گرم مصالحہ، پسا زیرہ، جائفل پاؤڈر، دہی اور چاٹ مصالحہ اچھی طرح مکس کریں۔ اس کے بعد گوشت کو فرائی کر لیں۔ پھر دہی والے مصالحے میں کوٹنگ کر کے اسٹیمر میں رکھ دیں۔ گوشت گل جائے تو سرو کریں۔

روبینہ شاہین...... پاک پتن

مٹن شینکس کباب

اجزاء:

میدہ	تین کھانے کے چمچ
تیل	ایک چوتھائی کپ
لہسن کے جوئے	دو سے تین عدد
گاجر (کٹی ہوئی)	ایک عدد
پیاز (کٹا ہوا)	ایک عدد
ٹماٹر کا پیسٹ	دو کھانے کا چمچ
تھائم	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
مکھن	ایک کھانے کا چمچ
مٹر (اُبلے ہوئے)	ایک کپ

ترکیب:۔

پہلے بکرے کے گوشت میں میدہ لگا کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے لہسن کے جوئے شامل کر کے تھوڑا سا پکائیں۔ پھر اس میں بکرے کا گوشت شامل کر کے اتنا بھونیں کہ اچھا سا گولڈن کلر ہو جائے۔ اب اس میں گاجر، پیاز، ٹماٹر کا پیسٹ، تھائم، نمک اور پسی کالی مرچ شامل کر کے ایک سے دو منٹ تک مزید پکائیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر دم پر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ پچیس سے تیس منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر خوب اچھی طرح خشک کر لیں۔ پھر اس میں مٹر اور مکھن شامل کر کے مکس کر لیں اور گرم گرم سرو کریں۔

امبرین فاطمہ...... حسن ابدال

بہاری دم گوشت

اجزاء:

بیف قلے	آدھا کلو
دہی	ایک سو گرام
پپیتا پیسٹ	دو سے تین کھانے کے چمچ
پیاز (تل لیں)	ایک عدد
ادرک لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
مسٹرڈ آئل	چار کھانے کے چمچ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
چنا دال پاؤڈر	چار کھانے کے چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لئے

ترکیب:۔

پیالے میں بیف، دہی، پپیتا پیسٹ، تلی ہوئی پیاز، ادرک لہسن پیسٹ، مسٹرڈ آئل، ہلدی، گرم مصالحہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، پسی ہوئی چنے کی دال، سفید زیرہ اور نمک شامل کر کے ملا لیں۔ اچھی طرح ملا کر پندرہ منٹ کے لئے ایک طرف رکھ دیں۔ بیف کو گل جانے تک اسٹیم کر لیں اور کوئلے کا دھواں دیں۔ تیل گرم کر کے گوشت کو فرائنگ پین میں دو سے تین منٹ کے لئے فرائی کر لیں۔ اب اسے ڈش میں نکال کر لیموں، سلاد کے پتوں اور پیاز کے رنگز کے ساتھ گارنش کر کے سرو کریں۔

جویریہ ضیاء...... کراچی

کشمیری دہی گوشت

اجزاء:

گوشت انڈر کٹ	ایک کلو
تیل	ایک پیالی
پیاز (باریک کاٹ لیں)	تین عدد
دہی	ایک پیالی

لال مرچ (ثابت اور کچلی ہوئی)	آٹھ عدد
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (ثابت)	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ (ثابت)	ایک چائے کا چمچ،
ہری مرچ	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
مکھن آدھا	کھانے کا چمچ

یخنی کے لیے:۔

پیاز (ثابت)	ایک عدد
لہسن (ثابت)	ایک عدد
ادرک	ایک ٹکڑا
دارچینی	ایک ٹکڑا
دھنیا (ثابت)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

یخنی کے لیے ایک دیگچی میں تین پیالی پانی، انڈر کٹ، ثابت پیاز، ثابت لہسن، ادرک، دارچینی، ثابت دھنیا اور نمک ڈال کر ابال لیں۔ پانچ سے دس منٹ کے بعد گوشت الگ کر کے یخنی چھان لیں۔ اب ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز گولڈن براؤن کریں اور نکال کر ٹشو پر پھیلا دیں۔ پھر تیل میں گوشت ڈال دیں۔ اس کے بعد دہی اور پیاز کو ملا کر بلینڈر میں پیس لیں۔ جب گوشت کا پانی خشک ہو جائے تو اس میں دہی ڈال دیں۔ پھر لال مرچ، ادرک لہسن، سفید زیرہ، ثابت دھنیا، ثابت کالی مرچ اور ہری مرچ کو پیس کر شامل کر دیں۔ پھر نمک ڈال کر ہلکا سا بھون لیں اور یخنی ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ جب تیل اوپر آ جائے تو مکھن ڈال کر دس منٹ دم پر رکھیں۔ مزے دار دہی کشمیری گوشت گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

ندا یاسین...... بفرزون، کراچی

مغز کڑاہی

اجزاء:

گائے کا مغز	ایک عدد
تیل	حسب ضرورت
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	۲ عدد
دہی	آدھی پیالی
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
لیموں	دو عدد
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	ایک گٹھی
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	۴ عدد
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	۲ کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ

مغز ابالنے کے لیے

لہسن کے جوئے	چھ عدد
کالی مرچ	چھ عدد

ترکیب:۔

پہلے گائے کے مغز کو پانی کے ساتھ ایک دیگچی میں ڈالیں۔ ساتھ ہی اس میں لہسن کے جوئے اور کالی مرچ ڈال کر ابال لیں۔ پھر نکال کر اس کی رگیں صاف کریں اور جھلی اتار کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ اب کڑاہی میں تیل گرم کر کے پیاز گولڈن براؤن کریں اور آدھی نکال لیں۔ اس کے بعد آدھی پیاز میں دہی، ادرک لہسن کا پیسٹ، گرم مصالحہ، نمک، لال مرچ اور پسا دھنیا ڈال کر اچھی طرح بھونیں اور مغز شامل کر دیں۔ ساتھ میں لیموں کا رس ڈال دیں اور چمچ نہیں چلائیں۔ کڑاہی کو پکڑ کر ہلاتے رہیں، یہاں تک کہ تیل اوپر آ جائے۔ آخر میں اس میں ہرا دھنیا، ہری مرچ اور ادرک ڈال دیں۔ اس کے بعد باقی بچی پیاز ڈال کر سرو کریں۔

اقصیٰ بنت سعید...... لاہور

روبین احمد

خواتین کی سج دھج

عید کی آمد آمد پر خواتین کی تیاریاں اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی ہوتی ہیں۔ ہر کوئی اپنی سج دھج میں باکمال نظر آنا چاہتا ہے خواتین کی سج دھج میں میک اپ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جو ان کے چہرے کو چاند چہرہ بنائے۔

بے رونق چہرہ بھی میک اپ کی صناعی سے دلکش اور دل آویز ہو جاتا ہے۔ عید کا دن جو چمکتے دمکتے چہروں کا دن ہے بھلا وہ میک اپ کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتا ہے آپ کا لباس خوب صورت ہے اور جیولری بھی شان دار لیکن اگر آپ کا چہرہ پھیکا اور بے رونق ہے تو آپ کے لباس اور جیولری کا حسن ماند پڑ جائے گا کیوں کہ لوگوں کی پہلی نظر چہرے پر ہی پڑتی ہے۔ عید کے دن صبح نیا لباس زیب تن کرنے کے بعد چند لمحے آئینے کے سامنے بیٹھیں اور اپنے چہرے کے حسن کو نکھارنے اور اس میں دلکشی پیدا کرنے کے لیے ہلکا پھلکا میک اپ ضرور کریں جو آپ کو اس حسین تہوار کا حسین جز بنا دے گا۔

میک اپ سے پہلے یہ بات یاد رکھیں کہ کلینزنگ' فیشل اور بلیچ ہمیشہ عید سے دو روز پہلے کریں۔

فیس پالشنگ

اشیاء:۔

اسکین شائنر	ایک چائے کا چمچہ
سوتھنگ لوشن	ایک چائے کا چمچہ
بلیچ پاؤڈر مائلڈ	ایک کھانے کا چمچہ
آکسی ڈائزنگ ایمیلشن	دو کھانے کے چمچے
خشک دودھ	نصف چائے کا چمچہ
ٹالکم پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

روغن بادام' روغن تیل یا کوکونٹ آئل دو یا تین قطرے۔

طریقہ:۔

کلینزنگ ملک کو روئی کی مدد سے چہرے پر لگا کر چہرے کی صفائی کریں۔ ملٹی ایکشن کلینزر سے پانچ منٹ تک گیلے ہاتھوں سے چہرے اور گردن پر مساج کریں اور پانچ منٹ کے لیے چھوڑ دیں اور فیشل اسپنج سے صاف کرلیں۔

آمیزہ کسی غیر دھاتی پیالی میں بنائیں اور پلاسٹک کا چمچہ استعمال کرلیں پھر برش کے ساتھ گردن سے شروع کرکے اوپر رخ پر تمام چہرے پر لگائیں یہ آمیزہ پندرہ سے بیس منٹ تک چہرے پر لگا رہنے دیں پھر فیشل اسپنج سے صاف کرلیں دو چائے کے چمچے مڈ ماسک اور تین کھانے کے چمچے عرق گلاب اچھی طرح ملائیں۔ اس آمیزہ کو چہرہ پر لگائیں اور خشک ہونے پر ٹھنڈے پانی سے دھولیں' چہرے کو تھپک کر خشک کریں۔

چکنی جلد کے لیے اسٹرینجنٹ اور نارمل جلد کے لیے اسکن ٹانک کاٹن سے چہرے پر لگائیں آخر میں وٹامن ای کریم انگلیوں کی مدد سے چہرے پر لگائیں۔ فیس پالشنگ مہینے میں ایک دفعہ ضرور کرنی چاہیے۔

پیڈی کیور

اشیاء:۔

بلیچ پاؤڈر' کولڈ کریم' روئی' تولیہ' جھانوا' مینی کیور کٹ' پیڈی کیور اسٹک۔

طریقہ:۔

سب سے پہلے ٹب میں نیم گرم پانی لیں اس میں بلیچ پاؤڈر ڈالیں اور دونوں پاؤں اس میں ڈبوئیں تقریباً دس سے پندرہ منٹ کے لیے۔ اس کے بعد پاؤں جھانوے کی مدد سے صاف کریں' ایڑیاں اچھی طرح رگڑیں۔ ناخنوں کو اسٹک کی مدد سے کاٹیں اور شیپ دیں۔ پاؤں پانی سے نکال کر تولیے سے صاف کریں اور کولڈ کریم سے پورے پاؤں پر مساج کریں۔

آخر میں چاہیں تو بیس کوٹ لگا کر نیل پالش لگالیں اب آپ کے پاؤں صاف ستھرے اور خوب صورت ہوگئے ہوں گے' ہر ہفتے کم از کم یہ عمل ضرور کریں۔

مینی کیور

اشیاء:۔

کولڈ کریم' اسکرب' کاٹن' تولیہ' مینی کیور کٹ' نمک دن ٹی اسپون' پھٹکری' شیمپو شاشے۔

طریقہ:۔

سب سے پہلے ایک پیالے میں نیم گرم پانی میں نمک‘ پھٹکری اور شیمپو ڈالیں۔ اب اس پانی کو ٹب میں ڈال لیں اور دونوں ہاتھوں کو اس میں ڈبوئیں تقریباً دس منٹ تک اسی طرح رکھیں پھر ایک ٹوتھ برش کی مدد سے ناخنوں کو اندر اور باہر سے صاف کریں اس کے بعد ہاتھوں کو پانی سے نکال کر تولیے سے خشک کریں اور مینی کیور کٹ میں موجود اسٹک سے ناخنوں کو صاف کریں۔

اب کولڈ کریم سے انگلیوں کا مساج کریں‘ ہر انگلی پر دس مرتبہ مساج کریں اور مساج کرنے کا رخ اوپر کی جانب ہو۔ انگلی کے جوڑ پر گولائی میں مساج کرنا چاہیے ناخنوں کو بھی اچھی طرح صاف کریں۔

کولڈ کریم کے بعد اسکرب سے مساج کرنا ضروری ہے تاکہ مردہ جلد صاف ہوجائے پھر روئی سے صاف کرلیں۔

لپ پنسلز

لپ پنسلو سے لپ کو شیپ دیں جس کلر کا سوٹ ہو اس کے مطابق لپ پنسل لگائیں‘ ہونٹوں کو شیپ دینے کے لیے اندر کی طرف لپ پنسل یا باہر کی طرف لگائیں۔ موٹے ہونٹ ہو تو لائن اندر کی طرف دیں اگر باریک ہونٹ ہوں تو آؤٹ لائن باہر کی طرف کر کے لگائیں تاکہ ہونٹ خوب صورت نظر آئیں پھر اس کے بعد لپ اسٹک لگائیں۔

فیس شائنر

چہرے کی چمک اور خوب صورتی کے لیے فیس شائنر لگایا جاتا ہے۔ میک اپ کے بعد آخر میں فیس شائنر کا ٹچ دیں۔

نیل پالش

سوٹ کے ساتھ میچنگ نیل پالش لگائیں‘ نیل پالش لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ناخن کے درمیان میں ایک برش لگائیں پھر دونوں سائیڈز پر اس طرح یہ خوب صورتی سے لگے گی اور اسکن پر نہیں ہوگی۔ ناخن کے درمیان میں ایک برش پھر ایک برش دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف لگائیں۔

گلیٹر

گلیٹر ہر رنگ میں دستیاب ہے۔ ہیئر اسٹائل بنانے کے لیے بعد میں جیل کے گلیٹر لگائیں‘ یہ ویسے بھی چھڑکا جاسکتا ہے۔

اسٹک

میک اپ کے لیے اسٹک اپنے کلر کو دیکھتے ہوئے استعمال کریں یا دو یا تین اسٹک ملا کر لگائیں تاکہ اچھا شیڈ آئے اور بیس اچھی بنے‘ بالکل گوری نہ بنے۔

فیس پائوڈر یا پین کیک

گرمیوں میں ہم پین کیک استعمال کریں گے‘ کیونکہ یہ واٹر بیس ہے اور اسپنج کو گیلا کر کے استعمال ہوتا ہے۔ پسینے کے ساتھ بیس نہیں اترنی چاہیے کتنا ہی ٹائم گزر جائے۔

آئی شیڈز

آئی شیڈز ہمیشہ سافٹ لگائیں‘ آئی شیڈز پوری آنکھ پر بھی ہوتے ہیں اور کارنر پر بھی یا آپ فیشن کے مطابق استعمال کریں۔

آئی لائنر

آئی لائنر آنکھ کے اوپر پلکوں کے قریب لگایا جاتا ہے۔ ایک طریقہ بالکل سیدھا ہے دوسرا لمبا‘ پھر موٹا پتلا آنکھ کی شیپ کے مطابق لگایا جائے۔ آج کل کیک لائنر دستیاب ہے اور اس کا رزلٹ بھی اچھا ہے۔ لائنر آنکھ کے نیچے لگائیں اس سے آنکھ خوب صورت نظر آتی ہے۔

مسکارا

پلکوں کو گھنا اور خوب صورت کرنے کی لیے مسکارا لگایا جاتا ہے۔ یہ آج کل مارکیٹ میں ہر کلر میں دستیاب ہے‘ مسکارا ٹو اِن ون لے لیں تو بہت اچھا ہے جس کے ایک سائیڈ پر ٹرانسپیرنٹ مسکارا لگائیں جب یہ خشک ہوجائے تو پھر بلیک لگائیں۔ اس طرح پلکیں گھنی‘ خوب صورت لگیں گی اور مصنوعی پلکیں لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نیرنگ خیال

ایمن وقار

حمد باری تعالیٰ

کروں کیوں نہ حمد و ثناء اس خدا کی
کہ جس نے مجھے ہر خوشی عطا کی
کیا درگزر میری ہر خطا کو
یوں مجھ پر مہربانی کی انتہا کی
میں کرتی رہوں گی تیرا شکر مولا
میری زندگی نے جب تک وفا کی
مجھے ہے بڑی آس بخشش کی اس سے
رحم کرنا صفت ہے اللہ کی

ندامت مسکان جٹ......جنوبی 133

نعت رسول مقبول ﷺ

تاابد ترا اوج کمال رہے گا
ہر پہلو ذات کا بے مثال رہے گا
نہ پاسکے تجھ میں کوئی عیب کبھی
تاحشر اہل باطل کو ملال رہے گا
افلاک کی ہر بلندی کے آگے
سبز گنبد کا جاہ و جلال رہے گا
ہر منظر پس منظر میں بدل جائے گا
پیش منظر تو ترا ہی خیال رہے گا
کھلتے گلاب بہتے جھرنے، پُرنور فضا میں
ہر حسن سے حسین رُخِ جمال رہے گا
جب تک رابعہ وہ دامن نہ بھریں گے
بخشش کا مرے لب پہ سوال رہے گا

رابعہ چوہدری......ڈوگیٹ

گزارش

میری سالگرہ کے موقع پر

بہت معصوم خواہش ہے
یہ چھوٹی سی گزارش ہے
ہمارے اس جنم دن پر
تم ایک کام کر دینا
پرانی یاد کا ایک لمحہ
ہمارے نام کر دینا
ہماری چاہتیں تم
جو اَب بے کار لگتی ہیں
وفا کے شہر میں جا کر
اسے نیلام کر دینا
ہمیں ملنے نہیں آنا
ہمیں بے شک بھلا دینا
نہ کوئی واسطہ رکھنا
نہ کوئی رابطہ رکھنا
نہ ہم کو یاد اب کرنا
نہ وقت برباد اب کرنا
مگر......!
ایک چھوٹی سی گزارش ہے
ہمارے جنم دن پر تم
پرانی یاد کا ایک لمحہ
ہمارے نام کر دینا

نزہت جبین ضیاء......کراچی

بکھرے سے رہنے لگے ہیں

سنا ہے وہ کچھ بکھرے بکھرے سے رہنے لگے ہیں
غم تنہائی میں کھوئے کھوئے سے رہنے لگے ہیں
ہجر و وصال کی خلش کے ان فیصلوں کو یاد کر کے
سنا ہے ان کی پلکوں پر اشک ہی اشک رہنے لگے ہیں
میرے لگائے ہوئے جس پودے سے نفرت تھی ان کو
سنا ہے اب جاں فشانی سے اسی گل کو سینچنے لگے ہیں
ہے خبر اب ان کے آنگن میں پھول نہیں کھلتے
سنا ہے خالی آنکھوں سے کلیوں کو دیکھنے لگے ہیں
اہل وفا تو وفا، جفاؤں کو بھی دکھ نہ دینا کبھی
بے صبر حسن و حیات کو جاو ودانی سمجھنے لگے ہیں

محمد بلال روہیز......کراچی

مقتل بھری زندگی

تم نے دیکھے ہیں وحشی ہواؤں کے گھر
تم نے دیکھی ہے مقتل بھری زندگی
جن میں لوگوں کی لاشیں بھی سڑکوں پر ہیں
ایک مزدور فٹ پاتھ پر پڑا ہے
باپ ماں، بہن بھائی بھی مفلوج ہیں
لاش جس کی اٹھانا بھی جرم ہے
ایک بھائی کمانے گیا تھا کہیں
جس کے کپڑوں کا رنگ بھی سفید سا تھا
اب تو کپڑوں کا رنگ بھی بدل سا گیا
سرخ کپڑوں میں لپٹی ہوئی لاش ہے
بھائی، بہنوں سے کیسے جدا ہو گئے
یہ کمانے گئے تھے کہاں کھو گئے
موت کی وادیوں میں مگر سو گئے

فریدہ فری...... لاہور

اے دوست!

اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب سمندر شور مچاتا ہے
جب ہر سو اندھیرا چھا جاتا ہے
جب کسی کی آنکھ میں آنسو آ جاتا ہے
جب کوئی حالات کے ہاتھوں مارا جاتا ہے
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے
جب انسان نیکی کرنے سے گھبراتا ہے
جب سوالی خالی ہاتھ چلا جاتا ہے
جب قلم سچ لکھنے سے تھرتھراتا ہے
جب کوئی بغیر جرم کے سزا پاتا ہے
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب انصاف حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے
جب دشمنی میں کوئی حد سے بڑھ جاتا ہے
جب حب الوطنی کا فقدان نظر آتا ہے
جب ہر کوئی پریشان نظر آتا ہے
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
جب جذبہ تعمیر ختم ہو جاتا ہے
جب کوئی اپنا ہی پرایا بن جاتا ہے
جب ہر طرف دوغلا پن نظر آتا ہے
جب کوئی محنت کی عظمت کا سبق بھول جاتا ہے
اے دوست! تمہیں کیا بتائیں کیا ہو جاتا ہے
دل تڑپ سا جاتا ہے
سانسیں رک سی جاتی ہیں
آنکھیں نم ہو جاتی ہیں

رانی کوثر رانی...... ہری پور ہزارہ

مجھ کو تم یاد آتے ہو

جب چھاجوں مینہ برستا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب قطرہ بارش کا مجھ سے ٹکراتا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب کوئی تھام کر ہاتھ کسی کا چلتا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب کوئی پیار بھرا مسکراتا ہے
مجھ کو تم یاد آتے ہو
دیکھ کر جب بھنورے کو پھول شرمائے تو
مجھ کو تم یاد آتے ہو
جب ہوا مجھ سے کر گزرے کوئی سرگوشی
مجھ کو تم یاد آتے ہو
ہنستے ہنستے جب ہو جائیں آنکھیں گیلی
مجھ کو تم یاد آتے ہو
میری وحشتوں کو بڑھاتی ہے تنہائی
جب مجھ کو تم یاد آتے ہو
اور پھر پہروں رلاتے ہو
مجھ کو تم یاد آتے ہو

رابعہ افضال خان...... کراچی

کبھی عشق ہو تو پتا چلے

بساط جاں پر عذاب اترتے ہیں کس طرح سے

شب و روز دل پر عتاب اترتے ہیں کس طرح سے
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو لوگ ہیں چھپے ہوئے ہیں پسِ دوستاں
تو یہ کون ہیں؟
یہ جو روگ پس چھپے ہوئے پسِ جسم و جاں
تو یہ کس لیے؟
یہ جو ہونٹ ہیں صفِ دوستاں میں سلے ہوں گے
تو یہ کس لیے؟
یہ جو دل میں درد چھڑا ہوا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا؟ انہیں کیا خبر؟
کسی راہ میں انہیں ذرا کبھی عشق ہو تو پتا چلے

مشا علی مسکان...... قمر مشانی

چاند کی کرنیں

اے چاند کی کرنوں جاؤ نا
تم اس کو چھو کر آؤ نا
وہ کب کب کیا کیا کرتا ہے
وہ جاگتا ہے یا سوتا ہے
وہ کس سے باتیں کرتا ہے
وہ شام کو کیسا لگتا ہے
وہ رات کو کیسا لگتا ہے
جب سوئے کیسا دکھتا ہے
جب جاگے کیسا دکھتا ہے
تم چپکے چپکے جاؤ نا......!
تم اس کو چھو کر آؤ نا......!
ہم اس کے بنا ادھورے ہیں اب جینا مشکل لگتا ہے
تم کان میں اس کے کہہ دینا کوئی یاد بہت اسے کرتا ہے
اے چاند کی کرنوں جاؤ نا......!

شاہی رحمان...... بھر کنڈ مانسہرہ

تلاش کرتی ہوں

میں اکثر تلاش کرتی ہوں
کبھی بھیڑ میں راہ چلتے
کبھی نئے چہروں میں
لیکن تم......
نہیں ملتے
اب میری بے بسی
تو دیکھو تمہیں
یاد کرنے سے......
آنسو بھی نہیں آتے

وثیقہ زمرہ...... سمندری

ماخذ

یہ عید
تمام عیدوں
کی ماخذ ہے
کیونکہ تم
جو آئے ہو
اس بار......!

رخ کومل...... شہزادی

آس

اسے کہنا......
گلے انہی سے ہوتے ہیں
جو دل کے پاس ہوتے ہیں
شکایت انہی سے ہوتی ہے
جو بے حد خاص ہوتے ہیں
میرا تم سے گلہ کرنا
تمہیں یونہی رلا دینا
خفا کرنا منا لینا
محبت کی علامت ہے
یہ الفت کی علامت ہے
محبت میں کبھی ہرگز
اسے دل پر نہیں لینا
اسے کہنا محبت کی توقع انہی سے ہوتی ہے
کہ جن سے آس ہوتی ہے

کنول چوہدری......شادیوال گجرات

غزل

دل ہے اک نادان بچہ، عشق اک گھاگ شکاری
پھنس کے اس کے جال میں میں تُو، تن من اپنا ہاری
بری بلا ہے یارو سمجھو دور رہو تم اس سے
عشق کرے جو آدم زاد سے کہلائے آواری
آج تو ہاتھ بڑھاؤ گے تم ہنس کر اس کی جانب
سہہ نہ پاؤ پڑیں جو دل پر ضربیں اس کی کاری
دیکھو! دعا سے عبرت پکڑو ہاتھ نہ اس کے آنا
دل کو گر یہ روگ لگا دے سانس سے ہو بے زاری

دعائے سحر......فیصل آباد

نظم

تُو مجھے اذن دے، میں تیرے حسن پر
شعر کہنے لگوں
ترے اوصاف کو ترے کردار کو
خوب صورت فسانوں میں بھرنے لگوں
بھولے سے ایک شب میری چوکھٹ پہ آ
میں ستاروں کو تجھ پر نچھاور کروں
قاف انجان کے اے حسین شاہ زادے
ادھر سے گزر
ارض دل پر اتر، شہر جاں میں ٹھہر
تو میں پھولوں کی مانند مہکنے لگوں
تُو نظر تو اٹھا، تُو قدم تو بڑھا
صورتِ منزلاں، منظروں میں رہوں
وقت کی دھوپ میں جب پگھلنے لگوں
اوڑھ کر ابر تجھ پر برسنے لگوں
اے میرے بے خبر تُو اجازت تو دے
شاہ بن کر میں تجھ پر حکومت کروں

انا احب......گجرات

نظم

آج لکھنے جو بیٹھی تو
بہت حیرت ہوئی مجھ کو
آج لفظ کچھ روٹھے سے لگے
سب جذبے جھوٹے سے لگے
کبھی یادوں کے چہرے
دھندلے سے لگے
تم بھی تو اکتائے سے لگے
ہاں یہی وجہ ہے شاید
کہ تیری مسکراہٹ پر
تو لکھتی ہوں کبھی نظمیں
کبھی غزلیں
اب تیری اس اکتاہٹ پر
میں لکھوں کیا بھلا جاناں؟
اپنی بے بسی پر
مجھے دل سے تھی مسکائی
بہت کوشش کے باوجود
میں کچھ بھی لکھ نہیں پائی

مالا بھٹی رانا......

اے چاند

اے چاند......
ہزاروں لوگوں کے پیغام ہوتا ہے تو
ہزاروں دلوں کی دھڑکن ملاتا ہے تو
ایک میری بھی گزارش ہے
سن لو تو عنایت ہے
ایک پیغام دینا ماروی کا
کہنا کے لوٹ آؤ
عید آنے والی ہے
کوئی اس طرح کرتا ہے
پیار میں یوں خوار کرتا ہے
کہنا کے لوٹ آؤ التجا ہے
کہ تجھے دیکھے بنا......
آج بھی کوئی عید نہیں کرتا

ماروی یاسمین......سرگودھا

غزل

ہم ضبط کی کوشش میں بے حال ہوگئے
جذبات ہیں کہ پھر بھی پامال ہوگئے
ہم خاموشی کی پناہوں میں بیٹھے رہے
الفاظ ہماری تلاش میں نڈھال ہوگئے
موسم سرد کیا ہوئے لہجے برف ہوگئے
ہمارے ساتھی بھی زمانے کی چال ہوگئے
یہ نظارہ بھی چشم قدرت نے دیکھا ہے
میرے دشمن میری ڈھال ہوگئے
وہ بھی بنے بیٹھے ہیں میری قبر کے مجاور
میری بربادیوں میں حصہ دار بنے جنہیں کئی سال ہوگئے
دوستوں کے سنگ ہنسنا روٹھنا اور منانا
کیا دن تھے کشش خواب و خیال ہوگئے

سیدہ کنزیٰ زین...... منڈی بہاؤالدین

محبت تو محبت ہے

محبت تو محبت ہے
ہماری اس محبت کو
غلط فہمی سمجھو تو تم
نہیں کچھ فرق دونوں میں
محبت تو محبت ہے
تمہاری ہو یا میری ہو
مجھے تو ہر حوالے سے
بہت آرام ملتا ہے
کہ جیسے باغ میں دل کے
نیا اک پھول کھلتا ہے

شہربیا...... مغلیانوالی

امید

وہ صبح کبھی تو آئے گی
ان خیالی صدیوں کے سر سے
جب رات کا آنچل ڈھلے گا
جب دکھ کے بادل پگھلیں گے
جب سکھ کا ساگر چھلکے گا
جب امبر جھومے ناچے گا
جب دھرتی نغمے گائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
جس صبح کی خاطر ہم جگ جگ کے
مر مر کے جیتے ہیں
جس صبح کی عمارت کی دھن میں
ہم زہر کے پیالے پیتے ہیں
ان بھوکی پیاسی راہوں پر
ایک دن تو کرم فرمائیں گے
وہ صبح کبھی تو آئے گی
مانا کے ابھی تیرے میرے ارمانوں کی قیمت کچھ نہیں
مٹی کا بھی ہے کچھ مول مگر
مگر انسانوں کی قیمت کچھ بھی نہیں
انسانوں کی عزت جب جھوٹے
شکن میں نا تولی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
دولت کے لیے جب عورت کی
عظمت کو بیچا نا جائے گا
چاہت کو نا کچلا جائے گا
غیرت کو نا بیچا جائے گا
وہ صبح کبھی تو آئے گی
اپنے کالے کرتوتوں پر جب دنیا شرمائے گی
بانٹیں گی تو دن آخر بھوکے بھکاری کی
ٹوٹیں گے کبھی تو بت آخر دولت کی جھگڑا داری کے
وہ صبح کبھی تو آئے گی
جب ایک انوکھی دنیا کی بنیاد اٹھے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

نگینہ قیصرانی...... کوٹ قیصرانی

غزل

درد لے لے کبھی اور سنبھالے مجھے
میری ماں سے کہوں کہیں چھپالے مجھے
کہانی سنائے وہ پریوں کے جیسی

آج پھر سے وہ گڑیا بنالے مجھے
وقت بے درد ہے بے رحم ہے
جبھی گزری ساعتوں میں ڈھالے مجھے
ڈرتی ہوں چاندنی راتوں سے اکثر
بھاتے نہیں دن کے اجالے مجھے
یہ زمین بھی بہت سمٹنے لگی ہے
اے خدا! اب تو اٹھالے مجھے
چندا پھر سے ہو گھر گھروندے کا کھیل
پھر سے میری ماں بلالے

چندا چوہدری......

اک راز

چہار سو ہیں نفرتیں تلاش ہے پیار کی
جسے خزاں نہ آسکے تلاش اس بہار کی
ڈھونڈ لو تو جان جاؤ گے ابدیت کا راز کیا
سمجھ لے تو پاؤ گے وجہ انتشار کی
میں بلبلِ نالہ ہوں اس چمنِ حیات کا
جو ہو سکے تو صاف کر گردِ دلِ غبار کی
ترقیاں بھی پاؤ گے منزلیں بھی آئیں گی
پیروی کرو جو کسی شخص بردبار کی
منہ چھوٹا اور بات بڑی لیکن یہ سچ ہے
ہم چل رہے ہیں اے کوثر نوک پر تلوار کی

کوثر خالد...... جڑانوالہ

غزل

سزا پر چھوڑ دیا کچھ جزا پر چھوڑ دیا
ہر ایک کام کو میں نے خدا پر چھوڑ دیا
وہ مجھ کو یاد رکھے گا یا بھلا دے گا
اسی کا کام تھا اس کی رضا پر چھوڑ دیا
اب اس کی مرضی بجھادے یا جلا رکھے
چراغ ہم نے جلا کر ہوا پر چھوڑ دیا
اب اس سے بات بھی کرتے تو کس طرح کرتے
یہ مسئلہ انا کا تھا انا پر چھوڑ دیا

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ مانسہرہ

جیون ادھورا ہے

سنو......
جاناں......
ساتھی......
دوست......
تم نے کیا کہا تھا کچھ یاد ہے تمہیں؟
میرا ہاتھ تھام کر ایک وعدہ کیا تھا
سارا جیون ساتھ نبھانے کا
ایک دوجے کو تھام کر لمبے سفر پر جانے کا
زندگی کی آخری سانس تک ساتھ نبھانے کا
مگر یہ کیا......؟
تم وعدہ وفا نہ کر سکے
تم نے مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا
بالکل اکیلا...... تنہا...... بے بس
میں اب تمہارے بنا بالکل اکیلی ہوں
میرا جیون ادھورا ہے

مسز نگہت غفار...... کراچی

آنچل کے لیے دل کے نعرے

واہ کیا بات ہے آنچل کی
آنچل دلوں کا نیٹ ورک
آنچل سب کہہ دو
آنچل ٹاک شاک
آنچل کیونکہ یہ اپنا ہے
آنچل ہر دل ہر دن
آنچل دل مانگے اور
آنچل دنیا ہے دل والوں کی
آنچل نہ لیا تو پھر کیا جیا
آنچل من کی پیاس بجھائے
آنچل تم ہی تو ہو
آنچل فریش زبان پر رکھے لگام
آنچل ہر لمحہ زندگی
آنچل جیو جی بھر کے

مہر مہارشد بٹ...... گوجرانوالہ

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

ایس انمول بھا بھڑہ شریف کے نام

السلام علیکم! پیاری دوست کیسی ہیں آپ؟ آپ کا تعارف پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اللہ پاک آپ کی دلی مراد پوری کرے اور آپ کو ہر دکھ سے دور رکھے' آمین۔ بہنا میری بھی بہت حسرت ہے کہ اللہ پاک کے گھر کی زیارت کروں' ان شاء اللہ اپنے امی ابو کے ساتھ ضرور جاؤں گی اور آپ کو بھی اللہ پاک اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائے' آمین۔ پیاری بہنا آپ بہت لکی ہیں کہ آپ کی اتنی بہنیں ہیں' کاش میری بھی دو تین بہنیں ہوتیں۔ میری ایک بہنا ہے وہ بھی مجھ سے چھوٹی ہے۔ اللہ آپ کے گھر کی خوشیوں کو ہمیشہ سلامت رکھے' آمین اور آپ کی منگنی بھی ہو چکی ہے آپ کو بہت بہت مبارک ہو' کب کر رہی ہیں شادی؟ میرا دل چاہتا ہے میں آپ کو دیکھوں' آپ سے ملوں کیونکہ میری زیادہ دوستیں نہیں ہیں۔ پہلی دوست آپ ہی ہیں' اللہ پاک آپ کو لمبی عمر دے اور خوشیوں سے آپ کا دامن بھرا رہے اور ہر موڑ پر ہر امتحان میں اللہ آپ کو کامیاب کرے' آمین۔ اب اجازت' اپنا خیال رکھیے گا' اللہ حافظ۔

شمع فیاض...... بستی بزدار

دل میں بسنے والوں کے نام

السلام علیکم! میری سویٹ اینڈ کیوٹ فرینڈز کیسی ہو سب؟ بہت اچھی' بہت فٹ فاٹ ہوں گی آپ' ہیں ناں۔ اب آپ کہیں گی اسے کیسے پتا تو جناب ہم جیسے لوگ جن کے ساتھ ہوں وہ اچھے نہ ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فسوفشاں' مہک' انعم' سادیہ کبھی ملنے ہی آ جاؤ' بہت دل اداس ہے آپ سے۔ انعم پڑھا کو' کیسی جا رہی تمہاری اسٹڈی؟ اور ہاں اب میرا احترام کیا کرو آخر کو ہم نے استانی صاحبہ کا درجہ حاصل کر لیا ہے' ہاہاہا۔ سلمٰی الطاف تم میری ہر بات پر یقین کرتی ہو شکریہ' کبھی آؤ نا ہمارے گھر۔ سلمٰی شاہ کہاں غائب ہو؟ آپ سب کے لیے بہت سی دعائیں' آپ کی لاڈلی۔

اسماء نور عشا...... بھوج پور

بہن بھائیوں کے نام

ہیلو جی! السلام علیکم کیا حال ہیں سب کے؟ بہت خوشی ہوئی آپ سب کے نمبرز دیکھ کر کیونکہ مجھے امید تھی کہ آپ پرویز سائنس اکیڈمی کا نام ضرور روشن کرو گے۔ مقدس میڈیم اتنے زیادہ مارکس ماشاء اللہ' مبارک ہو اور سلمان بھائی' ثناء حلیم' کشف' سعدیہ' ندا' مہرین' بلال بھائی' بختاور' غزل' نعمان بھائی' ندیم بھائی' علی نعمان بھائی' علی زوار بھائی' جانیتا' ردا' اُجالا' ولید گوندل بھائی' ارے اور نام یاد نہیں آ رہے۔ سب کو میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو اور 10th میں بھی اچھے نمبرز لینے ہیں سب نے۔ 9th کا رزلٹ قابل رشک ہے میرے لیے خیر اور اچھی محنت کرنی ہے سب نے تاکہ آپ لوگ زندگی کے ہر امتحان میں ایسے ہی کامیاب ہو' مبارک ہو' میرے بہن بھائیوں۔

ریا احمد...... چکوال

آنچل گرلز کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں جی سب؟ آنسہ شبیر بہت عرصے بعد آپ کا نام دیکھ کر اچھا لگا۔ ریا احمد اور صبیحہ کمال آپ دونوں نے 9th میں کتنے نمبر لیے؟ دعا کہ خیز ہستی (بیہ رائے) آپ نے انٹر میں کتنے مارکس لیے ہیں اور کیا حال چال ہیں؟ دعائے سحر آپ نے اس ماہ کس خوشی میں سب سلسلوں سے چھٹی کی اور آپ کیسی ہیں؟ باقی سب بچیوں' باجیوں اور آنٹیوں کو سلام اور دعائیں' اللہ حافظ۔

فاطمہ بھٹی...... وہاڑی

اٹالین پرنس ایمان علی کے نام

السلام وعلیکم مائی کیوٹ اینڈ سویٹ فرینڈ کیسے ہو؟ یقیناً بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ یکم اکتوبر کو آپ کا برتھ ڈے ہے' وشنگ یو آ ویری ویری ہیپی برتھ ڈے اینڈ مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دا ڈے۔ یہاں پر آپ کے ا۔ٹائل میں بھی کہہ دیتی ہوں (ڈھیروں ڈھیر مبارکاں) ہوگیا نا سرپرائز! ہمیشہ خوش رہو' سدا مسکراتے بلکہ قہقہے لگاتے رہو۔ اپنا بہت خیال رکھا

کریں اور ہاں ریسرچ لیبارٹری میں رہ رہ کر مائیکرو اسکوپ جیسے مت ہو جانا' لیبارٹری کے ٹھنڈے اور اندھیارے ماحول سے باہر نکلو اور باہر کی دنیا کی بھی کچھ ہوا لو' اسپیشلی پاکستان کی' آپ کو یقیناً میرا انٹری بہت پسند آئے گا (میری شادی پر ضرور آنا' او کے)۔ اچھا اب چلتی ہوں' اللہ حافظ۔

ماریہ پارس خان...... فیصل آباد

سویٹ برادر بلال اجمل کے نام

سب سے پہلے تو بہت بہت عید مبارک قبول ہو' اس کے بعد سالگرہ مبارک ہو اللہ آپ کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی دے' آمین۔ ہم سب آج کے دن بہت ایموشنل ہیں' عید بھی ہے اور ہمارے بھائی کا برتھ ڈے بھی ہے' کتنا مزا آتا تھا جب ہم سب بہنیں آپ کو بارہ بجے وش کرتے تھے سرپرائز پارٹی دیتے تھے ماما' پاپا' بار بار ایموشنل ہو کر کہہ رہے ہیں۔ ہمارا بیٹا وہاں اکیلا ہوگا آج کے دن اور ہمیں یاد کر رہا ہوگا اور آپ کی بہنیں بھی ساتھ ہی ماما پاپا کے رورو کے ہاں میں ہاں ملا رہی ہیں۔ صرف ایک میں ہی ہوں جو سب کو کہہ رہی ہوں' اوئے سارے چپ کر جاؤ رولا نہ پاؤ۔ بلال اجمل ''او تھے موجاں وچ اے'' اور میرے بھائی کو کسی کی یاد نہیں آتی بس میری آتی ہے' اوئے اب کچھ بولنا ھیں میری عزت رکھ لینا۔ خیر آپ کتنے بھوکے ہو ہر برتھ ڈے پر ہم کیک لاتے ہیں تو کاٹتے ہو اس بار خود کیک لا کر کاٹنا اسکائپ پر ہمارے سامنے کاٹنا پاکستان میں آپ کے حصے کا میں کاٹ لوں گی۔ تم جانتے ہو ہم اتنے ایموشنل ہوتے ہیں' آپ کو یاد کر کے اور کچھ کھانے کو دل نہیں کرتا اور معظمہ' عثمان علی سارا کیک کھا جاتے ہیں' اگین آل فیملی کی طرف سے ڈھیروں پیار قبول ہو' آپ کی سب سے سویٹ سسٹر!

عظمیٰ بٹ...... سمندری

فرینڈ طیبہ منیر (مغل) کے نام

السلام علیکم! کیا حال چال ہے میری نٹ کھٹ سی گولڈن سیب؟ چل اب بس بھی کرو حیران ہونا چھوڑ دو ہاں یہ میں ہی ہوں تمہاری سویٹی اور سناؤ کیسے گزر رہے ہیں شب و روز ہم سب فرینڈز کے بغیر؟ اور یقیناً اچھے ہی گزر رہے ہوں گے کیونکہ اگر تم کسی کو یاد کرو تو تمہیں پتا چلے کہ دوستوں کے بغیر جینا کتنا مشکل ہے۔ طیبہ سچ میں کالج میں گزرے ہوئے وہ پل بہت یاد آتے ہیں جو ہم سب نے ایک ساتھ گزارے تھے اور اسپیشلی گروپ فرینڈز میں بات کرتے ہوئے جو تم بیچ میں اپنی فلسفی چھوڑ دیتی تھی بہت یاد آتے ہیں تمہارے فلسفے۔ اب تو فکر مستقبل نے فاصلے بڑھا دیئے ورنہ ہم سب دوست ایک ساتھ تھیں' ابھی کل کی بات ہے۔ جلدی سے آنچل میں انٹری دو' اب تو بس مجھے تمہارا انتظار ہے کہ کب یہ کمال ہونا ہے۔ شگفتہ' ثناء افضل' ارم' رباب' ثناء نواز' بھلے ہی میرا تم لوگوں سے رابطہ نہیں ہے مگر میں آج بھی اتنا ہی یاد کرتی ہوں جتنا پہلے یاد کیا کرتی تھی۔ ثناء نواز اکتوبر میں تمہاری برتھ ڈے ہے سو میری طرف سے مینی مینی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ خوش رہو ہمیشہ مجھ سے جدا ہونے کے بعد بھی آمین۔

روشی وفا...... ماچھیوال

سویٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! او جی پہلی بار ہم حاضر ہوئے ہیں تھوڑی سی جگہ ہمیں بھی دے دیں' بہت شکریہ جی۔ دیکھی ہماری دھماکہ خیز آمد' ہوگئیں نا سب حیران۔ میری جان سے پیاری فرینڈز شبانہ یونس' اقصیٰ' مشی' روبینہ' کوثر اور روبینہ رحمٰن' سحرش رحمٰن آپ لوگوں کے بارے میں لکھنے بیٹھوں تو شاید لفظ ختم ہو جائیں زندگی تمام ہو جائے آئی لو یو تسی سب گریٹ او جی۔ آپ سب سے گزارش ہے کہ کبھی کسی کا دل نہ دکھانا اور روبینہ رحمٰن یو سو سویٹ! تم ایک حسین بندھن میں بندھنے جا رہی ہو' مبارک ہو جی۔ میری دعا ہے کہ تمہیں بہت سی خوشیاں ملیں' اللہ تمہاری ہر خواہش کو پورا کرے' آمین اور فرح طاہر آپ مجھے اپنی سی لگتی ہیں یو سو نائس جہاں رہیں خوش رہیں اور بستی ملوک میں آنچل پڑھنے والی لڑکیوں کو عید مبارک' دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

ثوبیہ سحر حسین...... بستی ملوک

سویٹ ٹیچر کے نام

السلام علیکم جی! امید کرتی ہوں آپ خیریت سے

ہوں گے میں جو آپ کو روبرو کہنا چاہتی ہوں وہ کہہ نہیں سکتی اس لیے میں نے سوچا آنچل کے ذریعہ ہی کہہ لوں۔ خوش رہا کریں، ٹینشن مت لیا کریں۔ ہر چیز کا حل پریشانی نہیں ہوتا ویسے بھی زندگی تو ایک ایسے پودے کا نام ہے جس میں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور پھول بھی۔ کانٹوں کے پاس سے گزرنے پر خود آپ سے چمٹ جاتے ہیں مگر پھولوں کو خود حاصل کرنا پڑتا ہے اس لیے میری گزارش ہے آپ سے خوش رہا کریں ارے ہاں یاد آیا، آپ نے مجھے پہچان لیا۔ کیا نہیں، تو کوئی بات نہیں جب آپ پورا پڑھ لیں گی تو پہچان لیں گی، اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

ایس کے......

چندا آپی کے نام

السلام علیکم! ثانیہ آپی کیسی ہیں آپ؟ آنٹی کو ڈھیر سارا سلام۔ آپی جی آپ اپنی خاموشی اب توڑ ہی دیں، آنچل میں انٹری دے کر، سچ میں، میں انتظار کررہی ہوں کہ آپ کب آنچل میں لکھ کر مجھے سرپرائز دیتی ہیں پلیز...... آپی میں فلاں فلاں کے بچے سے بہت زیادہ ناراض ہوں، آپ ان کے کان ضرور کھینچیے گا اگر انہوں نے ناراضگی کی وجہ پوچھی تو بتا دیجیے گا کہ اپنے الفاظ پر غور کریں جو مجھ سے کہے تھے ہماری ناراضگی اب پکی۔ میں سچ میں بہت دکھی ہوں ان کی بات سے، قسم سے۔ مس یو اینڈ لو یو چندا آپی، رب راکھا۔

وجیہہ بادل...... کھوٹہ

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! دوستو آنسہ، حمیرا، سونیا، حفصہ اور ثانیہ سب کیسی ہو؟ زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں ہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں تم لوگوں جتنی وفادار نہیں ہوں۔ میری پیاری وفادار (نہیں) مخلص (جھوٹ) اور ہر پل (دغا) دعا دینے والی دوستو خوب وفاداری نبھائی ہے جو اتنی جلدی بھول گئی ہو۔ ثانیہ تم نے تو وفاداری کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں، کیا ہر کسی سے رابطہ کرنے کا ٹھیکہ لیا ہے میں نے، جلدی جلدی خود کال کرو مجھے۔ میری پیاری دوستو تم سب اچھی ہو، عصمت یار تم بھی بہت اچھی ہو مگر مجھ سے کم۔ سمیرا جی آپ سنائیں مزاج بخیر ہیں آپ کے، آپ نے دوستی کی آفر کی تھی میں آپ کی آفر قبول کرتی ہوں وہ بھی آنچل کے ذریعے۔ آج سے ہمارے عاشقوں میں ایک نام شامل ہوگیا ہے۔ میری باتیں سن کر آپ نے دوستی کی پیش کش کی ہے، میں آپ کو دعوت دیتی ہوں کہ آپ ہمارے گھر آئیں میرے درشن کریں اور اپنے درشن کرائیں۔ مریم اینڈ ثانیہ کیا ہورہا ہے آج کل یقیناً اچھا ہی ہورہا ہوگا۔ چلو جو کچھ بھی ہورہا ہے ساتھ ساتھ مجھے بھی یاد رکھیے گا میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں، اوکے فرینڈز دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

اقراء وکیل...... للیانی، سرگودھا

آنچل اور اپنی سویٹ سی فیملی کے نام

السلام علیکم کیسے ہیں سب مما پاپا، نویلہ آپی، ذکاء اللہ بھائی اور شکیلہ آپی عبدالقدیر بھائی، ابوبکر بھائی، عمر فاروق بھائی، مصباح باجو، کیف، ہادیہ نور، ندیا نور میری پیاری بھابیز زینب، نیلم آپ سب کو میری طرف سے اور میرے پیارے آنچل کی طرف سے ڈھیروں عید مبارک اور سب کے لیے بہت سی دعائیں اور آنچل سے وابستہ سب لوگوں کو بھی عید مبارک اور ڈھیروں ڈھیر دعائیں۔ میری دعا ہے کہ تمام امِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ سکون عطا فرمائے (وہ بھی نصیب والوں کو ہی ملتا ہے) اگر سکون مل جائے تو سمجھو سب کچھ مل گیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیک راستے پر چلنے کی توفیق دے اور سب کی جائز خواہشات کو پورا کرے، آمین۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

آنچل پریوں اور دوستوں کے نام

السلام علیکم! دوستوں اینڈ پریوں کیسی ہیں؟ امید ہے سب اچھی ہوں گی میری طرح اور ساتھ ہی یہ بھی امید کرتی ہوں کہ اس بار ہماجی میرے پیغام کو ضرور جگہ دیں گی۔ دوستو! میں نے کئی بار آپ سب کے نام پیغام لکھا جو مجھ سے رخصت ہوکر آپ سب تک پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے مگر اس بار پھر سے کاغذ اور قلم تھام کر بیٹھی ہوں۔ اپنے احساس و جذبات کو لفظوں کی صورت اس پیغام کے ذریعے آپ سب کی نظر کے لیے۔ امید ہے آپ سب بھی اسے دل سے محسوس

کر کے میری فیلنگز کو سمجھ پائیں گی۔ دل اس وقت عجیب قسم کی کیفیت کا شکار ہے ایک بے نام سی اداسی طاری ہے دل و دماغ پر مگر آپ کی کھٹی میٹھی اور چاہت بھری باتیں سوچ کر ایک اپنے پن کا احساس جاگتا ہے اور اسی احساس کو محسوس کرتے ہوئے آج میں آپ کو یہ پیغام لکھ رہی ہوں۔ سب سے پہلے دعائے سحر کو چندا آپ میری ہر دعا میں شامل ہو آپ جب بھی یاد آتی ہو دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ آپ کو بچی خوشیاں اور صبر عطا کرے اور آپ کی ماما کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین اور غزل جنت آپ کی مما کو بھی واقعی آپ کا دکھ بہت بڑا ہے' اللہ آپ کو پرخلوص سچے اور پیار کرنے والے رشتے عطا فرمائے۔ پروین افضل جی سب بہنوں کی طرح میں بھی آپ کو اولاد نرینہ کی دعا دوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کو دو کیوٹ سے جڑوا بے بی عطا کرے۔ مونا شاہ آپ کا نام دیکھتے ہی ایک معصوم سی پرنسز کی آن بان والی شان ذہن کے پردے پر نمودار ہو جاتی ہے۔ عائشہ پرویز اور رشک حنا آپ دونوں کی نت کھٹ باتیں ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر جاتی ہے۔ رشک حنا آپ کے نام سے مجھے صبا قمر یاد آ جاتی ہے' کیا آپ اس کے جتنی حسین ہیں؟ نجم باجی' ارم کمال' بشریٰ باجوہ' حافظہ سمیرا' ماریہ کنول ماہی' شاہ زندگی' سنیاں واقصیٰ زرگر' آپ سب کو تمنا کی طرف سے چاہت بھرا سلام۔ شزا بلوچ' دلکش مریم' فریحہ شبیر' سدہ جیا جاناں اینڈ حرا قریشی آپ سب سے انسیت محسوس ہوتی ہے۔ دعا ہے آپ سب ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتی رہیں' آپ کی زندگی میں کبھی کوئی غم نہ آئے' آمین۔ طیبہ نذیر بہنا آپ مجھے کافی سنجیدہ ٹیچر کی لگی ہیں' اس لیے ہمیشہ آپ کو مخاطب کرنے سے گریز کرتی رہی پر آج ہمت کر ہی ڈالی مگر اس عید سروے میں آپ کے جواب پڑھ کر جانا کہ آپ اتنی بھی سنجیدہ نہیں ہیں پر ایک بات ہماری سیم ہے کہ آپ کی طرح میں بھی ایک بے نام سی اداسی محسوس کرتی ہوں۔ خوشبو کیف' خوشی چندا آپ کہاں غائب ہو میں 2013ء اپریل میں آپ کا تعارف پڑھا تھا اور بڑی اپنی سی لگی تھیں آپ مجھے۔ آپ نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا پلیز اگر آپ مجھے پڑھ رہی ہیں یا اس کی کوئی جاننے والی بھی پڑھ رہی ہے تو اس کی خیریت بتا دیں' اللہ آپ کو ہمیشہ حفظ و امان میں رکھے' آمین۔ ملالہ اسلم آپ کا نام پڑھتے ہی مجھے اپنی کلاس فیلو منیبہ اسلم یاد آ جاتی ہے۔ آپ کو اور باقی جن دوستوں کے نام رہ گئے ہیں اور تمام اہل آنچل کو میری طرف سے پرخلوص دعائیں' محبتوں بھرا اسلام قبول' اللہ حافظ۔

تمنا بلوچ...... ڈی آئی خان

فرینڈز اور کزنز کے نام

السلام علیکم! ابتدا ہے رب جلیل کے بابرکت نام کے ساتھ جو دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ میری تمام کزنز فرح' ساجدہ' نادیہ' تحفظی' نفیسہ' عذرا اینڈ سعدیہ تم سب کو اور میری کالج فرینڈز کو میری طرف سے بہت بہت عید مبارک۔ ثمرہ تم آج کل کہاں غائب ہو' جلدی سے آنچل کے ذریعے رابطہ کرو۔ ہاں انیلا اور کنیز فاطمہ کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور عید مبارک بھی۔ تم لوگوں کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے' فرح تمہیں میری طرف سے اور تمام ہمارے گروپ کی طرف سے بہت بہت عید مبارک۔ سدا ہنستی مسکراتی رہو اور دوسروں کو بھی مسکرانے پر مجبور کرتی ہو۔ اب آتے ہیں آنچل اسٹاف کی طرف' تمام رائٹرز اور ریڈرز کو بہت بہت عید مبارک اور سمیرا شریف طور کو شادی کی مبارک باد اور نازیہ کنول کو نکاح کی مبارک باد' والسلام۔

سدرہ اسحاق...... لودھراں

دل میں بسنے والیوں کے نام

فریدہ جاوید فری' نازیہ کنول نازی' شمائلہ' ارم اللہ تعالیٰ آپ تینوں کو مکمل صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ ہمیشہ خوش و خرم صحت مند رہیں' آمین۔ ایم فاطمہ سیال' ارم کمال' نگینہ عمران میرے سوالات پسند فرمانے کا بہت بہت شکریہ۔ سمیرا حیدر' سائرہ حیدر' سندس رفیق' مناہل شبیر' طاہرہ ملک' اے ایف افتخار' لائبہ مہر علوینہ چوہدری' پاکیزہ علی' میری اتنی تعریف نہ کیا کرو ورنہ میں پھول کر کپا ہو جاؤں گی اور تمہارے دلہا بھائی پرنس افضل شاہین مجھے بارہ من کی دھوبن کہنا

شروع کردیں گے۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ اس بھدے سے نام کے ساتھ پکاریں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! بہت ٹائم کے بعد لکھ رہی ہوں۔ حیا آپی بیٹی کی بہت مبارک ہو نام کیا رکھا ہے؟ طیبہ آپی' ثوبیہ ڈیئر اینڈ مسز نازیہ عابد کیسی ہو آپ ثوبیہ جی کہاں گم ہو' طیبہ آپی میں شادیوال آئی تھی بہت اچھا محسوس ہوا کہ اس فضا میں میری پیاری سی دوست طیبہ بھی سانس لیتی ہے پلیز طیبہ آپی موبائل پر رابطہ کرنا ہے پہلے بھی بہت دفعہ کہا ہے۔ آپی انا میری کسسٹر کی عید کے بعد شادی ہے' ہائے سویٹ گروپ سب ٹھیک ٹھاک ہو ویسے تم سب کو میرے ہوتے ہوئے ہونا بھی کیا ہے جو ہوتا ہے میری ہی وجہ سے ہوتا ہے' ہاہا۔ زائرہ زین جڑوا بیٹوں کی بہت مبارک ہو۔ صبا' ارم بھابی تم دونوں کو بھی مبارک ہو جناب! سحری کو مبارک کہ تھرڈ آئی ہو۔ دعا ہے کہ سب کامیاب رہو' ہمیشہ خوش رہو' خوب مستی کرو' رب راکھا۔

فائقہ سکندر رفائی...... لنگڑیال

چیئرنگ گروپ' دعائے سحر' طیبہ نذیر اور نازیہ کنول نازی کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو میرے پیاری دوستو' مائی بیسٹ چیئرنگ گروپ۔ تم سب تو جیسے مجھے بھول گئے ہو مگر دیکھو ہم ہی ہیں جو تم لوگوں کو دل میں بسائے ہوئے ہیں۔ عطیہ' نمرہ' رابی' حمیرا' شہزادی' فاطمہ اقصیٰ' ماریہ' ثمرین اینڈ ثانیہ آئی ریئلی مس یو۔ اگر آنچل پڑھتے ہو تو جواب ضرور دینا' میں ہر دفعہ (دوست کے نام پیغام آئے) پڑھتی ہوں مگر اس وقت پڑھ کر مایوسی ہوتی ہے جب تم لوگوں کا پیغام نہیں ہوتا مگر چلو کوئی بات نہیں مجھے پڑھ کر تم لوگ مایوس نہ ہو گے پتا ہے کتنی مشکلوں سے بھائی راضی ہوا ہے اور یہ میرا آنچل میں پہلا اور شاید آخری پیغام ہے اس لیے کوشش کرنا تم لوگ جواب ضرور دینا اور پیاری دعائے سحر آپ مایوس نہ ہوا کریں' میرا اللہ آپ کو صبر استقامت عطا فرمائے اور آپ کے بہن بھائیوں اور ابو اور آپ کو صدا خوشیوں کے سائے میں سلامت رکھے' آمین۔ دعا کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی' میں خلوص دل کے ساتھ آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی ان شاء اللہ زندگی رہی تو' اینڈ طیبہ نذیر اور نازیہ کنول نازی میں آپ کو بھی بہت لائک کرتی ہوں' صدا ہنستی مسکراتی اور قلم سے روشنی بکھیرتی جائیں' اللہ حافظ۔

عائشہ دین محمد...... رحیم یارخان

محترم ٹیچر صائمہ اکرم چوہدری کے نام

شاید آپ کی نظر سے میرے الفاظ نہ گزر سکیں لیکن دل چاہتا تھا کہ آنچل کے توسط آپ کو بتاؤں کہ میرے دل میں آپ کے لیے کتنی جگہ ہے گوکہ کالج میں آپ سے میں نے کوئی سبجیکٹ نہیں پڑھا کیونکہ ہمارے سیکشن کو میڈم عمارہ اردو پڑھاتی تھیں اور آپ دوسرے سیکشن کو مگر کئی بار اپنی کلاس بنک کرکے میں نے آپ کے لیکچرز اٹینڈ کیے شاید چار یا پانچ بار۔ کالج کے سالانہ میگزین میں چھپنے والی آپ کی تصویر بہت عقیدت سے' بہت سنبھال کر رکھی ہے اب تک۔ اب بھی جب کسی کو آپ کے بارے میں بات کرتا دیکھتی ہوں تو فخر سے بتاتی ہوں کہ یہ میری ٹیچر ہیں جب فرسٹ ائیر میں تھے تب آپ کا ناول ''نارسائی'' پڑھا تب جانا کہ یہ مصنفہ یہ در بے بہا تو ہمارے سامنے ہی ہوتی ہیں سارا دن۔ اپنی خوش نصیبی پر رشک آیا اور اپنی کم علمی پر خود کو ملامت کی' اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں عطا فرمائے جب پتا چلا کہ عنقریب آپ کی شادی ہوجائے گی اور آپ صادق آباد سے کراچی شفٹ ہوجائیں گی تو بہت خوشی اور بہت غم ایک ساتھ ملے۔ خوشی آپ کی شادی کی اور غم آپ کے دور جانے کا خیر جہاں رہیں خوش رہیں' دعا ہے کہ آپ کی زندگی میں ڈھیروں سکون ہو۔ اللہ حافظ۔

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آنچل کی پریوں' صنم ناز کیسی ہو؟ بہت کم نظر آرہی ہو آج کل۔ الفت زہرہ کیسی ہو' چندا مثال کا کسی کے پاس نمبر یا ایڈریس ہے تو پلیز مجھے دیں۔ شاہ زندگی کیسی ہو ہمیں بھی اپنے گروپ

میں شامل کرلو' کچھ نہیں ہوتا یار۔ فیصل بھائی اینڈ ساجدہ بھابی شادی کی بہت بہت مبارک ہو' صدا خوش رہو۔ حمیرا شاہ کیسی ہو؟ تم ہمارے گھر کیوں نہیں آتیں کیا وجہ ہے؟ شبانہ عرفان آپ کو بیٹے کی بہت بہت مبارک باد۔ کوثر آپی پلیز مجھے جلدی سے عبدالہادی شاہ چاہیے' عابدہ صابرہ اب تو آپ کی بہن آچکی ہے اب تو اپنی بہن کے گھر آجایا کرو۔ رضوانہ طاہر ہماری طرف سے شادی کی مبارک باد۔ صابرہ' سعدیہ اینڈ سونیا گدی میرے گھر کیوں نہیں آتی' اللہ حافظ۔

نورین شاہ' صنم شاہ عرف سنی شاہ...... پیر عبدالرحمن

پیارے مانی اور سسٹرز کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اکتوبر کا مہینہ ہمارے لیے ڈھیروں خوشیاں لے کر آیا' ڈیئر مانی (عثمان عبد المالک) یکم اکتوبر کو آپ کی سالگرہ ہے' سرپرائز کیسا لگا ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ وجیہہ ثریا خنساء (مائی لولی سسٹر) اور باجی جان آپ کی سالگرہ بھی تو اکتوبر میں ہے نا' اللہ جل شانہ آپ سب کو کامیابیوں اور خوشیوں بھری عمر درز عطا کرے اور سعادت دارین سے فیض یاب کرے' آمین ثم آمین۔ آنچل فرینڈز آپ سب میں سے جس کی سالگرہ اکتوبر میں ہے سب کو سالگرہ مبارک' اللہ حافظ۔

عاصمہ عبدالمالک...... گوجر خان

سویٹ آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ہائے آنچل کی کھلتی کلیوں کیسی ہو؟ سب سے پہلے تو اقراء صغیر آپ سے بات ہوجائے' آپ کو پتا ہے آپ کے نئے ناول کا کتنی بے صبری سے انتظار ہے اس لیے آپ جلد حاضر ہوں ناول لے کر اچھا تو اب آپ بتائیں نازی آپی آپ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں ''شب ہجر کی پہلی بارش'' آپ کا ناول اچھا جارہا ہے۔ اب بات ہوجائے ارم کمال کے بارے میں ہاں تو ارم کمال آخر آپ نے آنچل میں اپنے نام کا سکہ منوا ہی لیا ہر جگہ چھائی ہوئی ہو۔ آنچل میں بھی اور دلوں میں بھی خیر اب تو آپ کو پڑھنے کی عادت ہوگئی ہے بہت اچھا لکھتی ہیں آپ' کرن ملک کیسی ہیں' آپ کو بھائی کی شادی کی بہت بہت مبارک باد وصول کریں ہم سے اینڈ پاکیزہ علی میں تہہ دل سے خوش آمدید کرتی ہوں اور آنچل کی تمام پریوں ارم کمال' سمیرا تعبیر' سمیرا مشتاق' فاطمہ نواز' علنہ سمشاد' دیا احمد' فریدہ جاوید فری میں تم سب سے دوستی کی خواہش مند ہوں۔ کرن ملک تم سے بھی اگر قبول ہو تو آنچل کے ذریعے ضرور جواب دینا اور میری طرف سے سب کو عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ اچھا اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین اللہ حافظ۔

نیلم شہزادی...... جتوئی

ماہ رخ سیال' فریحہ شبیر' دعائے سحر' امبر گل' شاہ زندگی کے نام

السلام علیکم تمام پڑھنے والوں کو' آنچل ایک خوب صورت پرچہ ہے اس کے تمام سلسلے زبردست ہیں لیکن سلسلہ دوست کا پیغام آئے بہت خوب صورت ہے سب سے پہلے تو ماہ رخ سیال آپ سے دوستی کی درخواست ہے آپ بھی سرگودھا سے تعلق رکھتی ہیں اور میں بھی آپ کیا کرتی ہیں یہ بھی ضرور بتائیے گا اور فریحہ شبیر آپ سے بھی دوستی کرنا چاہوں گی آپ وہ ہی ہیں ناجو ایکسپریس نیوز کے بچوں کے کرنیں ایڈیشن میں کہانیاں لکھتی ہیں۔ شاہ زندگی آپ کا نام نہایت خوب صورت ہے' آپ ٹیچر بھی ہیں دوستی کرنا چاہوں گی۔ دعائے سحر اللہ آپ کو صبر دے اور آپ کی امی کو جنت میں جگہ دے۔ اللہ آپ کو بہت زیادہ خوشیاں دے اور سلیوٹ یو میم اتنی محنت اور صبر پر۔ امبر گل آپ خوش رہا کریں' آپ بہت اچھی لگیں آپ سے بھی دوستی کرنا چاہوں گی۔ سلمیٰ گری خان آپ سے بھی دوستی ارسمیرا تعبیر اور جازبہ عباسی آپ سے بھی دوستی کرنا چاہوں گی اور جو بھی دوستی کرنا چاہے موسٹ ویلکم۔ اللہ حافظ۔

کشف فاطمہ...... سرگودھا

یادگار لمحے

جویریہ سالک

نعت رسول مقبول ﷺ

ساری صدیوں پہ جو بھاری ہے وہ لمحہ ملتا
کاش سرکار ﷺ دو عالم کا زمانہ ملتا
آپ کو دیکھتا طائف میں دعائیں دیتے
یوں مرے صبر و تحمل کو سلیقہ ملتا
آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کے نمازیں پڑھتا
آپ ﷺ کے قدموں کے پیچھے مجھے سجدہ ملتا
بھول جاتا میں کسی طاق میں آنکھیں رکھ کر
آپ ﷺ کو دیکھتے رہنے کا بہانہ ملتا
حشر تک میری غلامی یونہی قائم رہتی
میری ہر نسل کو فخری یہی ورثہ ملتا

کلام: ذریہ فخری

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

حضرت عمر بن خطاب کی چھ نصیحتیں

1: جو آدمی زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔
2: جو مذاق زیادہ کرتا ہے لوگ اس کو ہلکا اور بے حیثیت سمجھتے ہیں۔
3: جو باتیں زیادہ کرتا ہے اُس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔
4: جس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں اُس کی حیاء کم ہو جاتی ہے۔
5: جس کی حیاء کم ہو جاتی ہے اُس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے۔
6: جس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے اُس کا دل مُردہ ہو جاتا ہے۔

(حیاۃ الصحابہ۔ جلد:3،ص:562)

سیدہ سعدیہ عظیم...... بہاولپور

مرحومہ دادی کے نام

تو کہاں جا سوئی ہے ہم سے دور سب سے دور کبھی نہ ملنے کے لیے ایسی چھپ گئی ہے بتا ہم سے کیا خطا ہوئی ہے جو تو اس طرح روٹھ گئی ہے۔ سات سمندر پار بسیرا کر لیا ہے اپنے بچوں کو تنہا چھوڑ کر دنیا کے رحم و کرم پر کس پہ بھروسا کر کے بے یار و مددگار چھوڑا ہے۔ دنیا کی دھوپ چھاؤں میں چھوڑ کے چلی گئی ہے تو نے اپنی مراد پائی ہے۔ مکہ میں کر کے زیارت، خانہ کعبہ کو دے کے بوسہ، حجر اسود کو اپنی آرام گاہ کو پہنچی ہم سب کو چھوڑ کر دو برس ہونے کو آئے ہیں تجھ سے جدا ہوئے ہم ایک پل بھی نا بھول پائیں اُس کو جس کو! ہم دادی کہتے تھے اُس کو جس کو! تیرے نواسے نانی کہتے تھے اُس کو جس کو! تیرے بچے "اماں" کہتے تھے تیرے محبت بھرے آنچل کے سائے میں رہتے تھے واہ تو نے کیا قسمت پائی ہے مقبرہ شورائے کی مٹی کو اپنا آشیانہ بنایا ہے قیامت سے پہلے ہی جنت پا لی ہے۔

سیدہ سعدیہ عظیم...... بہاولپور

دوستی

❖ دوست پیار کے لیے ہوتے ہیں اور چیزیں استعمال کے لیے مگر بات تب بگڑتی ہے جب چیزوں سے پیار اور دوستوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔
❖ دوست وہ نہیں ہے جو جان دیتا ہو دوست وہ بھی نہیں جو مسکان دیتا ہو دوست تو وہ ہے جو پانی میں گرا آنسو پہچان لے۔
❖ ایک اچھا دوست پہلے آنسو کو دیکھ لیتا ہے دوسرے کو صاف کرتا ہے اور تیسرے کو روک لیتا ہے۔
❖ دوست کی کوئی بات بُری لگے تو خاموش ہو جاؤ اگر وہ تمہارا دوست ہوا تو سمجھ جائے گا اور اگر نہ سمجھ سکا تو پھر تم سمجھ لینا کہ وہ تمہارا دوست نہیں۔

نبیلہ ملک...... چوٹالہ

اچھی باتیں

❖ غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تمہاری تکلیف بھی دور کرے گا۔
❖ اپنے جسم کو ضرورت سے زیادہ نہ سنوارو، اُسے تو مٹی میں مل جانا ہے۔ اے ابنِ آدم! سنوارنا ہے تو اپنی روح کو سنوارو جسے اللہ کے پاس جانا ہے۔

سنیاں زرگر، قصیٰ زرگر...... جوڑہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نام

قرآن مجید میں محمد ﷺ اور احمد ﷺ
زبور میں عاقب ﷺ

تورات میں ماذ ماذ ﷺ
انجیل میں فارقلیط ﷺ
جنت میں عبدالکریم ﷺ
آسمان میں مجتبیٰ ﷺ
زمین میں معظم ﷺ
انبیاء میں عبدالوہاب ﷺ
ملائکہ میں عبدالجبار ﷺ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰسین

روبی علی...... سیدوالا

حقیقت

ایک بار سکندر اعظم کے پاس فلسفی دیو جانس کھڑا تھا' سامنے بہت سی انسانی کھوپڑیوں اور ہڈیوں کا ڈھیر تھا اور فلسفی ان کے نظارے میں غرق تھا اس کے انہماک کو دیکھ کر سکندر اعظم نے پوچھا۔

''دیو جانس! کیا سوچ رہے ہو؟''

دیو جانس نے جواب دیا۔''حضور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان میں آپ کے والد کی ہڈیاں بھی ہیں لیکن ان میں آپ کے والد اور غلاموں کی ہڈیوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔''

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

انسان

✦ انسان کا دل بھر آتا ہے تو وہ برسات کی صورت میں رو دیتا ہے۔

✦ پہاڑ جب غموں کا بوجھ برداشت نہیں کر پاتا تو آتش فشاں کے روپ میں اپنا زہر اُگل دیتا ہے۔

✦ پھول غموں کی دھوپ میں مرجھا جاتا ہے۔

✦ دنیا میں جاندار اور بے جان چیزیں اندر کے دکھ نکال باہر کرتی ہیں مگر انسان کتنا بے بس ہے وہ بادل نہیں کہ برس پڑے' وہ پہاڑ نہیں کہ پھٹ جائے' پھول نہیں کہ مرجھا جائے' آخر انسان ہے کیا؟

ندا مسکان جٹ...... 133 جنوبی

چٹ پٹی غزل

میں تجھ سے چیٹ کروں گا کباب پکنے تک
یوں وقت پاس کروں گا کباب پکنے تک
چکھوں کباب تو جانوں کہ ذائقہ کیا ہے
نہیں کچھ اور چکھوں گا کباب پکنے تک
قلم کے واسطے سامان ہو ضیافت کا
تری غزل میں لکھوں گا کباب پکنے تک
پکیں کباب تو تجھ کو کہوں میں گڈ بائے
میں ہائے ہائے کروں گا کباب پکنے تک
ہے ذائقہ تیرے شعروں کا چٹ پٹا اے رشک
میں تیرے شعر پڑھوں گا کباب پکنے تک

شاعر: سید افتخار احمد رشک
انتخاب: نجم انجم...... کورنگی' کراچی

ان باتوں کو اپنایئے اور خوش ہو جایئے

⌘ اپنی زندگی میں ہر کسی کو اہمیت دو جو اچھا ہوگا وہ خوشی دے گا اور جو برا ہوگا وہ سبق سکھائے گا۔

⌘ ہمیشہ خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کریں۔

⌘ غلطی معاف کردیں بدلہ نہ لیں کیونکہ بدلہ لینے والا اور بددعا دینے والا کمزور ہوتا ہے۔

⌘ صرف اللہ سے مانگیں دوسروں سے کوئی امید نہ رکھیں' دینے والا اللہ ہی ہے۔

⌘ ہمیشہ کم کی خواہش کرو' زیادہ کی خواہش ہوس پیدا کرتی ہے۔

سمیہ کنول...... مانسہرہ

جواہرات سے قیمتی

⌘ دنیا کی تھکن اتارنے کا سب سے بہترین ذریعہ ذکر ہے۔

⌘ سکون سے رہنا چاہتے ہو تو لوگوں سے وعدے کم کرو۔

⌘ خود پسندی سب سے بڑی تنہائی ہے۔

⌘ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے ہی فتح حاصل کرتے ہیں۔

⌘ وقت ہر ایک کو آواز دیتا ہے جو شخص یہ آواز نہیں سنتا وہ پیچھے رہ جاتا ہے۔

⌘ زبان کو شکوے سے روکو خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

بتول' کائنات' روما' عاصمہ' میم مسرت...... گاؤں عالی

چار بادشاہوں کے مقولے

ابوبکر بن عیاشؒ نے فرمایا۔ چار بادشاہوں نے اپنے اپنے زمانے میں بالکل یکساں باتیں کہیں۔

کسریٰ:۔ میں نہ بولنے پر کبھی نادم نہیں ہوا بولنے پر اکثر نادم ہوا۔

شاہ چین:۔ جب تک میں نے بات نہ کہی اس وقت میں اس کا مالک ہوں اور کہنے کے بعد اس کا مالک تُو ہے۔

قیصر (شاہ روم):۔ جو بات میں نے کہی نہیں اس کے لوٹانے پر زیادہ قادر ہوں، بمقابلہ اس کے جو کہہ دی۔

شاہ ھند:۔ وہ شخص قابل تعجب ہے جو (عجلت کے ساتھ) اپنی بات کہہ دے کیونکہ اگر بات پھیل گئی تو نقصان ہوگا نہ پھیلی تو فائدہ کچھ نہیں۔

☆......☆

حدیث مبارکہ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری شفاعت امت کے گناہ گاروں کے لیے ہوگی جو اس سے انکار کرے گا وہ شفاعت سے محروم رہے گا۔

ناصرہ مختار احمد...... جڑانوالہ

سنہری باتیں

○ امام کعبہ سمیت دنیا کے 70 علماء کرام نے ''ہیلو'' کرنے یا کہنے کو حرام قرار دیا ہے کیوں کہ ''ہل'' کے معنی ''جہنم'' کے ہیں اور ہیلو کے ''جہنمی''۔

○ دنیا کے سب سے دکھی الفاظ سب سے مزاحیہ شخص چارلی نے کہے تھے اس نے کہا۔

○ ''مجھے بارش میں چلنا بہت پسند ہے اس لیے کہ کوئی میرے آنسو نہ دیکھ لے''۔

○ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''تم اپنی انگلیوں پر تسبیح کیا کرو کیونکہ قیامت والے دن یہ تمہاری گواہی دیں گی''۔

شمع بہا...... مغلیانوالی

منفی سوچ

○ منفی سوچ رکھنے والا ذہن کبھی بھی آپ کو مثبت زندگی نہیں دے سکتا۔

دو لوگ

○ دنیا میں بس دو لوگ مقدر والے ہوتے ہیں ایک وہ جنہیں وفادار دوست ملتا ہے اور دوسرا وہ جس کے ساتھ ماں کی دعائیں ہوتی ہیں۔ (حضرت علیؓ)

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

لطیفہ

ایک کالج میں رزلٹ کا دن تھا' ایک دوست دوسرے دوست سے ''یار میرے ساتھ میرے ابو کھڑے ہیں تُو جلدی سے جا اور رزلٹ دیکھ کر آ۔ اگر میں ایک پیپر میں فیل ہوا تو کہنا ایک مسلمان بھائی سلام کہتا ہے' اگر دو میں فیل ہوا تو کہنا دو مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتے ہیں''۔

دوست گیا اور تھوڑی دیر بعد آ کر بولا۔ ''یار پوری امتِ مسلمہ تمہیں سلام کہتی ہے۔''

ثناء ریاض...... بوسال سکھا

صحبت

نیک لوگوں کی صحبت میں ہمیشہ بھلائی ملتی ہے

کیونکہ

جب ہوا پھولوں سے گزرتی ہے تو وہ بھی خوشبودار بن جاتی ہے۔

کنول چوہدری...... شادیوال' گجرات

جو تم ملو

یہ چاندنی کھلی ہوئی
ہزاروں سال سے یونہی
کہیں ہنسی' کہیں خوشی
مگر نظر کی تشنگی
کسی طرح نہ مٹ سکی
ہمارے واسطے بھی تو
یہ عید خوش نصیب ہو
جو ''تم'' ملو تو عید ہو
جو تم ملو تو عید ہو

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

نماز میں دو سجدے

نماز میں دو سجدے کیوں کیے جاتے ہیں؟

جب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہیں کیا تو اس کو مردود قرار دے کر جنت سے نکال دیا۔ ابلیس کی یہ حالت دیکھ کر فرشتوں نے سجدہ شکر ادا کیا اور کہا۔

''اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تُو نے ہمیں اپنا حکم بجالانے اور

اپنی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔'' وہ دو سجدے آج تک نماز میں ادا کیے جارہے ہیں۔

سجدہ حکم......سجدہ شکر

سیدہ امیر اختر بخاری......چندی پور

اسلام میں سیکیورٹی کا تصور

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کسی کام سے جارہے تھے ایک سیاح کو پتا چلا کہ وہ مسلمانوں کے امیر ہیں تو وہ دیکھ کر بہت حیران ہوا' بھاگا بھاگا آپؓ کے پاس پہنچا اور پوچھا۔

''آپ مسلمانوں کے امیر ہیں؟''

''آپؓ نے جواب دیا۔''میں ان کا امیر نہیں بلکہ ان کا محافظ ہوں۔''

سیاح نے پوچھا۔''آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ کیوں نہیں رکھتے؟''

آپ نے جواب دیا۔''عوام کا یہ کام نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں یہ تو میرا کام ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں۔''

عقیلہ رضی......فیصل آباد

اقوال زریں

- اچھے کے ساتھ اچھے رہو' مگر بُرے کے ساتھ بُرا مت بنو کیونکہ تم پانی سے خون دھو سکتے ہو' مگر خون سے خون نہیں دھو سکتے۔
- انسان کو اچھی سوچ پر وہ انعام ملتا ہے جو اسے اچھے اعمال پر بھی نہیں ملتا۔
- خوب صورتی کی کمی اخلاق پورا کرسکتا ہے مگر اخلاق کی کمی کو خوب صورتی پورا نہیں کرسکتی۔
- زبان کا وزن بہت ہی ہلکا ہوتا ہے مگر بہت کم لوگ اسے سنبھال پاتے ہیں۔

عروسہ شہوار رفیع......کالا گوجراں، جہلم

نظم

میرے الجھنے پر
خائف ہونے والو
جاؤ......
محبت کا دامن
چھوڑ دیا
ہم نے......

مونا شاہ قریشی......کبیر والہ

لفظ لفظ موتی

- جب نیکی کر کے تجھے خوشی ہو اور برائی کر کے پچھتاوا ہو تو تُو مومن ہے (ارشاد نبوی ﷺ)
- اللہ پاک ہے اور صرف پاک مال قبول کرتا ہے۔
- آخرت کی لذت ہرگز اس کو نہیں ملتی جو شہرت اور عزت کا چاہنے والا ہو (حضرت بشر حافیؒ)
- تعجب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے اور پھر جانے والی چیز کا دکھ بھی کرتا ہے (حضرت عثمانؓ)
- صدقہ رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت کو دفع کرتا ہے (ترمذی)
- یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں میرے ساتھ ہوگا (ارشاد نبوی ﷺ)

ماروی یاسمین......

احسان

بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی اس پر چار احسان فرماتا ہے۔

- پہلا اس کا رزق بند نہیں کرتا
- دوسرا اس کی طاقت سلب نہیں کرتا
- تیسرا اس کے گناہوں کو سلب نہیں کرتا
- چوتھا اس کو فوراً سزا نہیں دیتا

تو ہم پھر بھی ایسے احسان کرنے والے کی نافرمانی کرتے ہیں۔

لاریب انشاں......اوکاڑہ

کالا اور گورا رنگ میں فرق

نہ گورا رنگ حسن کی علامت ہے اور نہ ہی کالا رنگ بدصورتی کی نشانی ہے۔ حسن صرف دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔

رنگوں میں نہیں
کیونکہ......
کفن سفید ہو کر خوف کی علامت ہے اور کعبہ کالے غلاف میں بھی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اقراء وکیل......للیانی' سرگودھا

دل کی باتیں

- لفظ کبھی واپس نہیں پلٹتے اور ہم کچھ نہ کچھ ایسا ضرور

کھو دیتے ہیں جو ہمیں پھر کبھی نہیں ملتا۔ اس لیے رویوں میں حد درجہ احتیاط زندگی کے ہر بندھن میں کامیابی کی ضمانت ہے۔

❖ امید کے پودے کو پانی دیتے رہنا چاہیے اور اسے اتنا تناور کردینا چاہیے کہ مایوسی کا جنگل دور دور تک اُگنے نہ پائے۔

❖ جن کے دل کے آئینے اجلے ہوں ان کے مقدر بھی دھندلے نہیں ہوتے جو ہم کھو دیتے ہیں قدرت پہلے سے ہمارے لیے بہترین چُن کر رکھتی ہے۔

اقتباس...... ناول:۔ عبداللہ
مصنف...... ہاشم مبین

وجیہہ خان...... بہاولپور

میری زندگی کا سچ

زندگی کے ہر موڑ پر ہم سے وہی لوگ بچھڑ جاتے ہیں
جنہیں ہم اپنی جان سے زیادہ چاہتے ہیں۔
جان سے زیادہ پیارے لوگوں کے بچھڑ جانے سے زندگی رک نہیں جاتی اور نہ ہی سانسیں تھمتی ہیں بلکہ انسان کا دل اور اس کی روح مرجاتی ہے۔
زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ زندہ نہیں ہوتے۔
وہ ہماری طرح روزمرہ کے کام کاج کرتے ہیں مگر ان کی آنکھیں ویران ہوتی ہیں۔
ان کے لب مسکرانا تک بھول جاتے ہیں محفلوں سے وہ دور بھاگتے ہیں۔
تنہائیوں کو وہ اپنی بانہوں میں لیے پھرتے ہیں۔
اب کوئی بھی رشتہ دل کو بھاتا نہیں ایمان
کچھ اس طرح ٹوٹا ہے دل اپنوں کی بے رخی سے
ایسے لوگ بنیادی طور پر بہت حساس ہوتے ہیں جو دوسروں کی ذرا سی چوٹ لگنے پر ہی تڑپ جاتے ہیں۔
ٹوٹے ہوئے لوگ ہی دوسروں کا دکھ درد سمجھ سکتے ہیں خوشحال لوگوں کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ایمان...... کہروڑ پکا

عید

اس عید پر بھی تم
جو سنگ نہیں
تو......
جاں......
میں بھی
عید نہیں مناؤں گی

حرا رمضان...... اختر آباد

انمول موتی

♥ کوشش کرنے سے نیند آتی ہے اور بغیر کوشش کے موت۔

♥ موت سے نہ ڈرو کہ یہ ایک بار آتی ہے زندگی کی فکر کرو جو دوبارہ نہیں ملے گی۔

♥ میت نے قبر میں اترتے ہوئے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ جبکہ اس کی یادوں نے دفن ہونے سے انکار کردیا۔

♥ اگر کفن کا رنگ مرنے والے کے کردار کی مناسبت سے ہوتا تو بیشتر لوگوں کے کفن کا رنگ کالا ہوتا۔

♥ عورتیں اپنا سادہ ترین لباس مرنے کے بعد پہنتی ہیں۔

♥ دولت مند موت سے اور غریب زندگی سے گھبراتا ہے۔

♥ انسان کے لیے مچھر مارنا جتنا آسان تھا اب مچھر کے لیے بھی انسان کو مارنا اتنا ہی آسان ہے۔

ہالہ عائشہ سلیم...... کراچی

خوب صورت بات

امام غزالی فرماتے ہیں کہ:

❖ سب انسان مردہ ہیں زندہ وہ ہیں جو علم والے ہیں۔

❖ سب علم والے سوئے ہوئے ہیں مگر بیدار وہ ہیں جو عمل والے ہیں۔

❖ تمام عمل والے گھاٹے میں ہیں فائدے میں وہ ہیں جو اخلاص والے ہیں۔

❖ سب اخلاص والے خطرے میں ہیں صرف وہ کامیاب ہیں جو تکبر سے پاک ہیں۔

جویریہ ضیاء...... بلیر کراچی

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! پروردگار دو عالم کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو کل کائنات کا بادشاہ ہے' آنچل اسٹاف کی جانب سے تمہارا قارئین کو عید قرباں کی ڈھیروں مبارک باد۔ اکتوبر کا آنچل عیدالاضحیٰ کے حوالے سے ہے۔ آنچل اسٹاف کی جانب سے تمام قارئین کو عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ آپ بہنوں کی تجاویز اور آرا کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہے' امید ہے آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب۔

ماہ نور نعیم...... بھکر۔ السلام علیکم! یوم دفاع مبارک' ہر سال کی طرح اب بھی 6 ستمبر تجدید کی گواہیاں لیے آ پہنچا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو وطن پر جان قربان کرنے والا بنائے' آنچل نے ایک بے مثال آنچل کی طرح ہماری زندگی کو ڈھانپ رکھا ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک سبق آموز کہانی لیے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ معلوم نہیں کہ اس خط کو آئینہ میں جگہ مل پائے گی یا نہیں بہرحال جس کہانی نے مجھے قلم اٹھانے پر اکسایا وہ نازیہ کنول نازی کی "شب ہجر کی پہلی بارش" ہے۔ یہ کہانی میرے جذبات کی ترجمان شدہ ہے' گریٹ نازی جی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے قلم کو اتنی زیادہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ ہمارے نیم مردہ جذبات کو ابھارتا رہے اس کے علاوہ "زہر افسانوں میں بیسٹ تھا۔" "محبت دل کا سجدہ ہے" لاسٹ قسط زبردست تھی سباس گل کو بہت بہت مبارک ہو باقی تمام سلسلے بھی زبردست ہیں۔ "ٹوٹا ہوا تارا" تھوڑی سلو چل رہی ہے۔ آنچل کے پورے اسٹاف کو سلام' اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے ہر قدم پر نمایاں کامیابی عطا کرے' آمین۔

دیا آفریں...... شاہدرہ۔ السلام علیکم! ستمبر کا آنچل خوب صورت سرورق کے ساتھ دل کو چھو گیا' آپ لوگ اتنی محبت اور لگن سے جو تیار کرتے ہیں۔ سروے بھی خوب رہا عید کے رنگ بکھرے پڑے تھے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" سمیرا شریف طور کا ناول بہت بہترین ہے پر ان کی گتھیاں سلجھ کیوں نہیں رہیں اور ولید سب کچھ جان کر بھی کہ انابلیک میل ہو رہی ہے اس سے بدگمان کیوں ہے۔ اب دریہ تمہاری زندگی میں اور کیا مصیبت لانے والی ہے۔ "موم کی محبت" سمجھ نہیں آتی اس کا تھیم کیا سوچ کر رکھا گیا۔ مجھے تو اس پوری کہانی میں ایک جگہ بھی سچی محبت نظر نہیں آئی پھر یہ سب کیا ہے؟ صائمہ قریشی کی "اناڑی پیا" منفرد لگی پڑھ کر مزا آیا۔ سباس گل کا "محبت دل کا سجدہ ہے" کا اینڈ پسند آیا' اسٹوری بھی بہت اچھی تھی۔ پیغام تو آپ شائع نہیں کرتے۔ حجاب کے لیے نیک تمنائیں' اللہ حافظ۔

☆ پیاری دیا آپ کے تو سب پیغام شائع ہوتے ہی رہتے ہیں۔

مہوش فاطمہ بٹ...... دینہ جہلم۔ السلام علیکم! ڈیئر شہلا جی! کیسی ہیں آپ؟ سدا ہنستی مسکراتی رہیں آمین۔ سب سے پہلے میری بیسٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور کو شادی کی ڈھیروں مبارک باد' سدا خوش رہیں آپ دونوں۔ آنچل کی تمام رائٹرز اچھا لکھتی ہیں' ماہنامہ حجاب کا بھی انتظار ہے۔ ہم سے پوچھیے میں سب کے چٹ پٹے سوالات اور شمائلہ آپی کے کرارے جوابات بہت مزا دیتے ہیں۔ اب آتے سلسلہ وار ناولز کی طرف' سمیرا جی آپ ذرا فاسٹ ہو جائیں' پتا نہیں آپ کس کو "ٹوٹا ہوا تارا" بنائیں گی اور ایاز' کاشفہ کو جیل بھیج دیں اور پلیز رابعہ اور عباس کی شادی کروا دیں۔ بابا سائیں کے ماضی پر زیادہ لکھا کریں۔ راحت آپی اگر آپ برا نہ مانیں تو پلیز جلد از جلد "موم کی محبت" کا اینڈ کر دیں اگر زیبا کا مجرم عارض ہی ہے تو کیا ضرورت تھی صفدر کو اتنا قریبی دوست بنانے کی۔ نازیہ کنول نازی "شب ہجر کی پہلی بارش" بہت اچھا لکھ رہی ہیں' اب اجازت دیجیے' اللہ حافظ۔

☆ ان شاء اللہ ماہنامہ حجاب نومبر میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

نزہت جبیں ضیاء...... کراچی۔ السلام علیکم! امید ہے کہ اسٹاف سمیت بخیریت ہوں گی۔ ستمبر 2015ء کا آنچل جاذب نظر سرورق کے ساتھ ملا۔ دو ماہ سے آنچل کی محفل میں شریک ہونا چاہ رہی تھی مگر وائے معروفیت......؟ لیکن اس بار ارادہ کر کے بیٹھی تھی کہ جیسے ہی آنچل ہاتھ میں آئے گا ساری معروفیات پس پشت ڈال کر پہلے اس پر تبصرہ کروں گی سو حاضر ہوں۔ سب سے پہلے ان تمام بہنوں کا بے حد شکریہ کہ آپ لوگوں نے منہاج (میرے بیٹے) کی شادی کا احوال پڑھا نہ صرف پسند کیا بلکہ انجوائے بھی کیا اور بہت سی بہنوں نے لکھ کر اور بہت سی بہنوں نے کال کر کے مبارک باد دی میں آپ تمام بہنوں کی شکر گزار ہوں' اللہ پاک آپ سب کو امان میں رکھے آمین۔ پیاری دلکش مریم' جی کنول خان' ثوبیہ بلال' رومانہ قریشی' ارم کمال' اے ایف افتخار' شاہ رسول ہاشمی' سمیہ کنول' لائبہ میر' پاکیزہ علی' سیدہ سعدیہ عظیم اور سدرہ مرتضیٰ آپ تمام بہنوں کی دل سے مشکور ہوں کہ آپ لوگوں کو میرا ناول "عیدی چاند ستاروں کی" پسند آیا بہت بہت جزاک اللہ۔ یہ آپ لوگوں کی محبت ہیں جو ہمارے درمیان دوستی اور محبت کے رشتوں کو مضبوطی دے رہی ہے۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل کو دیکھ کر اچھا لگا۔ "میں خوشبو اور رات' خوشیوں کی بہار' اناڑی پیا' زہر" یہ اسٹوریز اچھی لگیں اس کے علاوہ "محبت دل

کا سجدہ ہے'' سباس گل کا ناولٹ بہت اچھا جا رہا ہے۔ ''عید کے رنگ'' میں بہنوں کے جوابات اچھے لگے۔ راحت جبیں کی باتیں بہت اچھی لگیں، دیگر سلسلے بھی اچھے رہے۔ ایم فاطمہ سیال گڑیا ہم سب آپس میں دوستی کے رشتے سے ہی بندھے ہوئے ہیں اور آنچل ہماری دوستیوں کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے'' ویلکم'' آج سے تم میری اچھی والی دوست بن گئی ہو۔ آنچل سے وابستہ تمام لوگوں کو ٹیم کو رائٹرز ریڈرز اللہ پاک اپنی امان میں رکھے۔ عیدالاضحیٰ اور حج کی مبارک باد، اللہ پاک اس عید کو تمام عالمِ اسلام اور خصوصاً پاکستان کے لیے بے شمار خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بنائے۔ تمام حجاج کا حج قبول و منظور فرمائے ان کی خواہشات اور دعاؤں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ تمام ارکان صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو خیریت و عافیت کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو لوٹائے' آمین ثم آمین۔

☆ پہلی بار شریکِ محفل ہونے پر خوش آمدید۔

پروین افضل شاہین ...... بہاولنگر۔ السلام علیکم! اس بار ستمبر کا آنچل مہوش آفتاب کے دلکش سرورق سے سجا میرے ہاتھ میں ہے۔ حمد و نعت اور مالک یوم الدین پڑھ کر اپنی روح کو سرشار کیا۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ مبارک احمد کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے' آمین۔ اللہ تعالیٰ نگہت عبداللہ کی والدہ کو صحت عطا فرمائے' آمین۔ صائمہ سکندر سومرو کو اپنی بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد قبول ہو دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری بھی خالی جھولی بھر دے' آمین۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل کے جوابات پسند آئے۔ راحت جبیں سے ملاقات اور عید کے رنگ بھی خوب تھے۔ ناولز اور افسانوں میں ''اناڑی پیا' خوشیوں کی بہار' میں خوش بو اور رات' زہر' وطن کی مٹی گواہ رہنا' عید کا تحفہ' محبت دل کا سجدہ'' پسند آئے۔ آنچل میں جو رائٹرز سے سروے کے لیے سوال کیے جاتے ہیں وہ اور ان کے جوابات کمال کے ہوتے ہیں' اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

سیدہ صدف نورین ...... موہدی پور' سیدان۔ السلام علیکم! آپی کیسی ہیں آپ؟ امید ہے کہ اچھی ہوں گی اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے' آمین۔ اس دفعہ آنچل کافی دن پہلے ملا اور لکھنے کا بھی موقع مل گیا۔ آنچل ہاتھ میں آتے ہی دیکھا تو سرورق خوب صورت لگا' اس کے بعد راحت جبیں سے ملاقات کرکے اچھا لگا' ناول سارے ہی اچھے ہیں۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' سمیرا شریف طور کا ناول میرا فیورٹ ناول ہے۔ سب سے پہلے ناول پڑھتی ہوں ''موم کی محبت'' بھی بہت اچھا ناول ہے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازیہ کنول نازی آپ کا تو ہر ناول ہی بہت اچھا ہوتا ہے۔ ایسے ہی لکھتی رہیں کہ آپ کا ہر ناول ہمارے آنچل کی زینت بن جائے۔ آنچل میں یادگار لمحے میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں آنچل میں کچھ بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف نہ کی جائے سارا ہی آنچل تعریف کے قابل ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین۔

رضوانہ ہاشم ...... شجاع آباد۔ السلام علیکم! ڈیئر آپی کیا حال ہیں؟ میری طرف سے آپ کو اور آنچل ٹیم کو عیدالاضحیٰ مبارک ہو۔ اس ماہ کا ٹائٹل بہت زبردست تھا۔ آپی گل آپ کو ڈھیروں مبارک باد اتنا زبردست ناول لکھنے پر۔ اب آتے ہیں اپنے پسندیدہ ناول ''ٹوٹا ہوا تارا'' میں ولید کے ایکسیڈنٹ کی خبر پڑھ کر بہت دکھ ہوا' پلیز ولید کو کومہ میں مت جانے دینا۔ مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ ولید کا ایکسیڈنٹ کاشفہ نے کروایا ہے۔ اناولی کی حالت دیکھ کر مصطفیٰ یا شہوار کو سب کچھ بتا دے گی۔ آپی اب شہوار کے ساتھ برا مت کرنا' پہلے دونوں ماں بیٹی نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ تابندہ بی چوہدری حیات علی کی بیٹی ہے جہاں تک ہمارا خیال ہے کیونکہ چوہدری حیات علی کی دوست سبحان احمد تھا۔ اللہ کرے دریہ تو وہی ایاز کے جال میں پھنس جائے اور شہوار اور مصطفیٰ کی زیادہ کبھی لڑائی مت کرنا آپی ورنہ ہم آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔ راحت وفا کا ناول ''موم کی محبت'' بس کچھ سمجھ نہیں آتا کیا ہوگا۔ سب ہی الجھے اور پریشان ہیں اور جہاں تک امید ہے کہ شرمین عارض کو ہی ملے گی۔ عارض ہے زیبا کی بھی ملاقات کروا دیں تاکہ صفدر کو بھی سکون ملے۔ ناولٹ ''اناڑی پیا'' بہت زبردست تھا' ہنس ہنس کر پیٹ میں درد ہو گیا۔ باقی آنچل کا مطالعہ رہتا ہے کیونکہ میرے ماموں فوت ہو گئے ہیں' ٹائم نہیں مل رہا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ میرے ماموں کے لیے مغفرت کی دعا کریں' اللہ حافظ۔

حمیرا قریشی ...... لاہور۔ تمام پڑھنے والوں کو پُرخلوص سلام۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے' باری تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے' آمین۔ آنچل اول سے آخر بیسٹ تھا اور بیسٹ ہے۔ سامعہ ملک پرویز! آپ کے بابا جان کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا' باری تعالیٰ آپ کو صبر کی توفیق سے نوازے۔ ''موم کی محبت'' بیسٹ ہے اور پلیز ''ٹوٹا ہوا تارا'' سسپنس میں مبتلا نہ کریں۔ آنچل میں ہر اسٹوری بیسٹ تھی' تفصیلی تبصرے کے ساتھ ان شاء اللہ حاضر ہوں گی' اللہ نگہبان۔

شازیہ اختر شاذی ...... نور پور۔ السلام علیکم ستمبر کا ٹائٹل پسند آیا۔ سب سے پہلے ''ٹوٹا ہوا تارا'' پر پہنچے اس کہانی نے تو سسپنس پھیلا دیا' نجانے اب زینب کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور ولید کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اب انا کو عقل آ جائے اور وہ روشی یا احسن کو سب بتا دے۔ اوہو یہ کیا ایاز پھر کوئی گیم کھیلنے والا ہے وہ بھی دریہ کے ساتھ مل کر (اوہ مائی گاڈ) پلیز مصطفیٰ شہوار پر شک مت کرنا۔ اس ایاز اور دریہ کی (ایسی کی تیسی) کاش میرا بس چلے تو تم دونوں کو گولی سے اڑا دوں۔ ابوبکر اور ہادیہ کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا اور صائمہ قریشی کی ''اناڑی پیا'' پڑھ کر بہت اچھی لگی (ایک راز کی بات بتاؤں ہمارے پیا بھی

کچھ ایسے ہی ہیں)۔ نازیہ آپی کی کہانی بہت اچھی جارہی ہے' ان کے لکھنے کا انداز ہی بہت پیارا ہے اور "محبت دل کا سجدہ ہے" کا اینڈ دیکھ کر بہت اچھا لگا' شکریہ آپی۔ آپ نے رابیل اور علی کو جدا نہیں کیا اور زونی اور کرن کو بھی ملا دیا' واقعی محبت سچی ہو تو ملن ہو ہی جاتا ہے باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ زندگی رہی تو پھر انٹری دیں گے اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم تمام آنچل اسٹاف' رائٹرز اور پیاری بہنوں کو جو آنچل سے منسوب ہیں' یہ میرا پہلا خط ہے۔ سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ سے مستفید ہوئے پھر سرگوشیاں سنیں۔ اب بات ہو جائے قسط وار ناولز کی تو نازیہ کنول نازی کمال کا ناول ہے۔ جی اور سومو (سوری سمیرا جی) پیار سے سوموہی کہوں گی بہت زبردست لکھ رہی ہیں۔ اب بات ہو جائے تو "اناڑی پیا" "بازی لے گیا" مزا آ گیا پڑھ کر اور طلعت نظامی کا "زہر" اچھا رہا اور باقی سوالات کا سلسلہ بے حد پسند آیا۔ بیوٹی گائیڈ میں مزید ٹپس کا اضافہ کریں' اللہ آنچل کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے اور اس کو ترقی کی بے پناہ منازل عطا فرمائے آمین۔

☆ پہلی بار شریکِ محفل ہونے پر خوش آمدید۔

ثناء رسول ھاشمی...... صادق آباد۔ تمام قارئین کو سلام۔ ماہ ستمبر کا سرورق اچھا لگا' جملہ اشتہارات کو پھلانگ کر درجواب آں میں جھانکا مگر ہم غیر حاضر تھے۔ ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں سے ملاقات اچھی لگی' شیریں آپ کو سالگرہ مبارک۔ بہنوں کی عدالت میں اس بار فاخرہ صاحبہ کی پیشی تھی' ہلکا پھلکا انداز بیاں دل کو چھو گیا۔ راحت جبیں صاحبہ آپ کی غیر متوقع آمد نے آنچل پر بہت سے ستارے ٹانک دیے گویا آپ کا ناول "زرد موسم" ہمیں بھی بہت پسند تھا۔ کہانیوں کے میدان میں "میں خوش بو اور رات" از سمیرا غزل صدیقی بس نارمل رہی۔ "موم کی محبت" میں زیبا اور صفدر کا مسئلہ جوں کا توں رہا جبکہ شرمین کو ایک نئے مسئلے کا سامنا تھا۔ "خوشیوں کی بہار" اسٹوری تو اچھی تھی مگر درمیان میں کئی بار یوں محسوس ہوا جیسے رائٹر خود الجھاؤ کا شکار ہے۔ "زہر" میں طلعت نظامی صاحبہ نے بہت میچور انداز میں دو غلے معاشرے کے دونوں رخ دکھائے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" شہوار کو پھر سے مصیبت کا سامنا ہے۔ "عید کا تحفہ" میں شازیہ صاحبہ نے رواں انداز میں ہمارے گھرانوں کی بے حسی سے پردہ اٹھایا۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" سب پریشانیاں ختم ہپی اینڈنگ۔ "حسنہ کی عید" سحرش فاطمہ صاحبہ نے مختصر مگر پُراثر انداز اپنایا۔ باقی کہانیاں ابھی نہیں پڑھیں' بیاض دل معیاری شاعری سے بھرپور تھی ہر شعر سوا سیر۔ نیرنگ خیال میں حکیم خان حکیم' فریدہ فری اور جاناں صاحبہ کی شاعری اچھی لگی۔ یادگار لمحے میں جازبہ عباسی کا افسانچہ قابل تعریف تھا' باقی سب نگارشات بھی بہت اچھی لگیں۔ سامعہ آپ کے دکھ میں ہم تہہ دل سے شریک ہیں' اللہ آپ کے والد صاحب کی مغفرت فرمائے اجازت' اللہ حافظ۔

ستارہ آمین کومل...... پیر محل۔ السلام علیکم! یقین کامل ہے اس ماہ آنچل فیملی اللہ کے کرم سے خیریت سے ہوگی' خوش باش اللہ کریم آپ سب کو اپنی رحمتوں کے سائے تلے اپنے حفظ وامان میں رکھے' آمین۔ ستمبر کے آنچل نے دل موہ لیا' بہت مزا آیا فاخرہ گل کی بہنوں کی عدالت میں موجودگی بہت اچھی لگی۔ انتہائی پیار سے جوابات دیے گئے' ماشاء اللہ عید سروے میں میری پیاری دوستوں حنا اشرف' امبر گل اور بجو صدف آصف کے جوابات نے چار چاند لگا دیے تو جناب ثناء ہاشمی کی پہلی کاوش نہیں بلکہ جسارت بہت پسند آئی۔ راحت جبیں تو ہماری موسٹ فیورٹ لکھاری ہیں' نا' سدرہ مرتضیٰ کا پہلا تبصرہ بہت زبردست' اب آتی جاتی رہا کرو یار۔ ندا حسنین تم نے محبت کا فسانہ بہت اچھا لکھا' شاباش سباس گل "محبت دل کا سجدہ" کو اختتام پذیر کروا کر فری' سباس آپی ویری گڈ اختتام خوش گوار رہا۔ صائمہ قریشی آپ کے "اناڑی پیا" نے خوب ہنسایا بس ایسا ہی لکھا کرو' بہت اچھا لگتا ہے۔ طلعت نظامی "زہر" لے کر حاضر تھیں' ویل ڈن۔ ہمارے ملک میں ایسا ہی تو ہو رہا ہے۔ "عید کا تحفہ" شازیہ فاروق نے بہت رُلایا۔ سحرش فاطمہ بدتمیز لڑکی تم نے رلایا مجھے اب اگلی دفعہ ہنسانا تم ورنہ مار کھاؤ گی۔ "وطن کی مٹی گواہ رہنا" نظیر فاطمہ ایسی ماؤں کی وطن کو ضرورت ہے ایسی ماؤں کا ہونا بڑی نعمت ہے ہمارا فخر ہیں یہ مائیں۔ فصیحہ آصف "خوشیوں کی بہار" کے سنگ تشریف فرما ہ! بہت خوب لکھا۔ سمیرا غزل صدیقی نے بھی بہت خوب صورت لکھا' عائشہ ملک' حوریہ ملک تم لوگ تبصرہ کیا کرو یار! میں یہاں آپ کی موجودگی چاہتی ہوں۔ امبر گل بچہ تھوڑا سا وقت تم بھی نکالو شاباش۔ آپ سب ادارے کے تمام ممبران کو عید مبارک' اجازت' رب راکھا۔

☆ ڈیئر ستارہ آپ کو بھی عید مبارک۔

سعدیہ رشید بھٹی...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف' شہلا آنٹی اور قارئین کیا حال ہیں بھئی؟ میری کسی بھی رسالے میں پہلی انٹری ہے آنچل میں "عشق تمام مصطفیٰ ﷺ" پڑھ کر رک ہی نہیں پائی' سمجھ سے بالاتر ہے کہ کیسے آپی عائشہ نور محمد کو تعریف کے سانچے میں ڈھالوں' کیسے ان کے الفاظ کی تعریف کروں (واہ آپی دل خوش کر دیا)۔ ان کا ایک ایک لفظ دل پر جا لگا' کاش ہر بنت حوا میمنہ جیسی اور ہر ابن آدم آمن رضا (بعد والا) کے جیسا ہوتا۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ تحریر کبھی میرے دل و دماغ سے مٹ سکے گی۔ عائشہ آپی آل دا بیسٹ' ایسے ہی لکھیں اور ہمارے دلوں میں گھر کرتی جائیں۔ باقی "ٹوٹا ہوا تارا" اچھا جا رہا ہے لیکن کبھی کبھی دل کرتا ہے کہ میں انا کو دو تھپڑ لگاؤں کیسے وہ ولی جیسے بندے کو چھوڑ رہی ہے' وہ بھی چڑیل کافقہ کے لیے' پلیز آپی سمیرا اب انا کو عقل دے ہی

دیں۔ نازی آپی آپ عائلہ کے ساتھ کچھ بُرا مت کرنا پلیز۔ باقی ٹوٹل آنچل از دا بیسٹ آنچل پورا پڑھ کے بھی دل کرتا ہے ایک بار پھر سے دوبارہ پڑھوں اگر اب آئینہ میں جگہ ملی تو ان شاء اللہ پھر سے شرکت کروں گی باقی آنچل کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ دعائے سحر اور آپی پروین افضل شاہین آپ کے بغیر آنچل ادھورا لگتا ہے شرکت کرتے رہا کریں۔ دعائے سحر! اللہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے آپ کو نانا آپی کو اور باقی فیملی کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اب اجازت دیں زندگی رہی تو پھر حاضری دوں گی فی امان اللہ۔

☆ پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! پیاری سی باجی سدا خوش رہیں آمین۔ امید ہے خوش باش اور فٹ فاٹ ہوں گی اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور کھلکھلاتا رکھے آمین۔ اس دفعہ آنچل وقت پر مل گیا۔ ٹائٹل یوں تو بہت ہی جاذب نظر تھا۔ ماڈل بھی غضب ڈھا رہی تھیں لیکن گردن کے میک اپ کو نظر انداز کردیا گیا' سرگوشیوں سے ہوتے ہوئے در جواب آں میں پہنچے تو اپنا جواب پاکر دل خوشی سے پھولے نہیں سمایا۔ دانش کدہ میں مالک یوم الدین سے کمزور اور ڈگمگائے ایمان کے ستون کو مضبوطی کا پلستر کیا۔ ہمارا آنچل میں سلمیٰ کوری کا تعارف کچھ ہٹ کر رہا اور اقراء مسرت آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی۔ بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل سے باتیں رم جھم برستی بارش کا مزہ دے گئیں۔ راحت جبیں سے ملاقات کمی رہی۔ عید۔ رنگ سروے زبردست رہا' سلسلے وار ناول "ٹوٹا ہوا تارا" بہت ہی زبردست اور فل ایکشن میں ہے۔ ولید کے لیے دل بہت دکھا اتنا دکھی نہ ہونا ولید جلد ہی صحت یاب ہوگا جبکہ شہوار کو ایاز اور دریہ کے شر سے بچائے۔ دریہ کو تو میرا دل چاہتا ہے رسیوں سے باندھ کر چھترول کرنی چاہیے۔ "موم کی محبت" میں بھی یوٹرن اذان کی وجہ سے آرہا ہے۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" کا بہت ہی خوش گوار اور ہیپی اینڈ ہوا۔ سباس گل بلاشبہ یہ آپ کی شاہکار تحریروں میں سے ایک تحریر ہے میری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔ "میں خوشبو اور رات" میں انائیہ کی ثابت قدم اور اللہ پر توکل بالآخر بگڑے ہوئے صارم کو سلجھے ہوئے انسان میں تبدیل کردیا۔ یہ محبت کا جادو جس پر چل جائے اس کے زمین و آسمان ہی تبدیل ہوجاتے ہیں۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔ "خوشیوں کی بہار" میں شرمین نے ناسمجھ والدین کی سمجھ دار بیٹی بن کر عقل مندی کا ثبوت دیا اور اپنی بدقسمتی کو خوش قسمتی میں بدل دیا۔ صائمہ قریشی کا "اناڑی پیا" بالآخر کچھ کچھ ٹریک پر آہی گیا' ہلکی پھلکی مسکراتی تحریر تھی۔ "وطن کی مٹی گواہ رہنا" میں حمیدہ نے اپنی ممتا کے اوپر پاؤں رکھ کر وطن کی محبت کو امر کردیا ایسی ماؤں کو سلیوٹ پیش کرنا چاہیے ان ہی سے وطن کی آن بان اور شان ہے۔ "عید کا تحفہ" بہت ہی روح پرور تھا۔ یہ تحفہ تو ہر مسلمان کے دل کی آرزو ہے' بیوٹی گائیڈ میں کارآمد ٹپس فوراً نوٹ کرلیں' نیرنگ خیال میں شریں تبسم' نیلم شہزادی' طیبہ نذیر اور جاناں کا انتخاب دل کو چھو گیا' بیاض دل میں فاطمہ نواز' نورین لطیف' فریدہ جاوید اور علمہ اشمشاد کے اشعار اے ون رہے۔ دوست کا پیغام آئے میں ایم فاطمہ سیال آپ نے مجھے یاد رکھا' یقین مانئے سیر خون بڑھ گیا۔ یادگار لمحے میں طیبہ سعدیہ عطاریہ' مسرت فاطمہ' رشید کرن' ملک' عروسہ شہوار رفیع اور فرح جبیں کے مراسلے بہترین رہے۔ آئینہ میں سب کے چہرے خوب لائٹیں مار رہے تھے۔ ہم سے پوچھیے میں پروین افضل شاہین' نورین مسکان سرور کے سوالات ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئے۔ کام کی باتیں موسم کے حسب حال رہیں' الغرض آنچل کا یہ شمارہ شاندار اور جاندار رہا' اچھا اب اجازت' فی امان اللہ۔

کرن ملک...... جتوئی۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں یقیناً عید اچھی گزری ہوگی' ستمبر کے شمارے کی دلہن کچھ اچھی نہیں لگی' یہ کیا اگلا شمارہ بھی عید نمبر ہوگا' واہ جی واہ۔ عید کے رنگ چھائے ہی رہیں گے' بہنوں کی عدالت میں فاخرہ گل کے بارے میں جان کر اچھا لگا' سونے پہ سہاگہ والا کام راحت جبیں نے کردیا اپنے بارے میں بتاکر "شب ہجر کی پہلی بارش" میں مجھے صمید اور مریہ کا کردار اچھا لگا اور یہ عمر درمیان میں کہاں سے آگیا تھا' زاویار اور عائلہ کی جوڑی بنتی نظر آتی ہے ویسے میرا ووٹ سدید کی طرف ہے۔ سمیرا شریف یہ کیا ہوا مصطفیٰ نے شہوار پر شک کرنا شروع کردیا' مجھے مردوں کی یہ شک کرنے والی عادت بہت بُری لگتی ہے۔ میں تو اب اس کہانی کا اینڈ بھی تھی لیکن یہاں تو نیا ٹوئسٹ آگیا۔ "موم کی محبت" میں یوبی بار بار ناراض ہوکر روم میں لاک اپ ہوکر کیوں لیٹ جاتا ہے' عارض کو ابھی تڑپانا چاہیے بغیر بتائے جو سزا دے دی۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" کا اینڈ حسب منشاء اچھا ہوا۔ ناولٹ "اناڑی پیا" پڑھ کر بہت مزا آیا آخر میں ہنس ہنس کر بُرا حال ہوگیا۔ "دیر" میں واقعی ٹھیک کیا گیا' اپنی عورتیں بغل میں دوسروں کی نظر میں۔ شازیہ فاروق نے بھی عید کا اچھا تحفہ دیا' "حسن کی عید" کچھ ادھوری سی لگی بقیہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ لائبہ میر شکریہ کی کوئی بات نہیں اچھی چیز کو اچھا ہی کہا جاتا ہے۔ ارم کمال یاد کرنے کا شکریہ' ایم فاطمہ سیال جو آنچل ولا میں داخل ہوگیا' سمجھو وہ دوستوں کی لسٹ میں بھی شامل ہوگیا۔ شمع مسکان' سمیرا غبیر یار کہاں گم ہو اب تو نظر ہی نہیں آتی۔ میں نے شمع اور مدیحہ آپ دونوں کو وش کیا تھا لیکن کیا کروں جگہ ہی نہیں ملی' میری طرف سے سب کو عیدالاضحی مبارک ہو۔

وثیقہ زہرہ...... سمندری۔ آنچل اسٹاف اور قارئین کو سلام اور بہت بہت عید مبارک۔ آنچل 27 کو بھائی نے لاکر دیا وہ بھی بہت منتوں سے۔ سب سے پہلے "موم کی محبت" پڑھا جو خاکہ اذان کا بتایا ہے بے اختیار دل چاہا کہ سامنا ہو اور ہم بھی چٹا چٹ چوم لیں اور امید ہے اگلی قسط میں زیبا اور عارض کا راز کھل جائے گا۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" درکنون کا محبت والا مقولہ کہیں سدید سے ہی

محبت نہ ہوجائے۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' دریہ کو یہاں سے بھگادیں تو بہتر ہے سب سے بُرے کردار ایاز کی فیملی اور دریہ کا ہے۔ ندا حسین کا ''محبت کا فسانہ'' بیسٹ رہا۔ ''میں خوشبو اور رات'' بھی بہت اچھا تھا۔ ناولٹ افسانے ابھی پڑھے نہیں۔ بیاض دل میں سب کے شعر پسند آئے ڈش مقابلہ بند گوبھی کا سلاد اور مصالحے دار بریانی پر ہاں کی کیوں کہ یہی دو ڈشز ہم بنا سکتے ہیں۔ باقی ڈشز بھی اچھی تھیں نیرنگ خیال ایک سے بڑھ کر ایک' اللہ حافظ۔

عاصمہ عبد المالک...... گوجر خان۔ شہلا جی آنچل اسٹاف' رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے' بہت سی کتابیں پڑھیں' بہت سے ڈائجسٹ اور رسالے بھی پڑھے مگر آنچل نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا۔ آنچل کے تمام سلسلے ہی شاندار ہیں' ہر سلسلہ ہی اچھا لگتا ہے مگر ''دانش کدہ'' میرا سب سے پسندیدہ ہے۔ تمام لکھاری بہنیں اپنی اپنی تحریر کے ساتھ بھرپور انصاف کرتی ہیں مگر عائشہ نور محمد ایک ایسی رائٹر ہیں جن کی تحریریں ایسی پُراثر ہوتی ہیں کہ دل بے ساختہ تعریف کرنے پر مجبور ہوجائے' ان کی تحریریں دلوں پر گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ عائشہ جی میری طرف سے آپ کو ڈھیروں سلام اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی کامیابیاں عطا فرمائے' آمین اور اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ پہلی دفعہ آئینہ میں شرکت کررہی ہوں' فی امان اللہ۔

☆ پہلی شرکت پر خوش آمدید۔

فرحت اشرف گھمن...... سید ولا۔ السلام علیکم! اس بار ٹائٹل بہت شاندار تھا' پہلے حمد و نعت سے دل و دماغ روشن ہوا۔ سلسلہ وار ناول ''موم کی محبت'' بہت سست روی کا شکار ہے تھوڑا تیز چلایا کریں' ورنہ کہانی اپنا مزہ کھودیتی ہے۔ ایک سال دو ماہ ہوگئے ابھی کہانی محبت کے ہی اردگرد گھومتی ہوئی ہے۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' سمیرا جی اب شہوار کے ساتھ کچھ بُرا نہ کرائیے گا وہ پہلے ہی رشتوں کو ترسی ہوئی ہے اینڈ ولی کو کچھ نہ ہو وہ پسندیدہ کردار ہے۔ ناولٹ ''محبت دل کا سجدہ ہے'' سباس گل نے اچھا اینڈ کیا' سب کو ملادیا' انا ختم کردی۔ باقی افسانے اور ناول اے ون تھے' سب ہی کہانیاں رائٹرز کی محنت اور مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ مجھے نازیہ کنول سے گلہ ہے نازیہ نے شعاع جولائی میں دلہن بنی ہوئی تصویر دی ہے پھر آنچل میں کیوں نقاب میں دی ہیں آنچل والوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھا اور شعاع والوں کو دیدار کروادیا یہ تو ناانصافی ہوئی نا۔ باقی رسالہ اے ون لگا' دعاؤں میں یاد رکھنا' سانسوں کی ڈوری بندھی رہی تو اگلے ماہ انٹری دوں گی' تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

پارس فضل...... السلام علیکم! تمام امت مسلمہ' اہل وطن آنچل فیملی کیسے ہو سب؟ شہلا جی آپ سنائیں' عیدالاضحیٰ کی مبارک باد تمام مسکراتوں اور آنچل سے منسلک لوگوں کو۔ آنچل باقی تو ابھی زیر مطالعہ ہے اس لیے چند ایک جو پڑھی ہیں ان پر ہی تبصرہ کروں گی ''موم کی محبت'' تو لگتا ہے واقعی ہی شرمین کی محبت بھی موم کی طرح ہے ذرا سی بات پر اس کا دل پیچ گیا' اپنے لیے کوئی درست فیصلہ کرہی لے تو بہتر ہے۔ عارض جب مجرم ہے تو زیبا بے چاری بے قصور ہوتے ہوئے بھی سزا جھیل رہی ہے جب کہ عارض گناہ کرکے بھی آرام سے زندگی گزار رہا ہے۔ صفدر بھی جانتے بوجھتے زیبا کو چھوڑ رہا ہے خیر اینڈ میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' اب کچھ کھل رہی ہے دریہ کو تو شہوار سے دور ہی رکھیں سمیرا جی' پہلے کیا کم دکھ اٹھائے ہیں بے چاری نے' اب جلدی سے ہادیہ اور ابوبکر کے بعد رابعہ اور سرعباس کو بھی ملادیں۔ ایاز اور اس کی فیملی کے لیے عبرت ناک سزا ہونی چاہیے تاکہ دنیا اس سے سبق حاصل کرے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' آپ نے رائٹر کے نام اور ناول کے نام کی طرح بہت ہی خوب صورت لکھا ہے پھر تبصرہ کروں گی نازیہ جی ڈونٹ مائنڈ ''محبت دل کا سجدہ ہے'' دیکھی ہے ابھی اس دفعہ پڑھی نہیں' پہلے والی اقساط کچھ' اس نہیں' بس۔ اچھا جی اب بس کرتی ہوں' اللہ حافظ۔

ندا علی عباس...... سوہاوہ گجر خان۔ السلام علیکم شہلا آپی اینڈ آل آنچل فرینڈز! امید ہے سب فٹ فاٹ ہوں گی ہمیشہ کی طرح آنچل 26 کو ملا یہ کیا آپی آپ کو کوئی نئی ماڈل نہیں ملتی کیا' ہر دوسرے ماہ بعد وہی ماڈل سرورق پر تشریف فرما ہوتی ہے۔ سمیرا شریف طور آپ کا ناول اچھا جارہا ہے مگر ہر ماہ پڑھنے کے بعد دل کی دھڑکن کی رفتار معمول سے زیادہ تیز ہوجاتی ہے پلیز یہ کاشفہ ایاز اور دریہ کو ایک سائیڈ پر کرکے پھڑکا تو ضرور دیں ایک بار پتا نہیں یہ ون لوگوں کے دماغ میں نئی نئی سازشیں کہاں سے آجاتی ہیں۔ ہم سے کوئی کام خراب ہوجائے تو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا' بہانہ بنانا تو دور کی بات ہے۔ عائشہ نور عاشا کہاں غائب ہو جلدی سے آنچل میں انٹری دو نا اور عائشہ کیا آپ ہم سے دوستی کرنا پسند فرمائیں گی پلیز ضرور بتائیے گا' اللہ حافظ۔

لائبہ میر...... حضرو۔ السلام علیکم! تمام ٹیم کو ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں۔ ٹائٹل بہت اچھا تھا' ''ٹوٹا ہوا تارا'' نے زبردست موڑ لیا۔ ''موم کی محبت'' بھی یہ قسط اچھی لگی۔ شرمین کے ساتھ اذان بہت اچھا لگا کیوٹ سا' نازیہ آپی کی یہ قسط پچھلی تینوں سے بیسٹ تھی اس کے علاوہ ''اناڑی پیا'' اور ''محبت کا فسانہ'' بہت فٹ تھیں۔ فاخرہ گل سے مل کر اچھا لگا اس کے علاوہ ''زرد موسم'' کی رائٹر سے ملاقات بھی ہوگی خوشی ہوئی۔ باقی ہر سلسلہ بھرپور تھا لیکن نیرنگ خیال میں محفل کے ٹوپر (راشد ترین) کی کمی محسوس ہوئی۔ عمر بنگرول اور جاذبہ کی سوال ٹاپ پر تھے۔ دعائے سحر سے مل کر اچھا لگا تھا' گزشتہ ماہ اینڈ تمہارا نام بھی بہت پسند ہے مجھے۔ ارم کمال تمہاری دوستی دل سے قبول ہے یار سوری تمہارے اور پرنسز افضل شاہین اینڈ شاہانہ عابد کے نام کی پیغام لکھے لیکن تم لوگوں تک نہیں پہنچ پائے' اس بار بھی تمہارے

پیغام میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ شاہانہ تھینک یو سو مچ اینڈ کہاں غائب ہو جاتی ہو۔ کوثر خالد جی (لو یو) آپ کی شاعری زبردست ہوتی ہے آپ کا تعارف پڑھنے کی خواہش ہے اینڈ پروین افضل میں نے دیکھ لیا ہے آپ کو پرنس بھائی کا قلم چراتے ہوئے اب خیر نہیں۔ جس جس کی سال گرہ ہے بہت بہت مبارک ہو اور جن دوستوں کے والدین یا عزیز ہی خالق حقیقی سے جا ملے ان سب کو اللہ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے آمین تمام قارئین کے لیے بہت سی دعائیں۔

اسماء نور عشاء...... بھوج پور۔ السلام علیکم! کیسی ہیں آپ امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی شہلا جی میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کا منہ چوم لوں سچ میں بہت پیار آ رہا ہے آپ پر۔ اب آپ حیران ہو رہی ہوں گی کہ آخر وجہ کیا ہے تو چلیں وہ بھی بتا دیتی ہوں۔ ستمبر کے شمارے میں اپنا نام وہ بھی آئینہ میں جگمگ کرتے دیکھا تو یقین جانیے اتنی خوشی ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔ چلیں جی اب آتی ہوں تبصرے کی طرف ستمبر کا ٹائٹل بہت پسند آیا۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل کو منور کیا اور پھر بھاگے بھاگے نازیہ کنول نازی تک پہنچے نازیہ جی مجھے سدیدہ کا کردار بہت پسند ہے۔ اس دفعہ کی قسط میں ایک بات ہضم نہیں ہوئی کیا عمر جیسے انسان بھی آج کے دور میں موجود ہیں اتنا سچا پیار ساٹھ سال سے اوپر کے ہو گئے اور شادی نہیں کی ویری امیزنگ۔ اب بات ہو جائے سمیرا جی کے ناول کی بہت خوب صورت ناول آپ کے ناول میں رابعہ اور ابو بکر میرے موسٹ فیورٹ کردار ہیں۔ اُف یہ دریہ تو کاشفہ بھی بُری لگی دل چاہتا ہے اس کا گلا دبا دوں۔ صائمہ قریشی آپ کی کہانی پڑھ کر مزہ آ گیا حسنین صاحب محنت کے باوجود بھی ''اناڑی پیا'' ہی رہے۔ ''عید کا تحفہ'' بہت اچھی سبق آموز کہانی ویل ڈن شازیہ جی۔ مختصر یہ کہ اس دفعہ آنچل پورے کا پورا بیسٹ تھا۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے اللہ نگہبان۔

مونا شاہ قریشی...... السلام علیکم! چندے آفتاب چندے مہتاب ستاروں سی لاجواب بجو جان! اس تاب و تب میں طبع نازک کی درستگی مطلوب ہے۔ 25 تاریخ کو جو جلوۂ آنچل نے حواس معطل کیے وہ دو دن بعد ٹھکانے آئے تو قلم کو انگلیوں کا لمس سونپ کر لفظوں کو صفحات پر بکھیرنے کا کام آیا۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' کو شرف قبولیت بخشا مگر دو صفحات کے بعد ہی اسے نظروں سے اوجھل کر دیا۔ دریہ اور ایاز کی کیمسٹری دیکھ کر مجھے خطرناک ری ایکشن کی توقع تھی اور خطرہ میں ابھی افورڈ نہیں کر سکتی۔ ''میں خوشبو اور رات'' کے سوگوار ٹائٹل نے متوجہ کیا مگر محض ٹائٹل پر اکتفا نہیں کیا پوری کہانی ہی دل سوز تھی۔ ''محبت کا فسانہ'' اور ''اناڑی پیا'' میں موخر الذکر اسٹوری نے مسکراہٹ کو ختم ہی نہیں ہونے دیا۔ حسنین کا اناڑی پن نہیں بلکہ ڈھیٹ پن کہنا مناسب ہوگا۔ ''محبت دل کا سجدہ ہے'' سباس بجو بس ایک بات ضرور کہوں گی اس علی کی ''میری جان'' کی گردان نے صحیح معنوں میں جان نکال دی اتنی جان کی رٹ...... اختتام تو ہوا صد شکر ناول اچھا تھا۔ ''وطن کی مٹی گواہ رہنا'' ایسی ماؤں کو پورا وطن سلیوٹ کرتا ہے فخر و مان کا پیکر۔ نظر فاطمہ قلم کا اتنا درست استعمال مجھے بہت پسند آیا۔ ''زہر'' نے واقعی ایک لمحے کے لیے پورے منہ میں کڑواہٹ گھول دی اعتدال پر آنے میں خاصا وقت لگا تلخ حقیقت لیے افسانہ بیسٹ تھا۔ نازی بجو ''شب ہجر کی پہلی بارش'' مجھے بس صمید انکل اچھے لگے ان کی محبت درد بے قراری ضبط انہیں انکل کیوں بنا دیا بس یہی شکوہ ہے۔ مدیحہ کنول یار اوئے ہوئے یہ مزاج عاشقانہ مجھے تو بہت پسند آیا یہ ناز دلبرانہ۔ فریحہ طیبہ اور جاناں آپ نے نیرنگ خیال کی دلکشی میں اضافہ کا سامان مہیا کیا۔ جازبہ ڈیئر میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں شکریہ نہیں بنتا آپ کا۔ یادگار لمحے میں نورین لطیف اور اقرا لیاقت نے اچھا تاثر چھوڑا باقی سلسلے زیر نگاہ ہیں جو کہ امید کامل ہے ہمیشہ کی طرح مزے دار ہوں اللہ حافظ۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ اکتوبر کا مہینہ ٹھنڈی ٹھنڈی دل فریب ہوا سردی کی آمد چاندنی رات آسمان پر بکھرے تاروں کی کہکشاں کیا دل خوش نما سا منظر پیش کر رہا ہے اور اس مصرعے کی مثل ہے ''جھوم اٹھا ہے جہاں...... اک تیرے آ جانے سے'' آہم آہم۔ ہاں جی اب آتے ہیں تبصرے کی طرف سب سے پہلے تمام آنچل اسٹاف اور قارئین کو میرا محبت بھرا اسلام اور عیدالاضحیٰ کی ڈھیر ساری مبارک باد۔ شکر ہے اس بار آنچل کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سرورق ہمیشہ کی طرح خوب صورت لگا۔ حمد و نعت سے دل کو منور کیا پھر تعارف کی طرف بھاگی سب ہی کے تقریباً تعارف اچھے لگے خاص کر میری دوست شیریں تبسم کے اس کے بعد بھاگی سلسلے وار ناول کی طرف یعنی ''موم کی محبت'' راحت وفا جی مجھے تو ٹینشن لگ گئی بے چارن شرمین کہاں کہاں جائے کس کس کی سنے۔ اُف...... کسی طرح ان کے مسائل دور کر دیں خاص کر میری فیورٹ زیبا کے ساتھ صفدر کا رویہ نہیں تو میں نے عارض کا خون کر دینا ہے ہاں نہیں تو۔ ''محبت دل کا سجدہ ہے'' سباس گل واہ جی تسی تو چھا گئے اتنا اچھا اینڈ کیا ویل ڈن۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' اتنی قسط پڑھنے کے بعد مجھے درکنون اور صیام کا کردار اچھا لگا پلیز نازیہ جی ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لکھا کریں (کسی کو پتا نہیں چلے گا ہاہاہا)۔ اس کے بعد ''ٹوٹا ہوا تارا'' کی طرف بھاگی اور پھر سوچا کیوں نہ سمیرا آپی کے گھر دھرنا دے آؤں ایک پرابلم ختم ہوئی نہیں دوسری کھڑی ہو گئی۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے سمیرا آپی ایاز کاشفہ اور دریہ کے ساتھ ملی ہوئی ہیں ہاں نہیں تو۔ تمام ''افسانے'' بہت اچھے تھے سب نے ایک سے بڑھ کر لکھا اسپیشلی سحرش فاطمہ نے ''حسنہ کی عید'' بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ یادگار لمحے تو واقعی یادگار رہا۔ بیاض دل آئینہ اور نیرنگ خیال بہت عمدہ رہا۔ ڈش مقابلہ میں سب کی ڈشیں مزے دار لگیں۔ دوست کا پیغام آئے میں میرے نام کوئی پیغام نہیں۔ ہم سے پوچھیے میں جوابات پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ان کا تعلق کسی زمانے میں مسٹر بین سے رہا ہوگا۔ آپ کی صحت تو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے میری اپنی صحت کرنے والی ہے۔ پھر کام کی باتیں پڑھیں جو تھوڑی بہت بقول امی کے سمجھ آ ہی گئی ہوں گی۔ میری دعا ہے آنچل خوب سے خوب تر کے

منازل طے کرتا چلا جائے، فی امان اللہ۔

تہمینہ خان ھنی ...... ٹوبی۔ السلام علیکم اہل پاکستان اور تمام آنچل اسٹاف۔ سلام کے بعد عرض ہے کہ میں پچھلے پانچ سالوں سے آپ کی خاموش قاری ہوں لیکن آج قلم اٹھانے کی وجہ نمیرا شریف طور کا سلسلہ وار ناول "ٹوٹا ہوا تارا" ہے بلاشبہ ہر طرح سے مکمل اور خوب صورت ناول ہے لیکن اگر اس میں اب بے جا ٹوئسٹ نہ لے کر آئیں اور تھوڑا اختصار سے کام لیا جائے تو کہانی کا پلاٹ اور قاری کا شوق ہنوز برقرار رہے گا اور مصنفہ سے گزارش ہے کہ اب شہوار کے خاندان کا پتا چلنا چاہیے، باقی تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ افسانے، نعت وحمد، شاعری بلاشبہ ایک معیاری ڈائجسٹ ہے آنچل، والسلام۔

☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

ماریہ کنول ماھی، نازیہ افرا مبین ...... گوجرانوالہ۔ السلام علیکم! تمام پڑھنے والیوں کو اس کیوٹ اور سویٹ سی ماہی کی جانب سے عیدالاضحی بہت بہت مبارک ہو اور شہلا آپی آپ کو بھی۔ آنچل ہاتھ میں آیا تو سرورق نے ہماری ساری توجہ کھینچ لی، مہوش آفتاب نے تو دل کے نہاں خانوں میں اپنی جگہ بنالی اور اس کی آنکھیں تو بالکل ایسے لگتی تھیں جیسے میری چھین لی ہو۔ خیر پھر آگے بڑھے سرگوشیوں کے بعد مالک یوم دین پڑھا دل پرسکون ہوگیا خصوصاً تکمیل دعا پڑھ کر۔ در جواب آں میں آنٹی کو بڑے دلکش انداز میں دوسروں سے محو گفتگو پایا پھر آگے بڑھے "موم کی محبت" پرتو مجھے کسی گڑبڑ ہونے کا خدشہ لگتا ہے، بوبی کی طرف سے اور جب عارض زیبا کا مجرم ہے تو پھر اتنا معصوم کیوں بن رہا ہے۔ خیر ایک دن تو تمہارا کارنامہ سامنے آ ہی جائے گا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" سمیرا آپی مجھے تو آپ بڑی پیاری لگیں تصویروں میں اور اب آپ کے اس ناول سے بھی زیادہ محبت ہوگئی ہے۔ شکر ہے ولید کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے انا کے اندر چھپی محبت کروٹ لینے لگی ہے مگر شہوار اور مصطفیٰ کی طرف سے کچھ خطرہ فیل ہو رہا ہے یہ نان سینس درجہ ضرور اپنی اوقات دکھائے گی۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" ویری فنٹاسٹک اینڈ ہوا آپی سباس میری طرف سے آپ کو سلیوٹ۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" اچھی جارہی ہے، مکمل ناول دونوں ہی اچھے تھے۔ ناولٹ بھی اے ون تھے خصوصاً "اناڑی پیا" پڑھ کر تو بہت ہنسی آئی جوامی کی ڈانٹ سے بند ہوئی۔ افسانے بھی پسند آئے مگر "وطن کی مٹی گواہ رہنا" دل کو چھو گیا۔ ہمارا آنچل میں چاروں دوستوں سے مل کر اچھا لگا خاص کر سلمٰی گوری سے دوستی کروں گی جواب ضرور دینا۔ بیاض دل میں فریدہ جاوید، وقاص عمر، نیلم شرافت، فیاض اسحٰق کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں نیلم شہزادی، طیبہ نذیر اور جاناں کا انتخاب اچھا لگا۔ دوست کا پیغام آئے سارا پڑھا مگر کسی ظالم نے ہم یاد نہیں کیا۔ یادگار لمحے بھی فرسٹ کلاس تھے۔ ہم سے پوچھیے میں جازبہ عباسی، زویا خان، ارم کمال اور وقاص عمر کے سوالات پسند آئے اور آئینہ میں بھی سب کے تبصرے پسند آئے۔ ڈیئر قارئین آپ سے گزارش ہے کہ میری خالہ کی آنکھوں کی بصارت ختم ہوگئی ہے پلیز دعا کیجیے کہ اللہ ان کی آنکھوں کا نور پھر سے عطا کردے۔ ساری فرینڈز کو عیدالاضحی کی ڈھیروں مبارک باد اور دعائیں، اللہ حافظ۔

آمنہ ...... ای میل۔ السلام علیکم! میں ایک خاموش قاری ہوں لیکن اس دفعہ اپنی خاموشی توڑ کر آنچل کی محفل میں شامل ہوں عید نمبر 2 کے ساتھ سب سے پہلے ایک چھوٹے سے پُراثر افسانے "حسنہ کی عید" پر بات کروں گی۔ سحرش فاطمہ نئی لکھاری ہیں ان کی تحریر پڑھ کر مجھے حسنہ کا درد محسوس ہونے لگا۔ ہم قارئین انہیں افسانوں، ناولوں میں اپنے آپ ڈھونڈتے ہیں اور ایسا ہے بھی۔ اس مختصر افسانے نے دل کو چھولیا۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں صرف سحرش کی تعریف کروں گی تو ایسی بات نہیں ہے، بہنوں کی عدالت ہو ہمارا آنچل ہر سلسلہ آنچل کا عزیز ہے پھر وہ آپی قیصر کے جواب دینے کا طریقہ ہو یا ہمارے لیے بیوٹی گائیڈ۔ اس دفعہ صائمہ قریشی کا "اناڑی پیا" بہترین تحریر، پڑھتے ہی مسکراہٹ ہنوز رہی تو دوسری جانب ندا حسنین کا ہنستا مسکراتا گھریلو سا ناول جس میں کزنز کی نوک جھونک اور پھر والدین اور اولاد کا راز ہر چیز اس میں شامل تھی۔ فاخرہ گل کا بہنوں کی عدالت میں آنا بہت اچھا لگا۔ عید سروے بھی بہت اچھے جوابات لگے، مجھے ایسا لگ رہا ہے میں پہلی دفعہ نہیں بلکہ جیسے ہر دفعہ شامل ہوتی ہوں، چلیں میں اب اس امید کے ساتھ اجازت کہ باقاعدہ شامل رہوں گی، چلتی ہوں سب رائٹرز کو سلام اور پیار۔

☆ ڈیئر آمنہ خوش آمدید۔

تاخیر سے موصول ہونے والے خط۔

مدیحہ نورین مہک، رشک وفا، کے ایم نور الشال، ذمیم روشن، افشاں علی، فاطمہ بھٹی، حمیرا نوشین، سلمٰی نسیم گل۔

❁ اب اس دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت کہ رب العزت، ہماری کی گئی قربانی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور مستحقین کا جو حق بنتا ہے اسے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

شمائلہ کاشف

سلمیٰ گوری خان......لاہور

س: ہیلو شمائلہ آپی! اتنی دشمنی اچھی نہیں ہوتی کہ آپ ہمارے سوالوں کے جواب ہی نہ دیں؟

ج: ارے جواب تو دیتی ہوں مگر دل میں اب بُرے القاب سب کے سامنے لاتے ڈر لگتا ہے۔

س: آج آخری بار پوچھ رہے ہیں کیا ہمارے سوال آپ کو ڈنگ مارتے ہیں جو آپ رڈی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ہیں؟

ج: ڈنگ نہیں مارتے لیکن حد سے زیادہ فضول ہوتے ہیں اس لیے ڈاک لانے والا خود ہی کھا جاتا ہے ہی ہی ہی......

س: یہ فرینڈز نخرے کیوں دکھاتی ہیں؟

ج: کیونکہ آپ ان کے نخرے اٹھا کر انہیں اس قابل بنا دیتی ہیں۔ ویسے آپ نے ردی چھوڑ کر نخرے کب سے اٹھانا شروع کیے یہ ضرور بتایئے گا۔

س: دلہا اگر گنجا ہو تو چل جاتا ہے اگر دلہن ہو تو......؟

ج: زیور سے محروم رہ جاتی ہے اور دلہا ایک وقت میں دو چاند دیکھتا ہے۔

س: آپی جی آپ نے کبھی غور کیا یہ ہر دوسری تیسری کہانی میں ہیرو ٹام کروز جیسا بنا ہوتا ہے کوئی نواز شریف جیسا یا پھر مولانا فضل الرحمٰن جیسا کیوں نہیں بنایا جاتا؟

ج: یہ تو اپنے ذہن پر منحصر ہے آپ تصور میں زکوٹا جن کو ہیرو کے طور پر دیکھا کریں ویسے بھی آپ کے وہ بالکل زکوٹا جن جیسے ہے ناں......

س: ویسے آپی فرق تو کوئی بھی نہیں ان میں وہ ہیرو بے چاری ہیروئن کو چیٹ کرتا ہے اور یہ ساری حکمران ہم سادہ عوام کو ہے ناں؟

ج: خود کو اہمیت دینے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے مت دینا پتا نہیں کس اینگل سے ہیروئن لگتی ہو۔

س: ایک بات پوچھوں سنا ہے آپ کو ٹی وی آفر ہوئی ہے؟

ج: وہ آفر میں نے آپ کی طرف کردی ہے اب بل بتوڑی کا رول اچھی طرح نبھانا۔

سنیاں زرگر/قصی زرگر......جوڑہ

س: آپی جی اس دفعہ آپ نے کون سی قربانی خریدی ہے بڑی یا چھوٹی یعنی گائے یا بکرا یا پھر اونٹ۔

ج: یہ بتا نہیں سکتی ورنہ آپ حصہ مانگیں گی اور میں بے چاری مروت کی ماری انکار نہیں کر پاؤں گی...... ویسے قربانی خریدی نہیں کی جاتی ہے۔

ثانیہ مسکان......گوجر خان

س: ڈیئر اپیا! پہلی بار آپ کی محفل میں چراغاں کرنے تشریف لائی ہوں خوش آمدید تو کہیں؟

ج: خوش آمدید میری نئی نئی گھی کے چراغ! اب منہ مت بناؤ چپ کرکے بیٹھ جاؤ۔

س: آپ ابھی تک آئینہ دیکھ کے ڈر جاتی ہیں حالانکہ اب تک تو آپ کو عادی ہو جانا چاہیے تھا؟

ج: کیا کریں آپ کی خوف ناک صورت آنکھوں میں ایسی سمائی ہے کہ اپنے چہرے کی جگہ آپ کی شکل آئینہ میں نظر آتی ہے۔

س: آئے ہیں تیری زندگی میں ہم بہار بن کے میرے دل میں یوں ہی رہنا......؟

ج: بہار نہیں دل کا مریض بن کر آئے ہو اور اگر یوں ہی رہی تو تو تو......

س: ان کی آنکھوں کو دیکھنے والے اپنی آنکھوں سے پیار کرتے ہیں کس کی بھلا؟

ج: میری اور کس کی بھلا اب جل بھن مت جانا۔

س: آپ کا اصرار اپنی جگہ پر اپیا جانا تو ہے فکر مت کریں میں پھر آؤں گی اللہ حافظ۔

ج: مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے فکر تو آپ کے گھر والے کرتے ہیں اب آپ بھی اپنی بے فکر چھوڑ

دیں۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

س: مرغا اذان دیتا ہے' مرغی اذان کیوں نہیں دیتی؟

ج: خود اذان دے کر یہ شوق بھی پورا کرلیا کرو بہنا!

س: آپ جھانگا مانگا کے جنگلات میں کیا کرنے گئی تھیں؟

ج: آپ جیسی مرغی دیکھنے گئی تھی مگر افسوس آپ ایک ہی پیس تھیں۔ جو ہمارے آنے سے پہلے ہی بھاگ گئی۔

س: غصہ نہ ہوں میں جارہی ہوں' اللہ حافظ۔

ج: اچھا جارہی ہو پھر آؤں گی؟ یہ تو بتاؤ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: شادی والے دن جب میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کے سر پر دوپٹہ ڈال کر آئینے میں میری صورت دکھائی گئی تو بھلا بتائیں کہ ان کے منہ سے پہلا لفظ کیا نکلا تھا؟

ج: بُری طرح پھنس گیا' اب تو اللہ ہی حافظ ہے میرا اور ایک بہت ہی لمبی آ آ آ آہ۔

س: شادی پر دلہا کو نوٹوں کے ہار کیوں پہنائے جاتے ہیں؟

ج: تا کہ وہ آرام سے بھاگ سکے مگر اس بے چارے کی عقل تو گھاس چرنے گئی ہوتی ہے اب کون سمجھائے لوگوں کو۔

س: کیا شوہر کو مجازی خدا سمجھنے والی بیویاں آج بھی زندہ ہیں؟

ج: یہ تو آپ اپنے پرنس سے پوچھیں اس کا ٹھیک جواب تو وہ ہی دے سکتے ہیں' ویسے سچ بتائیں آپ اپنے شوہر کو کیا سمجھتی ہیں۔

کے ایم مقامی...... کھڈیاں قصور

س: آپی چڑیا کی قربانی میں...... دو پسلیاں مبارک ہو۔

ج: خیر مبارک' سری پائے آپ کو بھیج رہی ہوں' رشتے داروں کو بھی تو دینا پڑتا ہے ناں۔

س: آپی آپ قربانی کا گوشت مستحق افراد کو دیتی ہو یا پھر خود کو ہی حق دار مستحق سمجھ کر سارا ہڑپ کر جاتی ہو؟

ج: آپ مجھے اپنی طرح سمجھ رہی ہو' پچھلی بار آپ نے ٹڈے کی قربانی کی تھی اور کہا تھا اس میں سے اب میں کس کو بھی کچھ نہیں دوں گی یاد کروں۔

جاذبہ عباسی...... دیول' مری

س: چندا مہتاب چندا آفتاب کا آداب قبول کیجیے ڈیئر شمائلہ جی! ارے ارے یہ تازہ سرخ گلابوں کے ہار...... آہم ان کی کیا ضرورت تھی؟

ج: بکرا ذبح کرنے سے پہلے جیسے اسے کھلانا پلانا ضروری ہے اس لیے آپ کو بھی چھری کے نیچے لانے سے پہلے یہ ہار تو پہنانا ہیں ناں۔

س: یار ہم اکثر سوچتے ہیں کہ ہماری پیاری شمائلہ جانو کے ہونے والے "وہ" کیسے ہوں گے؟ چمکتی ٹنڈ' کراچی اسٹیڈیم جیسی پیشانی' طوطے جیسی ناک' گلاب جامن جیسی رنگت' اُف اللہ خوب صورتی کا منہ بولتا ثبوت ہوں گے ہاہاہا۔

ج: نقشہ تو آپ نے اپنے ان کا کھینچ دیا ہے' بس ہاتھ پاؤں لٹے کرنا بھول گئی ہیں' چلو میں نے اضافہ کردیا۔ ارے ارے شکریہ کی ضرورت نہیں۔

س: پتا ہے جب ہم گھر کے کاموں میں ڈنڈی مار جاتے ہیں' ناں تو ہماری ماں جی غصے سے کہتی ہیں" تجھے کوئی زکوٹا جن ہی بیاہ کرلے جائے گا" بھلا کیوں؟

ج: کاش آپ کی امی جی کو کوئی بتائے کہ زکوٹا جن بھی آپ جیسی کام چور چڑیل کو بیاہ کر نہیں لے جاتے۔

س: ہمارے ابا جان نے ہمیں اتنا کیوں ڈانٹا' جبکہ ہم نے تو کچھ نہیں کہا تھا بس اپنی دادی جان کے آرٹیفیشل دانت ہی چھپائے تھے کچھ دیر کے لیے۔

ج: وہ یہ ہی تو کہہ رہے ہیں کہ چیز اپنی اپنی استعمال کرلیا کرو' اب اگر انہوں نے تھوڑا سخت لہجے میں کہہ دیا تو کیا ہوا۔

فاطمہ بھٹی...... وہاڑی

س: مرد عشق میں ناکام ہوکر داڑھی رکھتے ہیں، عورتیں کیا کرتی ہوں گی؟
ج: ناخن بڑھالیتی ہیں، ناکام عشق میں اپنے عاشق کا منہ نوچنے کے لیے۔
س: جب ہم گرتے ہیں تو یہ کیوں دیکھتے ہیں کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ چوٹ کہاں لگی؟
ج: گرنے کے بعد سب سے پہلے بے عزتی کا خیال جو سر چڑھ کر بولتا ہے لیکن جب آپ گرتی ہوں گی تو زلزلہ ہی آجاتا ہوگا اور آپ ضرور دیکھتی ہوں گی کہ کون کہاں گرا۔
س: میرا آنا تو برا نہیں لگا آپ کو؟
ج: اتنے برے حلیے میں آؤں گی تو مجھے کیا سب کو ہی برا لگے گا آئندہ ڈھنگ سے آنا۔

جی کنول خان...... موسیٰ خیل

س: شمائلہ آپی پہلی بار شرکت کی ہے، ویلکم نہیں کہیں گی؟
ج: کیوں زبردستی ہے کیا یا پھر کسی سیاسی پارٹی سے تعلق ہے۔
س: آپ یوں کیوں گھور رہی ہیں؟
ج: اتنا خراب میک اپ کرکے گھر سے یہاں تک کیسے آگئیں، یہ سمجھنے کی کوشش کررہی ہوں۔
س: آپ مجھے ایگزامز میں پاس ہونے کا آسان ترین طریقہ بتائیں؟
ج: بہت ہی آسان طریقہ ہے پڑھ لو عمل کرکے دیکھنا ضرور پاس ہوجاؤ گی۔
س: ہائے اتنی گرمی اوپر سے لوڈشیڈنگ آپی سنادیں واپڈا والوں کو کچھ؟
ج: نہیں بھئی آپ کے سسرال والوں کو میں کچھ نہیں کہہ سکتی اس کے لیے بس آپ ہی کافی ہوں۔
س: اچھا آپی اجازت چاہتی ہوں اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں۔
ج: سدا خوش رہو اپنے خرچے پر۔

رخ کومل شہزادی...... سرگودھا

س: آپ کے جوابات پڑھ کر ہمیشہ مسکراہٹ کیوں آتی ہے لبوں پر؟
ج: زبردستی نہیں ہے دل نا چاہئے تو مت مسکراؤں۔
س: آپی آپ نے عیدی ہی نہیں بھیجی ہماری بھلا کیوں؟
ج: کیونکہ تم ہمیشہ کی طرح گھر پر نہیں تھیں، اس لیے ہم نے بھی عیدی نہیں بھیجی۔

عائشہ پرویز...... کراچی

س: آپی جی! وہ کہتے ہیں مجھے آپ...... لگتی ہو بھلا کیا؟
ج: لو بھلا یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات ہے سب کو ہی پتا ہے کہ تمہارے 'وہ' تم کو چڑیل......
س: محبت اور محنت میں فرق ایک نقطے کے اوپر نیچے ہونے کا ہے اور......؟
ج: سمجھنے کا' جو کہ آپ کی ناقص عقل سمجھنے سے قاصر ہے اس لیے کہتے ہیں بادام کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤں۔
س: یہ بتائیں کہ محبت کرنے والے سائے سے بھی کیوں ڈرتے ہیں بھلا؟
ج: آسیب سے سب ڈرتے ہیں' آپ مت ڈریں کیونکہ آپ کو خود...... سمجھ گئی ہوں گی اب تو......

سعیدہ...... ستیانہ

س: آپی پہلی بار آپ کے آستانے پر آئے ہیں ویلکم تو بنتا ہی ہے' کیسے کریں گی؟
ج: ہم اپنی ہر مرید کو ایک پیر پر کھڑے ہونے کی سزا دیتے ہیں آپ بھی اس پر عمل کریں شاباش۔
س: آپی جی جن کو ہم خوش رکھنا چاہتے ہیں وہ ہی ہم سے ناراض کیوں ہوتے ہیں؟
ج: آپ 'جن' کو کیوں خوش رکھنا چاہتی ہو انسانوں کو خوش رکھو تو پھل بھی ملے گا اور ادھار بھی......
س: اللہ آپ کو دائمی خوشیوں سے نوازیں' آمین۔ ہمیں بھی اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں؟

ج: اللہ آپ کو عقل سلیم دینے کے ساتھ اسے استعمال کرنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائے‘ سب بولیں آمین۔

مہوش فاطمہ بٹ...... دینہ جہلم

س: خوش آمدید شمائلہ جی! اب آپ مجھے بھی خوش آمدید کہیں؟

ج: زبردستی ہے کیا‘ نہیں کہوں گی ڈرتی نہیں ہوں.....تم تو فوراً ہی بات دل پر لے جاتی ہیں۔

س: سردیوں میں اگر ٹھنڈے پانی سے نہایا جائے تو دانت بجنا شروع ہوجاتے ہیں لیکن گرمیوں میں تو ٹھنڈے پانی سے نہایا جاتا ہے پھر کیوں دانت نہیں بجتے؟

ج: مجھے تو اس بات پر حیرت ہورہی ہے کہ تمہارے دانت سردیوں میں نہانے سے بجتے ہیں جب کہ تم تو بتیسی میز پر رکھ کر جاتی ہوں۔

س: لوگ دوسروں کی برائیاں بیان کرتے ہیں لیکن اچھائیاں بیان نہیں کرتے کیوں؟

ج: یہ سوال تو آپ کو خود سے کرنا چاہیے کیونکہ آپ ہر وقت اپنی ساس نندوں کی کتنی برائیاں کرتی رہتی ہوں۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

س: کیسی زندگی گزر رہی ہے آپ کی؟

ج: آپ کے آنے سے پہلے تک بہت خوش گوار گزر رہی تھی اب کیا نہیں پتا۔

س: میرے سے کیا ویر ہے آپ کا جو مجھے شامل نہیں کرتیں آپ؟

ج: مجھے تو کوئی ویر نہیں‘ ہاں البتہ ڈاک خانے والوں کو ضرور لگتا ہے۔

س: ویسے آپ دن بہ دن بڑی تیز ہوتی جارہی ہیں (مائنڈ اٹ)

ج: ہاں عید قرباں قریب ہے ناں تو سوچا اس بار تم کو ہی......

س: مجھے ایسے لگتا ہے جب آپ سوالوں کے جواب دیتی ہیں تو کھڑی ہو کے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کے جواب دیتی ہیں؟

ج: نہیں بہنا! اگر ہاتھ کمر پر ٹکالوں گی تو بیلن اور چمٹا کیا صرف تم ہی دکھاؤں گی......

س: کوئی بات بُری لگی ہو تو سوری‘ اللہ حافظ۔

ج: کوئی بات نہیں بلکہ ساری باتیں ہی بُری لگی ہیں‘ خیر پریسی ہوجاؤ معاف کیا۔

طاہرہ غزل...... جتوئی

س: آپی کیسی ہیں آپ؟

ج: پھولوں کی طرح مہکتی ہوئی‘ ہمیشہ کی طرح بہت ہی خوب صورت‘ حسین اور جمیل اب جل نا جانا۔

س: بہارو پھول برساؤ...... آہم آپی یہ پھول میرے آنے پر برسائے جارہے ہیں یا آپ رہتی ہی پھولوں میں ہیں؟

ج: ہم تو رہتے ہی پھولوں میں ہیں بس یہ کاغذی پھول آپ کے لیے ہیں اس پر ہی خوش ہوجاؤں۔

س: شمائل آپی جتوئی سے کراچی دور ہے یا چاند؟

ج: کیوں جو چیز زیادہ دور ہوئی وہاں اپنے میاں کو لے جانے کی فرمائش کروں گی‘ بہت چالاک ہوتی جارہی ہو۔

س: آپی آپ کی پسند کا پھول کون سا ہے؟

ج: میں تو خود ایک پھول ہوں‘ وہ بھی بے انتہا حسین گلاب کے پھول سے زیادہ۔

س: آپی میرے سوالات پڑھ کر بور تو نہیں ہوئیں؟

ج: بہت جلدی خیال آ گیا ورنہ ابھی ردی کی ٹوکری میں جگہ بنا ہی رہی تھی۔

س: آپی اپنی پیاری سی دعاؤں میں مجھے اجازت دیجیے‘ اللہ حافظ

ج: سدا خوش رہو اپنی بھولی ساس کے ساتھ۔

ک ف ہارون آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے مسائل شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ PICHUTRIN-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

شمع اسلام منڈی بچیانہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال بہت روکھے اور بے جان ہیں لمبے نہیں ہوتے بہت چھوٹے ہیں گرتے بھی بہت ہیں میں چاہتی ہوں کہ میرے بال لمبے مضبوط اور چمکدار ہوجائیں اور جلدی لمبے ہوں برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوا تجویز فرمائیں میں آپ کی بڑی شکر گزار رہوں گی۔

محترمہ آپ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بوتل کے استعمال سے بال لمبے گھنے اور خوب صورت ہوجائیں گے۔

عادل مصطفیٰ جہلم سے لکھتے ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے بڑھانا چاہتا ہوں پلیز اس کا کوئی علاج بتائیں دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے اس کے چہرے پر سرخ رنگ کے دانے نکل آتے ہیں اور بعد میں نشان چھوڑ جاتے ہیں کوئی علاج بتادیں بڑی مہربانی ہوگی۔

محترم آپ CALC PHOS-6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ کھایا کریں اور BHARIUM CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پیا کریں تین ماہ کا کورس مکمل کرلیں۔ اس کے بعد عمر کے ساتھ قد بڑھتا رہے گا اور دوا کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے حاصل کریں اور اپنی بہن کو GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں۔

آصفہ کنول جتوئی سے لکھتی ہیں کہ میرے بھائی کے بالوں کا مسئلہ تھا آپ کے ہیئر گروور کے استعمال سے کافی فائدہ ہوا مگر اب بھی کچھ بال گرتے ہیں اس کے ساتھ کوئی کھانے کی دوا بھی بتائیں اور بھائی کے سر میں پیپ دانے نکلتے ہیں اور سر کی جلد پر بہت خارش ہوتی ہے۔ دوسرا مسئلہ بھی میرے بھائی کا ہے ان کے جسم پر بہت الرجی ہوتی ہے اور سرخ، سرخ دانے نکل آتے ہیں پلیز کوئی اچھی سی دوا بتادیں اور میرے منہ پر موٹے موٹے دانے نکل آتے ہیں جو ختم ہونے پر نشان چھوڑ جاتے ہیں اور آخری مسئلہ میری بہن کا ہے ان کے دانتوں سے خون آتا ہے اور منہ میں بو ہوتی ہے پلیز ہم نے بہت امید سے آپ سے رجوع کیا ہے آپ ہمارے ان مسائل کا حل بتادیں۔

محترمہ آپ بھائی کو ACID FLOUR-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں اور GRAPHITES-200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن دیا کریں، ہیئر گروور کا استعمال بھی جاری رکھیں آپ خود GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بہن کو MERCSOL-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔

اقرا محمود حضرو اٹک سے لکھتی ہیں کہ آپ لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں اور ان کو دوا بتاتے ہیں میں

بھی بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں ڈاکٹر صاحب میری گردن پر کچھ ایسے نشان ہیں جیسے چائے گر جائے اور وہ سوکھ کر نشان چھوڑ دے پہلے یہ نشان صرف گردن پر تھے اب آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں سردیوں میں یہ نشان بالکل ہلکے ہوجاتے ہیں لیکن گرمیوں میں یہ نشان زیادہ واضح ہوجاتے ہیں جو کہ بہت برے لگتے ہیں نہانے سے یہ نشان ہلکے ہوجاتے ہیں اور ان پر خشکی سی ابھر جاتی ہے۔ دو تین دن بعد دوبارہ یہ نشان ظاہر جاتے ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں یہ اگزیما کے داغ ہیں میں بہت پریشان ہوں برائے مہربانی مجھے اس کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ ARSENIC ALB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں نشان صاف ہونے کے بعد بند کردیں۔

حمیرا شہزادی گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میں یہ خط بڑی امید کے ساتھ لکھ رہی ہوں آپ میرے مسائل ان شاء اللہ ضرور حل کریں گے پہلا مسئلہ میرا قد چھوٹا ہے عمر 21.20 سال ہوگی دوسرا نسوانی حسن کی کمی ہے۔ تیسرا میرے منہ کے اندر تالو پر بہت زیادہ خارش ہوتی ہے بہت ساری دوائیاں استعمال کی ہیں لیکن کوئی فرق نہیں پڑا چوتھا میرے منہ سے بہت زیادہ بو آتی ہے جس کی وجہ سے میں کسی سے بھی بات نہیں کرتی۔ پانچواں مسئلہ میری پلکوں کے بال بہت زیادہ اترتے ہیں کیا یہ کسی بیماری کی وجہ سے اترتے ہیں یا ویسے ہی اگر بیماری ہے تو دوا ضرور بتائیں۔ اللہ آپ کو صحت و تندرستی اور لمبی عمر عطا فرمائے، آمین۔

محترمہ آپ کی عمر 21 سال ہوچکی ہے قد بڑھنے کی یا حسن نسواں میں بہتری آنے کی عمر نکل چکی ہے منہ کی تکلیف کے لیے BORAX-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ پلکوں کے بالوں کیلئے میرے کلینک سے ہیئر گروور منگوالیں۔

زاہد علی ملتان سے لکھتے ہیں کہ میں آنچل رسالے میں آپ کا کالم باقاعدگی سے پڑھتا ہوں اور آپ کی تجویز کردہ دواؤں سے بارہا فائدہ اٹھا چکا ہوں اب دو مسئلے ذرا پریشان کن ہیں ان کی دوا تجویز کردیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ مسئلہ نمبر ایک میرا بیٹا 5 سال کا ہے عرصہ ڈھائی سال سے اس کی ٹانگوں میں شام کے وقت شدید درد ہوتا ہے اور وہ تکلیف سے بے حال ہوجاتا ہے روزانہ اس کو بروفن سیرپ شام کے وقت دینا پڑتا ہے ویسے تو ہر چیز کھاتا پیتا ہے لیکن دیکھنے میں بہت کمزور اور دبلا پتلا لگتا ہے ہم نے بہت سے ڈاکٹروں سے علاج کرایا مگر وہ سب طاقت کے سیرپ لکھ دیتے ہیں جن سے شروع میں وقتی طور پر فائدہ ہوتا ہے پھر وہی حالت آپ اچھی سے دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ MAG PHOS-6X کی 4 گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔ ان شاء اللہ درد سے نجات ملے گی۔

سعدیہ اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں ایفروڈائٹ کیلئے پیسے بھیج رہی ہوں میرے اور میرے بہنوں کے چہرے پر بال ہیں ایفروڈائٹ کے ساتھ کچھ کھانے کی دوا بھی بتائیں تاکہ جلدی بالوں کا خاتمہ ہو۔

محترمہ آپ OLIUM JACC-3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھایا کریں ایفروڈائٹ کا استعمال بھی جاری رکھیں۔

حیدر سلطان آزاد کشمیر سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 37 برس ہے 10 سال شادی کو ہوگئے ہیں اس عرصے

میں بہت علاج کرائے مگر ازدواجی تعلق صحیح طور پر قائم نہیں کرسکا بہت شرمندگی ہوتی ہے بڑی امید کے ساتھ آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں اور میری بیوی کا پیٹ بھی بہت بڑھا ہوا ہے اس کے لیے بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ NUPHUR LATA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کرتین وقت روزانہ پیا کریں اور بیگم کو CALC FLOUR-6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔

ردا فاطمہ ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میں بڑی امید کے ساتھ اپنا مسئلہ لکھ رہی ہوں، میری عمر 21 سال ہے اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں جب میں 4 یا 5 سال کی تھی تو کھانا کھانے کے بعد میرے پیٹ میں درد ہوتا تھا پیٹ خراب رہتا تھا تو ڈاکٹر نے مجھے بتایا تھا کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں مجھے کیڑوں کے خاتمے کے لیے دوائی کھلائی گئی تو میں ٹھیک ہوگئی مگر کچھ عرصے بعد پھر وہی حال ہونے لگا جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی میں بہت کمزوری ہوگئی مجھے بہت بھوک لگتی ہے اور میں پیٹ بھر کر کھاتی ہوں مگر پھر بھی مجھے خون کی شدید کمی ہے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ہیں منہ پر پیپ والے دانے بنتے ہیں جب میں سو کر اٹھتی ہوں تو آنکھیں سوجھی ہوتی ہیں اکثر قبض رہتا ہے یا موشن لگ جاتے ہیں اب ڈاکٹر نے مجھے پھر کیڑے بتائے ہیں پلیز اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ CINA-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کرتین وقت روزانہ پیا کریں اس کے علاوہ GRAPHITES-200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن پیا کریں۔ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا یہ ادویات آپ کو کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائے گی۔

فرخ نزیر سعید نگر ایس ایف ڈی سے لکھتے ہیں کہ میرے سر کے بال بہت کمزور ہیں نشوونما کا عمل رک گیا ہے میں نے 1400 روپے کا منی آرڈر آپ کے کلینک کے نام پتے پر کردیا ہے اس امید پر کہ آپ کی دوا سے مجھے ضرور شفا حاصل ہوگی۔

محترمہ آپ ہیئر گروور کا استعمال پابندی سے کریں۔ تین چار بوتل کے استعمال پر آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

سارا صنم چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں کہ میں آنچل ڈائجسٹ میں آپ کی صحت کا کالم کافی سالوں سے پڑھ رہی ہوں بہت خوشی ہوتی ہے جب لوگ آپ سے اپنے مسائل ڈسکس کرتے ہیں اور آپ ان کی رہنمائی کرتے ہیں میرا بھی ایک مسئلہ ہے مجھے موٹاپا ہے میرا جسم بہت بھاری اور بے ڈھنگا ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کرتینوں وقت کھانے سے پہلے پی لیا کریں جب وزن کم ہوجائے تو دوا چھوڑ دیں۔

آمنہ خان آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں اس کے لیے کوئی بہتر اور مفید دوا کا بتادیں اور یہ بھی کہ کیا یہ دوا ہمارے ہاں میسر ہے بالوں کو جلدی ختم کرنے کے لیے بھی کوئی دوا بتادیں میں بذریعہ منی آرڈر کیا منگوا سکتی ہوں پلیز جواب ضرور دیں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کی تین چار بوتل کے استعمال سے ان شاء اللہ فالتو بال مستقل طور پر ختم ہوجائیں گے۔

ثناء لکھتی ہیں کہ آپ کا ہیئر گروور استعمال کررہی

ہوں بال گرنے بند ہوگئے ہیں مگر لمبے نہیں ہوئے اس کے ساتھ مزید کوئی دوا بتائیں۔ دوسرا مسئلہ میری بہن اور بھائیوں کا ہے ان کے قد نہیں بڑھتے اس کا بھی کوئی علاج بتائیں اور تیسرا مسئلہ میری دوست کا ہے اس کے چہرے پر دانے نکلتے ہیں اس کا بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ HAIR GROWER کا استعمال جاری رکھیں مزید 4 بوتل کے استعمال سے آپ کے بال لمبے گھنے اور مضبوط ہوں گے قد بڑھانے کے لیے CALC PHOS-6X کی چار چار گولی تینوں وقت روزانہ کھانے سے پہلے کھایا کریں اس کے علاوہ BARIUM CARB-200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہرآٹھویں دن دیں اور چہرے کے دانوں کے لیے GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

بلال احمد حاصل پور سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں میں بڑی امید سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں اچھی سی دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ AGNUS CAST-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ پیا کریں۔

سدرہ عباس گجرات سے لکھتی ہیں کہ بڑی ہی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں میرے ساتھ تین مسائل ہیں مجھے کسی نے کہا ہے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کرلو تمہارے سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں کریم لگاتی رہوں تو چھپی رہتی ہیں اگر دو دن کریم نہ لگاؤں تو فوراً ابھر آتی ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر دانے نکلتے ہیں سرخ رنگ کے موٹے جو داغ چھوڑ جاتے ہیں۔ تیسرا مسئلہ میری اسکن صاف ستھری ہوجائے تین ماہ بعد میری شادی ہے پلیز دوا بتادیں۔

محترمہ آپ BERBARIS AQUIF-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور GRAPHITES-200 کے پانچ قطرے ہرآٹھویں دن ایک مرتبہ پیا کریں۔

وسیم سجاد اٹک سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں دوسرا میری کزن کا مسئلہ ہے سر میں خشکی ہے بال بہت گر رہے ہیں اس کے علاوہ اس کے چہرے پر بھی بال ہیں اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ AGNUS CAST-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تینوں وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے نام پتے پر ارسال فرمائیں ہیئر گروور آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے خشکی ختم ہوجائے گی بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس 75 کراچی۔

کام کی باتیں

حنا احمد

قربانی کی اہمیت:۔

ایام قربانی میں قربانی ایسی نیکی ہے جس کا کوئی اور بدل نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''ایام قربانی (دس تا بارہ ذی الحجہ) میں انسان کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے روز قربانی کا یہ جانور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے سینگوں' بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا اور بلاشبہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مرتبہ وقبولیت پالیتا ہے تو (اے مومنو!) خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے موقع پر امت کو بھی یاد فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالے سینگوں والا مینڈھا قربانی کے لیے منگوایا اور فرمایا۔ ''عائشہ! چھری لاؤ۔'' پھر فرمایا۔ ''اسے پتھر پر رگڑ کر تیز کرو۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے کو لٹایا اور فرمایا۔ ''اللہ کے نام سے' اے اللہ تو اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم' آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قبول فرما۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ذبح کردیا۔

ایک ہی قربانی میں پوری امت کو شریک کرنا' یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے قربانی کرنا' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی پسندیدہ امر ہے (واللہ اعلم بالصواب)

قربانی کا گوشت اور خواتین

قربانی کے بعد گھر کی خواتین کا کام شروع ہوجاتا ہے' گوشت کی تقسیم اور حفاظت کے لیے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس دوران انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے سب سے پہلا مرحلہ تو قربانی کے گوشت کی تقسیم کا ہوتا ہے۔

گوشت کے حصے بنانے میں خواتین کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ خواتین کو چاہیے کہ قربانی کے گوشت کی تقسیم میں بھی انصاف اور عدل سے کام لیں اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اصول سے کام لیں۔ قربانی کے گوشت کے تین حصے برابر کریں اور تقسیم کا عمل اسی طرح کریں جو اسلام نے ہمیں بتایا ہے۔ ایک حصہ اپنے لیے رکھ لیں' دوسرا حصہ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کردیں تیسرا حصہ رشتہ داروں اور احباب و عزیزوں میں تقسیم کردیں۔ کسی کو کم نہ کسی کو زیادہ دیں کیونکہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ گوشت دینے کا طریقہ درست نہیں۔

گوشت کی تقسیم کا سلسلہ عید کے پہلے روز زیادہ ہوتا ہے' خواتین تو کافی مصروف رہتی ہیں گوشت کو تقسیم کرنا' آئے ہوئے گوشت کو محفوظ کرنا اور گھر والوں کے لیے گوشت کی ڈشز بنانا بس یوں سمجھیے کہ عید کی خوشیوں کو دوبالا کرنے میں خواتین کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

بقر عید جیسے جیسے قریب آتی ہے اس کی تیاریوں میں اضافہ اور جوش وخروش بڑھتا چلا جاتا ہے۔ عید کی تیاریوں کے اعتبار سے ہر کوئی اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے۔ ان تیاریوں میں خواتین کی تیاریاں سب سے زیادہ ہوتی ہیں کیونکہ انہیں عید کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ گھریلو امور بھی خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے انجام دینے پڑتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی مصروفیات بھی زیادہ ہوتی ہیں بلکہ قربانی کے بعد تو صرف اور صرف خواتین کی مصروفیات رہ جاتی ہیں۔

ساتھ ساتھ مہمانوں' عزیز واقارب کی آمد و رفت بھی جاری رہتی ہے۔ ان کی خاطر تواضع بھی خواتین کی ہی ذمہ داری ہوتی ہے۔ سمجھ دار خواتین عید کی آمد سے قبل ہی بہترین منصوبہ بندی کرلیتی ہیں جس کے بہتر نتائج عید کے مصروف ترین دن میں سامنے آتے ہیں مثلاً پورے گھر اور کچن وغیرہ کی مکمل صفائی' تمام ضروری اشیاء کی خریداری وغیرہ وغیرہ۔ عید کے دن استعمال میں آنے والے برتن' دسترخوان' تولیے وغیرہ نکال لیں' گوشت تقسیم کرنے اور محفوظ رکھنے کے لیے پلاسٹک کی تھیلیاں پہلے سے خرید کر رکھ لیں ان ضروری امور کی بہ احسن انجام دہی میں خواتین کی

سلیقہ مندی اور سگھڑ پن نظر آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ عید کے دن ہر گھر میں کاموں کا ڈھیر ہوتا ہے لیکن ان مناسب منصوبہ بندی اور سلیقہ مندی کے ساتھ ان کاموں سے با آسانی نبٹا جاسکتا ہے۔

درحقیقت سارا مسئلہ وقت اور تمام کاموں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا ہے یعنی خواتین اپنے گھریلو کاموں کی اس طرح منصوبہ بندی کریں کہ ہر کام مناسب طریقے سے ہو اور کسی دوسرے کام میں خلل نہ پڑے یہی سلیقہ مند خواتین کا سارا کمال ہوتا ہے۔

بقر عید اور کچن

کچن کی اصل رونق خواتین سے ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر عورت کا سلیقہ دیکھنا ہو تو اس کے باورچی خانے کو دیکھ لو اور حقیقت ہے کہ عورت ہی گھر کے باورچی خانے کو آباد کرتی اور آباد رکھتی ہے اور بات اگر عید بلکہ بقر عید کی ہو تو خواتین کا زیادہ تر وقت باورچی خانے میں ہی گزرتا ہے۔

بقر عید کے موقع پر چونکہ ہر گھر میں گوشت کی فراوانی ہوتی ہے اس لیے خواتین کی زیادہ توجہ اور دلچسپی گوشت کے مختلف اقسام کے پکوان تیار کرنے میں ہوتی ہے۔

لہٰذا سگھڑ خواتین اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہیں اور گوشت کی موجودگی کی وجہ سے وہ طرح طرح کے نت نئے، چٹ پٹے اور مزے دار کھانے تیار کرتی ہیں جو عید قرباں کی رونقوں کو دوبالا کردیتے ہیں۔

عید قرباں کے خصوصی پکوانوں کی تیاری میں استعمال ہونے والے لوازمات اگر عید سے ایک دن پہلے تیار کرلیے جائیں تو خواتین عید کا سارا دن کچن میں نہ گزاریں بلکہ انہیں بقر عید کی خصوصی ڈشز نہایت کم وقت میں بنا کسی اضافی جھنجھٹ کے تیار کرنے میں سہولت مل جائے گی مثلاً پہلے سے یہ طے کرلیا جائے کہ عید کے دن کیا پکانا ہے اکثر گھرانوں میں سب سے پہلے کلیجی پکائی جاتی ہے لہٰذا کلیجی کے لحاظ سے مصالحہ جات تیار کرلیں اسی طرح دوسرے کھانوں کی تیاری کے حساب سے مصالحہ جات تیار کریں تو بڑی آسانی رہے گی۔

جیسے ایک دو روز قبل پیاز تیل میں سرخ کرلیں یعنی بگھار تیار کرکے رکھ لیں، ٹھنڈا ہونے پر صاف اور ہوا بند پولی تھین میں رکھ لیں۔ ادرک، لہسن کا پیسٹ تیار کرکے صاف بوتل میں رکھ کر فریج میں رکھ لیں، یہ پیسٹ تقریباً ہر کھانے میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کی تیاری سے سہولت حاصل ہوگی۔ پودینہ دھو کر پتیاں خشک کرلیں اور اسے ٹماٹر، مرچیں اور ہرے دھنیے کی طرح خاکی کاغذ میں رکھ کر فریج میں رکھ دیں۔

عید قرباں کے موقع پر چونکہ پکوانوں میں فقط گوشت ہی استعمال ہوتا ہے اس لیے ان باتوں کا خیال رکھیں کہ گوشت خوب اچھی طرح سینک کر یا ابال کر کھائیں۔ دہی، سلاد، پیاز، پودینے اور لیموں کا زیادہ استعمال کرنے سے گوشت کے مضر اثرات کو روکا جاسکتا ہے۔ باربی کیو پکوانوں کو خوب اندر تک گلا کر استعمال کریں ورنہ تیزابیت کی شکایت ہوسکتی ہے۔

تازہ قربانی کے گوشت کو بہت کم گھی یا تیل میں پکائیں کیونکہ یہ بالکل تازہ گوشت ہوتا ہے جو تیزی سے گل بھی جاتا ہے اور اس میں قدرتی روغن بھی وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے لہٰذا اضافی چکنائی کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اس کی اضافی شمولیت صحت پر مضر اثرات مرتب کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔

گوشت کے ساتھ اگر سبزیاں اور سلاد کھائیں تو اس کے مضر اثرات میں کمی واقع ہوتی ہے۔ گوشت کے ہر پکوان میں لیموں کا رس ضرور استعمال کریں۔

لیموں بے حد مفید پھل اور گوشت کے ساتھ لیموں کا رس بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

تھوڑی سی احتیاط سے عید قرباں کی خوشیوں کو صحیح طریقے سے انجوائے کیا جاسکتا ہے اور بقر عید کی رونقوں اور اس موقع پر خصوصی طور پر تیار کیے جانے والے چٹ پٹے اور مزے مزے کے پکوانوں کا صحیح لطف اٹھایا جاسکتا ہے۔

حنا کے رنگ
آنچل کے سنگ